قصص الانبیاء

قرآن و احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں

ماخوذ از البدایہ والنہایہ

تالیف / امام ابو الفداء ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

دارالسلام

قصص الانبیاءؑ
قرآن کریم و احادیث صحیحہ کی روشنی میں

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • الخبر • شارجہ
لاہور • لندن • ہیوسٹن • نیویارک

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون:4033962-4043432 1 00966 فیکس:4021659

E-mail: riyadh@dar-us-salam.com - darussalam@awalnet.net.sa

Website: www.dar-us-salam.com

❶ طریق مکہ۔العلیا۔الریاض فون:4614483 1 00966 فیکس:4644945

❷ شارع الاربعین۔الملز۔الریاض فون:4735220 فیکس:4735221

❸ جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270

❹ الخبر فون:8692900 3 00966 فیکس:8691551

شارجہ : فون:5632623 6 00971 فیکس:5632624

امریکہ : ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس:7220431

❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس:6251511

لندن: فون:4885 539 208 0044 فیکس:4889 539 208

ملائیشیا: کوالالمپور فون:9750 7710-603 فیکس:0749 7710-603

پاکستان (ہیڈ آفس ومرکزی شوروم)

❶ 36-لورمال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون:7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس:7354072

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون:7120054 فیکس:7320703

کراچی شوروم: Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ (بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال) کراچی

فون:0092-21-4393936 فیکس:4393937

Email: darussalamkhi@darussalampk.com

لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب

"یقیناً ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔"

قصص الانبیاء

قرآن و احادیث صحیحہ کی روشنی میں

ماخوذ از البدایہ والنہایہ

تالیف

امام ابو الفدا ابن کثیر الدمشقی

ترجمہ

مولانا عطاء اللہ ساجد حفظہ اللہ

فاضل مدینہ یونیورسٹی

اعداد

شعبہ تصنیف و تالیف

دار السلام لاہور

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

DARUSSALAM

فہرست مضامین

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

عمومی تباہی سے دوچار ہونے والی اقوام

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت عزیر علیہ السلام

حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

حضرت خضر علیہ السلام

حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت یسع علیہ السلام

حضرت شمویل علیہ السلام

حضرت داود علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام

عرضِ ناشر

خالق کائنات نے آدم وحواء علیہما السلام اور بنی آدم کو روئے زمین پر بسایا تو مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان میں گمراہیاں در آئیں حتیٰ کہ وہ خالص توحید چھوڑ کر اصنام پرستی میں کھو گئے۔ ان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے پے بہ پے انبیاء ورسل علیہم السلام مبعوث فرمائے جنھوں نے رشد وہدایت کی راہیں روشن کیں، وحدانیت کا پرچار کیا اور گمراہ انسانوں کو رب تعالیٰ کے راستے پر چلانے میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ ان نفوس قدسیہ نے انسانیت کو شرک وضلالت اور بت پرستی کے اندھیروں سے نکال کر توحید خالص کی راہ دکھائی۔ وہ انسانوں کے لیے بشیر ونذیر تھے اور ان کے خیر خواہ تھے۔ وہ ان کی روحانی وجسمانی آلائشیں دور کر کے انہیں پاکیزگی اور صدق وصفا والی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ وہ گمراہوں کو اللہ کے غیظ وغضب سے بچانا چاہتے تھے، وہ باطل پرستوں کو اللہ اور صرف اللہ کی عبادت واطاعت کا درس دیتے تھے۔ تبلیغ و اصلاح کے اس فریضے کی ادائیگی میں انہیں بے پناہ مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ اور اس کے دین کے باغیوں نے ان مقدس ہستیوں کے آگے مخالفتوں کے پہاڑ کھڑے کیے، ان کا تمسخر اڑایا، ان کے درپئے آزار ہوئے۔ کفر وشرک کے علمبرداروں نے اپنی جھوٹی خدائی قائم رکھنے کے لیے اللہ کے پیغمبروں کو ستانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ابلیس لعین کے آلۂ کار بنتے ہوئے انبیاء پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے میں کوئی عار محسوس نہ کی حتیٰ کہ کسی نبی کو جلتی آگ میں پھینکا گیا، کسی کا سر قلم کیا گیا اور کسی کو آرے سے چیرا گیا لیکن آفرین ہے ان پاکیزہ نفوس پر کہ ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی اور وہ کلمۂ حق کی سربلندی اور توحید خالص کی تبلیغ واشاعت کے لیے، ہر حال میں، زندگی کے آخری سانسوں تک کوشاں رہے۔

قصص الانبیاء انہی مقدس انسانوں کا ذکرِ جمیل اور ان کی پاکیزہ زندگیوں کا خوبصورت مرقع ہے۔ یہ کتاب مشہور مفسر قرآن اور محدث ومؤرخ امام ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی دمشقی رحمہ اللہ کی مشہور تالیف البدایہ والنھایہ سے ماخوذ ہے۔ آپ امام حافظ ابن کثیر کے نام سے معروف ہیں۔ آپ 700 یا 701 ہجری میں بصری الشام میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں والد ماجد کے ہمراہ دمشق منتقل ہو گئے۔ حصول علم کے لیے انھوں نے مختلف مقامات کے سفر کیے اور ابن الفرکاح، ابن عساکر، عفیف الدین الآمدی، جمال الدین یوسف المزی، تقی الدین احمد ابن تیمیہ، شمس الدین محمد الذہبی اور شمس الدین اصفہانی رحمہم اللہ جیسے مشائخ سے اکتسابِ فیض کیا۔ انھیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھ قربت اور مصاحبت کا خصوصی تعلق تھا جس نے ان کی زندگی پر گہرے نقوش مرتب کیے۔ ابن تغری حنفی رحمہ اللہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''انھوں نے علم اور مطالعۂ حدیث کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا...... وہ فقہ، تفسیر اور حدیث میں ممتاز مقام پر فائز ہوئے...... حدیث، تفسیر، فقہ اور

عربی زبان وغیرہ میں وسیع الاطلاع اور بے پایاں معلومات کے حامل تھے۔ وہ تاحیات مسند فتویٰ اور مسند درس و تدریس پر متمکن رہے اور فی الواقع اس کے اہل بھی تھے۔'' امام ابن کثیر رحمہ اللہ 774 ہجری میں دمشق میں انتقال فرما گئے۔ انہوں نے تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ وغیرہ میں نہایت گرانقدر اور معرکہ آرا کتب تحریر فرمائی ہیں، مثلاً:

تفسیر القرآن الکریم: یہ شہرہ آفاق کتاب ''تفسیر ابن کثیر'' کے نام سے معروف ہے جو تفسیر القرآن بالماثور کے اصول پر لکھی گئی ہے۔ دارالسلام نے اس گرانمایہ تفسیر کو انگریزی میں ترجمہ کرا کے شائع کیا ہے اور اس کی ''تہذیب'' کر کے اسے ''المصباح المنیر فی تهذیب تفسیر ابن کثیر'' کے نام سے شائع کرنے کی سعادت بھی حاصل کی ہے، نیز اس عظیم الشان تفسیر کے اُردو ترجمے کا کام آخری مراحل میں ہے جس کی اشاعت کا شرف عنقریب دارالسلام کو حاصل ہوگا۔

جامع المسانید: اس میں کتب ستہ، مسند امام احمد بن حنبل، مسند البزار، مسند ابی یعلیٰ الموصلی اور طبرانی کی مجموعہ روایات کے علاوہ دیگر کتب کی ایک لاکھ سے زیادہ احادیث بیان کی گئی ہیں۔

البدایة والنهایة: یہ ایک معرکہ آرا تاریخی تصنیف ہے جس میں امام صاحب نے قرآن کریم اور حدیث شریف میں مذکور انبیاء و رسل اور سابقہ اقوام و امم کے قصے اور واقعات ترتیب وار بیان کیے ہیں، نیز سیرت النبی، خلافت راشدہ اور اپنے عہد تک کی مکمل تاریخ بیان کر دی ہے۔ قصص الانبیاء بھی اسی تصنیف لطیف سے ماخوذ ہے۔

الاجتهاد فی طلب الجهاد: یہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین صلیبی جنگوں اور ان جہادی معرکوں کی مفصل داستان ہے جو سلطان نورالدین زنگی، سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے جانشینوں نے بیت المقدس، فلسطین اور شام و مصر کے ساحلی علاقوں کو یورپی مسیحیوں کے ناپاک تسلط سے چھڑانے کے لیے سر کیے۔

امام موصوف کی تصانیف کی مجموعی تعداد 23 سے زائد ہے۔

ہماری درخواست پر فضیلۃ الشیخ مولانا عطاء اللہ ساجد حفظہ اللہ فاضل مدینہ یونیورسٹی نے قصص الانبیاء کو عربی سے اردو میں ڈھالا اور بہت خوب ترجمہ کیا۔ مولانا محمد اجمل حفظہ اللہ فاضل مدینہ یونیورسٹی نے کتاب کی تخریج کی اور ابواب کے اختتام پر ''نتائج و فوائد اور عبرتیں و حکمتیں'' لکھ کر اس کی افادیت بہت بڑھا دی ہے۔

قصص الانبیاء (اُردو) کی ترتیب و تنقیح حافظ آصف اقبال حفظہ اللہ نے کی ہے۔ پروف ریڈنگ کی ذمے داری مولانا عثمان منیب حفظہ اللہ اور محسن فارانی صاحب نے نبھائی اور آخرالذکر نے بعض مختصر حواشی لکھے ہیں۔ محمد ندیم کامران، جاوید اقبال اور عبدالجبار نے کتاب کی کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے فرائض احسن طور پر ادا کیے۔ اس طرح انبیائے کرام کے پاکیزہ حالات پر یہ گرانقدر تصنیف بہت بہتر شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، چنانچہ قارئین اللہ تعالیٰ کے انبیائے کرام علیہم السلام کی بابرکت زندگیوں، ان کے مجاہدوں اور ان کی تبلیغی کاوشوں کے حالات پڑھ کر عبرت و حکمت کے گرانقدر موتیوں سے اپنی

جھولیاں بھر سکتے ہیں جن کی آب وتاب سے ان کی زندگی کے روز وشب مستنیر ہوں گے۔

قصص الانبیاء (اُردو) کی خصوصیات: ○ عربی کتاب کا اسلوب سپاٹ اور عنوانات کے بغیر تھا جسے آسان بنایا گیا ہے۔

○ جا بجا عناوین قائم کیے گئے ہیں جن سے مطالعے میں بہت سہولت ہوگئی ہے۔

○ دورنگوں میں خوبصورت طباعت جاذب نظر اور افادیت کی حامل ہے۔

○ کتاب مفید نقشوں سے مزین ہے جن میں انبیاء علیہم السلام کی جائے پیدائش، مقامات ہجرت، مساکن اور جائے وفات ظاہر کیے گئے ہیں۔ ان معلوماتی نقشوں سے کتاب کی افادیت دو چند ہوگئی ہے۔

○ تخریج وتحقیق کے ذریعے صحیح اور مرفوع احادیث پیش کی گئی ہیں اور ضعیف روایات نکال دی گئی ہیں۔

○ کتاب کا طرزِ بیان نہایت سادہ اور دلنشیں ہے۔

○ ابواب کے آخر میں ''نتائج وفوائد اور عبرتیں وحکمتیں'' کے عنوان سے جو مفید اضافے شامل کیے گئے ہیں، ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہم اپنی عملی زندگی میں ان قرآنی قصص سے کس طرح استفادہ کر سکتے ہیں۔

○ کتاب میں بعض مقامات پر حسن ترتیب کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

○ انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص پر مشتمل متن قرآن مجید خوبصورت خطاطی میں کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔

ان خصوصیات کی بنا پر قصص الانبیاء کا یہ ایڈیشن بلا مبالغہ علمی، تحقیقی اور جدید اسلوب کا حامل بن گیا ہے جسے قارئین یقیناً پسند فرمائیں گے۔

قصص الانبیاء (اُردو) کی تیاری وطباعت کا کام عزیزم حافظ عبدالعظیم اسد، مدیر دارالسلام لاہور کی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے، میں ان کا اور اس کتاب کی تیاری میں شریک دارالسلام کے جملہ کارکنان کا بہت ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے!

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو پسند فرمائیں تو ارحم الراحمین سے ہمارے حق میں قبولیت ومغفرت کی دعا ضرور فرمائیں۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام: الریاض، لاہور۔

رمضان المبارک: 1425 ہجری بمطابق اکتوبر: 2004ء

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے بہترین اور خوبصورت واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں بے شمار حکمتیں اور عبرتیں پوشیدہ ہیں۔ان واقعات کو بیان کرنے کے کئی مقاصد ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

- نبی کریم ﷺ کو گزشتہ امم کے حالات سے آگاہ کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾

''ہم آپ کے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں،اس لیے کہ ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن وحی کے ذریعے سے نازل کیا ہے اوراس سے پہلے آپ یقیناً بے خبر تھے۔'' (یوسف: 3/12)

- پہلے انبیاء اور اقوام کے قصص سے باخبر کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾

''یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں،جن میں سے بعض کے واقعات ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اوران میں سے بعض کے قصے تو ہم نے آپ کو بیان ہی نہیں کیے۔'' (المؤمن: 78/40)

اصحاب کہف کی بابت فرمایا:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ﴾

''ہم ان کا صحیح واقعہ آپ کے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔'' (الکھف: 13/18)

- نبی اکرم ﷺ کو تسلی اور تسکین پہنچانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾

''رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔آپ کے پاس اس صورت میں حق پہنچ چکا، جو مومنوں کے لیے نصیحت اور وعظ ہے۔'' (ھود: 120/11)

- عبرت ونصیحت کا اہتمام: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ

﴿ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾

''ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے۔ یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں، بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں، ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والا اور ایمان دار لوگوں کے لیے ہدایت ورحمت ہے۔'' (یوسف: 111/12)

غور وفکر کی دعوت: ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾

''(اے نبی! ان لوگوں کے سامنے) واقعات بیان کیجیے، تا کہ وہ غور وفکر کریں۔'' (الأعراف: 176/7)

تخلیق آدم علیہ السلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مکالمہ

قرآن مجید میں بیان ہونے والے بہترین قصوں میں سے ایک قصہ بنی نوع انسان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی ہیں۔ آپ کا قصہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں متعدد پیرائے میں بیان ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں اس قصے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً ۖ قَالُوْٓا أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيْٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ قَالَ يٰٓاٰدَمُ أَنْۢبِئْهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ أَنْۢبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّيْٓ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ ۖ أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ ﴾

''اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا: کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ؟ انہوں نے کہا: تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (تب) اللہ نے (آدم کو) حکم دیا: آدم! تم ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ! جب انہوں نے ان کے نام بتائے تو (اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے) فرمایا: کیوں! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر ہو گیا اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا' نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (عیش ونشاط) میں تھے، اس سے ان کو نکلوا دیا۔ تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے پھر آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا بیشک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے۔ ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔'' (البقرۃ: 2/30-39)

ہم نے ان آیات کی مفصل وضاحت ''تفسیر'' میں کر دی ہے یہاں ہم صرف ان آیات کا مختصر مفہوم بیان کرتے ہیں:

﴿ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ ''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تخلیق کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ جن کی ہر نسل پہلی نسل کی جگہ لے گی۔ جیسے کہ ایک اور مقام پر فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ﴾ ''وہ تمہیں

زمین میں خلیفہ بناتا ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تخلیق کی خبر دی، جس طرح کسی بھی عظیم کام کو وجود میں لانے سے پہلے خبر دی جاتی ہے۔ فرشتے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں مزید معلومات اور اس کی حکمت جاننے کے خواہش مند تھے' اس لیے انہوں نے عرض کی: ﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ "کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے۔"

اس سوال کا مقصد نہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا تھا نہ بنی آدم کے مقام ومرتبہ کا انکار مقصود تھا اور نہ انہیں انسانوں سے حسد تھا جیسے کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے بلکہ اس سوال کا مقصد محض اس کی حکمت معلوم کرنا اور مزید معلومات حاصل کرنا تھا۔

قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "فرشتوں کو معلوم تھا کہ یہ صورت حال پیش آنے والی ہے کیونکہ انہوں نے آدم علیہ السلام سے پہلے زمین میں آباد ہونے والی مخلوقات (مثلاً جنات) کے حالات دیکھے تھے۔"[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "جن آدم علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے سے زمین پر آباد تھے۔ انہوں نے قتل وغارت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا، جنہوں نے ان (فسادی جنوں) کو سمندروں کے (دور دراز) جزیروں کی طرف دھکیل دیا۔"[2]

اس تجربے کے پیش نظر انہوں نے کہا: ﴿ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾ "اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی تیری نافرمانی نہیں کرتا۔ اگر انسانوں کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ تیری عبادت کریں تو ہم موجود ہیں جو دن رات کسی کوتاہی یا اکتاہٹ کے بغیر تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ "جو کچھ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔" یعنی مجھے ان کی تخلیق کی وہ حکمت معلوم ہے، جو تم نہیں جانتے۔ یعنی ان میں نبی، رسول، صدیق، شہداء اور نیک لوگ پیدا ہوں گے۔

آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر علمی برتری: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی علمی فوقیت واضح فرمائی' ﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾ "اور آدم کو تمام نام سکھا دیے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اس سے مراد ان چیزوں کے نام ہیں، جن سے لوگ ان چیزوں کو پہچانتے ہیں اور ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھاتے ہیں۔" (یعنی وہ چھوٹی بڑی اشیا جن سے روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے مثلاً: انسان، حیوان، زمین، میدان، سمندر، پہاڑ، اونٹ اور گدھا وغیرہ۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اللہ نے انہیں رکابی اور ہنڈیا کا نام بھی سکھایا۔ ہر جانور، ہر پرندے اور ہر چیز کا نام

[1] تفسیر ابن کثیر: 129/1، تفسیر سورۃ البقرہ، آیت: 30

[2] المستدرك للحاكم: 261/2

سکھایا۔'' حضرت سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر علماء رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ حضرت ربیع رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے انہیں فرشتوں کے نام سکھائے۔'' حضرت عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ان کی اولاد کے نام سکھائے۔''[1]

زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ انہیں چھوٹی بڑی اشیا اور ان کے افعال و حرکات کے نام سکھائے گئے۔ جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن مومن جمع ہو کر کہیں گے کہ اگر ہم کسی سے اللہ کے سامنے سفارش کروائیں (تو اس مشکل مرحلہ سے نجات مل جائے)' چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: آپ تمام انسانوں کے جد امجد ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو تمام اشیا کے نام سکھائے' اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش فرمائیے تاکہ ہمیں اس مرحلے سے نجات نصیب ہو۔''[2]

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔'' کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ جو مخلوق بھی پیدا فرمائے گا، ہمارے پاس اس سے زیادہ علم ہوگا' چنانچہ ان کا امتحان لیا گیا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''اگر تم سچے ہو۔''

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ ''فرشتوں نے کہا: اے اللہ! تیری ذات پاک ہے، ہمیں تو صرف اتنا علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے۔ تو ہی پورے علم و حکمت والا ہے۔'' کا مطلب یہ ہے: ''اے اللہ! تو پاک ہے۔ کوئی بھی تجھ سے علم حاصل نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو تو نے انہیں سکھایا۔'' جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ﴾

''وہ اس کے علم میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے مگر جو وہ (خود دینا) چاہے۔'' (البقرۃ:2:255)

اسی طرح درج ذیل فرمان الٰہی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر اور پوشیدہ امور کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے:

﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 1/ 130، 131، تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت: 31-33

[2] صحيح البخاري، التفسير، باب قول الله تعالىٰ "وعلم آدم الأسماء كلها" حديث: 4476 وصحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حديث: 193

﴿ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾

''اللہ تعالیٰ نے (آدم کو) حکم دیا کہ تم ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ' جب انہوں (آدم) نے اُن کے نام بتائے تو اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا: کیوں! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے۔'' (البقرۃ: 33/2)

ایک قول کے مطابق ﴿ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ ﴾ ''میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو'' سے مراد فرشتوں کا یہ کہنا ہے: ﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا ﴾ ''کیا تو زمین میں وہ مخلوق پیدا کرے گا جو اس میں فساد کرے۔'' اور ﴿ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾ ''جو تم چھپاتے تھے۔'' اس سے مراد ابلیس کا اپنے دل میں تکبر کا جذبہ رکھنا اور آدم علیہ السلام سے افضل ہونے کا خیال ہے۔ حضرت سعید بن جبیر، مجاہد، سدی، ضحاک، ثوری اور ابن جریر رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾ سے فرشتوں کے اس خیال کی تردید مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا جو ہم (فرشتوں) سے زیادہ علم والی اور زیادہ معزز ہو۔ [1]

تخلیق آدم و حواء علیہما السلام اور فرشتوں کا سجدہ

اللہ تعالیٰ عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت کے رد کے ساتھ ساتھ آدم علیہ السلام کی تخلیق کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾

''عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ انسان ہو گئے۔'' (آل عمران: 59/3)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجر میں آدم علیہ السلام اور جنوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے۔ نیز ابلیس کے سجدے سے انکار کے بعد اس پر لعنت کی ہے۔ ابلیس نے لعنتی قرار پانے پر بنی آدم کی دشمنی کا اعلان کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے تا قیامت اس کی مہلت طلب کی۔ اس واقع کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَاۗنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ

[1] تفسیر ابن کثیر: 131/1' تفسیر سورۃ البقرۃ' آیت: 33

﴿خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝﴾

''اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے۔ اور جنوں کو اس سے پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ تو جب میں اس کو (صورت انسانیت میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو فرشتے سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔ مگر ابلیس! اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ (اس نے کہا:) میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو، جسے تو نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے بنایا ہے سجدہ کروں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: یہاں سے نکل جا! تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برسے گی۔) (اس نے) کہا کہ پروردگار! مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کیے جائیں گے۔ فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے وقت مقرر (قیامت) کے دن تک۔ اس نے کہا کہ پروردگار! جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں سے جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو پانا مشکل ہے)۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا راستہ ہے۔ جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت حاصل نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں گمراہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے اور ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے، اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر ایک دروازے کے لیے ان میں سے جماعتیں تقسیم کر دی گئیں ہیں۔'' (الحجر: 15/26-44)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝﴾

''جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان اکڑ بیٹھا اور کافروں میں ہوگیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ اے ابلیس! جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آ گیا یا اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔'' (صٓ: 38/71-76)

تخلیق آدم علیہ السلام احادیث کی روشنی میں: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام زمین سے جمع کی گئی مُٹھی بھر خاک سے پیدا فرمایا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد بھی (طرح طرح کی) مٹی کے مطابق پیدا ہوئی۔ ان میں سفید فام بھی ہیں، سُرخ بھی اور سیاہ فام بھی اور ان کے درمیانی رنگوں کے بھی (اسی طرح) نیک اور بد، نرم خو اور سخت طبیعت اور درمیانی طبیعت والے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا تا کہ ابلیس آپ علیہ السلام سے بڑائی کا دعویٰ نہ کرے۔ چنانچہ اس نے آپ کو انسانی صورت میں پیدا فرمایا۔ آپ جمعہ کے دن جس کی مقدار چالیس سال تک تھی، مٹی کے بنے ہوئے ایک جسم کی صورت میں پڑے رہے۔ فرشتے پاس سے گزرتے تھے تو اس جسم کو دیکھ کر ڈر جاتے تھے۔ ابلیس سب سے زیادہ خوف زدہ تھا۔ وہ گزرتے وقت اسے ضرب لگاتا تو جسم سے اس طرح آواز آتی جس طرح مٹی کے بنے ہوئے برتن سے کوئی چیز ٹکرائے تو آواز آتی ہے۔ اس لیے جب وہ کہتا تھا: ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ (الرحمٰن: 14/55) ''ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے۔'' تو کہتا: ''تجھے کسی خاص مقصد سے پیدا کیا گیا ہے۔'' وہ اس خاکی بدن میں مُنہ کی طرف سے داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل گیا اور اس نے فرشتوں سے کہا: ''اس سے مت ڈرو، تمہارا رب صمد ہے لیکن یہ تو کھوکھلا ہے اگر مجھے اس پر قابو دیا گیا تو اسے ضرور تباہ کردوں گا۔''

جب وہ وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے اس جسم میں روح ڈالنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے ارشاد فرمایا: ''جب میں اس میں روح ڈال دوں تو اسے سجدہ کرنا۔'' جب روح ڈال دی گئی تو وہ سر کی طرف سے داخل ہوئی۔ تبھی آدم علیہ السلام کو چھینک آ گئی۔ فرشتوں نے کہا: ''کہیے: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ] ''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔'' انہوں نے فرمایا: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ] اللہ نے فرمایا: [رَحِمَكَ رَبُّكَ] ''تیرے رب نے تجھ پر رحمت فرمائی ہے۔'' جب روح آنکھوں میں داخل ہوئی تو آپ علیہ السلام کو جنت کے پھل نظر آئے۔ جب روح پیٹ میں داخل ہوئی تو آپ کو کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ آپ جلدی سے جنت کے پھلوں کی طرف لپکے جب کہ روح ابھی آپ کی ٹانگوں میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ﴾

---

[1] مسند أحمد: 4/406

''انسان تو جلد بازی کا بنا ہوا ہے۔'' (الأنبیاء: 37/21) (یعنی جلد بازی اس کی فطرت میں شامل ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو جب تک چاہا، انہیں (بلا روح جسم کی حالت میں) پڑا رہنے دیا۔ ابلیس آپ کے اردگرد چکر لگا تا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ جسم کھوکھلا ہے تو اسے معلوم ہو گیا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے گی۔''[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب آدم علیہ السلام میں روح ڈالی گئی اور روح سر تک پہنچی تو آپ کو چھینک آ گئی۔ آپ نے فرمایا: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ] ''تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [يَرْحَمُكَ اللّٰهُ] ''اللہ تجھ پر رحمت فرمائے گا۔''[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ پھر فرمایا: جا کر ان فرشتوں کی جماعت کو سلام کہیے اور سنیے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ تیرا اور تیری اولاد کا یہی سلام (کا طریقہ) ہو گا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: [اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ] فرشتوں نے کہا: [اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ] یعنی جواب میں [رَحْمَةُ اللّٰهِ] کا اضافہ ہو گیا۔ جنت میں جو بھی داخل ہو گا، وہ آدم علیہ السلام کی صورت پر (یعنی ساٹھ ہاتھ قد کا) ہو گا۔ اس کے بعد اب تک مخلوق (کے قد کاٹھ) میں کمی ہوتی آئی ہے۔''[4]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے، اس دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اس دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا، اس دن انہیں اس سے نکالا گیا اور اسی دن قیامت قائم ہو گی۔[5]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام جمعہ کے دن آخری گھڑی میں پیدا کیے گئے۔[6]

آدم علیہ السلام کی عزت و تکریم: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ مبارک سے تخلیق فرما کر بلند مرتبہ عطا کیا پھر فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروا کر اس شرف و منزلت کا اظہار فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

1. تفسیر الطبري، تفسیر سورۃ الأنبیاء، آیت: 37
2. مسند أحمد: 152/3 و صحیح مسلم، البر والصلة، باب خلق الإنسان خلقا لایتمالك، حدیث: 2611 والمستدرك للحاكم، 542/2، حدیث: 3992
3. صحیح ابن حبان (الإحسان): 14/8، حدیث: 6132
4. صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم و ذریته، حدیث: 3326 و صحیح مسلم، الجنة و نعیمها، باب یدخل الجنة أقوام أفئدتهم مثل أفئدة الطیر، حدیث: 2841
5. صحیح مسلم، الجمعة، باب فضل یوم الجمعة، حدیث: 854
6. صحیح ابن حبان (الإحسان) 11/8 حدیث: 6128

''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا۔'' (البقرة: 34/2)

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کی بہت بڑی عزت افزائی کا بیان ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی روح ڈالی۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ﴾

''تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔''

(الحجر: 29/15)

یہ چار انداز سے عزت افزائی ہے۔ اپنے دستِ مبارک سے پیدا کرنا، اپنی روح ڈالنا، فرشتوں کو حکم دینا کہ انہیں سجدہ کریں اور چیزوں کے ناموں کی تعلیم دینا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے ملاء اعلیٰ میں ایک دوسرے سے ملاقات کی اور آپس میں بات چیت کی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''آپ آدم ہیں' جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ کے اندر اپنی روح ڈالی، آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔''[1]

قیامت کے دن میدان محشر میں موجود لوگ بھی آدم علیہ السلام سے بات کرتے ہوئے ان کی یہی صفات بیان کریں گے، جیسے کہ پہلے بیان ہوا اور آئندہ بھی بیان ہوگا۔

سجدہ کرنے والے فرشتوں کا بیان: آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم کن فرشتوں کے لیے تھا؟ اس بارے میں علماء کی دو آراء ہیں:

① اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حکم تمام فرشتوں کے لیے تھا۔ آیات کے الفاظ میں جو عموم پایا جاتا ہے، اس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔

② بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس سے مراد صرف زمین کے فرشتے ہیں۔ لیکن آیات کے سیاق وسباق سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔ اور اس حدیث میں بھی عموم ہے: [وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ] ''اللہ نے آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا۔''[2] (واللہ اعلم)

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، تو انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل

---

[1] صحیح البخاري' أحادیث الأنبیاء' باب وفاة موسی و ذکره بعد' حدیث: 3409 و صحیح مسلم' القدر' باب حجاج آدم و موسی صلی اللہ علیهما و سلم' حدیث: 2652 و سنن أبي داود' السنة' باب في القدر' حدیث: 4702' و اللفظ له و جامع الترمذي' حدیث: 2134

[2] صحیح البخاري' التفسیر' باب قول اللہ تعالی ﴿وعلّم آدم الأسماء كلها﴾' حدیث: 4476 و صحیح مسلم' الإیمان' باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها' حدیث: 193

کی۔ ابلیس نے حسد کی وجہ سے آپ سے دشمنی رکھتے ہوئے آپ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دربار سے نکال دیا اور دھتکار دیا، اس پر لعنت ڈال کر مردود شیطان بنا کر زمین پر اتار دیا۔

حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴾

''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اُس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو اور قطع رحمی (سے بچو)۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' (النساء: 1/4)

سورۂ اعراف میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ﴾

''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا ایک جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے راحت حاصل کرے۔'' (الأعراف: 189/7)

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ذکر کیا کہ حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی بائیں طرف کی چھوٹی پسلی سے پیدا کیا گیا، جب کہ آپ علیہ السلام سو رہے تھے اور پسلی کی جگہ کو گوشت سے پر کر دیا گیا۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور سب سے ٹیڑھی پسلی وہ ہے جو سب سے اوپر والی ہے۔ اگر تو اس (پسلی) کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر اسے چھوڑ دے گا تو ٹیڑھی رہے گی' اس لیے عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو۔ (یعنی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ عورتوں سے نرمی اور حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔'') [2]

﴿ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾ ''تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے تخلیق کیا جا چکا تھا۔ لیکن امام سدی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''ابلیس کو جنت سے نکال دیا گیا اور آدم علیہ السلام کو وہاں آباد کر دیا گیا۔ آپ جنت میں اکیلے گھومتے پھرتے تھے۔ ان کا کوئی ساتھی نہ تھا جس سے انہیں تسکین حاصل ہوتی۔ ایک بار وہ سوئے۔ جب جاگے تو دیکھا کہ ان کے سر

[1] تفسير الطبري، 328/1، حديث: 595

[2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم و ذريته، حديث: 3331 و صحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث: 1466/59

کے پاس ایک خاتون بیٹھی ہیں۔ انہیں اللہ نے آپ کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تو کون ہے؟ انہوں نے کہا: عورت ہوں۔ فرمایا: تجھے کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ کہا: تاکہ آپ مجھ سے تسکین حاصل کریں۔ فرشتوں نے، جو آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت معلوم کرنا چاہتے تھے، کہا: آدم! اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''حواء'' انہوں نے کہا: اس کا نام حواء کیوں ہے؟ فرمایا: کیونکہ وہ ایک زندہ وجود سے پیدا کی گئی ہے۔''[1]

ابلیس کا تکبر اور اس کا انجام بد

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے تکبر میں آ کر سجدے سے انکار کیا اور پھر اپنے اس عمل بد کی انتہائی قبیح دلیل بھی پیش کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لیے لعنتی قرار دے دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ ﴾

''اور ہم ہی نے تم کو (ابتدا میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری شکل وصورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔ تو (سب نے) سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ''جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں' مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسے مٹی سے بنایا ہے۔'' (الأعراف: 7/11-12)

امام حسن بصری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ''ابلیس نے قیاس کیا اور سب سے پہلے اسی نے قیاس کیا۔''

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابلیس نے قیاس کیا اور سورج، چاند کی پوجا بھی قیاس ہی سے شروع ہوئی۔''[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا اور آدم علیہ السلام کا موازنہ کرتے ہوئے، اپنے آپ پر نظر ڈالی تو اسے اپنی ذات آدم علیہ السلام سے افضل معلوم ہوئی' اس لیے وہ انہیں سجدہ کرنے سے رک گیا۔ حالانکہ تمام فرشتوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ نص کے مقابلے میں قیاس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور یہ قیاس تو ویسے بھی غلط ہے کیونکہ مٹی آگ سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے۔ مٹی میں پختگی، بردباری، تحمل اور بڑھنے پھولنے کی صفات پائی جاتی ہیں جب کہ آگ میں

[1] تفسیر الطبري: 1/328' حدیث: 595

[2] تفسیر ابن کثیر: 2/212 تفسیر سورة الأعراف' آیت: 12

جذباتیت، ہلکاپن، جلد بازی اور جلانے کی خصوصیات ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرما کر ان میں اپنی روح پھونکی تھی۔ اسی لیے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ انہیں سجدہ کریں۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾

''اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ جب میں اس کو (صورت انسانیت میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو سب کے سب فرشتے سجدے میں گر پڑے مگر شیطان! تو اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (اس نے) کہا: میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو' جسے تو نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے بنایا ہے' سجدہ کروں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ''یہاں سے نکل جا! تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برسے گی۔'') (الحجر 15: 28-35)

ابلیس اس لیے لعنت کا مستحق ہوا کہ اس کے طرز عمل میں آدم علیہ السلام کی تنقیص وتحقیر اور ان پر فخر وتعلّی کا اظہار ہے، حکم الٰہی کی مخالفت ہے جب کہ آدم علیہ السلام کا نام لے کر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر اس نے جو عذر پیش کیا، وہ بھی بیکار بلکہ ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں اس کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ؗ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝ ﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ کہنے لگا: بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے، (پھر ازراہ طنز) کہنے لگا: دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام)

اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (یہاں سے) چلا جا۔ جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے) اور تو ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اور اُن پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور اُن کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ۔ اور شیطان اُن سے جو وعدے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں اُن پر تیرا کچھ زور نہیں۔ اور (اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار کارساز کافی ہے۔'' (بني إسرائيل: 17/61-65)

ابلیس کی انسان دشمنی: اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ابلیس کی دشمنی پر متنبہ کیا اور اس کے انجام بد سے ڈرایا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ ﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟''

(الكهف: 18/50)

یعنی وہ جان بوجھ کر اللہ کی اطاعت سے نکل گیا اور اس نے تکبر کی بنا پر اللہ کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ یہ اس کی ناپاک فطرت تھی، جس نے اسے دھوکا دیا کیونکہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں، جن آگ کے شعلے سے پیدا کیے گئے اور آدم علیہ السلام اس چیز (مٹی) سے پیدا کیے گئے، جو تمہیں بتادی گئی ہے۔''[1]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ابلیس ایک لحظہ بھر بھی فرشتہ نہیں رہا۔''[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''ابلیس زمین کے ان فرشتوں میں سے تھا جنہیں جن کہا جاتا تھا اور علم وعبادت میں ان سب سے بڑھ کر تھا اور اس کا نام عزازیل تھا۔''[3]

ابلیس کا اعلان جنگ: سورۂ اعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۗئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ ﴾

''(پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے۔ میں بھی تیرے سیدھے راستے پر اُن (کو گمراہ کرنے

[1] صحيح مسلم، الزهد، باب في أحاديث متفرقة، حديث: 2996

[2] تفسير ابن كثير: 3/93، تفسير سورة الكهف، آيت: 50

[3] تفسير ابن كثير: 1/81، تفسير سورة البقرة، آيت: 34

کے لیے بیٹھوں گا پھران کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اوران کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔" (الأعراف: 17,16/7)

یعنی اے اللہ! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لیے میں بھی انہیں گمراہ کرنے کے لیے ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھوں گا اور (انہیں گمراہ کرنے کے لیے) ہر طرف سے آؤں گا۔ خوش نصیب وہی ہے جو اس کی مخالفت کرے اور سراسر بدنصیب وہ ہے جو اس کی بات مان لے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شیطان انسان کے ہر راستے پر (گمراہ کرنے کے لیے) بیٹھا ہوا ہے۔"[1]

ابلیس کی جلاوطنی: جب ابلیس نے حکم الٰہی کی تعمیل سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے تا قیامت لعنتی اور مردود قرار دے کر نکل جانے کا حکم دے دیا اور اس کا مقام و مرتبہ بھی چھین لیا۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا: ﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا﴾ (الأعراف: 13/7) "اس (جنت) سے اتر جاؤ!" اور ﴿اخْرُجْ مِنْهَا﴾ (الأعراف: 18/7) "اس سے نکل جا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسمان پر تھا، وہاں سے اسے نیچے اتر جانے کا حکم دیا گیا اور اس مقام و مرتبہ سے بھی محروم کر دیا گیا جو اسے عبادت کی وجہ سے اور اطاعت و عبادت میں فرشتوں سے مشابہ ہو جانے کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ اس کے تکبر، حسد اور نافرمانی کی وجہ سے اس سے یہ مرتبہ سلب کر کے اسے ذلت ولعنت کے ساتھ زمین پر پھینک دیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب آدم کا بیٹا سجدہ کی آیت تلاوت کرتا ہے، پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک طرف ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے: ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر لیا، اس لیے اسے جنت ملے گی۔ مجھے سجدہ کرنے کا حکم ملا تھا، میں نے نافرمانی کی تو مجھے جہنم ملے گی۔"[2]

آدم اور حواء علیہما السلام دخول جنت سے خروج تک

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا

[1] مسند أحمد: 483/3
[2] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، حديث: 81 و مسند أحمد: 443/2

لِمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾﴾

''اور (ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) نوش جان کرو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گناہ گار ہو جاؤ گے۔ سو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تا کہ ان کی ستر کی چیزیں (شرم گاہیں) جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے۔ اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکا دے کر ان کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو ان کی ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (ستر چھپانے) لگے۔ تب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ (اللہ نے) فرمایا: (تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔ (یعنی) فرمایا کہ اس میں تمہارا جینا ہوگا اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔'' (الأعراف: 7/19-25)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾﴾

''اور ہم نے کہا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا۔ ورنہ تم ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔'' (البقرۃ: 2/35)

جنت میں جس درخت کے قریب جانے سے روکا گیا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾

''اس درخت کے قریب نہ جانا۔''

یہ درخت کون سا تھا؟ اس کے بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں:
بعض علماء کے نزدیک وہ انگور کی بیل تھی۔ یہود کی رائے میں وہ گندم تھی۔ وہب بن مُنَبِّہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس کا دانہ مکھن سے نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔'' ابو مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت تھا۔'' مجاہد رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ کوئی ایسا درخت تھا کہ اس کو کھانے سے قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی تھی اور جنت کی زمین میں قضائے حاجت مناسب نہیں۔''[1]

یہ اختلاف معمولی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا تعین نہیں فرمایا۔ اگر اس کے تعین میں کوئی حکمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ متعین طور پر بیان فرما دیتا۔ لہٰذا اس میں رائے زنی سے اجتناب بہتر ہے۔

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ آدم علیہ السلام کو جس جنت میں ٹھہرایا گیا تھا، کیا وہ آسمان والی جنت ہے یا وہ زمین میں کوئی باغ تھا؟

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ جنت آسمان میں ہے اور اس کا نام ''جنت الماویٰ'' یا ''جنت الخلد'' ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ کے الفاظ کا ظاہری مفہوم اس کی تائید کرتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿ وَقُلْنَا يَآدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾

''ہم نے کہا: اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔'' (البقرۃ: 35/2)

اس آیت میں ﴿ الْجَنَّةَ ﴾ کا [ال] عموم کا معنی نہیں دیتا بلکہ عہد ذہنی (یعنی مخاطب کو پہلے سے معلوم چیز کی طرف اشارہ) کے لیے ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد وہی جنت ہو سکتی ہے جو شریعت نے بتائی ہے یعنی ''جنت الماویٰ'' جیسے آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان بات چیت کے دوران میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''آپ نے اپنے آپ کو اور ہم سب کو جنت سے کیوں نکلوا دیا؟''[2]

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا۔ جب جنت مومنوں کے قریب لائی جائے گی تو وہ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: ابا جان! ہمارے لیے جنت (کا دروازہ) کھلوا دیجیے۔ وہ فرمائیں گے: تمھیں جنت سے تمہارے والد کی غلطی ہی نے نکلوایا تھا۔''[3]

اس حدیث میں بظاہر ایک قوی دلیل موجود ہے کہ وہ جنت الماویٰ ہی تھی، جس سے آدم علیہ السلام کو نکالا گیا۔ تاہم اس استدلال پر تنقید کی گنجائش موجود ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 1/82-83، تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت: 35

[2] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله ﴿فلا یخرجنکما من الجنة فتشقى﴾، حدیث: 4738 و صحیح مسلم، القدر، باب حجاج آدم و موسى صلى الله علیهما و سلم، حدیث: 265

[3] صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فیها، حدیث: 195

دوسرے علمائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس جنت میں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا، وہ [جَنَّةُ الْخُلْد] ''ہمیشہ کی زندگی والی جنت'' نہیں تھی۔ کیونکہ انہیں ایک درخت کا پھل کھانے سے باز رہنے کا مکلّف کیا گیا تھا' وہ اس جنت میں سوتے بھی تھے اور اس سے نکال بھی دیے گئے نیز اس جنت میں ان کے پاس ابلیس آیا۔ ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت الماوی نہیں تھی۔ اس قول کی تائید میں موجودہ تورات کے بیان کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ جنت جس میں آدم وحواء علیہما السلام رہے، اس کے بارے میں دو آراء ہیں:

- وہ جنت الخلد ہے۔
- وہ کوئی اور جنت تھی، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کی اور اس میں ان کی آزمائش ہوئی۔ وہ جنت الخلد نہیں اس لیے کہ جنت الخلد دار الامتحان نہیں، دار الجزاء ہے۔

دوسرے قول کے قائلین میں پھر اختلاف ہے:

- ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت آسمان میں تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے نیچے اتارا۔
- دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زمین میں تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے طور پر انہیں ایک خاص درخت سے منع فرمایا تھا، دوسرے درختوں کے پھلوں سے نہیں۔ اور یہ واقعہ ابلیس کو سجدہ کا حکم دیے جانے کے بعد کا ہے۔ (واللہ اعلم)

دوسرے قول والوں کی طرف سے ایک سوال اُٹھایا گیا ہے، جس کا جواب دینے کی ضرورت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''یقینی بات ہے کہ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور یہ حکم ''قانونی حکم'' کی حیثیت نہیں رکھتا تھا، جس کی تعمیل بھی ممکن ہوتی ہے اور عدم تعمیل بھی۔ بلکہ یہ ''تنفیذی حکم'' تھا، جس کی عدم تعمیل اور اس سے سرتابی ممکن نہیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿ اُخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴾ ''نکل جا یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر۔'' (الأعراف:18/7) اور فرمایا: ﴿ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا ﴾ ''اس سے اتر جا، تجھے کوئی حق نہیں کہ اس میں رہ کر تکبر کرے۔'' (الأعراف:13/7) اور فرمایا: ﴿ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴾ ''سو اس سے نکل جا، کیونکہ تو مردود ہے۔'' (الزمر:77/38) ان آیات میں ﴿ مِنْهَا ﴾ ''اس سے'' سے مراد جنت یا آسمان یا درجہ ہے۔ جو مطلب بھی لیا جائے، بہرحال وہ اس جگہ میں موجود نہیں رہ سکتا، جس سے نکال دیا گیا اور دور کر دیا گیا ہے۔ وہ نہ وہاں رہ سکتا ہے نہ اس کا وہاں سے گزر ہو سکتا ہے

وہ یہ بھی کہتے ہیں: قرآن مجید کی آیات کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انہیں مخاطب کر کے کہا: ﴿ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴾ ''بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور ایسی بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔'' (طٰہٰ:120/20)

اور کہا: ﴿ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴾ وَ قَاسَمَهُمَآ

﴿ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ﴾ ''تم کوتمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہواوران سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔غرض (مردود نے) دھوکا دے کران کو معصیت کی طرف کھینچ ہی لیا۔'' (الأعراف:7/20-22) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی جنت میں ان کے ساتھ موجود تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عین ممکن ہے وہ جنت میں سے گزرتے ہوئے ان سے ملا ہو،اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بھی جنت میں ٹھہرا ہو'اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہوکر یا آسمان کے نیچے سے آدم وحواء علیہما السلام کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا ہو۔(واللہ اعلم)

آدم اور حواء علیہما السلام کے خلاف شیطان کی چال: شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے دشمنی کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں جنت سے نکلوادیا' نہایت مکر سے انہیں گمراہ کیا اور اپنے رب کی نافرمانی پر آمادہ کیا۔جس کی سزا میں آدم علیہ السلام کو جنت اوراس کی نعمتوں سے محروم اور دکھوں کی جگہ زمین میں آباد ہونا پڑا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا ﴾ ''شیطان نے انہیں اس سے بہکادیا''یعنی جنت سے ﴿ فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا کَانَا فِیْهِ ﴾ ''پھر انہیں اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے۔'' (البقرۃ:2/36)

یعنی نعمت،راحت اور سرور سے نکال کرمحنت،مشقت اور مصیبت والی دنیا میں پہنچادیا۔وہ اس طرح کہ اس نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا اوراس کے اچھا ہونے کا احساس دلایا۔جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ اَوْ تَکُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ۝ ﴾

''توشیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کے ستر کی چیزیں جوان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو۔''

(الأعراف: 7/20)

یعنی اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے نہ بن جاؤ۔یعنی اگر تم اسے کھالوگے تو ایسے بن جاؤ گے اور انہیں یقین دلانے کے لیے قسمیں کھائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴾ ''اس نے انہیں قسمیں کھا کر کہا: میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں۔''

(الأعراف:7/21)

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

﴿ فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰی ۝ ﴾

''تو شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور ایسی بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔'' (طٰہٰ: 120/20)

یہ جو اس نے کہا: میں آپ کو ایک ایسا درخت بتاؤں گا، جس کو کھانے کے نتیجے میں آپ ان موجودہ نعمتوں میں ہمیشہ رہنے کے مستحق ہو جائیں گے اور آپ کو ایسی حکومت حاصل ہو جائے گی جو کبھی تباہ ہوگی نہ ختم ہوگی، یہ بات محض دھوکے، فریب اور جھوٹ پر مبنی تھی۔

ممکن ہے یہ وہی درخت ہو جس کا ذکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں ایک درخت ہے، جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے تو اسے طے نہ کر سکے۔''[1]

فرمان الٰہی ہے:

﴿فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾

''پس (مردود نے) دھوکا دے کر اُن کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو ان کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔'' (الأعراف: 22/7)

اسی کی بابت مزید فرمایا:

﴿فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾

''سو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو اُن پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے۔'' (طٰہٰ 121/20)

اس ممنوعہ درخت کا پھل آدم علیہ السلام سے پہلے حواء علیہا السلام نے کھایا اور انہیں بھی اس کے کھانے کی ترغیب دی۔ (واللہ اعلم)

ممکن ہے صحیح بخاری کی اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی خراب نہ ہوتا، اگر حواء نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند کی خیانت نہ کرتی۔''[2]

اہل کتاب کے پاس موجود تورات میں ہے کہ جس نے حضرت حواء علیہا السلام کو اس درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی، وہ سانپ تھا۔ وہ بہت خوبصورت اور بہت بڑا تھا۔ حواء علیہا السلام نے سانپ کے کہنے پر پھل کھا لیا اور آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا۔ اس میں شیطان کا ذکر نہیں۔[3] اس وقت ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ ننگے ہیں' چنانچہ انہوں نے انجیر کے پتے

---

[1] مسند أحمد: 469/2

[2] صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' باب خلق آدم و ذريته' حديث: 3330

[3] دیکھیے: کتاب پیدائش، باب: 3، فقرہ: 1 تا 7۔

جوڑ کرتہ بند بنائے۔ [1] اس میں یہ بیان ہے کہ وہ دونوں بے لباس تھے۔ وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے بھی ایسے ہی فرمایا ہے کہ ان کا لباس نور تھا، جس نے پردہ کے اعضا کو چھپایا ہوا تھا۔ [2]

موجودہ تورات میں ذکر کردہ یہ بات غلط ہے، جس میں تحریف ہوئی ہے اور ترجمہ کرنے میں بھی غلطی ہوئی ہے۔ کسی کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ خصوصاً جو شخص دوسری زبان سے اچھی طرح واقف نہ ہو اور اپنی زبان میں لکھی کتاب کو بھی مکمل طور پر نہ سمجھ سکتا ہو۔ اسی وجہ سے تورات کے ترجمہ میں بہت سی لفظی اور معنوی غلطیاں واقع ہوگئی ہیں۔ قرآن عظیم نے واضح کیا ہے کہ ان کے جسم پر لباس موجود تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ﴾ ''اور اُن سے اُن کے کپڑے اتروا دیے تاکہ اُن کے ستر اُن کو کھول کر دکھا دے۔'' (الأعراف: 27/7) اس لیے یہی بات صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ﴿ وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ﴾ ''وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔'' یعنی انجیر کے پتوں سے' یہ معنی اہل کتاب سے ماخوذ ہے جبکہ آیت قرآنی میں یہ تخصیص نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے خروج: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى ۝ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَ عَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ۝ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ۬ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝ ﴾

''اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و ثبات نہ دیکھا، اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا۔ ہم نے فرمایا کہ

---

[1] موجودہ بائبل میں ہے: ''اور خداوند خدا نے آدم اور اس کی بیوی کے واسطے چمڑے کے کُرتے بنا کر ان کو پہنائے۔'' (پیدائش: 3/21)

[2] تفسیر ابن کثیر: 215/2' تفسیر سورۃ الأعراف' آیت: 22

آدم، یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو بہشت سے نہ نکلوا دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔ تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا ثمرہ دے اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔ سو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو ان پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔ فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اکٹھے نیچے اتر جاؤ۔ تم میں سے بعض، بعض کے دشمن (ہوں گے) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا، میں تو دیکھتا بھالتا تھا؟ اللہ فرمائے گا کہ ایسا ہی چاہیے تھا۔ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا، اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا۔'' (طه: 20/115-126)

دوسرے مقام پر یوں فرمایا:

﴿ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴾

''(تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔'' (الأعراف: 7/24)

یہ ارشاد آدم، حواء علیہا السلام اور ابلیس کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔ ایک قول کے مطابق سانپ بھی اس میں شامل تھا۔ انہیں حکم دے دیا گیا کہ جنت سے نکل جائیں، جب کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن اور مخالف رہیں گے۔

اس واقعہ میں سانپ کے ذکر کی تائید میں وہ حدیث پیش کی جا سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب سے ان (سانپوں) سے ہماری جنگ شروع ہوئی ہے، ہم نے ان سے کبھی صلح نہیں کی۔ اور جس نے ڈر کی وجہ سے کوئی سانپ چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

سورۂ طٰہٰ میں انہی کی بابت فرمایا:

﴿ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾

''تم دونوں یہاں سے اکٹھے نیچے اتر جاؤ! تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے۔'' (طه: 20/123)

''دونوں'' سے مراد آدم علیہ السلام اور ابلیس ہیں۔ حواء علیہا السلام آدم علیہ السلام کے تابع ہو کر اور سانپ شیطان کے تابع ہو کر اس حکم کے

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في قتل الحيات، حديث: 5248

مخاطب ہیں۔

علمائے کرام کا اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں کتنا عرصہ رہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا کیا گیا اور اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن نکالا گیا۔''[1]

اگر مذکورہ بالا حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ جس دن ان کو پیدا کیا گیا، اسی دن انہیں نکالا گیا اور یہ سمجھا جائے کہ جنت کے ایک دن سے مراد موجودہ دنوں جیسی مدت ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا کے دن جیسے ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ لیکن یہ رائے محل نظر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تخلیق اور دن ہوئی اور جنت سے کسی اور دن نکلے یا یہ کہا جائے کہ دن سے مراد چھ ہزار سال کی مدت ہے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ سے مروی ہے اور ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جنت میں طویل عرصہ ٹھہرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ''دحنا'' نامی مقام پر اتارا گیا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدم علیہ السلام کو ہند میں اتارا گیا' حواء علیہا السلام کو جدہ میں' ابلیس کو بصرہ سے چند میل دور دستمیان نامی جگہ میں اور سانپ کو اصفہان میں اتارا گیا۔ جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''آدم علیہ السلام کو صفا پہاڑی اور حواء علیہا السلام کو مروہ پہاڑی پر اتارا گیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو آپ کو ہر چیز بنانا سکھایا اور جنت کے کچھ پھل عطا فرمائے۔ تمہارے یہ (زمینی) پھل، جنت کے پھلوں میں سے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ان میں تبدیلی آتی ہے (خراب بھی ہو جاتے ہیں) اور اُن میں تبدیلی نہیں آتی۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے زمین پر سب سے پہلے جو کھانا کھایا وہ یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام ان کے پاس گندم کے سات دانے لائے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ اسی درخت کا پھل ہے جس سے آپ کو منع کیا گیا تھا اور آپ نے کھا لیا تھا۔ انہوں نے فرمایا: میں اس کا کیا کروں؟ فرمایا: اسے زمین میں بو دیجیے۔ انہوں نے بو دیے۔ ان میں سے ہر ایک دانے کا وزن (موجودہ دور کے) ایک لاکھ دانوں سے زیادہ تھا۔ وہ اُگ آئے۔ (وقت آنے پر) انہیں کاٹا، گاہا، بھس سے دانے الگ کیے گئے، پھر انہیں پیسا اور گوندھا، پھر اس (آٹے) کی روٹی پکائی، پھر کھائی۔ اس طرح انہیں بہت محنت اور مشقت کے بعد کھانا ملا۔ اس آیت مبارکہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ﴾

[1] صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل يوم الجمعة، حديث:854

[2] مصنف عبدالرزاق والمستدرك للحاكم: 543/2 حديث: 3996

"ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ وہ (شیطان) تمہیں جنت سے نکلوا دے، پھر تمہیں سخت مشقت برداشت کرنی پڑے۔"[1] (طٰہٰ: 117/20)

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ: اللہ تعالیٰ نے جب انہیں جنت اور راحت وسکون والی جگہ سے نکال کر مشقت اور محنت والی زندگی مہیا کی تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے:

﴿ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾

"کیا میں نے تم کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔" (الأعراف: 23/7)

آدم علیہ السلام نے یہ کلمات اللہ تعالیٰ سے ہی سیکھے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی وضاحت ہے:

﴿ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ﴾

"پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے۔" (البقرۃ: 37/2)

ان الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف ہے' اللہ کی طرف توجہ ہے' اس کے سامنے عجز و نیاز اور تذلل کا اظہار ہے اور اس مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاجی کا اقرار ہے۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے جس شخص کو یہ راز سمجھ میں آ گیا' اس کی دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی۔

اولادِ آدم علیہ السلام اور قصہ ہابیل و قابیل

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کو کثیر اولاد عطا فرمائی۔ سورۂ نساء میں اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ ﴾

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اُس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری

[1] یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔

کا ذریعہ بناتے ہو اور قطع رحمی (سے بچو۔) کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' (النساء: 1/4)

نیز فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ﴾

''اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرا لیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے: کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے۔'') (الأعراف: 172/7)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مذکورہ آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا اور ان کی اولاد نکالی اور فرمایا: میں نے انہیں جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں والے عمل کریں گے۔ پھر ان کی پشت پر (دوبارہ) ہاتھ پھیرا اور (مزید) اولاد ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا: میں نے انہیں جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں والے عمل کریں گے۔'' ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! تب عمل کس لیے ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جنت کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اسے جنتیوں والے عمل کی توفیق دیتا ہے اور وہ شخص ان کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو جہنم کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے جہنمیوں والے اعمال میں مشغول کر دیتا ہے اور وہ شخص ان کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔''[1]

جمہور علماء یہ رائے رکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے وعدہ لیا گیا تھا، انہوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک جہنمی سے کہا جائے گا کہ اگر تیرے پاس پوری دنیا کا مال و دولت ہو تو کیا تو فدیہ کے طور پر وہ سب دے دے گا؟ وہ کہے گا: ''ہاں!'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تجھ سے اس سے آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا۔ جب تو آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا، اس وقت میں نے تجھ سے ایک وعدہ لیا تھا کہ تو میرے ساتھ شرک نہیں کرے گا لیکن تو نے پھر بھی شرک کرنے پر ہی اصرار کیا۔''[2]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس دن ان سب کو جمع کیا جو آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک پیدا ہونے والے تھے۔ ان کو پیدا کر کے اور ان کی صورتیں بنا کر انہیں بولنے کی طاقت

[1] سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث: 4703 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة الأعراف، حديث: 3075 و صحيح ابن حبان: 14/8

[2] صحيح البخاري، الرقاق، باب صفة الجنة و النار، حديث: 6557 و صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب طلب الكافر الفداء بملء الأرض ذهبا، حديث: 2805 و مسند أحمد: 129/3

دی۔ وہ بولنے لگے تو ان سے عہد و پیمان لیا اور انہیں خود ان پر گواہ ٹھہرایا۔ فرمایا: ''کیا میں تمہارا رب نہیں؟'' انہوں نے کہا: ''ضرور ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تم پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں، قیامت کے دن یہ نہ کہنا: ہمیں اس کا علم نہ تھا۔ یاد رکھو میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی مالک نہیں، میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ میں تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و پیمان یاد دلا کر تمہیں (اس کی خلاف ورزی کی سزا سے) ڈرائیں گے اور میں تم پر اپنی کتاب نازل کروں گا۔'' انہوں نے کہا: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب یا معبود نہیں۔'' چنانچہ اس دن انہوں نے تعمیل احکام کا اقرار کیا۔

اللہ نے ان کے باپ آدم علیہ السلام کو بلند کیا، اس نے ان سب کو دیکھا، تو ان میں امیر، غریب، خوبصورت اور بدصورت افراد نظر آئے۔ انہوں نے عرض کی: ''یا رب! کاش! تو ان سب کو برابر کر دیتا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر کیا جائے۔''

آدم علیہ السلام کو ان میں پیغمبر بھی نظر آئے جو روشن چراغوں کی طرح منور تھے۔ ان سے رسالت و نبوت کا ایک خاص وعدہ بھی لیا گیا۔ اسی دوسرے میثاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ ﴾

''اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور عہد بھی ان سے پکا لیا۔'' (الأحزاب: 7/33)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ﴾

''تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (اللہ کے راستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔''
(الروم: 30/30)

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۝ ﴾

''یہ (محمد) بھی اگلے ڈرسنانے والوں میں سے ایک ڈرسنانے والا ہے۔'' (النجم: 56/53)

اور مزید فرمایا:

﴿ وَ مَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَ اِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے ان میں سے اکثروں میں (عہد کا نباہ) نہیں دیکھا اور ان میں اکثروں کو (دیکھا تو) فاسق ہی دیکھا۔''[1]

(الأعراف: 102/7)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تو آپ کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ تب قیامت تک پیدا ہونے والی ہر جان آپ کی پشت سے ظاہر ہوگئی۔ اللہ نے ہر ایک کی آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھ دی۔ پھر انہیں آدم علیہ السلام کو دکھایا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: یا رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ تیری اولاد ہے۔'' آپ کو ان میں ایک آدمی نظر آیا، جس کی پیشانی کی چمک آپ کو بہت اچھی لگی۔ فرمایا: یا رب! یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ تیری اولاد میں آخری زمانے کی قوموں میں سے ایک آدمی ہے، جس کا نام داود (علیہ السلام) ہوگا۔ فرمایا: یا رب! تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ساٹھ سال۔'' آدم علیہ السلام نے فرمایا: یا رب! اسے میری عمر میں سے چالیس سال عطا فرما دے۔ جب آدم علیہ السلام کی عمر مکمل ہوئی تو موت کا فرشتہ آ گیا۔ انہوں نے فرمایا: کیا میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں؟ اس نے کہا: کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داود علیہ السلام کو نہیں دے دیے؟ آپ علیہ السلام نے انکار کیا، تو آپ کی اولاد میں بھی انکار کی عادت رہی۔ آدم علیہ السلام بھول گئے، آپ کی اولاد بھی بھولنے والی ہوئی۔ آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی، آپ کی اولاد بھی غلطیاں کرنے والی ہوئی۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے نعمان یعنی عرفات کے مقام پر عہد لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام اولاد کو جو اُس نے پیدا کی ہے، ان کی پُشت سے نکالا۔ انہیں اپنے سامنے چیونٹیوں کی طرح بکھیر دیا۔ پھر اُن سے براہ راست کلام کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' انہوں نے کہا: یقیناً ہے، ہم گواہی دیتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) مبادا تم قیامت کے دن کہو: ہمیں تو اس کا علم ہی نہ تھا۔ یا کہو: ہمارے باپ دادا نے شرک کیا تھا اور ہم تو انہی کی اولاد تھے (اس لیے ان کی راہ پر چل پڑے) کیا تو ہمیں جھوٹے لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تباہ کردے گا؟''[3]

کیا آدم و حوا علیہما السلام کے ہاں جنت میں اولاد ہوئی تھی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے:

- ایک قول یہ ہے کہ ان کی سب اولاد زمین ہی پر پیدا ہوئی۔
- دوسرے قول کے مطابق ان کے کچھ بچے جنت میں بھی پیدا ہوئے تھے، جن میں قابیل اور ان کی بہن بھی شامل

---

[1] ابن أبي حاتم: 1615/5' حديث:8537' ابن جرير الطبري:154/6' حديث:11929' تفسير ابن كثير:274/2' تفسير سورة الأعراف' آيت:174' المستدرك للحاكم:323/2

[2] جامع الترمذي' تفسير القرآن' باب و من سورة الأعراف' حديث:3076

[3] مسند أحمد: 272/1 المستدرك للحاكم' 544/2' حديث:4000 كنز العمال:127/6' حديث:15124

تھے۔ (واللہ اعلم)

تاریخ طبری میں ہے کہ ان کے ہاں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور انہیں یہ حکم تھا کہ ہر لڑکے کی شادی، دوسرے لڑکے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کریں اور دوسرے کی شادی پہلے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کریں۔ [1] یعنی اس لڑکی سے شادی کرنا جائز نہ تھا، جو لڑکے کے ساتھ پیدا ہوئی ہو۔

قابیل اور ہابیل کا واقعہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَىٰ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ۝﴾

''اور (اے محمد ﷺ!) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے (اللہ کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تب قابیل، ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اُس نے کہا کہ اللہ پرہیزگاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے۔ اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا' مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں بھی، پھر (زُمرۂ) اہل دوزخ میں ہو، اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اُٹھانے والوں میں ہو گیا۔ اب اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ کہنے لگا: ہائے افسوس مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا، پھر وہ پشیمان ہوا۔'' (المائدة: 5/27-31)

یہاں پر ہم علمائے سلف کے ارشادات کا خلاصہ بیان کریں گے:

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام ہر لڑکے کی شادی کسی دوسرے لڑکے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کرتے تھے۔ ہابیل نے قابیل کی بہن سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ اور قابیل کی بہن زیادہ خوش شکل تھی، چنانچہ قابیل نے چاہا کہ اس کی شادی ہابیل کی بجائے خود اس سے ہو جائے۔ آدم علیہ السلام نے اسے حکم دیا کہ ہابیل کو اس سے نکاح کرنے

[1] تاريخ الطبري: 92/1

دے۔اس نے انکار کر دیا تو آدم علیہ السلام نے دونوں کو قربانی کرنے کا حکم دیا۔ ہابیل بھیڑ بکریاں پالتا تھا،اس نے ایک موٹا تازہ جانور قربان کیا۔قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نکمی فصل کا ایک گٹھا قربانی کے طور پر پیش کیا۔آسمان سے آگ اُتری،اس نے ہابیل کی قربانی کو کھا لیا لیکن قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔اسے غصہ آ گیا۔اس نے کہا:''میں ضرور تجھے قتل کر دوں گا تاکہ تو میری بہن سے شادی نہ کر سکے۔ہابیل نے کہا:اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے (قربانی) قبول فرماتا ہے۔''[1]

ابوجعفر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب وہ دونوں قربانی دے رہے تھے تو آدم علیہ السلام بھی موجود تھے۔انہوں نے دیکھا کہ ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی ہے،قابیل کی نہیں ہوئی۔تب قابیل نے آدم علیہ السلام سے کہا:اس کی قربانی اس لیے قبول ہوئی ہے کہ آپ نے اس کے حق میں دعا کی تھی اور آپ نے میرے حق میں دعا نہیں کی۔اس کے بعد اس نے تنہائی میں ہابیل کو دھمکی دی۔

ایک رات ہابیل کو جانور چراتے ہوئے (واپس آنے میں) دیر ہوگئی۔آدم علیہ السلام نے اس کے بھائی قابیل کو بھیجا کہ معلوم کرے اُسے کیوں دیر ہوئی ہے۔وہ گیا تو اسے ہابیل مل گیا۔اس نے کہا:تیری قربانی قبول ہوگئی ہے،میری نہیں ہوئی۔اس نے کہا:اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ سے (قربانی) قبول فرماتا ہے۔اس پر قابیل کو غصہ آ گیا۔اس کے پاس لوہے کی کوئی چیز تھی۔اس نے وہ مار کر ہابیل کو قتل کر دیا۔[2]

بعض علماء نے فرمایا:''ہابیل سو رہا تھا،قابیل نے ایک بڑا پتھر اس کے سر پر مار کر اس کا سر کچل دیا۔''بعض علماء فرماتے ہیں: ''بلکہ اس نے زور سے اس کا گلا گھونٹا اور درندوں کی طرح اسے دانتوں سے کاٹا،جس سے وہ فوت ہو گیا۔'' (واللہ اعلم)[3]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کی دھمکی دی تو ہابیل نے کہا:

﴿ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''اگر تو قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا،مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔'' (المائدۃ:28/5)

اس سے اس کے اچھے اخلاق،خدا خوفی اور خشیت الٰہی کا اظہار ہوتا ہے۔اور اس سے اس کا تقویٰ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بھائی نے جو زیادتی کرنے کا ارادہ کیا تھا،اس نے بدلے میں ویسی برائی کرنے سے پرہیز کیا۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جب دو مسلمان تلواریں لے کر (لڑنے کے لیے) ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں (پھر جنگ کرتے ہیں) تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی:''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو قاتل ہے (اس لیے سزا کا مستحق ہے) مقتول کا کیا معاملہ ہے (کہ اس مظلوم کو بھی سزا ملی)؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] تفسیر ابن کثیر: 2/43،44۔ تفسیر سورۃ المائدۃ' آیت:27
[2] تفسیر ابن کثیر: 2/44' تفسیر سورۃ المائدۃ' آیت:27۔30
[3] تفسیر ابن کثیر: 2/47' تفسیر سورۃ المائدۃ' آیت:27۔30

''اس کی بھی شدید خواہش تھی کہ اپنے ساتھی کو قتل کر دے۔''[1]

ہابیل نے مزید کہا:

﴿اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۟ۚ﴾

''میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں بھی۔ پھر (زمرۂ) اہلِ دوزخ میں ہو اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔''

یعنی میں تجھ سے لڑائی نہیں کرنا چاہتا، حالانکہ میں تجھ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوں، باوجودیکہ تو نے ایک غلط کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو نے پہلے جو گناہ کیے ہوئے ہیں ان کے ساتھ میرے قتل کا گناہ بھی تیرے سر ہو۔ حضرت مجاہد، سدی، ابن جریر اور دیگر علماء رحمہم اللہ نے اس کی یہی تشریح کی ہے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''قسم ہے اللہ کی! ان دونوں میں سے مقتول زیادہ طاقتور تھا۔ لیکن اس نے دوسرے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تاکہ گناہ کا مرتکب نہ ہو جائے۔''[3]

اس کا یہ مطلب نہیں کہ قتل کرنے سے مقتول کے سارے گناہ قاتل کے نامۂ اعمال میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ بعض لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس قول یعنی مقتول کے سارے گناہ...... کے غلط ہونے پر اجماع ہے۔[4]

لیکن قیامت کے دن بعض افراد کے ساتھ یہ صورت حال پیش آ سکتی ہے کہ قاتل کی ساری نیکیاں دے کر مقتول کا پورا حق ادا نہ ہو، اس لیے مقتول کے اتنے گناہ قاتل کی طرف منتقل ہو جائیں، جن سے حساب برابر ہو جائے۔ جیسے کہ دوسرے مظالم کے بارے میں صحیح احادیث میں مذکور ہے[5] اور قتل بہت بڑے مظالم میں شامل ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی گئی، تو اس فتنہ کے ایام میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''ایک فتنہ برپا ہوگا۔ اس کے دوران میں بیٹھنے والا، کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ فرمائیے کہ اگر کوئی مجھے قتل کرنے کے لیے میرے گھر میں گھس آئے تو کیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1. صحیح البخاري، الفتن، باب إذا التقى المسلمان بسيفيهما، حديث:7083 و صحيح مسلم، الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسيفيهما، حديث:2888
2. تفسیر ابن کثیر: 46/2، تفسير سورة المائدة، آيت:27-30
3. تفسیر ابن کثیر: 44/2، 45، تفسير سورة المائدة، آيت:27
4. تفسیر ابن کثیر: 47/2، تفسير سورة المائدة، آيت:27-30
5. صحيح البخاري، المظالم، باب من كانت له مظلمة...... الخ، حديث:2449

''آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح بن جانا۔''[1]

یہی حدیث حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: ''آدم علیہ السلام کے بہتر بیٹے کی طرح بن جانا۔'' سنن اربعہ میں یہ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے موجود ہے۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو انسان بھی ظلماً قتل ہوتا ہے، اس کے (قتل کے) گناہ کا ایک حصہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کو بھی ملتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ شروع کیا۔''[3]

قابیل کو سزا: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس دن قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کیا، اسی دن اسے سزا مل گئی، چنانچہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے چپک گئی۔ اس کو یہ سزا بھی دی گئی کہ سورج جس طرف ہوتا، قابیل کا چہرہ اسی طرف رہتا۔ اس طرح اسے دوسروں کے لیے عبرت بنا دیا گیا اور اسے جلدی سزا مل گئی کیونکہ اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تھا، سرکشی کی تھی اور اپنے سگے بھائی سے حسد کیا تھا۔''[4]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ظلم اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا دنیا میں بھی دے اور آخرت کا عذاب بھی اس کے مرتکب کے لیے محفوظ رکھے۔''[5]

اہل کتاب کے پاس جو کتاب ہے اور جسے وہ تورات قرار دیتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کی سزا مؤخر کر کے اسے مہلت دی اور وہ عدن کے مشرق میں ''نود'' کے علاقے میں جا بسا۔ وہ اسے ''قنین'' کہتے ہیں۔ اس کا ایک بیٹا ''خنوخ'' ہوا۔ اور ''خنوخ'' سے ''عندر'' عندر سے ''محاویل''، محاویل سے ''متوشیل'' اور متوشیل سے ''لامک'' پیدا ہوا۔ اس نے دو عورتوں سے شادی کی: ایک کا نام ''عدا'' اور دوسری کا نام ''صِلاّ'' تھا۔ عدا کے ہاں ایک بیٹا ''ابل'' پیدا ہوا۔ سب سے پہلے اس نے خیموں میں رہائش اختیار کی اور مال جمع کیا۔ اس کے ہاں ''نوبل'' بھی پیدا ہوا۔ اس نے سب سے پہلے بین اور بانسری بجائی۔

---

1. صحيح مسلم' الفتن' باب نزول الفتن كمواقع القطر' حديث:2886 و سنن أبي داود' الفتن والملاحم' باب النهي عن السعي في الفتنة' حديث:4256'4257 و جامع الترمذي' الفتن' باب ماجاء إنه تكون فتنة...... الخ' حديث:2194 و مسند أحمد: 185/1
2. سنن أبي داود' الفتن والملاحم' باب النهي عن السعي في الفتنة' حديث:4259 و سنن ابن ماجه' الفتن' باب التثبت في الفتن' حديث:3961
3. مسند أحمد:383/1 و صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' باب خلق آدم و ذريته' حديث:3335 و صحيح مسلم' القسامة والمحاربين' باب بيان إثم في من سن القتل' حديث:1677
4. تفسير ابن كثير: 48/2' تفسير سورة المائدة' آيت:33
5. جامع الترمذي' صفة القيامة' باب في عظم الوعيد على البغي وقطيعة الرحم' حديث:2511 و سنن ابن ماجه' الزهد' باب البغي' حديث:4211

صلا کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، اس کا نام ''توبلقین'' تھا۔ سب سے پہلے اس نے تانبا اور لوہے کی چیزیں بنائیں اور اس کے ہاں ایک بیٹی ہوئی جس کا نام ''نعمیٰ'' تھا۔

اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آدم علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ کے پاس گئے تو ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ حواء علیہا السلام نے اس کا نام ''شیث'' رکھا اور فرمایا: ''اللہ نے مجھے ''ہابیل'' کا نعم البدل عطا فرما دیا ہے جسے ''قابیل'' نے قتل کر دیا تھا۔'' شیث کا ایک بیٹا ''انوش'' تھا۔

اہل کتاب کہتے ہیں: جب ''شیث'' کی ولادت ہوئی تو آدم علیہ السلام کی عمر ایک سوتیس سال تھی۔ آپ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہے۔ جب ''شیث'' کے ہاں ''انوش'' کی ولادت ہوئی تو ان کی عمر ایک سو پینسٹھ سال تھی۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سات سال زندہ رہے اور ان کے ہاں ''انوش'' کے علاوہ اور بیٹے اور بیٹیاں بھی ہوئیں۔

''انوش'' کی عمر نوے سال تھی، جب اس کا بیٹا ''قینان'' پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو پندرہ سال زندہ رہا اور اس کے ہاں بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جب ''قینان'' ستر سال کا تھا تو اس کا بیٹا ''مہلائیل'' پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو چالیس سال زندہ رہا اور اس کے ہاں بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب مہلائیل کی عمر پینسٹھ سال کی ہوئی تو اس کے ہاں ''یرد'' پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب یرد کی عمر ایک سو باسٹھ سال ہوئی تو ان کا بیٹا ''خنوخ'' پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب خنوخ پینسٹھ سال کا ہوا تو اس کا بیٹا ''متوشلخ'' پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب متوشلخ ایک سو ستاسی سال کا ہوا تو اس کے ہاں ''لامک'' پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد سات سو بیاسی سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب لامک ایک سو بیاسی سال کا ہوا تو اس کے ہاں ''نوح علیہ السلام'' کی ولادت ہوئی۔ نوح علیہ السلام کی ولادت کے بعد لامک پانچ سو پچانوے سال مزید زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو سال ہوئی تو اُن کے بیٹے حام، سام اور یافث پیدا ہوئے۔ مذکورہ بالا تفصیلات بائبل کے بیانات کا خلاصہ ہے۔

ان معلومات کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ آسمان سے نازل کردہ وحی میں سے (بغیر تبدیلی کے) محفوظ ہیں۔ اکثر علمائے کرام نے ان پر تنقید کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے بعض علماء نے تفسیر کے طور پر یہ تفصیلات اصل کتاب میں اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں۔ ان میں بہت سی غلطیاں بھی ہیں، جیسے کہ ہم آئندہ انہیں ان کے مقام پر ذکر کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ کی کتاب میں کسی کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کے ہاں دو دو کر کے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ ایک قول کے مطابق ایک سو بیس جوڑے پیدا ہوئے۔ ہر بار ایک لڑکے اور ایک لڑکی کی ولادت ہوتی تھی۔ اس کے بعد انسانوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا گیا اور وہ زمین میں بکھر گئے اور دور دور تک آباد ہو

گئے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ﴾

''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اُس سے اُس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے۔'' (النساء: 1/4)

مورخین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے فوت ہونے تک ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد وغیرہ کی تعداد چار لاکھ افراد تک پہنچ چکی تھی۔ (واللہ اعلم)

صحیحین کی جس حدیث میں سفرِ معراج کا ذکر ہے، اس میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے آسمان میں آدم علیہ السلام سے ملے۔ تو انہوں نے فرمایا: ''نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید۔'' آدم علیہ السلام کے دائیں طرف بھی بہت سے افراد تھے اور بائیں طرف بھی بہت سے افراد تھے۔ آپ جب دائیں طرف دیکھتے تو (خوش ہو کر) ہنس پڑتے اور بائیں طرف نظر اُٹھاتے تو رو پڑتے۔ (نبی علیہ السلام نے فرمایا:) میں نے کہا: ''جبریل! یہ کیا معاملہ ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ جب وہ دائیں طرف جنتی روحوں کو دیکھتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں اور جب بائیں طرف جہنمی روحوں کو دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔''[1]

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا، تو میں نے دیکھا کہ انہیں آدھا حُسن و جمال عطا ہوا ہے۔'' اس کی وضاحت بعض علماء نے اس طرح کی ہے کہ انہیں آدم علیہ السلام سے آدھا حُسن ملا تھا اور یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دستِ مبارک سے تخلیق فرمایا اور ان میں روح ڈالی۔ اللہ تعالیٰ (اس اہتمام کے ساتھ) جسے پیدا کرے، وہ بہترین اور سب سے خوبصورت ہی ہو سکتا ہے۔

البدایہ والنہایہ میں امام ابن کثیر ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت پیدا فرمائی تو فرشتوں نے کہا: ہمارے مالک! یہ ہمارے لیے خاص کر دے کیونکہ تو نے بنی آدم کے لیے دنیا پیدا کی ہے۔ وہ اس میں کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میری عزت و جلال کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا کہ جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس کی نیک اولاد کو ان (فرشتوں) کے برابر کر دوں، جنہیں میں نے [کُنْ] کہا اور وہ وجود میں آ گئے۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ذكر إدريس عليه السلام ...... الخ، حديث:3342 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ...... الخ، حديث:163

[2] البداية و النهاية:91/1

آدم علیہ السلام کی وفات اور بیٹے شیث علیہ السلام کو وصیت

''شیث'' کا مطلب ہے ''اللہ کا دیا ہوا تحفہ'' آدم علیہ السلام نے ان کا یہ نام اس لیے رکھا تھا کہ ہابیل کے قتل ہو جانے کے بعد اللہ نے انہیں شیث عطا فرمایا۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے بیٹے ''شیث'' کے حق میں وصیت کی۔ انہیں رات اور دن کے اوقات اور ان اوقات میں ادا کی جانے والی عبادات کی تعلیم دی اور انہیں بتایا کہ ایک طوفان آنے والا ہے۔

کہتے ہیں کہ آج کل جتنے انسان موجود ہیں، ان کا نسب شیث علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آدم علیہ السلام کے دوسرے بیٹوں کی اولاد ختم ہو چکی ہے۔ (واللہ اعلم)

جب آدم علیہ السلام فوت ہوئے' اس دن جمعہ تھا۔ فرشتے اللہ کے پاس سے جنت کی خوشبو اور جنت کا کفن لے کر آئے اور ان کے بیٹے اور خلیفہ شیث علیہ السلام سے تعزیت کی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا، انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: ''بیٹو! میرا جنت کے پھل کھانے کو جی چاہتا ہے۔'' وہ تلاش کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ انہیں سامنے سے فرشتے آتے ملے، جن کے پاس آدم علیہ السلام کا کفن اور خوشبو تھی اور ان کے پاس کلہاڑے، کسیاں اور ٹوکریاں بھی تھیں۔ انہوں نے کہا: ''آدم کے بیٹو! تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟'' یا کہا: ''تم کیا چاہتے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''ہمارے والد صاحب بیمار ہیں اور جنت کے میووں کی خواہش رکھتے ہیں۔'' فرشتوں نے کہا: ''واپس چلے جاؤ! تمہارے والد تو فوت ہونے والے ہیں۔'' فرشتے جب (آدم علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے) آئے تو حواء علیہا السلام نے انہیں دیکھ کر پہچان لیا۔ وہ آدم علیہ السلام سے چمٹ گئیں۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھ سے الگ ہو جاؤ، (پہلے بھی) مجھے تمہارے ذریعے سے ہی مصیبت پہنچی تھی۔ مجھے میرے رب کے فرشتوں کے ساتھ رہنے دو۔'' فرشتوں نے ان کی روح قبض کی، غسل دیا، کفن پہنایا، خوشبو لگائی، آپ کی قبر کھودی اور لحد تیار کی۔ پھر انہوں نے آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ ادا کی، پھر انہیں قبر میں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ پھر انہوں نے کہا: ''آدم کے بیٹو! تمہارے لیے یہی طریقہ ہے۔''[1]

حضرت آدم علیہ السلام کہاں دفن ہوئے؟ اس میں اختلاف ہے۔ مشہور ہے کہ انہیں ہندوستان (کے پاس سری لنکا) میں اس پہاڑ کے قریب دفن کیا گیا جہاں انہیں جنت سے اتارا گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں جبل أبي قبیس پر دفن کیا

[1] مسند أحمد: 135/5 (موقوفاً علی ابن کعب رضی اللہ عنہ)

گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان کے موقع پر ان کی اور حضرت حواء علیہا السلام کی میتوں کو ایک تابوت میں ڈال کر کشتی میں رکھ لیا تھا۔ پھر (طوفان ختم ہونے کے بعد) انہیں بیت المقدس میں دفن کر دیا۔ [1]

آپ کی عمر کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے مرفوع حدیث ہے کہ لوح محفوظ میں ان کی عمر ہزار سال لکھی ہوئی تھی۔ [2] اس کے مقابلے میں تورات کے اس بیان کو اختیار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نو سو تیس سال زندہ رہے۔ اہل کتاب کا یہ بیان نا قابل قبول ہے کیونکہ یہ اس صحیح بیان کے خلاف ہے جو معصوم نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہم تک قابل اعتماد طریقے سے پہنچا ہے۔

ویسے ان کے قول اور حدیث میں مطابقت بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ تورات کا بیان، اگر غلطی اور تبدیلی سے محفوظ رہ گیا ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر آنے کے بعد نو سو تیس شمسی سال زندہ رہے۔ قمری حساب سے یہ مدت نو سو ستاون سال بنتی ہے۔ اس میں تینتالیس سال کی وہ مدت شامل کر لی جائے جو انہوں نے زمین پر آنے سے پہلے جنت میں گزاری تھی تو کل مدت ہزار سال ہو جائے گی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیث علیہ السلام نے ان کے کام (رشد و ہدایت اور تبلیغ) کی ذمہ داری اُٹھائی۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا، تو انہوں نے اپنے بیٹے ''انوش'' کے حق میں وصیت کی۔ چنانچہ انہوں نے یہ ذمہ داری اُٹھائی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ''قینن'' پھر ان کے بیٹے ''مہلائیل'' نے یہ منصب سنبھالا۔ ان کے بارے میں اہل فارس کا کہنا ہے کہ وہ ہفت اقلیم کے بادشاہ تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے درخت کاٹے، شہر بسائے اور بڑے بڑے قلعے تعمیر کیے۔ وہ کہتے ہیں کہ بابل اور سوس (ایران) کے شہر انہوں نے تعمیر کیے۔ انہوں نے ابلیس کے لشکروں کو شکست دے کر زمین کے دور دراز علاقوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں منتشر کر دیا۔ انہوں نے بہت سے سرکش جن اور بھوت قتل کیے۔ ان کا ایک بہت بڑا تاج تھا۔ وہ لوگوں سے خطاب فرماتے تھے۔ ان کی حکومت چالیس سال قائم رہی۔

ان کی وفات پر ان کے بیٹے ''یرد'' نے ان کا منصب سنبھالا۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے ''خنوخ'' کے حق میں وصیت کی۔ مشہور قول کے مطابق انہی کو ''ادریس علیہ السلام'' کہا جاتا ہے۔

---

[1] تاريخ الطبري: 105/1

[2] مسند أحمد: 252/1 صحيح ابن حبان (ابن بلبان) 41/14، حديث: 6167
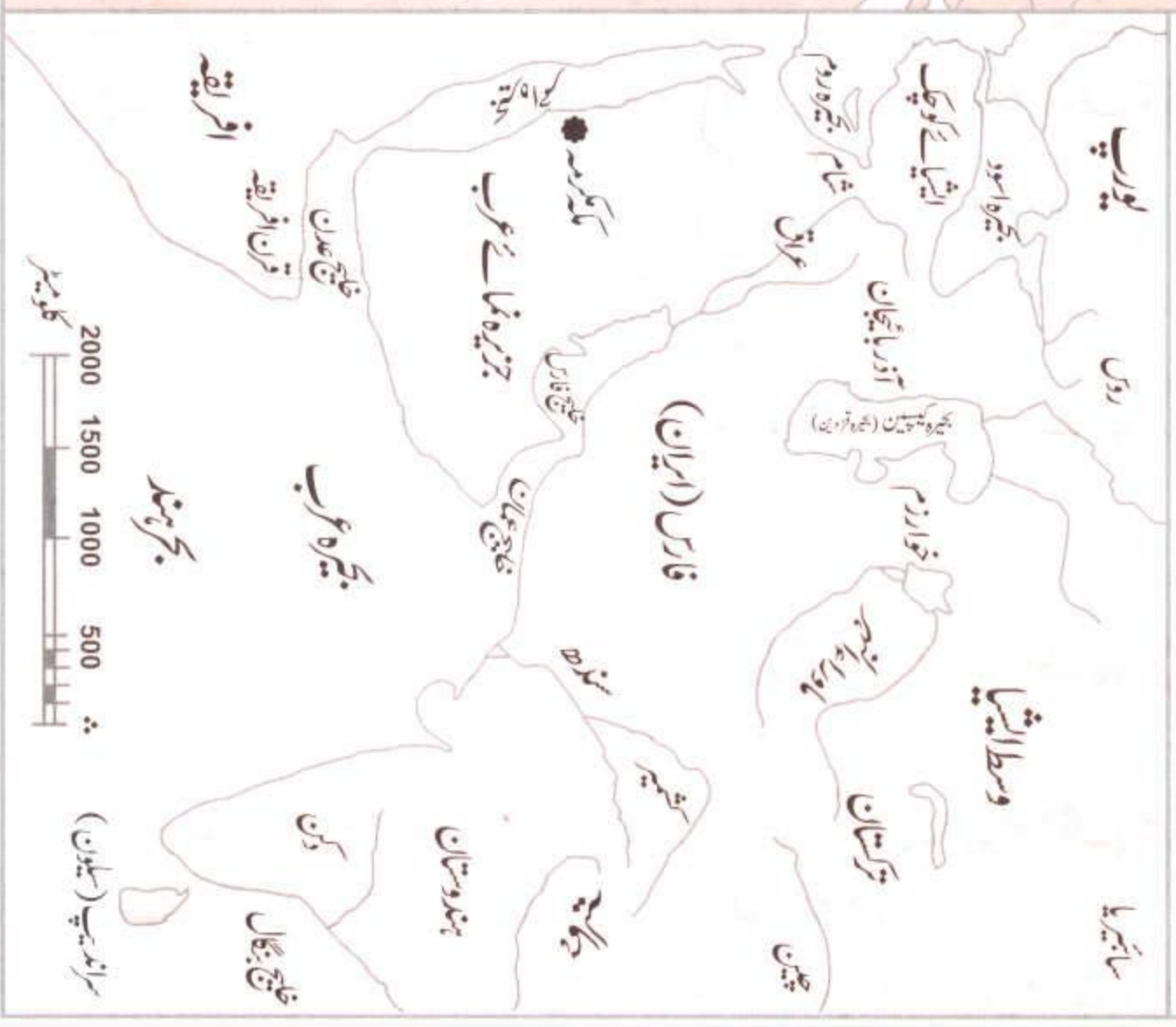
نتائج وفوائد ...... عبرتیں وحکمتیں

انسان کی عزت وتکریم: انسان کو مختلف کیڑے مکوڑوں یا بندر کی ارتقائی شکل قرار دینے والے کم عقل مستشرقین، اسلام کے چاند جیسے منور چہرے کو دھندلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اسلام نے ابتدا ہی سے انسانی قدر ومنزلت کا اعتراف نہیں کیا جبکہ قرآن انسانی اصل کو حقیر وذلیل گردانتا ہے۔''

قرآن حکیم میں بیان کیے گئے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے سے اس الزام کی زبردست تردید ہوتی ہے کیونکہ اسلام نے بنی آدم کو جو اعلیٰ وارفع مقام دیا ہے وہ دوسرا کوئی بھی مذہب، دین یا فلسفہ اسے دینے سے قاصر ہے۔ قرآن مجید انسان کو اس کی اصل تخلیق مٹی اور نطفے کی طرف توجہ دلاتا ہے تاکہ وہ اپنی اصل کو یاد رکھے اور اپنی حدود سے تجاوز کرکے اپنے مالک ورازق کا نافرمان اور ناشکرا نہ بنے۔ اس کی نعمتوں کا شکر گزار رہے اور غرور وتکبر میں مبتلا ہو کر کفر وسرکشی کا مرتکب نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو اپنے مبارک ہاتھوں سے تخلیق فرمایا، اپنی روح ان میں پھونکی، پھر انہیں تمام علوم ومعارف عطا کرکے فرشتوں پر ان کی برتری کا اظہار فرمایا اور آخر میں فرشتوں سے انہیں سجدہ کروا کے ان کے فضل وشرف پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ قرآن مجید کے مندرجہ ذیل ارشادات پر غور کرنے والے کو انسانی عز وشرف بخوبی معلوم ہو جاتا ہے:

﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھائے۔'' (البقرة: 31/2)

﴿ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴾

''تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔'' (الحجر: 29/15)

آدم علیہ السلام کی اولاد کی عزت وتکریم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾

''یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔'' (بني إسرائيل: 70/17)

اولاد آدم کے اس شرف میں تمام اولاد شامل ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، امیر ہو یا غریب، کالی ہو یا گوری، ترقی یافتہ ہو

یا ترقی پذیر، مذکر ہو یا مونث۔ دورِ جدید کی خلائی تسخیر، سمندروں پر انسانی حکمرانی، ہواؤں پر تسلط، پہاڑوں کے سینے چاک کر کے معدنیات کا حصول، صحراؤں کی سیال دولت پر قبضہ، سمندر کی تہوں میں ضروریات انسانی تک رسائی اور جدید تہذیب وتمدن کے شاہکار نمونے نہ صرف عظمت انسانی، اس کی عزت وشرف اور دیگر مخلوقات پر اس کے غلبے اور سطوت کے گواہ ہیں بلکہ مندرجہ بالا فرامین الٰہی کی سچائی کے منہ بولتے ثبوت بھی ہیں۔

تکبر کا انجامِ بد: آدم علیہ السلام کے اس عبرت انگیز قصے سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ غرور وتکبر کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ ابلیس کا ایک مقام تھا مگر جب وہ فرمان ربانی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے انکار کرتا ہے اور تکبر وغرور کی مختلف حیلہ بازیاں کرتا ہے تو اس قبیح جرم کی پاداش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لعین ومردود قرار پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی اور اس کے دائمی عذاب کا حقدار بن جاتا ہے۔ کیونکہ کبر وہ صفت ہے جو پروردگار عالم کے سوا کسی کو زیبا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عزت میرا تہ بند ہے اور کبریائی میری چادر ہے۔ جو شخص ان دو میں سے کسی کو مجھ سے چھیننے گا میں اسے عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔'' (صحیح مسلم، البر والصلة، حدیث: 2629)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کے فخر وغرور کے اظہار پر اسے لعنتی قرار دیتے ہوئے اپنے مقدس دربار سے نکل جانے کا حکم دیا:

﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝﴾

''فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برسے گی۔'') (الحجر: 15/34`35)

تکبر کی حقیقت واضح کرتے ہوئے محسن انسانیت فرماتے ہیں: ''تکبر حق کو جھٹلانے اور لوگوں کو حقیر وذلیل سمجھنے کا نام ہے۔'' (صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 91)

تکبر کرنا ایسا شنیع جرم ہے جس کا انجام جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''کیا میں تمہیں جہنمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہر اکھڑ مزاج، حرام خور موٹا، غرور وتکبر کرنے والا جہنمی ہے۔'' (صحیح البخاری، التفسیر، حدیث: 4918)

جبکہ تکبر کے برعکس عجز وانکسار اپنانے والا اللہ کے ہاں بلند مرتبے کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ تکبر سے بچائے اور تواضع اختیار کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔ تکبر کے مظاہر میں سے ایک چادر یا شلوار وغیرہ کو گھسیٹ کر چلنا بھی ہے۔ یہ کتنا قبیح جرم ہے، اس کی نوعیت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بآسانی معلوم کی جا سکتی ہے:

''اس اثنا میں کہ ایک شخص اپنا ازار (چادر) گھسیٹتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، اور وہ تا قیامت زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔'' (صحیح البخاری، اللباس، حدیث: 5790)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جرم سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

انسان کی روحانی بلندی: قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۞ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۞﴾

"جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں، سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔"

(صٓ: 38/71`72)

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی تخلیق دو چیزوں کا مرکب ہے۔ ایک مٹی اور دوسری روح۔ مٹی سے اس کے اعضا، گوشت اور خون کو بنایا گیا۔ دورِ جدید کے سائنس دان یہ کہتے ہیں کہ انسانی جسم انہیں اجزا پر مشتمل ہے جن پر زمین کی مٹی مشتمل ہے۔ اس مادے سے تخلیق کی وجہ سے انسان میں دو قسم کے میلانات پائے جاتے ہیں۔ کھانے، پینے، پہننے، بہتر طرز زندگی، مال و جاہ اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا رجحان اور دوسری طرف فخر و غرور، تکبر، انتقام، قتل و ضرب اور ایذا رسانی کے منفی رجحانات بھی پائے جاتے ہیں۔

انسانی جسم میں روح اللہ تعالیٰ کا وہ راز ہے جو اسے اپنے پروردگار پر ایمان لانے، اس کی نعمتوں کا شکر بجا لانے اور اس کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور اسے پروردگار کے احکامات کو بجا لانے اور اعلیٰ اخلاقیات جیسے عدل و احسان، سچائی، امانتداری، خیر خواہی، سخاوت، محبت و مودت اور اخوت کو اپنانے پر ابھارتا ہے۔ لہٰذا قرآنی مفہوم میں انسان مادی اور روحانی مجموعے کا نام ہے جو ایک طرف اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اعلیٰ اخلاقیات کو اپناتا ہے تو دوسری طرف حیوانی خواہشات اور جذبات کی طرف بھی میلان رکھتا ہے۔ قرآن کے اس نظریے سے ان یہودی خیالات و نظریات کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اخلاقی قوانین کا انسانی ذات سے کوئی تعلق نہیں یا کہتے ہیں کہ اخلاقیات کا تعلق انسان کی اقتصادی، اجتماعی اور مادی ترقی سے ہے اور انسانی فطرت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

آدم علیہ السلام سے پہلے زمینی آباد کار: ماہرین ارضیات، کرۂ ارض پر ملنے والی ہڈیوں، کھوپڑیوں اور مختلف ڈھانچوں پر تحقیقات کرنے کے بعد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بھی زمین پر انسان آباد تھے نیز ان آبادیوں کی تاریخ لاکھوں سال پرانی ہے۔ آیئے اس بارے میں قرآن مجید کی رہنمائی ملاحظہ کرتے ہیں۔ قرآن مجید حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کے انسان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط﴾

"اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔" (البقرۃ: 30/2)

خلیفۃ اللہ کے بارے میں مفسرین کرام کی دو آراء ہیں۔ایک رائے کے مطابق آدم علیہ السلام اپنے سے پہلے انسان کے خلیفہ ہیں۔ان انسانوں نے زمین میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور فسادات کیے تو یہ لوگ بالآخر مٹ گئے۔فرشتوں نے خلیفہ سے اسی مخلوق کا جانشین سمجھا۔لہٰذا انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ یہ خلیفہ بھی اپنے پیش رو کی طرح زمین میں قتل و غارت گری اور فساد کرے گا۔اس لیے انہوں نے عرض کیا:

﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾

''کیا ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔'' (البقرۃ: 30/2)

جبکہ دوسری رائے میں انسان اللہ کا خلیفہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیارات کو اس کے احکامات کے مطابق استعمال کرتا ہے تاکہ دنیا میں امن وسکون پیدا ہو۔ مذکورہ دلائل سے یہ واضح ہوا کہ جو بات سائنسدان آج ثابت کر رہے ہیں، قرآن مجید نے سوا چودہ سو سال قبل ہی وہ عقدہ حل کر دیا تھا۔سبحان اللہ!!

شیطان' انسان کا جانی دشمن: آدم علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان، انسان کا ازلی، کھلا اور جانی دشمن ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو عظمت و رفعت عطا فرمائی تو یہ حسد کی آگ میں جل اٹھا۔پھر جب آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود، لعنتی اور جہنمی قرار پایا تو اس نے تاقیامت مہلت طلب کر لی تاکہ آدم علیہ السلام کی اولاد کو گمراہ کر کے جہنم رسید کر سکے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی دشمنی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾

''اور شیطانی راہ پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (البقرۃ: 168/2)

انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی ہے۔ یہ دونوں صفات انسان سے اعلیٰ اخلاق، جیسے: عدل وانصاف، خیرخواہی، بھلائی، سخاوت، دیانت، محبت و ایثار اور نرم روئی کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ انسان کا ازلی دشمن اسے برائی، بے حیائی، بخل، کنجوسی، غرور، تکبر، جھوٹ، لالچ، ہوس، کینہ اور حسد جیسے برے اخلاق اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔حق اور باطل، خیر اور شر، نیکی اور بدی کی اسی جنگ میں انسان کی آزمائش، ابتلا اور امتحان ہے۔اگر خیر کو اپناتا ہے تو جنت اس کا مقدر ہے۔اور اگر شیطانی مکروفریب کا شکار ہوتا ہے تو اس کا ٹھکانا شیطان کے ساتھ جہنم کی گہرائیاں ہوں گی۔ اعاذنا اللہ منہا.

جنت الفردوس سے دیس نکالا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اپنی روح ان میں پھونکی، فرشتوں سے سجدہ کروا کے ان کی افضلیت و برتری کا اظہار فرمایا، پھر انہیں رہنے کے لیے جنت الفردوس کا رہائشی بنایا اور ساتھ ہی بطور آزمائش صرف ایک درخت سے منع کر کے ساری جنت کا مالک بنا دیا۔حسد کی آگ میں جلتے ہوئے شیطان کو یہ ساری بخششیں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھیں، لہٰذا اس نے آدم علیہ السلام کا خیرخواہ بن کر انہیں پروردگار کے حکم سے گمراہ کر دیا۔انہوں نے ممنوع

پھل کھایا تو جنت بریں کی تمام نعمتیں فوراً چھین لی گئیں۔ مکار دشمن اپنی چال میں کامیاب ہوگیا اور آدم علیہ السلام شرمندہ و نادم ہوئے۔ ان کی توبہ قبول ہوئی' تاہم جنت سے نکال کر زمین پر بسا دیے گئے۔

شیطانی تعلیمات: آدم علیہ السلام کے مبارک قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسان کا ازل سے کھلا دشمن ہے جو ابد تک رہے گا۔ انسان کو گمراہ کر کے جہنم رسید کرنا اس کا اولین مقصد ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ کن ہتھکنڈوں اور چالوں سے انسان کو برباد کرتا ہے اور اس کی وہ کونسی مہلک تعلیمات ہیں جو دنیا اور آخرت میں انسان کی رسوائی کا باعث بنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے شر اور فتنے سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ ﴾

''اے اولادِ آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کرا دیا۔'' (الأعراف: 27/7)

شیطان انسان کو ہر برے کام، بے حیائی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

''وہ تمہیں صرف برائی، بے حیائی اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔'' (البقرة: 169/2)

قتل و غارت، فسادات، نفرت و عداوت، بغض و حسد کا حکم دینا اور اتفاق و اتحاد کو ختم کر کے انتشار و افتراق پھیلانا شیطان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی خصلت سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴾

''بلاشبہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔'' (بنی إسرائیل: 53/17)

وہ انسان کو صدقہ و خیرات، احسان، بھلائی، نیکی کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے کہ اس سے مال کم ہو جائے گا۔ اس طرح انسان کو بخل، ہوس، کنجوسی اور ظلم و ستم کی تعلیم دیتا ہے کہ اس سے مال بڑھتا ہے:

﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾

''شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔'' (البقرة: 268/2)

وہ شراب، جوئے اور قبر پرستی سے لوگوں کے عقائد و اعمال میں بگاڑ پیدا کرتا ہے، ان میں باہمی نفرت کو فروغ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک دیتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ

عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان وغیرہ اور پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں' ان سے بالکل الگ تھلگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو اور شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض واقع کرا دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آ جاؤ۔'' (المائدۃ: 91/5)

شیطان انسان کو لباس سے محروم کر کے بے شرمی اور بے حیائی کو فروغ دیتا ہے۔ آج دنیا میں شہوت پرستی کا جو سیلاب آیا ہوا ہے اور انسانیت جس شرمندگی سے دوچار ہے وہ شیطانی چال کے انتہائی کامیاب ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ارشاد باری ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ

''اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کرا دیا' ان کا لباس بھی اتروا دیا تا کہ وہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھائے اور وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے ہو۔'' (الاعراف: 27/7)

ابلیس' ابوالشیاطین: ابلیس تمام شیطانوں کا باپ ہے۔ ابلیس جنوں میں سے تھا، اپنی سرکشی، تکبر اور حسد کی وجہ سے اس کی الگ پہچان بنی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ

''سوائے ابلیس کے، یہ جنوں میں سے تھا اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔'' (الکہف: 50/18)

جن ذی عقل مخلوق ہیں۔ انسانوں کی طرح جن بھی شریعت کے پابند ہیں۔ چونکہ یہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور ان کے مادی جسم نہیں ہیں اس لیے ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے جبکہ وہ ہمیں دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ

''وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔'' (الأعراف: 27/7)

جنوں کی تخلیق کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ

''اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی آگ سے پیدا کیا۔'' (الحجر: 27/15)

جنوں میں بھی نیک و بد ہیں۔ نیک جن شریعت کے پابند اور نیک کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ شریر شیطان کے چیلے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسا کہ جنوں کی زبانی ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۟ ﴾

''اور یہ کہ (بے شک) بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں۔ ہم مختلف طریقوں سے بٹے ہوئے تھے۔'' (الجن: 11/72)

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۟ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۟ ﴾

''ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں۔ پس جو فرمان بردار ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا، اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔'' (الجن: 72/14، 15)

انسانیت کا پہلا قتل: حسد وہ قبیح اور شنیع گناہ ہے جس کے ذریعے سے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی کی گئی۔ ابلیس نے حسد کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کے مقام عز و شرف کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور حکم الٰہی کو پس پشت ڈالتے ہوئے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا جس کی جزا میں وہ اور اس کی پیروی کرنے والے عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔ حسد ہی وہ جرم تھا جس کے ذریعے سے زمین میں اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی کی گئی یعنی ہابیل کا قتل۔

ہابیل آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایک نیک فطرت، خیر اور بھلائی سے محبت کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا مطیع اور اس کے احکامات بجالانے والا اور اس کی راہ میں عمدہ اور طیب مال خرچ کرنے والا فرد تھا۔ جبکہ دوسری طرف قابیل تھا جو کنجوس، بخیل، شیطانی راہ پر چلنے والا اور مال کی محبت میں گرفتار شخص تھا۔ دونوں نے اللہ کی رضا کے لیے قربانی کی۔ ہابیل نے عمدہ مال قربان کیا جبکہ قابیل نے انتہائی گھٹیا مال قربانی میں پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ اور عمدہ مال قبول کرتا ہے لہٰذا ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی اور قابیل کی مسترد۔

قابیل کو بھائی کی یہ قدر و منزلت پسند نہ آئی اور اس نے حسد میں آکر بھائی کو قتل کر دیا۔ اس طرح کرۂ ارض پر پہلا قتل واقع ہوا جو حسد کا نتیجہ تھا اور قابیل انسانیت کا پہلا قاتل بنا اور تاقیامت بے گناہ قتل ہونے والوں کے گناہ میں برابر کا شریک ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسد سے ہمیشہ بچنا چاہیے کیونکہ یہ سرچشمۂ گناہ ہے۔!!!

توبہ' قربِ الٰہی کے حصول کا اہم ذریعہ: جب سے شیطان نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا ہے، اس وقت سے نیکی اور بدی، خیر اور شر، بھلائی اور برائی کے درمیان کشمکش جاری ہے۔ شیطان اپنے لاؤلشکر کے ساتھ رات دن بنی آدم کو گمراہ کرنے، انہیں اپنے رب کا نافرمان بنانے، برائی میں ملوث کرنے، نیکی سے دور اور بدی میں مبتلا کرنے کے لیے سرگرم ہے۔ آدم علیہ السلام کے قصے سے بنی آدم کو ان مشکلات کا حل میسر آتا ہے، ان کے جانی دشمن کے کارگروار سے صحت یاب ہونے کا انمول نسخہ انہیں ملتا ہے۔ شیطان کی چند لمحے کی خوشی کے بعد اسے ذلیل وخوار کرنے کا

مضبوط ترین ہتھیار نصیب ہوتا ہے۔ وہ علاج اور ہتھیار وہی ہے جو ان کے والد محترم حضرت آدم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا اور وہ ہے توبہ واستغفار۔

جس طرح آدم وحواء علیہما السلام شیطانی مکر کا شکار ہوئے، اسی طرح ان کی اولاد بھی شیطان کے فریب میں آ سکتی ہے۔ لہٰذا انہیں بھی اپنے اس مرض کا علاج اس طرح کرنا چاہیے جس طرح ان کے والدین نے کیا تھا۔ وہ روتے ہوئے اور گڑگڑاتے ہوئے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾

"اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا، اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔" (الأعراف: 23/7)

لہٰذا اے مسلم! اگر شیطان کا وار تجھ پر کامیاب ہو جائے، تو اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھے اور انعام ربانی سے محروم ہو جائے، تو تیرے لیے قرب الٰہی کے حصول، گناہوں کی بخشش، رب کی رضا اور انعامات کے حصول کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ تو اپنی زندگی میں کسی بھی وقت اس دروازے سے داخل ہو کر اپنی سیاہ کاریوں کو نیکیوں میں تبدیل کرا سکتا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام

نام ونسب، جائے پیدائش اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حضرت ادریس علیہ السلام مصر کے شہر ''منفیس'' یعنی ''منف'' میں پیدا ہوئے۔ لوگ انہیں ''ہرمس الہرامسہ'' کہتے تھے۔ یہ سریانی زبان کا ایک لفظ ہے۔ ہرموس کا معنی ہے ''تجربہ کار، مضبوط رائے والا۔'' بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ بابل شہر میں پیدا ہوئے، پھر ہجرت کر کے مصر پہنچے۔

علم انساب کے اکثر علماء کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب میں شامل ہیں۔ آدم اور شیث علیہما السلام کے بعد سب سے پہلے انہیں نبوت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں دو مقام پر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾

''اور (اے نبی) اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجیے۔ یہ سب صابر لوگ تھے۔ ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمایا، بلاشبہ یہ نیک لوگ تھے۔'' (الأنبیاء: 86,85/21)

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت یوں فرمایا:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ ﴾

''اس مقدس کتاب (قرآن مجید) میں ادریس کا ذکر کیجیے۔ بلاشبہ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔'' (مریم:57,56/19)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے انہیں نبی اور راست باز قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ ''اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔'' کی وضاحت صحیحین میں مذکور معراج کی احادیث سے ہوتی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ چوتھے آسمان پر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی تھی۔[1]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ہلال بن یساف سے بیان کیا ہے' انہوں نے فرمایا: ''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے میری موجودگی میں کعب احبار سے فرمایا: ادریس علیہ السلام کے بارے میں اللہ کے اس فرمان: ﴿ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ ''اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔''

کعب نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی: ''میں آپ کے اعمال میں روزانہ تمام بنی آدم کے اعمال کے برابر اضافہ کروں گا۔''

اس سے غالباً اُن کے زمانے کے تمام انسانوں کے اعمال کے برابر ثواب مراد ہے۔ ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان کی نیکیوں میں بہت اضافہ ہو جائے۔ ان کے پاس ان کا ایک دوست فرشتہ آیا۔ انہوں نے اس سے کہا: ''میرے بارے میں موت کے فرشتے سے بات کیجیے تاکہ (مجھے زیادہ مہلت ملے اور) میں زیادہ نیکیاں کر سکوں۔'' فرشتے نے انہیں اپنے پروں میں چھپالیا اور انہیں لے کر آسمان پر چلا گیا۔ چوتھے آسمان پر اسے ملک الموت اوپر سے آتے ہوئے ملے۔ اس نے ملک الموت سے اس معاملہ میں بات کی جو ادریس علیہ السلام نے کہی تھی۔ ملک الموت نے فرمایا: ''ادریس علیہ السلام ہیں کہاں؟'' اس نے کہا: ''وہ میری پیٹھ پر ہیں۔'' ملک الموت نے کہا: ''تعجب ہے! مجھے بھیجا گیا تھا اور حکم ہوا تھا: ''ادریس علیہ السلام کی روح چوتھے آسمان پر قبض کرو۔'' میں (دل میں) کہہ رہا تھا: ''وہ تو زمین پر ہیں، میں ان کی روح چوتھے آسمان پر کیسے قبض کروں؟'' چنانچہ انہوں نے وہاں ان کی روح قبض کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے: ﴿ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ ''ہم نے اسے ایک بلند مقام پر اُٹھایا۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري' الصلاة' باب كيف فرضت الصلوة في الإسراء' حديث:349 و صحيح مسلم' الإيمان' باب الإسراء برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ' حديث:164

[2] تفسير الطبري: 121/9' تفسير سورة مريم' آيت:56

دوران معراج نبی ﷺ اور ادریس علیہ السلام کی ملاقات

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ الیاس اور ادریس علیہما السلام ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ [1] اس کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی معراج کی حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب نبی ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ ﷺ کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''نیک بھائی اور نیک نبی کو خوش آمدید۔'' جبکہ حضرت آدم اور ابراہیم علیہما السلام نے فرمایا تھا: ''نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید۔'' [2] اگر ادریس علیہ السلام آپ کے اجداد میں سے ہوتے تو وہ ان دونوں کی طرح آپ کو (بیٹا) کہتے۔

لیکن یہ استدلال ایسا نہیں، جس کا جواب نہ دیا جا سکے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ راوی کو الفاظ اچھی طرح یاد نہ رہے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسرنفسی کرتے ہوئے خود کو باپ کی بجائے بھائی کہا ہو۔ آدم علیہ السلام تو تمام انسانوں کے باپ ہیں اس لیے ان کا نبی علیہ السلام کو بیٹا کہنا ہی مناسب تھا اور ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں، جو اولوالعزم پیغمبروں میں نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان سب حضرات پر درود و سلام نازل ہو۔

قلم کے موجد

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے قلم سے لکھا۔ ان کی پیدائش کے وقت حضرت آدم علیہ السلام زندہ تھے اور آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر تین سو آٹھ سال تھی۔ [3]

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ﴿وإن إلياس لمن المرسلين...... الخ﴾، قبل حديث: 3342

[2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ذكر إدريس عليه السلام...... الخ، حديث: 3342

[3] البداية والنهاية: 92/1
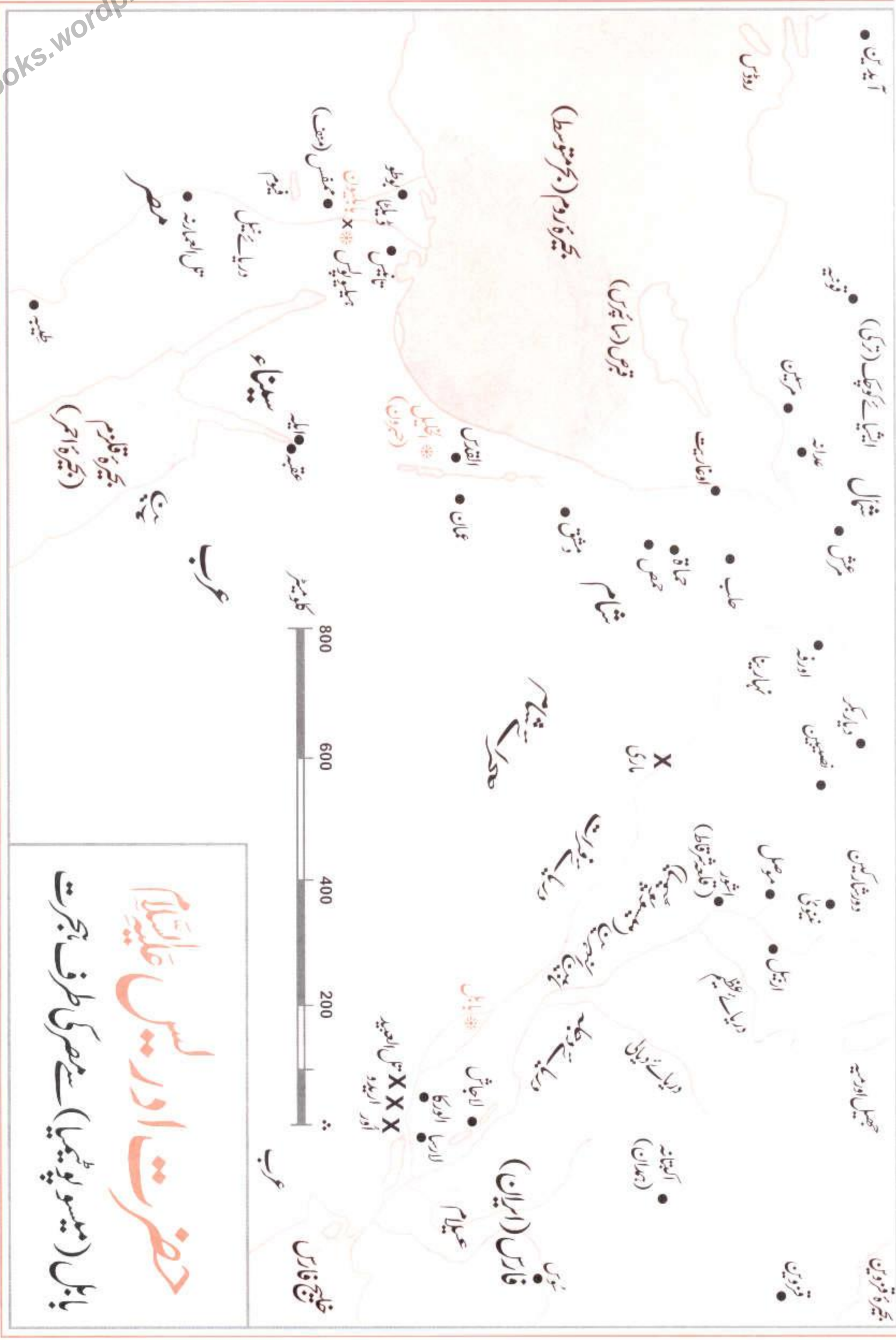
حضرت ادریس علیہ السلام

بابل (میسوپوٹیمیا) سے مصر کی طرف ہجرت

بحیرۂ قزوین
جھیل اورمیہ
دورشارکین
دیار بکر
مرعش
شمال
ایشیائے کوچک (ترکی)
آیدین
قونیہ
عدانہ
مرسین
قزوین
نینوئی
نصیبین
اورفہ
اربیل
موصل
نہارینا
روڈس
حلب
اوغاریت
اشور
(قلعہ شرقاط)
دریائے عظیم
حماۃ
حمص
X
ماری
اکبتانہ
(ہمدان)
دریائے دیالہ
قبرص (سائپرس)
شام
بین النہرین (میسوپوٹیمیا)
دریائے فرات
دریائے دجلہ
دمشق
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
صحرائے شام
سوس
فارس (ایران)
القدس
عمان
بابل
لاجاش
عیلام
الخلیل
(حبرون)
الورکا
لارسا
بوطو
ڈیلٹا
تانیس
تل العبید
اریدو
اُور
ہیلیوپولس
بابلیون
ممفس (منف)
800
600
400
200
۰
کلومیٹر
خلیج فارس
عقبہ
ایلہ
سیناء
عرب
فیوم
دریائے نیل
عرب
تل العمارنہ
مصر
ینبع
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)
طیبہ

حضرت نوح علیہ السلام

نام ونسب، پیدائش اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے: [نوح بن لامك بن متوشلخ بن خنوخ (ادریس علیہ السلام) بن یرد بن مہلاییل بن قینن بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام]

ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ کے قول کے مطابق آپ کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات سے ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی۔

اہل کتاب کی تاریخ کے مطابق نوح علیہ السلام کی ولادت اور آدم علیہ السلام کی وفات کے درمیان ایک سو چھیالیس سال کا فاصلہ ہے اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ ان کے درمیان دس قرن (دس صدیوں یا دس نسلوں) کا فاصلہ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''ہاں! آپ سے کلام کیا گیا۔'' اس نے کہا: آپ کے اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''دس قرن۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن تھے اور وہ

[1] صحیح ابن حبان، (الإحسان) 24/8 حدیث:6157

سب اسلام پر تھے۔''[1]

قَــرْنٌ سے مراد اگر صدی ہو، جیسے کہ اکثر حضرات کے کلام سے ظاہر ہے، تب تو ان دونوں انبیاء کے درمیان یقیناً ایک ہزار سال کا فاصلہ ہوگا۔ لیکن کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اس سے زیادہ مدت کی نفی نہیں۔ لیکن ان کا ذکر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل اسلام کے طور پر کیا ہے۔ ممکن ہے ان کے بعد اور کئی صدیاں ہوں جن کے افراد اسلام پر قائم نہ رہے ہوں۔ البتہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دس قرون تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''وہ سب اسلام پر تھے۔'' اور اگر [قــرن] سے نسل مراد لی جائے، جیسے متعدد آیات میں یہ لفظ اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ﴾ ''اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک کر ڈالا۔'' (الإسراء: 17/17) اور مزید فرمایا: ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ﴾ ''پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی۔'' (المؤمنون: 31/23) اور ارشاد نبوی: [خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي] ''بہترین نسل میرے ہم عصر افراد ہیں۔''[2] اور نوح علیہ السلام سے پہلے ایک ایک نسل کے لوگ صدیوں تک زندہ رہتے تھے۔ اس صورت میں آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان ہزاروں سال کی مدت ہوگی۔ (واللہ اعلم)

بہر حال اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اس وقت نبوت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرمایا جب بتوں اور شیطانوں کی پوجا شروع ہوگئی اور لوگوں نے گمراہی اور کفر کا راستہ اختیار کر لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر رحمت فرماتے ہوئے انہیں مبعوث فرمایا۔ اس طرح وہ پہلے رسول تھے جنہیں زمین والوں کی طرف بھیجا گیا۔ قیامت کے دن میدان محشر میں کھڑے ہوئے لوگ بھی اُن سے یہی بات کہیں گے۔[3]

❖ **مختلف سورتوں میں نوح علیہ السلام کا ذکر:** اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں متعدد مقامات پر آپ کا قصہ بیان کیا ہے کہ آپ کی قوم نے کیا کچھ کیا اور اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں پر طوفان کا کیسا عذاب بھیجا۔ پھر آپ کو اور کشتی والوں کو کس طرح نجات دی۔ مثلاً: سورۂ اعراف، سورۂ یونس، سورۂ ہود، سورۂ انبیاء، سورۂ مومنون، سورۂ شعراء، سورۂ عنکبوت، سورۂ صافات اور سورۂ قمر میں آپ کا ذکر فرمایا اور ایک مکمل سورت (سورۂ نوح) آپ کے نام سے نازل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو پیغام ربانی دے کر ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ نے قوم کو یہ پیغام بڑے احسن انداز میں پہنچایا۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں فرمایا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ

---

[1] البداية والنهاية: 94/1

[2] صحيح البخاري، الشهادات، باب لايشهد على شهادة جور إذا أشهد، حديث: 2652

[3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله عزوجل ﴿ولقد أرسلنا نوحا إلى قومه﴾......، حديث: 3340

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۞ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۞ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۞

’’ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ تو انہوں نے (اُن سے) کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے۔ تو جو ان کی قوم کے سردار تھے، وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔ تمہیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم پرہیز گار بنو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے نوح کو اور جو اُن کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، ان کو تو بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں غرق کر دیا۔ کچھ شک نہیں کہ وہ اندھے لوگ تھے۔‘‘ (الأعراف: 7/59-64)

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو دعوت حق دی تو انہوں نے اس سچی دعوت کو جھٹلا دیا۔ اس پر آپ نے قوم کو دلائل کی روشنی میں دعوت غور وفکر دی جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں یوں فرمایا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۞ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۞ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۞

’’اور (اے نبی) ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنا دو۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اگر تمہیں میرا تمہارے ہاں رہنا اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو اللہ پر بھروسا رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کر لو اور وہ تمہاری تمام جماعت (کو معلوم ہو جائے اور کسی) سے پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم

جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔ میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔ لیکن ان لوگوں نے تکذیب کی تو ہم نے اُن کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، سب کو (طوفان سے) بچالیا اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اُن کو غرق کر دیا سو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے اُن کا انجام کیسا ہوا؟'' (یونس: 10/71-73)

حضرت نوح علیہ السلام کی مدلل دعوت کا انکار کرنے کے ساتھ ساتھ گمراہ قوم نے عجیب وغریب دلائل سے غالب آنے کی سعی لاحاصل کی۔ نوح علیہ السلام نے ان کے ان باطل استدلالات کا نہایت شافی جواب دیا۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۙ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ وَیٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝ وَاُوْحِیَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫

وَنَادٰی نُوۡحُ ابۡنَہٗ وَکَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا وَلَا تَکُنۡ مَّعَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿﴾ قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ ﴿﴾ وَقِیۡلَ یٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآءَکِ وَیٰسَمَآءُ اَقۡلِعِیۡ وَغِیۡضَ الۡمَآءُ وَقُضِیَ الۡاَمۡرُ وَاسۡتَوَتۡ عَلَی الۡجُوۡدِیِّ وَقِیۡلَ بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿﴾ وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَہۡلِیۡ وَاِنَّ وَعۡدَکَ الۡحَقُّ وَاَنۡتَ اَحۡکَمُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿﴾ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ٭ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿﴾ قِیۡلَ یٰنُوۡحُ اہۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَکٰتٍ عَلَیۡکَ وَعَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَکَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُہُمۡ ثُمَّ یَمَسُّہُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿﴾ تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ ۚ مَا کُنۡتَ تَعۡلَمُہَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُکَ مِنۡ قَبۡلِ ہٰذَا ؕۛ فَاصۡبِرۡ ؕۛ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿﴾

''اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (تو انہوں نے ان سے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے (اور پیغام پہنچانے) آیا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہاری نسبت دردناک عذاب کے دن کا خوف ہے۔ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیروکار وہی لوگ ہوئے جو ہم میں ادنیٰ درجے کے اور موٹی عقل والے ہیں اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو' اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کے لیے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔ اور اے قوم! میں اس (نصیحت) کے بدلے تم سے مال و زر کا خواہاں نہیں ہوں، میرا صلہ تو اللہ کے ذمے ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں' وہ تو اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔ اور برادران ملّت! اگر میں ان کو نکال دوں تو (عذاب) الٰہی سے (بچانے کے لیے) کون میری مدد کر سکتا ہے؟ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کی نسبت جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، یہ کہتا ہوں کہ اللہ اُن کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزائے نیک) نہیں دے گا' جو اُن کے دلوں میں ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے' اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافوں میں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نوح! تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا، لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لا نازل کرو۔ نوح نے کہا

کہ اس کو تو اللہ ہی چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) ہرا نہیں سکتے۔ اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور اللہ یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی، وہی تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے قرآن اپنے دل سے بنالیا ہے؟ آپ کہیے کہ اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر اور جو گناہ تم کرتے ہو اُس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لاچکے (لاچکے) ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں اُن کی وجہ سے غم نہ کھاؤ اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے رُوبرو بناؤ۔ اور جو لوگ ظالم ہیں اُن کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیے جائیں گے۔ تو نوح نے کشتی بنانی شروع کر دی۔ اور جب ان کی قوم کے سردار اُن کے پاس سے گزرتے تو اُن سے تمسخر کرتے۔ وہ (نوح) کہتے کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اسی طرح (ایک وقت) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے۔ سو تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اُسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے؟ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا کہ ہر قسم (کے جانداروں) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی) دو (ایک نر اور ایک مادہ) لے لو۔ اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اُس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اُس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔ (نوح نے) کہا کہ اللہ کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا (ہے) اس میں سوار ہو جاؤ، بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ اُن کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھے) اُس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو جو کشتی سے الگ تھا، پکارا کہ بیٹا، ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ عنقریب پہاڑ کی طرف جگہ پکڑوں گا جو کہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوح نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ اور اتنے میں دونوں کے درمیان لہر آ حائل ہوئی سو وہ ڈوب کر رہ گیا۔ اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا۔ تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جودی پر جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت نازل ہو۔ اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے ہے (تو اُس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ناشائستہ افعال (والا) ہے، تو جس چیز کی تم کو حقیقت معلوم نہیں، اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔ اور میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔ نوح نے کہا: پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی مجھے حقیقت معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا

اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا کہ نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اُتر آؤ۔ اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محظوظ کریں گے' پھر اُن کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے رہتے ہیں اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی۔) سو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔" (ھود: 11/25-49)

اور سورۂ انبیاء میں فرمایا:

﴿ وَنُوحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ﴾

"اور نوح (کا قصہ بھی یاد کرو) جب (اس سے) پیشتر انہوں نے ہم کو پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں اور ان کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے، اُن پر نصرت بخشی۔ وہ بیشک برے لوگ تھے سو ہم نے اُن سب کو غرق کر دیا۔" (الأنبياء: 21/76,77)

دلائل کے میدان میں شکست کھانے کے بعد نافرمان قوم نے آپ کو مجنوں اور دیوانہ کہہ کر جھٹلایا تو نوح علیہ السلام نے دست دعا دراز کر دیے۔ سورۂ مومنون میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَي الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝ ﴾

"اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے: یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے' تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اُتار دیتا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی نہیں سنی تھی۔ اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے لہٰذا اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔ نوح نے کہا:

پروردگار! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچے اور تنور (پانی سے بھر کر) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی نر اور مادہ) دو دو کشتی میں بٹھا دو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے اُن کے جن کی نسبت اُن میں سے (ہلاک ہونے کا) حکم پہلے صادر ہو چکا ہے۔ اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا وہ ضرور ڈبو دیے جائیں گے۔ اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر ادا کرنا اور) کہنا کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی اور (یہ بھی) دُعا کرنا کہ اے پروردگار! ہم کو مبارک جگہ اتارنا اور تو سب سے بہتر اُتارنے والا ہے۔ بے شک اس (قصے) میں نشانیاں ہیں اور ہمیں تو آزمائش کرنی تھی۔"

(المؤمنون: 23/23-30)

جاہل اور قدر ناشناس قوم نے مشفقانہ نصیحت کے مقابلے میں سنگین دھمکیاں دیں تو نبی مکرم نے اپنے رب سے فریاد کر دی۔ سورۂ شعراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ۝ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي ۖ لَوْ تَشْعُرُونَ ۝ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ ﴾

"قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن سے اُن کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں اس کام کا تم سے کچھ صلہ تو نہیں مانگتا' میرا صلہ تو اللہ رب العالمین ہی پر ہے۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو۔ وہ بولے کہ کیا ہم تم کو مان لیں اور تمہارے تابعدار تو رذیل لوگ ہیں۔ نوح نے کہا: مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اُن کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے کاش! تم سمجھو' اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں' میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نوح! اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیے جاؤ گے۔ نوح نے کہا کہ پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلایا' سو تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں اُن کو بچا لے۔ پس ہم نے اُن کو اور جو اُن کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اُن کو بچا لیا۔ پھر اُس کے بعد باقی لوگوں کو غرق

کر دیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے اور اُن میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔'' (الشعراء: 26/105-122)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی فریاد قبول کر کے مومنوں کی نجات اور منکروں کی تباہی کا سامان کر دیا۔ سورۂ صافات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾

''اور ہم کو نوح نے پکارا، سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی اور ان کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہی باقی رہ گئی اور پیچھے آنے والوں میں اُن کا ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا۔ سلام ہے نوح پر تمام دنیا والوں میں، نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا۔'' (الصافات: 37/75-82)

اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾

''اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ اُن میں پچاس برس کم ہزار برس رہے، پھر اُن کو طوفان (کے عذاب) نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔'' (العنکبوت: 29/14،15)

اور سورۂ قمر میں مزید فرمایا:

﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَا اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾

''اُن سے پہلے نوح کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انہیں ڈانٹا بھی تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (باری تعالیٰ) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو

(ان سے) بدلہ لے۔ پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیے اور زمین میں چشمے جاری کر دیے تو پانی ایک کام کے لیے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر سوار کر لیا جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لیے (کیا گیا) جس کو کافر نہ مانتے تھے۔ اور ہم نے اس (واقعہ) کو ایک عبرت بنا چھوڑا تو کوئی ہے جو سوچے سمجھے سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو سوچے سمجھے؟" (القمر: 54/9-17)

نوح علیہ السلام نے قوم کو دن رات دعوت توحید پہنچائی، انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں، نظام کائنات میں غور وفکر کی دعوت دی مگر قوم نے دعوت حق قبول کرنے کی بجائے دشمنی کی راہ اختیار کی اور اپنے نبی کو سنگین دھمکیاں دیں۔ آخرکار نبی محترم نے مایوس ہو کر قوم کی تباہی و بربادی کی دعا کر دی۔ سورۂ نوح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ۝ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّى دَعَوْتُ قَوْمِى لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىٓ إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّى كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوٓا۟ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَٱسْتَغْشَوْا۟ ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا۟ وَٱسْتَكْبَرُوا۟ ٱسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّى دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّىٓ أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّٰتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَٰرًا ۝ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝ أَلَمْ تَرَوْا۟ كَيْفَ خَلَقَ ٱللَّهُ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَجَعَلَ ٱلْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ ٱلشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَٱللَّهُ أَنۢبَتَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝ وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوا۟ مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِى وَٱتَّبَعُوا۟ مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُۥ وَوَلَدُهُۥٓ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا۟ مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا۟ لَا تَذَرُنَّ ءَالِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا۟ كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ ٱلظَّٰلِمِينَ إِلَّا ضَلَٰلًا ۝ مِّمَّا خَطِيٓـَٰٔتِهِمْ أُغْرِقُوا۟ فَأُدْخِلُوا۟ نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا۟ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ أَنصَارًا ۝ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى ٱلْأَرْضِ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا۟ عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوٓا۟ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ رَبِّ ٱغْفِرْ لِى وَلِوَٰلِدَىَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِىَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ ۖ وَلَا تَزِدِ ٱلظَّٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارًا﴾

''ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کردے، پیشتر اس کے کہ ان پر درد دینے والا عذاب واقع ہو۔ انہوں نے کہا کہ اے قوم! میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو، وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور (موت کے) وقت مقرر تک تم کو مہلت عطا کرے گا۔ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی۔ کاش! تم جانتے ہوتے۔ جب لوگوں نے نہ مانا تو (نوح نے) اللہ سے عرض کی کہ پروردگار! میں اپنی قوم کو دن رات بلاتا رہا، لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے، جب بھی میں نے اُن کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) تُو اُن کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھ لیے اور اَڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔ پھر میں ان کو کھلے طور پر بلاتا رہا اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔ اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور (اُن میں) تمہارے لیے نہریں بہا دے گا۔ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) کا پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں۔ اور چاند کو اُن میں (زمین کا) نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے، پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تم کو نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو۔ (اس کے بعد) نوح نے عرض کی کہ پروردگار! یہ لوگ میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے جن کو ان کے مال و اولاد نے نقصان کے سوا کچھ نہیں دیا اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور وَدّ اور سُواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو بھی ترک نہ کرنا۔ (پروردگار!) انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ تو تُو اُن کو اور زیادہ گمراہ کردے۔ (آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب ہی غرقاب کر دیے گئے۔ پھر آگ میں ڈال دیے گئے۔ تو انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔ اور (پھر) نوح نے (یہ) دعا کی کہ میرے پروردگار! کسی کافر کو روئے زمین پر بسا نہ رہنے دے۔ اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور اُن سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہی ہو گی۔ اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لا کر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما۔ اور ظالم لوگوں کے لیے اور زیادہ تباہی بڑھا۔'' (نوح: 71/1-28)

دنیا میں بت پرستی کا آغاز

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن تھے، جو سب اسلام پر قائم تھے۔ اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ قرن سے مراد نسل یا صدی ہے۔

ان نیک لوگوں کے بعد ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتیجے میں لوگ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اس تبدیلی کا سبب اس روایت سے واضح ہوتا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ذکر فرمائی ہے:

﴿وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴾

''اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔''

(نوح: 23/71)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعض نیک آدمیوں کے نام ہیں۔ جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جہاں وہ حضرات بیٹھا کرتے تھے، وہاں بت بنا کر رکھ دو، اور ان کے وہی نام رکھ دو جو ان بزرگوں کے تھے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت بتوں کی پوجا نہیں ہوئی۔ جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور علم مٹ گیا تب ان کی پوجا ہونے لگی۔'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''نوح علیہ السلام کی قوم کے یہی بت بعد میں عرب میں پوجے گئے۔''[1]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں محمد بن قیس رحمہ اللہ سے روایت کی ہے' انہوں نے فرمایا: ''یہ حضرات آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کے زمانہ کے اولیائے کرام تھے۔ ان کے کچھ پیروکار بھی تھے جو اُن کے طریقے پر چلتے تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو ان کے (عقیدت مند) پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی تصویریں بنا لیں، تو ان کی یاد کی وجہ سے ہمیں عبادت کا شوق زیادہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ان کی تصویریں بنائیں۔ جب یہ (تصویریں بنانے والے افراد) فوت ہو گئے اور ان کی جگہ دوسرے لوگ آ گئے تو ابلیس نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تمہارے باپ دادا ان اولیائے کرام کی عبادت کیا کرتے تھے اور انہی کی وجہ سے انہیں بارش ملتی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔''[2]

ابو المطہر سے روایت ہے کہ ابو جعفر محمد باقر نماز پڑھ رہے تھے کہ حاضرین نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے فرمایا: تم نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا ہے، وہ اس علاقے میں قتل ہوئے ہیں جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی

[1] صحيح البخاري' التفسير' باب ﴿ودا ولا سواعا ولا يغوث و يعوق﴾' حديث:4920

[2] تفسير الطبري: 14/122' تفسير سورة نوح' آيت:23'24

پوجا ہوئی تھی۔ انہوں نے وَدّ کے بارے میں فرمایا: ''وہ ایک نیک آدمی تھا، جو قوم میں ہر دل عزیز تھا، جب وہ فوت ہو گیا تو لوگ بابل میں اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور بہت زیادہ غمگین ہوئے۔ جب ابلیس نے ان کا غم دیکھا تو انسانی صورت میں ان کے پاس آ کر کہنے لگا: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ان صاحب کی وفات پر بہت دل گرفتہ ہو۔ تو کیا میں تمہیں اُس جیسی ایک صورت نہ بنا دوں، جو اس کی جگہ رکھی جائے اور وہ اس کی یادگار بن جائے؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں! بنا دو۔'' اس نے وَدّ کا ایک بُت بنا دیا۔ انہوں نے اسے چوپال میں رکھ لیا اور اسے یاد کرنے اور اس کی باتیں کرنے لگے۔ جب ابلیس نے دیکھا کہ لوگ وَدّ کو بہت یاد کرتے ہیں تو کہا: ''کیا میں تم میں سے ہر شخص کے گھر میں اس طرح کا ایک مجسمہ نہ بنا دوں، جس کو دیکھ کر وہ اسے یاد کرے؟'' انہوں نے کہا: ہاں (بنا دو۔) اس نے ہر شخص کے گھر میں ایک بُت بنا دیا۔ وہ اس کو دیکھ کر اس (اللہ کے ولی وَدّ) کو یاد کرتے تھے۔ جب ان کے بیٹے بڑے ہوئے تو انہوں نے اپنے بزرگوں کو ان (بتوں) کو اہمیت دیتے دیکھا (تو وہ بھی اسی طرح اہمیت دیتے رہے) حتی کہ اگلی نسلوں کے لوگ اس بات سے بے خبر ہو گئے کہ ان کے بزرگ انہیں کیوں یاد کرتے تھے۔ البتہ انہوں نے آہستہ آہستہ ان کی عبادت شروع کر دی۔ چنانچہ سب سے پہلے جس مخلوق کی عبادت کی گئی، وہ وَدّ بزرگ کا بُت تھا۔''[1]

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بُت کو پوجنے والی ایک الگ جماعت تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب طویل زمانہ گزر گیا تو انہوں نے تصویروں کی جگہ مجسم بُت بنا لیے تاکہ زیادہ دیر تک قائم رہ سکیں۔ (یعنی پہلے تصویریں بنائی گئی تھیں، بعد میں تصویروں کے مِٹ جانے کے خوف سے مجسمے بنائے گئے۔) بعد میں ان کی عبادت ہونے لگی۔ ان کے ہاں ان کی عبادت کے بہت سے طریقے تھے جن کا ذکر ہم نے تفسیر میں متعلقہ مقامات پر کیا ہے۔

حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں جو گرجا دیکھا تھا، اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ اس کا نام ''ماریہ'' تھا۔ انہوں نے اس کی خوبصورتی کا ذکر کیا اور اس میں جو تصویریں تھیں ان کا ذکر کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد (عبادت گاہ) تعمیر کرتے تھے اور اس میں یہ تصویریں بناتے تھے۔ اللہ کے ہاں یہ لوگ مخلوقات میں بدترین ہیں۔''[2]

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 3376/10

[2] صحيح البخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية......، حديث: 427، صحيح مسلم: المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور...... حديث: 528

نوح علیہ السلام کی قوم کو دعوت توحید

جب زمین میں خرابی پھیل گئی اور بت پرستی کی وبا عام ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، جو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلانے لگے، جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا ہر چیز کی عبادت سے منع کرنے لگے۔

چنانچہ آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے آدم! آپ تمام انسانوں کے والد ہیں، آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، آپ کے اندر اپنی (پیدا کی ہوئی خاص) روح ڈالی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا۔ کیا آپ اللہ کے حضور ہماری شفاعت نہیں کریں گے؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور وہ مصیبت کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ آدم علیہ السلام فرمائیں گے: ''میرا رب آج سخت غصے میں ہے۔ اس سے پہلے کبھی اس قدر جلال میں نہیں آیا، نہ آئندہ کبھی آئے گا، اس نے مجھے ایک درخت سے منع کیا تھا، لیکن میں نے حکم عدولی کی۔ ہائے میری جان! میری جان! کسی اور کے پاس جاؤ، نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ!'' لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: ''اے نوح! آپ زمین والوں کی طرف مبعوث ہونے والے پہلے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ''شکر گزار بندہ'' رکھا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور وہ کس حد کو پہنچ چکی ہے؟ کیا آپ اللہ کے دربار میں ہماری شفاعت نہیں کریں گے؟'' نوح علیہ السلام فرمائیں گے: ''میرا رب آج سخت غصے میں ہے۔ اس سے پہلے کبھی اس قدر جلال میں نہیں آیا، نہ آئندہ آئے گا۔ ہائے میری جان! میری جان! ....'' آخر تک پوری حدیث بیان فرمائی۔ [1]

جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کو کہا اور یہ فرمایا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بت، مجسمے یا طاغوت کی پوجا نہ کریں۔ اس کی وحدانیت کا اقرار کریں اور یہ تسلیم کریں کہ اس کے سوا نہ کوئی عبادت کے لائق ہے نہ کوئی رب ہے۔

ان کی اولاد میں مبعوث ہونے والے دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی اللہ نے یہی حکم دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾

[1] صحيح البخاري: التفسير، باب ﴿ذرية من حملنا مع نوح...... الخ﴾، حديث:4712

''ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔'' (الحدید: 26/57) یعنی نوح علیہ السلام کے بعد آنے والا ہر نبی ان کی اولاد سے تھا اور یہی شان ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾

''اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''
(النحل: 36/16)

اور مزید ارشاد ہے:

﴿ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴾

''اور اے محمد! جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ہیں اُن سے دریافت کرلو کہ کیا ہم نے اللہ کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ اُن کی عبادت کی جائے۔'' (الزخرف: 45/43)

اور مزید فرمایا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾

''اور جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری ہی عبادت کرو۔'' (الأنبياء: 25/20)

اسی لیے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

﴿ اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾

''اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے۔'' (الأعراف: 59/7)

مزید فرمایا:

﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴾

''کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔'' (ھود: 26/11)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام نے لوگوں کو ہر طرح تبلیغ کی۔ رات کو بھی اور دن کو بھی، تنہائی میں بھی اور علانیہ بھی، ترغیب کے ذریعے سے بھی اور ترہیب کے ذریعے سے بھی، لیکن کوئی طریقہ کارگر نہ ہوا بلکہ اکثر لوگ گمراہی، سرکشی اور بت پرستی پر اڑے رہے۔ ہر وقت آپ سے دشمنی کرتے رہے، آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو برا بھلا کہتے رہے، انہیں شہید کر دینے اور جلا وطن کر دینے کی دھمکیاں دیتے رہے، ان کی بے عزتی کرتے اور زیادہ سے

زیادہ تکلیفیں دیتے رہے۔

☆ **نبی کی خیر خواہی اور قوم کا عناد:** نبی کی خیر خواہی اور نرمی و پیار کے باوجود آپ کی قوم کے جو بڑے سردار تھے، انہوں نے کہا: ﴿ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''ہم آپ کو واضح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔'' (الأعراف: 60/7) نوح علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

''اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔'' (الأعراف: 61/7) یعنی تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میں گمراہ ہوں بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے صحیح ہدایت پر قائم ہوں جو ہر چیز کو [کُنْ] کہہ کر پیدا کر لیتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید فرمایا: ﴿ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔'' (الأعراف: 62/7)

رسول کی یہی شان ہوتی ہے کہ فصیح و بلیغ بھی ہو اور نصیحت کرنے والا خیر خواہ بھی ہو اور اسے اللہ (کی عظمت و شان اور صفات) کا علم بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ قوم کے سرداروں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا:

﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴾

''اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیروکار وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے (نہ غور و تفکر سے) اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔'' (هود: 27/11)

انہیں اس بات پر حیرت تھی کہ ایک انسان اللہ کا رسول ہے۔ وہ نوح علیہ السلام کے متبعین کی توہین کرتے تھے اور انہیں کمتر سمجھتے تھے۔ ایک قول کے مطابق یہ افراد کمزور لوگ تھے، جیسے کہ ہرقل نے کہا تھا: ''کمزور ہی رسولوں کی پیروی کرنے والے ہوتے ہیں۔''[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے حق کی قبولیت کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

﴿ بَادِيَ الرَّاْيِ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ (اے نوح) ان لوگوں نے آپ کے دعوے کو سوچے سمجھے بغیر قبول کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو انہوں نے عیب قرار دیا ہے، وہی ان حضرات کا قابل تعریف وصف ہے۔ اللہ ان سے راضی ہوا۔ کیونکہ حق اتنا واضح ہوتا ہے کہ اسے سمجھنے کے لیے کسی غور و فکر اور تامل و تاخیر کی ضرورت ہی نہیں ہوتی' بلکہ جب وہ سامنے آ جائے اسے مان لینا اور اس کی پیروی کرنا ضروری ہوتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري' بدء الوحي' باب كيف كان بدء الوحي ......' حديث:7

رسول اللہ ﷺ نے اسی وجہ سے صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی، وہ (اس کی طرف آتے ہوئے) جھجکا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان ذرا نہیں رُکی (فوراً قبول کرلیا۔'')[1]

یہی وجہ ہے کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں اجتماع کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی فوراً ہوگئی۔ حاضرین کو سوچنے سمجھنے اور غور وفکر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں آپ رضی اللہ عنہ کی افضلیت بالکل ظاہر اور واضح تھی۔ اور خود رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا۔ پھر یہ فرماتے ہوئے ارادہ ترک فرما دیا کہ ''اللہ اور مومن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی پر راضی نہیں ہوں گے۔''[2]

نوح علیہ السلام کے کافروں نے اپنے نبی اور مومنوں کے بارے میں کہا: ﴿وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ ''اور ہم پر تمہاری کوئی فضیلت ہمیں نظر نہیں آتی۔'' (ھود: 27/11) اس کا مطلب یہ تھا کہ ایمان لانے کے بعد تمہیں ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوئی ﴿بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ﴾ ''بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔''

٭ نوح علیہ السلام کا مشفقانہ خطاب: آپ نے قوم کی طرف سے انتہائی سخت اور ناقابل برداشت رویے کے باوجود بڑے حوصلے اور صبر کے ساتھ انہیں سمجھانے اور غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾

''اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس (کو ماننے) کے لیے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں جبکہ تم اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔'' (ھود: 28/11)

یہ ان سے خطاب کرنے میں نرم اسلوب کا انداز ہے اور انہیں حق کی طرف بلانے میں نرم رویے کا اظہار ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرعون کی بابت فرمایا تھا:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾

''اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔'' (طٰہٰ: 44/20)

اللہ تعالیٰ نے آخر الزمان پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو بھی نرم اسلوب اور نرم رویہ اپنانے کی ہدایات فرمائی تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

1. البداية والنهاية: 101/1
2. صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، حديث: 2383 و سنن أبي داود، السنة، باب في استخلاف أبي بكر، حديث: 4660

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾

''(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے اُن سے مناظرہ کرو۔'' (النحل: 125/16)

حضرت نوح علیہ السلام کا مذکورہ بالا خطاب بھی اسی قبیل سے ہے۔ یعنی میں تمہیں ایسی چیز پہنچا رہا ہوں جس میں تمہارا دنیا اور آخرت کا فائدہ ہے اس عمل کے بدلے میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میں یہ چیز صرف اللہ سے مانگتا ہوں۔ اس کا ثواب میرے لیے بہتر ہے اور وہ اس سے زیادہ باقی رہنے والا ہے جو کچھ تم مجھے دے سکتے ہو۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴾

''میں ایمان والوں کو اپنے پاس سے نہیں نکال سکتا۔ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو۔'' (ھود: 29/11)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ نوح علیہ السلام مومنوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیں اور وعدہ کیا کہ اگر وہ اس مطالبے کو تسلیم کر لیں تو وہ ان کے پاس بیٹھیں گے۔ نوح علیہ السلام نے یہ مطالبہ رد کر دیا اور فرمایا: ﴿ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ ''انہیں اپنے رب سے ملنا ہے۔'' یعنی اگر میں نے انہیں ہٹایا تو مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ''کیا تم سمجھتے نہیں؟'' (ھود: 30/11)

کفار قریش نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ عمار، صہیب، بلال، خباب رضی اللہ عنہم اور ایسے دوسرے حضرات کو اپنے پاس سے اُٹھا دیں تو اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو یہ بات ماننے سے منع فرما دیا۔ جیسے کہ سورۂ کہف اور سورۂ انعام میں مذکور ہے۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے مزید فرمایا:

﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

''اور میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور نہ ان لوگوں کی نسبت جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزائے نیک) نہیں دے گا۔ جو اُن کے دلوں میں ہے اُسے اللہ خوب جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافوں میں ہوں۔'' (ھود: 31/11)

یعنی میں تو رسول عبد (پیغام پہنچانے والا بندہ) ہوں مجھے صرف اتنا ہی علم ہے جتنا اللہ نے مجھے سکھایا اور صرف اتنی ہی طاقت ہے جتنی اللہ نے دی، میں تو اللہ کی مرضی کے خلاف اپنے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ

میرے پیروکاروں کے لیے قیامت کو اللہ کے ہاں کوئی نعمت نہیں ہوگی، ان کے بارے میں اللہ زیادہ جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے؟ وہ نیکی کا اچھا بدلہ دے گا اور گناہ کا برا بدلہ دے گا۔ دوسرے مقامات پر مذکور ہے کہ ان لوگوں نے کہا:

﴿ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾

''کیا ہم تم کو مان لیں' حالانکہ تمہارے پیروکار تو رذیل لوگ ہیں۔ نوح نے کہا: مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اُن کا حساب میرے پروردگار کے ذمے ہے' کاش! تم سمجھو۔ اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں' میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں۔'' (الشعراء: 26/111-115)

جب قوم نے خود عذاب مانگا

صدیاں بیت گئیں، لیکن حضرت نوح علیہ السلام کا قوم سے بحث ومباحثہ چلتا رہا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾

''سو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے' پھر اُن کو طوفان (کے عذاب) نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے۔'' (العنکبوت: 29/14) یعنی اتنی طویل مدت گزر جانے کے بعد تھوڑے سے افراد ایمان لائے۔

جب ایک نسل کے لوگ مرتے تو وہ بعد والوں کو یہ وصیت کر جاتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لانا، ان سے جھگڑتے اور ان کی مخالفت کرتے رہنا۔ جب کسی کا بچہ بڑا ہوتا اور اس کی باتیں سمجھنے لگتا تو باپ اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کرتا تھا کہ زندگی بھر نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لانا۔

ان کی فطرت ایسی بن گئی تھی کہ جسے ایمان اور حق کی قبولیت کسی صورت گوارا نہ تھی۔ اسی لیے نوح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾

''(اے اللہ) ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی۔'' یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کہا:

﴿ يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾

''اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا۔ لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لا نازل کرو۔ نوح نے کہا اس کو تو اللہ ہی چاہے گا تو نازل کرے گا۔ اور تم (اس کو کسی طرح) ہرا نہیں سکتے۔''

(هود: 11/32,33)

یعنی عذاب لانا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہے جو کسی کام سے عاجز نہیں اور کوئی کام اس کے لیے مشکل نہیں بلکہ وہ جس چیز کو [کُنْ] کہتا ہے، وہ ہو جاتی ہے۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مزید مطمئن کرنے کے لیے فرمایا:

﴿ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

"میری خیر خواہی تمہیں کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو۔ وہی تم سب کا پروردگار ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔" (ھود: 34/11)

یعنی اللہ تعالیٰ جسے آزمائش میں ڈالنا چاہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ وہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے۔

وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کے لائق ہے۔ اسی کی حکمت کامل اور اسی کی دلیل باطل شکن ہے۔

طوفانِ نوح کے اسباب اور کشتی بنانے کا حکم

حضرت نوح علیہ السلام نے دن رات انتھک محنت کی اور قوم کو دعوتِ توحید دی مگر ساڑھے نو سو سال کی اس بے مثال جدوجہد کے بعد بھی قوم نے دعوتِ ایمان قبول نہ کی بلکہ الٹا عذاب کا مطالبہ کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

"اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے (لا چکے) ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں، اُن کی وجہ سے غم نہ کھاؤ۔" (ھود: 36/11)

اس میں قوم کی بدسلوکی پر آپ کے لیے تسلی ہے اور قوم کے بارے میں یہ بتا کر کہ اب مزید افراد ایمان نہیں لائیں گے، یہ کہا گیا ہے کہ اب تک جو کچھ ہوا اس پر غم نہ کریں کیونکہ اللہ کی مدد پہنچنے والی ہے اور عجیب واقعات پیش آنے والے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ ﴾

"اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے رُو برو بناؤ۔ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا

کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیے جائیں گے۔'' (ھود: 37/11)

اس کی وجہ یہ تھی کہ جب نوح علیہ السلام ان لوگوں کی اصلاح سے مایوس ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان میں خیر کی کوئی رمق باقی نہیں رہی، کیونکہ انہوں نے ہر قول و فعل کے ذریعے سے ہر طرح آپ کو تکلیفیں پہنچائیں، مخالفت اور تکذیب کی، تب آپ نے ان پر اللہ کا غضب نازل ہونے کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ ﴾

''اور ہم کو نوح نے پکارا، سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔'' (الصافات: 76,75/37)

اور مزید فرمایا:

﴿ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ ﴾

''اور (اے نبی!) نوح (کا قصہ بھی یاد کرو) جب اس نے اس سے پہلے ہم کو پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے اور اُس کے ساتھیوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔'' (الأنبیاء: 76/21)

نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مزید فریاد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا۔ سو تو میرے اور اُن کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں اُن کو بچا لے۔'' (الشعراء: 118,117/26)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ ﴾

''تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (باری تعالیٰ) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے۔'' (القمر: 10/54)

مزید ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ ﴾

''نوح نے (یہ) دعا کی کہ میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر بسا نہ رہنے دے۔ اگر تو ان کو رہنے دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور اُن سے جو اولاد ہو گی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہو گی۔'' (نوح: 27-25/71)

اس طرح ان کے کفر و فجور کے جرائم کے ساتھ ساتھ ان کے نبی کی بددعا کا وبال بھی ان پر آ پڑا۔ تب اللہ تعالیٰ نے

نوح علیہ السلام کو ایک کشتی بنانے کا حکم دیا۔ یہ ایک بہت بڑا بحری جہاز تھا، جس کی اس سے پہلے کوئی نظیر نہ تھی اور نہ بعد میں اس کی مثال مل سکی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیشگی ہدایت فرما دی کہ جب اللہ کا حکم آ پہنچے گا اور ان پر وہ عذاب آ جائے گا جو مجرم لوگوں سے ٹلا نہیں کرتا تو ایسا نہ ہو کہ ان پر عذاب اترتا دیکھ کر آپ کے دل میں رحم آ جائے۔ اس لیے فرمایا:

﴿وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ﴾

''اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیے جائیں گے۔''

(ھود: 37/11)

دنیا میں کفر وعناد قوم نوح کا شیوہ تھا۔ قیامت کے دن بھی وہ جھوٹ بولتے ہوئے یہ دعویٰ کریں گے کہ ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''کیا تو نے (میرا پیغام) اپنی امت کو پہنچا دیا تھا؟'' وہ عرض کریں گے: ہاں، یا رب! اللہ تعالیٰ ان کی امت سے فرمائے گا: ''کیا انہوں نے تم لوگوں کو (میرا پیغام) پہنچا دیا تھا؟'' وہ کہیں گے: نہیں، ہمارے پاس تو کوئی نبی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائے گا: ''تیرا گواہ کون ہے؟'' وہ عرض کریں گے: ''محمد ﷺ اور ان کی امت۔'' تب ہم (مسلمان) گواہی دیں گے کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی۔ اس آیت مبارکہ میں اسی طرف اشارہ ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾

''اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزمان) تم پر گواہ بنیں۔''[1]

(البقرۃ: 143/2)

یہ امت اپنے سچے نبی کی گواہی کی بنیاد پر گواہی دے گی کہ اللہ نے نوح علیہ السلام کو حق دے کر مبعوث فرمایا اور انہوں نے اپنی قوم کو بہترین اور کامل ترین انداز سے تبلیغ کی۔ انہیں ہر اس کام کا حکم دیا جس سے انہیں دینی فائدہ حاصل ہو اور ہر اس کام سے منع فرمایا جس سے ان کی دینی حالت کو نقصان پہنچتا ہو۔

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی یہی شان اور یہی کیفیت رہی ہے۔ وہ تو اپنی قوم پر اتنی شفقت کرنے والے تھے کہ اپنی قوم کو دجال سے بھی متنبہ فرمایا حالانکہ ان کے زمانے میں اس کے ظاہر ہونے کی توقع نہیں تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق حمد وثنا فرمائی، پھر دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''میں تمہیں اس سے متنبہ کرتا ہوں، ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے۔ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس (دجال) سے ڈرایا تھا۔ البتہ میں تمہیں ایک ایسی بات بتا رہا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہیں فرمائی۔

[1] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللّٰہ عزو جل ﴿ولقد أرسلنا نوحا إلی قومه﴾، حدیث: 3339

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دجال کانا ہے اور تمہارا رب یک چشم نہیں۔'' [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں دجال کے بارے میں وہ بات نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی؟ وہ کانا ہے وہ اپنے ساتھ جھوٹ موٹ کی جنت اور جہنم لائے گا۔ جس کو وہ جنت کہے گا وہ (حقیقت میں) آگ ہوگی۔ میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں جیسے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس سے متنبہ کیا تھا۔ [2]

☆ **کشتی کی وسعت:** امام ثوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اسی ہاتھ لمبی کشتی بنانے کا حکم دیا اور کہا کہ اسے اندر اور باہر سے تارکول لگائیں اور اس کا اگلا حصہ خم دار بنائیں تاکہ وہ پانی کو چیرتے ہوئے چل سکے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ کشتی تین سو ہاتھ لمبی اور پچاس ہاتھ چوڑی تھی۔ میں نے تورات میں اسی طرح لکھا ہوا دیکھا ہے۔ ان سب نے اس کی بلندی تیس ذراع ذکر کی ہے۔ اس کی تین منزلیں تھیں۔ ہر منزل دس ہاتھ بلند تھی۔ نچلی منزل مویشیوں اور جنگلی جانوروں کے لیے تھی، درمیانی منزل انسانوں کے لیے اور بالائی منزل پرندوں کے لیے تھی۔ اس کا دروازہ چوڑائی میں تھا اور اس کے اوپر ایک چھت بھی تھی۔ [3]

طوفان کی آمد اور نجات پانے والوں کو شکر ادا کرنے کا حکم

امام ابن جریر اور دوسرے علماء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ طوفان قبطی حساب کے مطابق آب (اگست) کی تیرہ تاریخ کو شروع ہوا۔ قوم کی مسلسل ہٹ دھرمی سے عاجز آکر نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرکے بدکار قوم کو تباہ و برباد کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا جَآءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ إِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾

''جب ہمارا حکم آ پہنچے اور تنور (پانی سے بھر کر) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی نر اور مادہ) دو دو کشتی میں بٹھا دو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کی نسبت اُن میں سے (ہلاک

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله عزوجل ﴿ولقد أرسلنا نوحا إلى قومه﴾، حديث:3337

[2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء باب قول الله عزوجل ولقد أرسلنا......، حديث:3338 و صحيح مسلم، الفتن، باب ذكر ابن صياد، حديث:2931

[3] تفسير ابن كثير، تفسير سورة هود، آيت:37

ہونے کا) حکم پہلے صادر ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا، وہ ضرور ڈبو دیے جائیں گے۔"
(المؤمنون: 27/23)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب میرا حکم آ جائے اور عذاب شروع ہو جائے تو ہر جانور اور ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیں، خواہ ان کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو، تاکہ اس کی نسل باقی رہے، اور اپنے گھر کے افراد کو بھی سوار کر لیں مگر جس کے بارے میں پہلے فرمان جاری ہو چکا ہے اسے سوار نہ کریں۔ اس سے مراد وہ کافر ہیں، جن کے بارے میں آپ کی بددعا قبول ہو چکی ہے اور ان سے عذاب نہیں ٹل سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عذاب نازل ہوتا دیکھ کر کافروں کے حق میں دعا نہ کر دیں کیونکہ اس کا حتمی فیصلہ اللہ کی طرف سے ہو چکا ہے جس کی یہ شان ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

آیت میں مذکور لفظ "تنور" سے اکثر علماء نے سطح زمین مراد لی ہے، یعنی زمین کے ہر حصے سے پانی پھوٹ نکلا حتی کہ جن تنوروں میں آگ جلائی جاتی ہے، ان میں سے بھی پانی نکلنے لگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "تنور" سے مراد یہ ہے کہ ساری زمین سے پانی نکلنے لگا۔" یعنی آگ والے تنوروں سے بھی پانی نکلنا شروع ہو گیا۔ جمہور علمائے سلف کا یہی مؤقف ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾

"یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا۔ تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا کہ ہر قسم (کے جانداروں) میں سے جوڑا جوڑا یعنی دو دو جانور (ایک نر اور ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہے اس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔" (هود: 40/11)

یعنی اللہ نے حکم دیا کہ جب عذاب آئے تو ہر قسم کے جانداروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیں۔

بائبل میں کہا گیا ہے کہ انہیں ہر حلال جانور کے سات جوڑے اور ہر حرام جانور کا ایک جوڑا سوار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن قرآن مجید کے لفظ ﴿اثْنَيْنِ﴾ "دو جانور" سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کو چھوڑ کر صرف ان مومنوں کو کشتی میں سوار کریں جن کے حق میں نجات کی دعا قبول ہو چکی ہے۔ آپ کا بیٹا "یام" بھی ڈوبنے والوں میں شامل تھا۔

[1] تفسیر ابن کثیر، سورۂ ہود، آیت: 40

جیسے آئندہ بیان ہوگا۔ ﴿ وَمَنْ اٰمَنَ ﴾ یعنی امت کے جو افراد آپ پر ایمان لا چکے ہیں، انہیں کشتی میں سوار کر لیجیے۔ ﴿ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾ ''آپ کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے۔'' حالانکہ آپ طویل عرصہ تک ان میں تشریف فرما رہے اور ترغیب وترہیب، وعدہ ووعید کے گوناگوں اسالیب کو استعمال کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ رات دن تبلیغ میں مصروف رہے۔

کشتی میں سوار ہونے والوں کی تعداد کتنی تھی؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ اسی (80) افراد تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیویاں بھی تھیں۔
- کعب احبار سے مروی ہے کہ وہ بہتر (72) افراد تھے۔
- بعض نے کہا: دس (10) تھے۔
- ایک قول کے مطابق کشتی میں سوار ہونے والوں میں حضرت نوح علیہ السلام خود، ان کے تین بیٹے اور ایمان نہ لا کر غرق ہو جانے والے ''یام'' کی بیوی سمیت نوح علیہ السلام کی چاروں بہوئیں شامل تھیں۔ یہ قول ظاہر طور پر آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کشتی میں نوح علیہ السلام کے خاندان سے باہر کے مومن افراد بھی سوار ہوئے تھے۔ جیسے کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ نَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں انہیں بچا لے۔'' (الشعراء:118/26)
- ایک قول کے مطابق: وہ سات (7) افراد تھے۔ [1]

نوح علیہ السلام کی بیوی جو آپ کے تمام بیٹوں حام، سام، یافث، یام (جسے اہل کتاب کنعان کہتے تھے اور یہی طوفان میں غرق ہوا تھا) اور عابر کی ماں تھی، وہ طوفان سے پہلے فوت ہو چکی تھی۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہ بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے دوسرے کافروں کے ساتھ غرق ہو گئی تھی۔

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ وہ کشتی میں موجود تھی۔ ہو سکتا ہے وہ بعد میں کافر ہو گئی ہو۔ البتہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا: ﴿ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴾ ''کسی کافر کو زمین پر بسا نہ رہنے دے۔'' (نوح:26/71)

- **نجات پانے پر شکر ربانی کا حکم:** جب کافر قوم کی غرقابی کا وقت ہو گیا تو مومنوں کی حفاظت اور نجات کے لیے کشتی اللہ کے حکم سے تیرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا:

﴿ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴾

''اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر ادا کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے

[1] تفسیر الطبري 7/56،57 تفسیر سورۂ ھود' آیت:40

ہے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی۔ اور یہ بھی دعا کرنا کہ اے پروردگار! ہم کو مبارک جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔'' (المؤمنون: 29,28/23)

یعنی اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی تعریف اور شکر کریں کیونکہ اس نے یہ کشتی ان کے لیے مسخر فرمائی، اس کے ذریعے سے انہیں نجات دی، قوم کا فیصلہ کر دیا اور مخالفین کی تباہی کے ساتھ نوح علیہ السلام کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ ﴾

''اور جس نے تمام قسم کے حیوانات پیدا کیے اور تمہارے لیے کشتیاں اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو اور جب اس پر بیٹھ جاؤ تو اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیر فرمان کر دیا اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' (الزخرف: 14-12/43)

اسی طرح (سب کو) حکم ہے کہ کام کی ابتدا میں دعا کی جائے تاکہ اس میں خیر و برکت حاصل ہو اور اس کا انجام اچھا ہو۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے وقت حکم دیا:

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ ﴾

''اور کہو کہ اے پروردگار! مجھے جہاں لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال' اور اپنے ہاں سے زور و قوت کو میرا مددگار بنا۔'' (الإسراء: 80/17)

نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی اور ساتھیوں سے فرمایا:

﴿ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّىْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

''اس کشتی میں سوار ہو جاؤ' اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔'' (ھود: 41/11)

یعنی اس کے چلنے کی ابتدا و انتہا اللہ کے نام سے ہے۔ میرا رب بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ سخت سزا دینے والا بھی ہے، اس لیے اس کا عذاب مجرموں پر آ کر رہتا ہے جیسے ان لوگوں پر آیا جنھوں نے اس کے ساتھ کفر کیا اور غیر اللہ کی عبادت کی۔

* **طوفان نوح کی کیفیت اور نوح علیہ السلام کے بیٹے کی غرقابی:** ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ

''اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی۔ (لہریں کیا تھیں) گویا کہ پہاڑ (تھے۔'') (ھود: 42/11)

اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایسی شدید بارش نازل فرمائی جو زمین پر اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، نہ بعد میں کبھی ہوگی۔ یوں لگتا تھا جیسے مشکوں کے منہ کھول دیے گئے ہوں اور اللہ کے حکم سے زمین پر ہر راستے اور ہر قطعے سے پانی پھوٹنے لگا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَدَعَا رَبَّهُۥٓ أَنِّى مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ ۞ فَفَتَحْنَآ أَبْوَٰبَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۞ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلَىٰٓ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۞ وَحَمَلْنَٰهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَٰحٍ وَدُسُرٍ ۞ تَجْرِى بِأَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ

''تو نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (الٰہی!) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے۔ پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیے اور زمین میں چشمے جاری کر دیے تو پانی ایک کام کے لیے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر، جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی، سوار کر لیا۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لیے (کیا گیا) جس کو کافر مانتے نہ تھے۔'' (القمر: 54/10-14)

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنَٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۞ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَآ أُذُنٌ وَٰعِيَةٌ

''جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی پر سوار کر لیا تاکہ اس کو تمہارے لیے یادگار بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اُسے یاد رکھیں۔'' (الحاقۃ: 69/11,12)

کئی مفسرین نے فرمایا ہے کہ پانی بلند ترین پہاڑ سے بھی پندرہ (15) ہاتھ بلند تھا۔ بائبل میں یہی لکھا ہوا ہے۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پانی کثرت سے نکل آیا، یعنی مشرق سے مغرب تک ساری زمین کے طول و عرض میں، میدانوں، پہاڑوں، صحراؤں اور چٹیل میدانوں میں ہر جگہ آیا، جس کے نتیجے میں ہر زندہ چیز ہلاک ہو گئی۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُۥ وَكَانَ فِى مَعْزِلٍ يَٰبُنَىَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَٰفِرِينَ ۞ قَالَ سَـَٔاوِىٓ إِلَىٰ

---

[1] دیکھیے کتاب پیدائش، باب: 7، فقرہ: 20

[2] تفسیر الطبری، 67/14، تفسیر سورۃ الحاقۃ، آیت: 11

جَبَلٍ يَّعۡصِمُنِىۡ مِنَ الۡمَآءِ‌ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡيَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ‌ ۚ وَحَالَ بَيۡنَهُمَا الۡمَوۡجُ فَكَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِيۡنَ ﴿﴾

''اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا' جو کہ (کشتی سے) الگ تھا، کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جا لگوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ انہوں نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ اتنے میں دونوں کے درمیان لہر حائل ہو گئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا۔'' (ھود: 43,42/11)

یہ نوح علیہ السلام کا بیٹا یام تھا، جو سام، حام اور یافث کا بھائی تھا۔ بعض علماء نے اس کا نام کنعان بتایا ہے۔ وہ کافر اور فاسق تھا۔ اس نے اپنے والد کا سچا دین قبول نہ کیا، اس لیے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا جب کہ آپ کا دین ومذہب قبول کرنے والے نجات پا گئے، حالانکہ وہ ان سے نسبی تعلق نہیں رکھتے تھے۔

اور طوفان ختم ہو گیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقِيۡلَ يٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِىۡ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقۡلِعِىۡ وَغِيۡضَ الۡمَآءُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ وَاسۡتَوَتۡ عَلَى الۡجُوۡدِىِّ‌ وَقِيۡلَ بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿﴾

''اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا۔ تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہ جودی پر جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت۔'' (ھود: 44/11)

یعنی جب زمین پر کوئی ایسا انسان باقی نہ رہا جو اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتا ہو تو اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل لے اور آسمان کو حکم دیا کہ بارش برسانا بند کر دے۔ چنانچہ پانی اترنے لگا اور مجرموں کو وہ سزا مل گئی جس کا اللہ نے فیصلہ کر رکھا تھا۔ وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت ومغفرت سے محروم رہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے حق میں رب سے دعا فرمائی اور سوال کیا کہ وہ کیوں غرق ہوا؟ اس سوال کا مقصد محض حصول علم تھا یعنی: ''اے اللہ! تو نے مجھ سے میرے اہل وعیال کو بچانے کا وعدہ فرمایا تھا، پھر میرا بیٹا کیوں غرق ہو گیا، حالانکہ وہ بھی میرے اہل وعیال میں شامل تھا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ تیرے گھرانے کے ان افراد میں شامل نہیں تھا، جن کی نجات کا وعدہ کیا گیا تھا۔'' کیونکہ یہ فرمایا گیا تھا:

﴿ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مِنۡهُمۡ ﴾

''اور اپنے گھر والوں کو بھی (بٹھا لو) سوائے ان کے جن کے حق میں ان میں سے (ہلاک ہونے کا) حکم صادر ہو چکا ہے۔'' (المؤمنون: 27/23) اور وہ ان افراد میں شامل تھا، جن کے غرق کیے جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ اہل ایمان سے الگ ہو کر کفار سے مل گیا اور انہی کے انجام سے دوچار ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

﴿ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

''اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اُتر آؤ اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) بہرہ ور کریں گے' پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔'' (ھود: 48/11)

جب زمین کی سطح سے پانی خشک ہو گیا اور زمین پر رہنا اور چلنا پھرنا ممکن ہو گیا تو نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ کشتی سے اتر آئیں جو طویل عرصہ پانی میں چلتی رہی تھی اور آخر کار مشہور پہاڑ ''جودی'' پر ٹھہر گئی۔

﴿ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ سلامتی کے ساتھ کشتی سے اتر آیئے۔ آپ پر بھی برکت نازل ہوگی اور ان اقوام پر بھی، جو آیندہ زمانے میں آپ کی نسل سے پیدا ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے کسی کی نسل کو باقی نہیں رکھا، صرف نوح علیہ السلام کی نسل چلی۔ جیسے کہ ارشاد ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴾

''اور ہم نے اسی کی اولاد کو باقی رہنے والے بنایا۔'' (الصافات: 77/37)

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد اور ان کی اپنے بیٹوں کو وصیت

آج کل زمین میں انسانوں کی جتنی اقوام ہیں، سب نوح علیہ السلام کے بیٹوں سام، حام اور یافث کی طرف منسوب ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے: سام، یافث اور حام اور ان تینوں کے تین تین بیٹے تھے: سام کی نسل سے عربی، فارسی اور رومی وجود میں آئے۔ یافث کی نسل سے تُرک، صقالبہ اور یاجوج ماجوج پیدا ہوئے اور حام کی نسل سے قبطی، سوڈانی اور بربر اقوام ہیں۔''[1]

ایک قول کے مطابق نوح علیہ السلام کے یہ تینوں بیٹے طوفان کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ طوفان سے پہلے ایک ''کنعان'' پیدا ہوا تھا، جو کافروں کے ساتھ غرق ہوا اور دوسرا ''عابر'' پیدا ہوا تھا، جو طوفان سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔

صحیح بات یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹے اپنی بیویوں اور والدہ سمیت کشتی میں موجود تھے جیسے کہ تورات میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: ''ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ

[1] تحفة الأحوذي: 80/9

ایک بدو آیا، اس نے سیحان (شام کے ایک شہر) کا بنا ہوا جبہ پہنا ہوا تھا، جس کو ریشم کے بنے ہوئے بٹن لگے ہوئے تھے۔ اس نے کہا: ''تم لوگوں کا ساتھی (محمد ﷺ) شہسواروں کی اولاد شہسواروں کو (جدی پشتی معزز لوگوں کو) ذلیل کر دینا چاہتا ہے اور گڈریوں کی اولاد گڈریوں کو بلند کر دینا چاہتا ہے۔'' نبی ﷺ نے اس کا جبہ، گریبان سے پکڑ کر فرمایا: ''میں تجھے بے عقلوں کا لباس پہنے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔'' پھر فرمایا: ''جب نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ''میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں۔ میں تجھے دو کام کرنے کا حکم دیتا ہوں اور دو کاموں سے منع کرتا ہوں۔ میں تجھے [لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ] اختیار کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں رکھ دی جائیں اور دوسرے پلڑے میں [لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ] رکھا جائے تو [لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ] والا پلڑا (زیادہ وزنی ہونے کی وجہ سے) جھک جائے گا۔ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک بند حلقہ بن جائیں، تو [لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ] انھیں جدا جدا کر دے گا۔ اور میں تجھے [سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ] پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ یہ ہر مخلوق کی تسبیح ہے اور اسی کی برکت سے مخلوق کو رزق ملتا ہے اور میں تجھے شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! اس شرک سے تو ہم واقف ہیں، لیکن تکبر کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ بات تکبر ہے کہ کسی کے جوتے اچھے ہوں، جن کے تسمے خوبصورت ہوں؟ فرمایا: ''نہیں!'' میں نے کہا: کیا یہ تکبر ہے کہ کسی کے پاس حُلّہ (چادروں کا جوڑا) ہو اور وہ اسے پہن لے؟ فرمایا: ''نہیں!'' میں نے کہا: یا یہ ہے کہ کسی کے پاس سواری کے لیے جانور ہو؟ فرمایا: ''نہیں!'' میں نے کہا: ''یا یہ ہے کہ کسی کے دوست ہوں جو اس کے پاس بیٹھتے ہوں؟'' فرمایا: ''نہیں!'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! پھر تکبر ہوتا کیا ہے؟ فرمایا: ''حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔''[1]
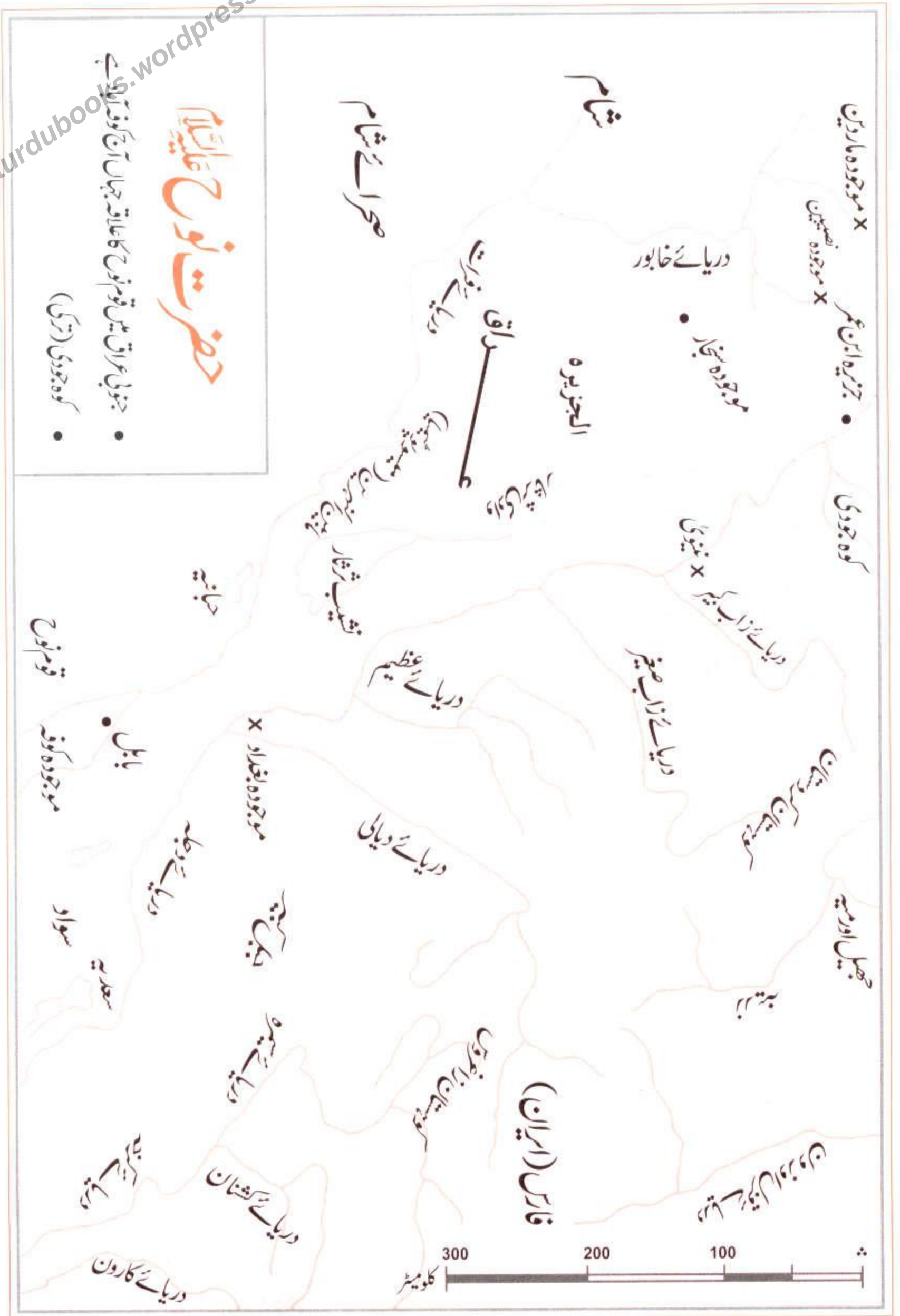
[1] مسند أحمد: 170/2، حديث: 6583

نتائج وفوائد ...... عبرتیں و حکمتیں

حضرت نوح علیہ السلام کا طریق دعوت وارشاد: حضرت نوح علیہ السلام توحید الٰہی کے پہلے داعی ہیں۔ سب سے پہلے آپ کی قوم نے بزرگوں کے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کی اور اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوئے۔ آپ نے ساڑھے نو سو سال تک اس مشرک قوم کو توحید کی دعوت دی اور ان کی طرف سے ملنے والی ایذا اور مصائب پر نہایت صبر وتحمل سے کام لیا۔ داعیان توحید و رسالت کے لیے ان کی زندگی میں شاندار اسوۂ حسنہ ہے۔ آپ کی زندگی اور تاریخی دعوت سے توحید کا مطالعہ کرنے والے کو نیا عزم، یقین محکم اور تازہ ولولہ نصیب ہوتا ہے۔ آیئے ان کے طریق دعوت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ آپ کی سو سالہ دعوت کے طریق کار کو مندرجہ ذیل نکات میں پیش کیا جا سکتا ہے:

① ایک مدت تک دعوت کو خفیہ رکھنا اور پھر علانیہ دعوت دینا: جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۝ ...... ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝﴾

''اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو تیری طرف رات دن بلایا...... پھر میں نے انہیں بآواز بلند بلایا۔ اور بے شک میں نے ان سے علانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی۔'' (نوح: 9,8,5/71)

② قوم کی تندروئی کے جواب میں نرمی اور شیریں کلامی: آپ نے قوم کے تلخ و تند سوالات اور بدتہذیبی کا جواب ہمیشہ نرمی، مہربانی اور شیریں زبان سے دیا۔ قوم کے جھٹلانے، گمراہ کہنے، غریب پیروکاروں پر طعن و تشنیع کا اور رؤسائے قوم کی بدزبانیوں کا جواب اس میٹھے انداز میں دیا، فرمایا:

﴿یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾

''اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی گمراہی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔'' (الأعراف: 61/7)

③ راہِ حق میں آنے والی مشکلات اور استہزا کرنے والوں کی پروا نہ کرنا: آپ نے اپنے طویل عرصہ دعوت وارشاد میں کبھی مخالفین کی کثرت اور ان کے تمسخر اور ایذاؤں کی پروا نہیں کی بلکہ قلیل ساتھیوں کے باوجود اپنا مشن دن رات جاری رکھا اور کبھی بھی آپ کے پایۂ ثبات میں لغزش نہ آئی۔

④ قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کی یاد دہانی: آپ نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں اور بے پناہ احسانات کی یاد دلائی تاکہ وہ پروردگار پر ایمان لے آئیں اور اس کے شکر گزار بندے بن جائیں۔ آپ نے قوم سے فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴾

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا ہے۔'' (نوح: 19/71)

لہٰذا اگر تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آ ؤ گے اور اپنے تراشیدہ بتوں کو ترک کر دو گے تو وہ مالک تمہیں مال واولاد میں بے پناہ برکت دے گا اور تمہاری قحط زدہ زمین پھر سے سرسبز ہو جائے گی۔

⑤ راہِ حق میں بیوی اور بیٹے کی جدائی کا غم برداشت کرنا: آپ کی ان تھک محنت اور بے مثال دعوت وارشاد کے باوجود آپ کی بیوی اور بیٹا ایمان نہ لائے اور بالآخر آپ کی آنکھوں کے سامنے کافروں کے ساتھ غرقاب ہو گئے۔ آپ نے یہ دکھ بھی نہایت حوصلے اور پامردی سے برداشت کیا۔ اس طرح آپ تا قیامت آنے والے داعیانِ حق کے لیے، راہِ حق میں آنے والے مصائب پر صبر وتحمل کا انمول اسوہ چھوڑ گئے۔

⑥ علمی حقائق کی نقاب کشائی: حضرت نوح علیہ السلام کے قصے میں قرآن مجید نے متعدد علمی اور سائنسی علوم کی نقاب کشائی کی ہے جن کی تصدیق آج کے جدید علوم اور تحقیقات سے ہو رہی ہے، یعنی جن علوم ومعارف سے دنیا آج متعارف ہو رہی ہے اور ان کو جدید تحقیقات کا نام دیا جا رہا ہے، قرآن مجید چودہ سو سال قبل ہی ان کی خبر دے چکا ہے۔ اس سلسلے میں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴾

''اور ان میں چاند کو خوب جگمگا تا بنایا ہے اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے۔'' (نوح: 16/71)

اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد مبارک میں سورج کو دہکتے ہوئے روشن چراغ سے تشبیہ دی ہے یعنی ایسا چراغ جو تیل وغیرہ سے جلایا جائے اور وہ ایک شعلے سے جلے۔ ایسے چراغ کی روشنی ذاتی ہوتی ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ سورج شعلہ زن گیسوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی روشنی اور طاقت کا سرچشمہ اس کی سطح کے اندر ہونے والے ایٹمی دھماکے ہیں۔ اس طرح آج کا جدید علم قرآنی علوم ہی کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے کہ سورج ایک شعلہ زن چراغ ہے جس کی روشنی داخلی دھماکوں کی وجہ سے ہے۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے چاند کو (نور) کہا ہے، یعنی وہ ایک غیر روشن ڈھیر ہے جو روشنی دوسروں سے حاصل کر کے منور ہوتا ہے۔ آج کی سائنس اسی بات کا اقرار کر رہی ہے کہ چاند خود روشن نہیں ہے بلکہ یہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔

اسی طرح ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴾ ''اور تم کو زمین سے ایک (خاص اہتمام) سے اگایا (پیدا کیا) ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا ہے کہ اس نے بنی آدم کو زمین سے پیدا کیا اور اس کی زندگی کا انحصار زمین سے اگنے والی نباتات پر ہے۔ ڈاکٹر طوسون کینج اپنی کتاب ''الماء معجزة الطبیعة'' میں کہتے ہیں کہ ماہرین

حیاتیات اس بات پر متفق ہیں کہ تمام حیوانات کے زندہ رہنے کے لیے زمینی نباتات ضروری ہیں۔ اس لیے تمام حیوانات نباتات کھا کر یا ان حیوانات کو کھا کر زندہ ہیں جو نباتات کھاتے ہیں۔ مثلاً اگر انسان مچھلی کھاتا ہے تو وہ مچھلی اپنے سے چھوٹی مچھلیوں اور دیگر ننھے منے کیڑے کھا کر زندہ تھی جبکہ وہ چھوٹی مچھلیاں اور کیڑے مکوڑے زمینی نباتات کھا کر زندہ تھے۔ اس طرح ہر جاندار کی اصل خوراک بالآخر نباتات ہی نکلتی ہیں۔ یوں قرآن کریم نے انسانی خوراک کا منبع چودہ سو سال پہلے بیان کر دیا تھا جبکہ سائنس آج اس کا اقرار کر رہی ہے۔ والحمدللہ علی ذالک

طبقاتی کشمکش: نوح علیہ السلام کے قصے سے ان کے معاشرے کے طبقاتی نظام کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ایک طبقہ امراء، رؤسا اور غنی لوگوں کا ہے جبکہ دوسرا طبقہ غربا و مساکین اور محنت مشقت کرنے والوں کا ہے۔ امراء کا طبقہ اپنے مال و دولت اور دنیوی شان وشوکت کی وجہ سے حق کو قبول کرنے سے گریزاں رہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ جس دین کو ہمارے معاشرے کے حقیر، کمتر اور غریب لوگ قبول کریں وہ ہرگز بہتر نہیں ہوسکتا جبکہ غربا اپنی فطرتی خوبیوں کے باعث ہمیشہ حق کو قبول کرنے میں پہل کرتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے رؤسا کو غربا کے ساتھ ایمان قبول کرنے میں معاشرتی سبکی محسوس ہوتی تھی' اس لیے وہ اس نعمت جلیلہ سے محروم رہ گئے اور غریب اس راز کو پا گئے کہ عزت وشان اور اعلیٰ مقام ومرتبہ اسی کا ہے۔

نوح علیہ السلام کے دور کی طبقاتی کشمکش آج بھی عروج پر ہے۔ لہٰذا آج بھی ایسے رؤسا کی کمی نہیں جو غربا کے ساتھ اسلامی محافل میں شرکت کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ایسے اغنیا کی بھی کوئی قلت نہیں جو زکوۃ کو ٹیکس سے بدتر، حج کو خواہ مخواہ کا سفر اور تکان، روزے کو غربا پر واجب، اور نماز کو انتہائی ناقابل عمل خیال کرتے ہیں جبکہ غربا کا تقویٰ اور ایمان آج بھی قابل تحسین ہے۔

ایمان کے بغیر قرابت داری کچھ سودمند نہیں: نوح علیہ السلام کے قصے سے پتہ چلتا ہے کہ قرابت داری خواہ کتنی ہی گہری اور مضبوط کیوں نہ ہو، ایمان باللہ کی قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ہر شخص اپنے قول وفعل کا ذمہ دار ہے۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتا اور اللہ کے باغیوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے تو پھر ناکامی ونامرادی اس کا مقدر ٹھہرے گی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا صلبی بیٹا اور شریک حیات ایمان کی دولت سے محروم ہو کر کافر قوم کے ساتھ ہی غرقاب ہو جاتے ہیں جبکہ ایمان لانے والے اجنبی دنیا و آخرت کی سعادت مندی سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرابت داری، ایمان باللہ کی قائم مقام ہرگز نہیں۔ اسلام نے رشتہ داروں کے عظیم حقوق مقرر کیے ہیں اور ان سے صلہ رحمی کی پرزور تاکید کی ہے لیکن ایمان کے بغیر یہ صلہ رحمی اور رشتہ داری کچھ فائدہ مند نہیں ہے۔ بلکہ ایمان باللہ اور نیک اعمال ہی کامیابی کی ضمانت ہیں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے اپنے خاندان کو جمع کیا اور ایک ایک کو آواز دے کر فرمایا: ''اے مرہ بن کعب کی اولاد! اپنی جانوں کو آگ سے بچا لو...... اے عبد شمس کے بیٹو! اپنے نفسوں کو جہنم سے آزاد کرا لو...... اے بنی عبد مناف! خود کو عذاب الٰہی سے محفوظ کر لو...... اے بنی ہاشم! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچا لو...... اے عبدالمطلب کی اولاد! خود کو

آ گ سے آزاد کرا لو...... اے فاطمہ (بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی جان کو آگ سے بچا لو۔ میں اللہ تعالیٰ سے تمہیں کچھ نفع نہ دے سکوں گا۔ سوائے اس کے کہ (دنیا میں) تمہاری رشتہ داری نبھاتا رہوں گا۔" (صحیح مسلم، الإیمان، باب في قوله ﴿ وأنذر عشيرتک الأقربين ﴾، حدیث: 204)

لہٰذا ایسے لوگوں کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیے جو اس غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار ہیں کہ چونکہ ہم اہل بیت ہیں، ہم سید اور ہاشمی قبیلے سے ہیں، ہم اللہ کے احباء ہیں، ہم عاشقان رسول ہیں، ہم قرآن وسنت کے ماننے والے ہیں، (حالانکہ یہ خالی دعوے ہوتے ہیں اور عملاً کچھ نہیں ہوتا۔ نہ ایمان باللہ اور نہ اعمال صالحہ) اس لیے ہماری نجات یقینی ہے، حالانکہ نجات اور کامیابی کا دارومدار ایمان اور نیک اعمال پر ہے۔

حق و باطل کی معرکہ آرائی: نوح علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہی انہوں نے ایک اللہ کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلایا تو سارا معاشرہ ان کے خلاف ہو گیا۔ امراء و رؤسائے قوم ان کے دشمن بن گئے اور آپ کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکالیف پہنچانا شروع کر دیں۔ حق بات کو قبول کرنے والوں کو اذیتیں دینا اور ان پر عرصہ حیات تنگ کرنا امراء اور ان کے چیلوں کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ اس طرح حق و باطل کی طویل معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔

لہٰذا اس قصے میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ داعیانِ حق کو، میدانِ دعوت وارشاد میں پیش آنے والی مشکلات کا سامنا خندہ پیشانی سے کرنا چاہیے' اس راہ میں ملنے والی تکالیف کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مشن کو مکمل ولولے اور عزم سے جاری رکھنا چاہیے کیونکہ حق و باطل کی یہ معرکہ آرائی ازل سے شروع ہوئی اور ابد تک رہے گی۔ جب تک آدم علیہ السلام کے حق گو بیٹے زندہ ہیں، ابلیس کے کارندوں سے یہ معرکہ جاری رہے گا۔ اس لیے دعوت وتوحید کا کارواں رکنا نہیں چاہیے، تھمنا نہیں چاہیے بلکہ اس کارواں کو اپنے رہبر و رہنما جد انبیاء نوح علیہ السلام کے اسوۂ مبارک سے ہمیشہ رہنمائی لیتے رہنا چاہیے جو عظیم حوصلے، صبر و تحمل' استقامت و استقلال اور عزم و ثبات سے عبارت ہے۔

قدر و قیمت عزم و ہمت میں ہے نہ کہ کثرت میں: نوح علیہ السلام کی طویل جدو جہد، پیہم عمل اور مسلسل دعوت توحید کے باوجود صرف 80 افراد ایمان لائے اور باقی کفر و شرک، عناد، ضد اور فخر و غرور ہی میں غرق رہے۔ اس مبارک جدو جہد اور دن رات کی محنت شاقہ کے باوجود اتنے کم افراد کا ایمان لانا، داعیان توحید کے لیے، ہرگز پریشانی کا باعث نہیں ہے۔ اس سے نہ ان کے حوصلے پست ہوتے ہیں اور نہ ان کا عزم ماند پڑتا ہے۔ بلکہ ان کی ہمتیں جواں رہتی ہیں اور وہ ہمیشہ ایک نئے ولولے اور امنگ سے اپنا مشن جاری رکھتے ہیں کیونکہ ان کی تسلی اور تشفی کے لیے ان کے رب نے بڑا شاندار اہتمام فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ﴾

"آپ فرما دیجیے! ناپاک اور پاک برابر نہیں گو آپ کو ناپاک کی کثرت بھلی لگتی ہو۔" (المائدة: 100/5)

یعنی کفر و شرک کی غلاظتوں میں لتھڑے یہ لاکھوں کافر ان چند مومنوں کے برابر نہیں ہیں۔ بلکہ داعیانِ حق کی حمایت، ان کی تسلی اور انہیں حوصلہ دینے کے لیے قرآن مجید میں بار بار فرمایا گیا: ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔'' (الأعراف: 187/7) مزید فرمایا: ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴾ ''لیکن اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔'' (الأنعام: 111/6) ﴿ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور ان میں اکثر لوگ ایمان والے نہیں۔'' (الشعراء: 67/26)

امام الانبیاء ﷺ نے داعیانِ حق کو ایمان والوں کی قلت ہونے پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''مجھ پر (پہلی) امتیں پیش کی گئیں تو میں نے دیکھا کہ ایک نبی کے ساتھ دس سے کم پیروکار ہیں، کسی کے ساتھ ایک دو ایمان والے ہیں اور کسی کے ساتھ ایک بھی مومن نہیں۔'' (صحیح مسلم' الإیمان' باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنة...... حدیث:220)

لہٰذا اہل توحید کے لیے افراد کی قلت پریشانی کا باعث نہیں بنتی اور نہ وہ کثرت افراد سے کبر و غرور میں مبتلا ہوتے ہیں۔

✿ **سنت الٰہی کا اتمام اور کافروں پر بددعا کا جواز:** قوموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ ان میں رسول بھیج کر، کتب نازل کر کے انہیں ایمان لانے اور راہ حق کو اپنانے کا موقع دیتا ہے۔ جب نبی اپنی قوم کو پیغام ربانی پہنچا دیتا ہے اور اس کی تبلیغ مکمل ہو جاتی ہے' تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور وعدہ اس قوم پر پورا ہو جاتا ہے۔ جب تک مومن قوم میں موجود رہتے ہیں ان کی مہلت باقی رہتی ہے۔ لیکن جیسے ہی معاشرہ صالح لوگوں سے خالی ہو جاتا ہے، بدکردار اور گناہ گاروں پر عذاب الٰہی آ جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ بھی ہوا۔ نوح علیہ السلام مومنوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو کر بستی سے نکل گئے تو باقی لوگ غرقاب کر دیے گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے قصے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کفار پر اتمامِ حجت ہو جائے، ان کی سرکشی اور بدمعاشی حد سے بڑھ جائے اور مومن مغلوب ہو جائیں تو کفار کے خلاف بددعا کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو مدد کے لیے پکارتے ہوئے التجا کی تھی: ﴿ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ ﴾ ''(اے میرے رب) میں بے بس ہوں تو میری مدد کر۔'' (القمر: 10/54)

نیز دعا کی:

﴿ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ ﴾

''اے میرے رب! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کر دیں گے اور یہ کافر اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔'' (نوح: 27,26/71)

نبی اکرم ﷺ نے امت محمدیہ کو کفار کے غلبے اور ان کے شر کے عروج پر دعائے قنوت نازلہ مانگنے کا حکم دیا ہے' خود بھی ایسے حالات میں قنوت نازلہ پڑھی جیسے کہ قبیلہ مضر اور عکل پر بددعا فرمائی اور قریش کے سرداروں ربیعہ، شیبہ اور عتبہ پر بھی

بددعا فرمائی تھی جب ان کی اذیتیں حد سے بڑھ گئی تھیں۔

☆ **مومنوں کی آزمائش:** نوح علیہ السلام کے قصے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی آزمائش بھی کرتا ہے، ان کے ایمان کا امتحان لیتا ہے اور ان کی ابتلا سے انہیں ایمان میں پختگی اور اعتماد و یقین عطا کرتا ہے۔ یہ امتحان کبھی انفرادی ہوتا ہے اور کبھی اجتماعی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴾

''یقیناً اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور ہم بے شک آزمائش کرنے والے ہیں۔'' (المؤمنون: 30/23)

مومنوں کی یہ آزمائش کئی طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۞ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۞ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴾

''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے۔ دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے۔ اور ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دیجیے جنہیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔'' (البقرۃ: 2/155-157)

لہٰذا دعوت و ارشاد کے مقدس مشن سے منسلک افراد کو ہر آزمائش اور مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں اور نوازشوں کی خوش خبری کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اس سے ان کو نیا حوصلہ اور نئی ہمت میسر آئے گی۔

اس کے برعکس کفار کو اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے۔ وہ اپنے دنیوی مال و دولت اور شان و شوکت میں مگن رہتے ہیں حتیٰ کہ انہیں عذاب الٰہی چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں عظیم خسارے سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

☆ **بری صحبت کا انجام بد:** حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا آغوش نبوت میں پرورش پانے کے باوجود ایمان نہ لایا اور بالآخر عبرت ناک انجام سے دوچار ہو گیا۔ اس سانحہ کی گہرائی میں جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بری صحبت کا انجام بد تھا۔ آپ کا بیٹا کافروں کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے ایمان قبول نہ کر سکا اور کافروں کے عقائد و اعمال پر کاربند ہو گیا۔ ان کی بری صحبت اس کے لیے زہر قاتل ثابت ہوئی اور اس کا انجام ذلت و رسوائی کی صورت میں نکلا۔

لہٰذا ہمیشہ بری صحبت سے اجتناب کرنا چاہیے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ نے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے نیز برے لوگوں کی صحبت سے ڈراتے ہوئے درج ذیل خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا:

''نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے۔ کستوری بیچنے والا تمہیں تحفہ میں (خوشبو) دے گا، تم اس سے خرید لو گے یا (کم از کم) تمہیں اس سے بہترین خوشبو آئے گی۔ جبکہ بھٹی میں پھونکیں مارنے والا (اور آگ جلانے والا) یا تو تمہارے کپڑے جلائے گا یا تمہیں اس سے بدترین بو آئے گی۔'' (صحیح مسلم، البر والصلة، باب استحباب مجالسة...... حدیث: 2628)

اس لیے نیک لوگوں سے تعلقات استوار کرنے چاہییں جبکہ برے لوگوں کی محفل و مجلس سے کنارہ کش رہنا چاہیے کہ اسی میں دین و دنیا کی عافیت مضمر ہے۔

استقلال و استقامت: دعوت حق کی کامیابی و کامرانی کے لیے، صبر و ثبات، تحمل و برداشت اور استقلال و استقامت بنیادی شرط ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل جدو جہد سے داعیانِ حق کو راہ حق میں آنے والی مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے نئی ہمت، نیا ولولہ اور نیا جذبہ ملتا ہے۔ لہٰذا داعیانِ توحید کو حالات کی ناسازی، راستے کی دشواری، ساتھیوں کی قلت اور تنگ دستی کو کبھی خاطر میں نہ لانا چاہیے کیونکہ مومن جتنا بھی کمزور ہو، اس کا دشمن کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو، بالآخر مومن کامیاب رہتا ہے اور کافر اپنے مہلک ہتھیاروں، کارگر چالوں اور بے پناہ وسائل کے باوجود ناکام و نامراد رہتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ مومن اپنے رب پر بھروسا کر کے، صبر کا دامن تھام کر، راہ حق میں آنے والی مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہو جائے۔ پھر اسے نصرت الٰہی حاصل ہوگی اور وہ اپنے دشمن پر حاوی ہو جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ''اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔'' (الروم: 47/30)

کافر چونکہ نصرت باری تعالیٰ سے محروم ہوتے ہیں بلکہ عذاب ان کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے اس لیے ناکامی و ذلت ان کا مقدر بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کفار کی دنیا و آخرت میں بربادی کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴾

''پھر کافروں کو تو میں دنیا و آخرت میں سخت تر عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔'' (آل عمران: 56/3)

بتوں کا بے حقیقت ثابت ہونا: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے بت پرستی کی ابتدا ہوئی۔ ود، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر ان کے بڑے بڑے بتوں کے نام تھے۔ یہ درحقیقت ان کے نہایت نیک بزرگوں کے نام ہیں۔ جب یہ بزرگ فوت ہوئے تو قوم سخت غمزدہ اور افسردہ ہوئی۔ اس وقت شیطان نے انسانی شکل میں آ کر ان کو ان بزرگوں کی تصاویر بنا کر انہیں یاد رکھنے کا مشورہ دیا۔ جب یہ نسل ختم ہوگئی تو بعد میں آنے والوں کو شیطان نے یہ کہہ کر شر میں مبتلا کر دیا کہ تمہارے آباء و اجداد تو انہی کی عبادت کرتے تھے۔ اس طرح ان تصاویر کی عبادت شروع ہوگئی جسے اتنا عروج ملا کہ عرب قوم کے اکثر قبائل بھی انہیں بتوں کو پوجنے لگے۔

ان کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بت انہیں روزی دیتے ہیں، مشکل کشائی کرتے ہیں، اولاد سے نوازتے ہیں

اوران کی حمایت ونصرت کرتے ہیں۔اسی لیے جب نوح علیہ السلام نے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے داتا ہمیں بچالیں گے، وہ ہماری مدد کریں گے لہٰذا آپ جو عذاب لانا چاہتے ہیں لے آئیں، دوسری طرف امرائے قوم نے قوم کوحکم دیا:

﴿ لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ ﴾

''تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (چھوڑنا۔'') (نوح: 23/71)

لیکن جب عذاب الٰہی آیا تو یہ لکڑی اور پتھر کے اندھے، بہرے، گونگے اور عقل وشعور سے عاری معبودان کی کوئی مدد نہ کر سکے بلکہ اپنی قوم کے ساتھ ہی غرقاب ہوگئے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝ ﴾

''چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں (سوار کرا کر) نجات دے دی۔ بعد ازاں باقی تمام لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا۔'' (الشعراء: 120,119/26)

جس طرح قوم نوح کے بت بے حقیقت نکلے تھے اسی طرح برصغیر کے ہندوؤں کے سومنات کے مندر میں رکھے بت بھی سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں پاش پاش ہوگئے تھے اور ان کے پجاری ہندو ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے مگر کوئی ان کی مدد کو نہ آیا نہ ان کی تباہی پر کسی نے آنسو بہائے۔**فاعتبروا یا اولی الابصار۔**

طوفان نوح کے آثار: حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان کافر قوم طوفان سے تباہ و برباد ہوگئی جبکہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے محفوظ و مامون رکھا۔ علمائے تاریخ نے اس طوفان کے آثار تلاش کرنے اور اس قوم کی باقیات ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے ناممکن اور محال تصور کیا جاتا تھا۔ پھر 1920 میں سرلیونارڈ کی سربراہی میں ایک ٹیم نے عراق میں آثار قدیمہ کی تحقیق کے لیے کھدائی کی۔ یہ ٹیم برطانیہ کے میوزیم اور امریکہ کی ایک یونیورسٹی کے محققین پر مشتمل تھی۔ اس ٹیم نے ''اُور'' (UR) کے شمال میں واقع شہر تل عبید میں کھدائی کی تو انہیں کافی گہرائی میں مدفون چکنی مٹی کے برتن، مورتیاں اور دیگر آلات ملے جو عہد قدیم میں مستعمل تھے۔ لیبارٹری ٹیسٹ سے یہ بات سامنے آئی کہ اس مدفون ذخیرے کے اجزا دریائے فرات کے وسطی علاقے سے پانی کے ساتھ بہہ کر اس جگہ منتقل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس علاقے میں بہت پہلے کوئی زبردست طوفان آیا تھا۔ محکمہ آثار قدیمہ کی اس ٹیم کی تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ جس پانی نے یہ چیزیں یہاں دفن کر دی تھیں اس کی اونچائی کم از کم پچیس فٹ تھی۔ تورات میں اس طوفان کی اونچائی 26 فٹ بیان کی گئی ہے۔ سرلیونارڈ کا یہ خیال بھی ہے کہ اس طوفان سے ساری دنیا تباہ نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ طوفان دجلہ اور فرات کی وادی میں آیا اور اس نے پہاڑوں اور صحراء کے درمیانی علاقے کو ملیا میٹ کر دیا۔ لیکن یہ نظریہ محل نظر ہے کیونکہ قرآن کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیلاب اور طوفان پوری دنیا پر آیا تھا۔

حضرت هُودٌ علیہ السلام

نام و نسب اور بعثت

نام، نسب اور علاقہ: حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے: ''ھود بن شالخ بن أرفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام''۔ ایک قول کے مطابق ہود علیہ السلام کا نام ''عابر'' ہے جو ''شالخ'' کے بیٹے تھے اور وہ ''ارفخشد'' کے بیٹے تھے، جو سام بن نوح کے بیٹے تھے۔[1]

آپ کا نسب اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے: ہود بن عبداللہ بن رباح الجارود بن عاد بن عوص بن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام۔

آپ قبیلہ ''عـــاد'' سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ایک عربی قبیلہ تھا جن کی رہائش عمان اور حضرموت کے درمیان ریت کے ٹیلوں والے علاقے (احقاف) میں تھی۔ یہ علاقہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا۔ جو [شَحر] کے نام سے معروف تھا اور ان کی وادی کا نام ''مغیث'' تھا۔

یہ لوگ زیادہ تر لمبے لمبے ستونوں والے خیموں میں رہتے تھے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَمۡ تَرَ كَیۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ۝ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ۝ ﴾

[1] (تورات، کتاب پیدائش، باب: ١١)

''کیا تم نے جانا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا (جو) ارم (کہلاتے تھے، اتنے) دراز قد کہ تمام ملک میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوئے تھے۔'' (الفجر: 89/6-8) ﴿مِثْلُهَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ اس قبیلے جیسے (قوی ہیکل) لوگ اور کسی علاقے میں نہیں تھے۔

کہتے ہیں سب سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام نے عربی زبان میں کلام فرمایا۔ البتہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کے والد سب سے پہلے عربی بولنے والے تھے۔ بعض حضرات نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کا نام لیا ہے۔ کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے کے عرب باشندے ''عرب عاربہ'' خالص عرب کہلاتے ہیں۔ ان میں بہت سے قبائل شامل ہیں۔ مثلاً: عاد، ثمود، جرهم، طسم، جديس، أميم، مَدْيَنْ، عملاق، جاسم، قحطان، بنو يقطن وغیرہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ''عرب مستعربہ'' کہلاتی ہے۔ فصیح و بلیغ عربی زبان میں سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کلام فرمایا۔ آپ نے عربی زبان قبیلہ جرہم کے ان افراد سے سیکھی تھی، جو آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ (اس واقعہ کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہو گی) لیکن اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو انتہائی فصاحت و بلاغت عطا فرمائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی انداز سے فصیح و بلیغ عربی میں کلام فرمایا کرتے تھے۔

ہود علیہ السلام کی بعثت: طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے قوم عاد نے' جنہیں ''عَادِ اُولٰی'' بھی کہا جاتا ہے' بت پرستی اختیار کی۔ ان کے تین بت تھے۔ جن کے نام صد' صمود اور ہر تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ۝ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝

''اور (اسی طرح) قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں؟ اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بھائیو! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں، میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں۔ کیا تم کو اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے۔ اور یاد تو کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تمہیں پھیلاؤ زیادہ عطا کیا۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کرسکو۔ وہ کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں؟ اگر تم سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے لے آؤ۔ ہود نے کہا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے۔ کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لیے ہیں جن کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ پھر ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، ان کو نجات بخشی اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اُن کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔'' (الأعراف: 7/65-72)

اور سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کے بعد فرمایا:

﴿ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْكُمْ ؕ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

حَفِيظٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ۝

''اور ہم نے عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم (شرک کر کے اللہ پر) محض بہتان باندھتے ہو۔ اے میری قوم! میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟ اور اے میری قوم! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو' پھر اس کے آگے توبہ کرو۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گناہ گار بن کر رُوگردانی نہ کرو۔ وہ بولے: اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر لے کر نہیں آئے اور ہم (صرف) تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو، میں اُن سے بیزار ہوں۔ (جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو' وہ اور) تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنا چاہو) کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میں اللہ پر' جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے' بھروسا رکھتا ہوں۔ (زمین پر) جو بھی چلنے پھرنے والا ہے وہ اُس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے۔ بیشک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔ اگر تم رُوگردانی کرو گے تو جو پیغام میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہے' وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا اور تم اللہ کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اُن کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور انہیں عذاب شدید سے نجات دی۔ یہ (وہی) عاد ہیں جنہوں نے اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا اور اُس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر و سرکش کا کہا مانا تو اس دنیا میں بھی لعنت اُن کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (اور) سن رکھو ہود کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔'' (ھود: 11/50-60)

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو دعوت غور و فکر دی تو قوم مزید کفر و عناد میں دھنس گئی اور اپنے حق پر ہونے کے بھدے دلائل گھڑ لائی اور انہوں نے آپ کی نبوت اور آخرت کا انکار کر دیا۔ سورۂ مومنون میں نوح علیہ السلام کے واقعے کے بعد ارشاد ہے:

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ۝ وَلَئِنْ

اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

''پھران کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی اور انہی میں سے ان میں ایک پیغمبر بھیجا (جس نے اُن سے کہا) کہ اللہ ہی کی عبادت کرو (کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں‘ تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ اور اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے اُن کو آسودگی دے رکھی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو پانی تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہنا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ گئے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ تم مرجاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کے سوا کچھ نہ رہے گا تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے؟ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دُنیا کی زندگی ہے کہ اس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے؟ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اُس کو ماننے والے نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اے میرے پروردگار! انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے تو میری مدد کر۔ فرمایا کہ وہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ اُن کو وعدۂ برحق کے مطابق زور کی آواز نے آن پکڑا تو ہم نے اُن کو کوڑا کرکٹ کر ڈالا۔ پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔'' (المؤمنون: 23/31-41)

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد دلائے تا کہ وہ اپنے مالک و رازق کو پہچان جائیں مگر ان کے دلوں پر کفر کے قفل پڑ چکے تھے۔ سورۂ شعراء میں نوح علیہ السلام ہی کے واقعے کے بعد ارشاد ہے:

كَذَّبَتْ عَادُ ِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

''عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن سے اُن کے بھائی ہود نے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں اس کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے۔ بھلا تم جو ہر اونچی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے اور جب (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو، سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی، جن کو تم جانتے ہو، اس سے ڈرو۔ اس نے تمہیں چار پایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے۔ مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔ وہ کہنے لگے: ہمیں خواہ نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے یکساں ہے۔ یہ تو اگلوں ہی کے طریق ہیں اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ سو انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا۔ بیشک اس میں نشانی ہے اور اُن میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور تمہارا پروردگار تو غالب اور مہربان ہے۔'' (الشعراء: 26/123-140)

ہود علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا رویہ

جب ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا، اس کے احکام کی تعمیل کرنے اور اس سے مغفرت طلب کرنے کی ترغیب دلائی اور ایمان نہ لانے کی صورت میں دنیا اور آخرت میں سزا کی وعید بیان فرمائی' تو قوم کے کافر سرداروں نے کہا:

﴿إِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ﴾ ''بلاشبہ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو۔'' (الأعراف: 7/66)

یعنی آپ ہمیں جس عقیدے کی دعوت دے رہے ہیں، وہ تو حماقت پر مبنی ہے جب کہ ہم ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن سے مدد اور رزق کی امید کی جاتی ہے اور یہ درست راستہ ہے۔ علاوہ ازیں ہمارا یہ خیال ہے کہ آپ جو کہتے ہیں کہ آپ کو اللہ نے بھیجا ہے، آپ کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے' تو ہود علیہ السلام نے فرمایا:

﴿يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

''بھائیو! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔'' (الأعراف: 7/67)

یعنی حقیقت میں وہ نہیں جو تم گمان کرتے ہو یا عقیدہ رکھتے ہو۔ بلکہ:

﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾

''میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں۔'' (الأعراف: 7/68)

''پہنچاتا ہوں'' سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصل پیغام میں جھوٹ نہیں بولا گیا، نہ اس میں کمی بیشی کی گئی ہے۔ اور اس لفظ میں یہ مفہوم بھی ہے کہ پیغام مختصر، فصیح اور جامع و مانع عبارت کے ذریعے سے پہنچایا گیا ہے، جس میں کوئی غموض، اختلاف

اور تناقض نہیں۔

اس انداز سے اللہ کا پیغام پہنچانے کے ساتھ ساتھ آپ اپنی قوم کے انتہائی خیرخواہ اور شفیق تھے، آپ کی خواہش تھی کہ قوم کو ہدایت نصیب ہو جائے۔ اسی لیے وہ ان سے کسی اجرت یا معاوضے کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، بلکہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے اور مخلوق کی خیر خواہی کے جذبے سے انہیں اللہ کی طرف بلاتے تھے۔ انہیں اگر اجر و ثواب کی تمنا تھی تو صرف اس ذات سے جس نے انہیں منصبِ رسالت پر فائز کیا تھا۔ اس لیے انہوں نے فرمایا:

﴿ يٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾

''میری قوم! میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟'' (ھود: 51/11)

یعنی کیا تمہارے پاس عقل نہیں جس سے تم یہ بات سمجھ سکو کہ میں تمہیں واضح حق کی طرف بلا رہا ہوں، جس کی گواہی تمہاری فطرت بھی دیتی ہے۔ یہ وہی سچا دین ہے، جسے اللہ نے نوح علیہ السلام کو دے کر مبعوث فرمایا تھا اور آخر کار ان کے مخالفین کو تباہ کر دیا تھا۔ بلکہ میں اسی اللہ سے اجر و ثواب کا طالب ہوں جو ہر قسم کے نفع اور نقصان کا مالک ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں جس مردِ مومن کا ذکر ہے، اس نے بھی یہی کہا تھا:

﴿ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْــَٔـلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾

''ایسے لوگوں کے پیچھے چلو جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے راستے پر ہیں۔ اور مجھے کیا ہے کہ میں اُس کی پرستش نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اُسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔'' (یٰسٓ: 22,21/36)

ھود علیہ السلام سے سردارانِ قوم کا رویہ: آپ کی قوم نے نہ صرف آپ کی نبوت کا انکار کیا بلکہ یومِ آخرت کو بھی محض جھوٹ تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل قیاسات کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ ﴾

''اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے اُن کو آسودگی دے رکھی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو پانی تم پیتے ہو، اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ جاؤ گے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور استخوان (یعنی ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔'' (المؤمنون: 33/23-35)

وہ لوگ اس بات کو بعید از قیاس اور خلاف عقل تصور کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو رسول بنا کر مبعوث کرسکتا ہے۔ قدیم وجدید دور کے اکثر جاہل کفار یہی شبہ پیش کرتے رہے ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾

''کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈر سنا دو۔'' (یونس: 10/2)

اور اسی کی بابت مزید فرمایا:

﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤی اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾

''اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو اُن کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے (اور) آرام کرتے (یعنی بستے) تو ہم اُن کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔'' (بني إسرائيل: 17/94,95)

اللہ تعالیٰ نے سرداران قوم کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ٱفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ ﴾

''کیا وہ تم سے یہ کہتا ہے کہ تم مرجاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں رہے گا تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اے پروردگار! انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے، تو میری مدد کر۔'' (المؤمنون: 23/35-39)

وہ قیامت کو عقل کے خلاف سمجھتے تھے اور جسم کے مٹی اور ہڈیوں کی صورت میں تبدیل ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جانے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے:

﴿ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴾

''زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔''

یعنی بعض لوگ مرجاتے ہیں اور دوسرے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مرنے والے زندہ نہیں ہو سکتے۔ دہریہ اور بعض جاہل زندیقوں کا یہی عقیدہ ہے۔

تناسخ کا عقیدہ رکھنے والے کہتے ہیں کہ مرنے والے چھتیس ہزار (36000) سال بعد دوبارہ اسی دنیا میں آ جاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں جھوٹ، کفر، جہالت اور گمراہی پر مشتمل ہیں۔ یہ غلط اقوال اور فاسد خیالات ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں۔ اس سے انسانوں میں سے انہی بدکار کافروں کی عقل متاثر ہوتی ہے جو فہم و ہدایت سے محروم ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ ۝ ﴾

''اور (وہ ایسے کام) اس لیے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل ان کی باتوں پر مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔'' (الأنعام: 113/6)

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو علم ربانی کی روشنی میں ہدایت فرمائی جبکہ وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے کہ ہم دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۝ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ ﴾

''بھلا تم جو ہر اونچی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو' شاید تم ہمیشہ رہو گے؟'' (الشعراء: 129,128/26)

یعنی انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ہر بلند مقام پر بڑی بڑی عظیم عمارتیں' محلات وغیرہ تعمیر کرتے ہو جن سے محض دل خوش کرنا مقصود ہوتا ہے اور تمہیں ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بات اس لیے فرمائی گئی ہے کہ وہ لوگ خیموں میں رہتے تھے۔ جیسے کہ ارشاد ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ ﴾

''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ ستونوں والے ارم کے ساتھ جس کی مانند (کوئی قوم) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔'' (الفجر: 89/6-8)

عادِ ارم سے عادِ اولیٰ ہی مراد ہے۔ وہی لوگ ستونوں پر کھڑے ہوئے خیموں میں رہائش رکھتے تھے۔ یہ کہنا غلط اور بلا دلیل ہے کہ ''ارم'' سونے چاندی کا بنا ہوا ایک شہر ہے، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔

﴿ تَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ ﴾ کا مطلب بعض علماء نے ''محل'' بیان کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: ''اس سے مراد حمام ہیں۔'' بعض نے فرمایا: ''یہ پانی لینے کی جگہیں تھیں۔'' ﴿ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم دنیا میں طویل عرصہ تک زندہ رہنے کی امید پر یہ سب کچھ بناتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کی نصیحت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ ﴾

''اور جب تم (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اس سے ڈرو جس

نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو اور اس نے تمہیں جانوروں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے۔ مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔'' (الشعراء:26/130-135)

ان لوگوں نے جواب میں کہا:

﴿ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ ﴾

''خواہ نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے یکساں ہے۔ یہ تو اگلے لوگوں ہی کے طریق ہیں اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔'' (الشعراء: 26/136-138)

لفظ خلق [خاء] کی زبر سے [خَلق] بھی پڑھا گیا ہے اور پیش سے [خُلُق] بھی۔ زبر کی صورت میں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ پہلے لوگوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ یعنی آپ جو باتیں سناتے ہیں، یہ خود آپ کی بنائی ہوئی ہیں، جنہیں آپ نے گزشتہ زمانے کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ نے اس لفظ کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ [خاء] اور [لام] کی پیش کے ساتھ [خُلُق] سے مراد دین ہے۔ یعنی ہم لوگ جس دین پر ہیں، یہ ہمارے آباء و اجداد اور بزرگوں کا دین ہے۔ ہم اسے ترک نہیں کریں گے بلکہ اسی پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔ ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴾ کا جملہ دونوں قراءتوں سے مناسبت رکھتا ہے۔

قوم نے ہود علیہ السلام سے یہ بھی کہا:

﴿ اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ﴾

''کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں؟ تم اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے ہم پر لے آؤ۔'' (الأعراف:7/70)

یعنی کیا آپ اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک ہی اللہ کی عبادت کریں اور اپنے آباء و اجداد کی مخالفت کریں اور ان کا راستہ چھوڑ دیں۔ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو وہ عذاب لے آئیں جس سے ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ کی پیروی نہیں کریں گے، آپ کو سچا نہیں مانیں گے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ تھے کہ سمجھنے کا نام ہی نہ لیتے تھے' بالآخر انہوں نے کہا:

﴿ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ﴾

''تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے۔ کیا تم مجھ سے ایسے ناموں

کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لیے ہیں جن کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ تو تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔" (الأعراف: 71/7)

یعنی یہ بات کہہ کر تم اللہ کے عذاب اور غضب کے مستحق ہو گئے ہو۔ کیا تم اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا موازنہ اپنے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا سے کرتے ہو؟ حالانکہ انہیں خود تم نے معبود قرار دیا ہے۔ یہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا فیصلہ ہے جس کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اب جب تم نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور باطل پر اصرار کر رہے ہو تو میرا تمہیں ان اعمال بد سے منع کرنا اور منع نہ کرنا برابر ہے۔ اس لیے اب اللہ کے اس عذاب کا انتظار کرو جو تم پر نازل ہونے والا ہے اور جسے روکا نہیں جا سکتا۔

ہود علیہ السلام کی قوم نے یہ بھی کہا:

﴿ يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ﴾

"اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر لے کر نہیں آئے اور ہم (صرف) تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔" (ھود: 54,53/11)

یعنی آپ نے کوئی خرق عادت معجزہ نہیں دکھایا جو آپ کے پیغام کے سچا ہونے کی دلیل بن سکے۔ آپ کے بے دلیل قول کی بنیاد پر تو ہم اپنے بتوں کی عبادت ترک نہیں کر سکتے۔ ہمیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ پاگل ہو گئے ہیں اور ہمارے خیال میں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے کسی معبود کا غضب آپ پر نازل ہوا ہے، اس نے آپ کی عقل کو متأثر کر کے جنون میں مبتلا کر دیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کا بتوں سے اعلان براءت

جب قوم نے دعوت توحید کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے بتوں کے بارے میں اپنے اعتقاد کا زبردست اظہار کیا تو حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے معبودان باطلہ سے بےزاری اور براءت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ ﴾

"میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ (تم

جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو وہ اور) تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو۔'' (ھود: 55,54/11)

حضرت ہود علیہ السلام نے ان الفاظ کے ساتھ انہیں چیلنج کر دیا، ان کے معبودوں سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا، ان کی تحقیر فرمائی اور واضح فرمایا کہ یہ بت کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ تو بے جان جمادات ہیں، جو حکم دوسرے جمادات کا ہے، وہی حکم ان بتوں کا ہے۔ جتنی طاقت دوسرے پتھروں میں ہے اتنی ہی ان میں ہے۔ اگر تمہارا خیال درست ہے کہ یہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں یا نفع دے سکتے ہیں تو میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ان سے لاتعلق ہوں، ان پر لعنت بھیجتا ہوں، تم اپنے تمام وسائل اور پوری طاقت سے جو کچھ کر سکتے ہو، اس کا پروگرام طے کر کے کر ڈالو، مجھے ایک گھڑی کی بھی مہلت نہ دو، مجھے تمہارا کوئی خوف اور پروا نہیں۔ مزید فرمایا:

﴿ اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾

''میں اللہ پر جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں۔ (زمین پر) جو بھی چلنے پھرنے والا ہے وہ (اللہ تعالیٰ) اُس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے۔ بیشک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔'' (ھود: 56/11)

یعنی میرا اعتماد اللہ پر ہے جو کوئی اس کی پناہ میں آئے اور اس کا سہارا طلب کرے، اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہود علیہ السلام کا یہ چیلنج ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور مخالفین جہالت اور گمراہی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت میں مشغول تھے۔ کیونکہ وہ لوگ ہود علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے، نہ کوئی تکلیف دے سکے، اس سے ثابت ہو گیا کہ ہود علیہ السلام کا پیغام سچا تھا اور ان لوگوں کا عقیدہ باطل اور غلط تھا۔ اس سے پہلے نوح علیہ السلام نے بھی یہی دلیل پیش کی تھی۔ فرمایا:

﴿ یٰقَوْمِ اِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْکِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَکُمْ وَشُرَکَآءَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴾

''اے میری قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو اللہ پر بھروسا رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کر لو اور وہ تمہاری تمام جماعت (کو معلوم ہو جائے اور کسی) سے پوشیدہ نہ رہے۔ پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔'' (یونس: 71/10)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بھی یہی بات فرمائی تھی:

﴿ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِکُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ وَکَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَکْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّکُمْ اَشْرَکْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا ؕ

﴿فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ۝ وَتِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ عَلٰی قَوۡمِهٖ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ ۝﴾

''اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا۔ الا یہ کہ میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال نہیں کرتے؟ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اِس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے۔ اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا اُن کے لیے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارا پروردگار دانا ہے اور خوب جانتا ہے۔'' (الأنعام: 6/80-83)

حضرت ہود علیہ السلام کی فریاد اور نوعیت عذاب

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کر دی کیونکہ قوم نے آپ کی ہر نصیحت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اور آپ کو جھٹلا دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی:

﴿رَبِّ انۡصُرۡنِیۡ بِمَا کَذَّبُوۡنِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِیۡلٍ لَّیُصۡبِحُنَّ نٰدِمِیۡنَ ۝ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ بِالۡحَقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً ۚ فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ۝﴾

''اے پروردگار! انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے تو میری مدد کر۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ وہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ سو ان کو وعدۂ برحق کے مطابق زور کی آواز نے آن پکڑا تو ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ کر ڈالا۔ پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔'' (المؤمنون: 23/39-41)

اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت مزید فرمایا:

﴿قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِکَنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۫ۖ وَاُبَلِّغُکُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَلٰکِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ قَوۡمًا تَجۡهَلُوۡنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوۡهُ عَارِضًا مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِیَتِهِمۡ ۙ قَالُوۡا هٰذَا عَارِضٌ مُّمۡطِرُنَا ؕ بَلۡ هُوَ مَا اسۡتَعۡجَلۡتُمۡ بِهٖ ؕ رِیۡحٌ فِیۡهَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝ تُدَمِّرُ کُلَّ شَیۡءٍۭ بِاَمۡرِ رَبِّهَا فَاَصۡبَحُوۡا لَا یُرٰۤی اِلَّا مَسٰکِنُهُمۡ ؕ کَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ۝﴾

''کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو۔ اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہوا سے ہم پر لے آؤ۔ (انہوں نے) کہا کہ (اس کا) علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو جو (احکام) دے کر بھیجا گیا ہوں، وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو۔ پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) اُن کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے: یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا (نہیں) بلکہ (یہ) وہ (عذاب) ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی ہے جس میں دردناک عذاب بھرا ہوا ہے جو ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ کیے دیتی ہے۔ پھر وہ ایسے ہو گئے کہ اُن کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ گناہ گار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔'' (الأحقاف: 46/22-25)

اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر ان کی تباہی کا ذکر فرمایا ہے' کہیں مختصر طور پر اور کہیں تفصیل سے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾

''پھر ہم نے ہود کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ تھے، اُن کو نجات بخشی اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اُن کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔'' (الأعراف: 7/72)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۗ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴾

''اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اُن کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور انہیں عذاب شدید سے نجات دی۔ یہ وہی عاد ہیں جنہوں نے اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر و سرکش کا کہا مانا، تو اس دنیا میں بھی لعنت اُن کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی۔) دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (اور) سن رکھو کہ ہود کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔''

(ھود: 11/58-60)

مزید فرمایا:

﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾

''سو انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا۔ بیشک اس میں نشانی ہے اور اُن میں اکثر ایمان لانے

والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔'' (الشعراء: 140,139/26)
تفصیلی بیان کی مثال سورۂ احقاف کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ اس میں عذاب کی ابتدا کا ذکر ہے کہ شروع میں ان سے بارش روک لی گئی تھی اور وہ قحط میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انہوں نے بارش کی دعا کی۔ اس کے بعد انہیں آسمان میں بادل نظر آیا تو انہوں نے اسے رحمت کی بارش والا بادل سمجھا حالانکہ وہ عذاب والا بادل تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ ﴾ (الأحقاف: 24/46) ''یہ وہی ہے جس کے جلدی آنے کا تم مطالبہ کرتے تھے۔'' یعنی عذاب ہے۔ اس میں ان لوگوں کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: ﴿ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (الأحقاف: 22/46) ''اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب لے آ جس کا ہم سے وعدہ کرتا ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی وضاحت اس طرح کی:

﴿ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا ﴾

''اللہ نے اُس کو سات رات اور آٹھ دن لگاتار اُن پر چلائے رکھا۔'' (الحاقة: 7/69)

یعنی پوری مدت یہ آندھی مسلسل چلتی رہی۔ ایک قول کے مطابق اس عذاب کی ابتدا جمعہ کے دن ہوئی تھی اور ایک قول کے مطابق بدھ کے دن۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴾

''سو (اے مخاطب!) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) گرے (مرے) پڑے دیکھے، جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔'' (الحاقة: 7/69)

انہیں کھجور کے درختوں کے ایسے تنوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن کے سرے الگ ہو چکے ہوں۔ کیونکہ ہوا آدمی کو اُٹھا کر اوپر لے جاتی تھی، پھر اسے سر کے بل پھینک دیتی تھی، جس سے سر پاش پاش ہو جاتا اور دھڑ باقی رہ جاتا۔ جیسے کھجور کا تنا، جس کا پتوں اور پھلوں والا حصہ کاٹ دیا گیا ہو، وہ پڑا ہوتا ہے' چنانچہ فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ ﴾

''ہم نے اُن پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی۔ وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیڑے ڈالتی تھی گویا اُکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔'' (القمر: 20-19/54)

یعنی وہ دن اُن کے لیے منحوس تھا، جس کا عذاب ان پر ہمیشہ رہے گا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ﴿ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴾ ''مسلسل نحوست والا دن'' بدھ کا دن ہے۔ اس وجہ سے وہ بدھ کو نامبارک دن قرار دیتے ہیں۔ یہ تصور غلط ہے اور قرآن کے خلاف ہے کیونکہ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ﴾

''پس ہم نے اُن پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی۔'' (حٰمٓ السجدة: 16/41)

یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہ آٹھ مسلسل ایام تھے۔ اگر یہ دن بذاتہ منحوس ہوں تو ہفتے کے ساتوں دن منحوس ہونے چاہئیں جن میں عذاب جاری رہا اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ اصل میں ﴿ نَّحِسَاتٍ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دن ان کافروں کے لیے منحوس تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۝ ﴾

''اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے اُن پر نامبارک ہوا چلائی۔ وہ جس چیز پر چلتی اس کو ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔'' (الذاريات: 42,41/51)

یعنی جس سے کوئی خیر حاصل نہ ہوئی کیونکہ ایک اکیلی (یک طرفہ) ہوا سے نہ بادل اُٹھتے ہیں، نہ درخت بار آور ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ ''بانجھ'' کہلاتی ہے یعنی اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور وہ ہر چیز کو اس طرح ٹوٹی پھوٹی تباہ حال کر دیتی تھی کہ اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری مدد صبا (مشرقی ہوا) کے ذریعے سے کی گئی اور عاد کو دبور (مغربی ہوا) کے ذریعے سے تباہ کیا گیا۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾

''اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی اور اُن سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے (جو کہتے تھے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔'' (الأحقاف: 21/46)

مزید فرمایا:

﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في قوله: ﴿وهو الذي يرسل الرياح......﴾، حديث: 3205 و صحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب في ريح الصبا والدبور، حديث: 900

''پھر جب انہوں نے اُس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) اُن کے میدانوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا (نہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے۔'' (الأحقاف: 24،46)

جب قوم عاد نے آسمان میں جمع ہوتے ہوئے بادلوں کو دیکھا تو انہیں برسنے والے بادل سمجھا۔لیکن یہ عذاب کے بادل تھے۔انہیں امید تھی کہ اس بادل سے رحمت حاصل ہوگی لیکن انہیں بری چیز حاصل ہوئی۔ممکن ہے عذاب سے مراد وہ انتہائی ٹھنڈی تیز آندھی ہو، جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی جس کی وجہ سے کوئی شخص زندہ نہ رہا۔ یہ ہوا پہاڑوں کے غاروں میں بھی داخل ہو جاتی تھی اور لوگوں کو ان سے نکال لاتی تھی اور پھر ہلاک کر دیتی تھی اور ان کے مضبوط مکانوں اور پختہ محلات کو مسمار کر دیتی تھی۔انہیں اپنی قوت اور طاقت پر فخر تھا، وہ کہتے تھے کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟ اللہ نے ان پر وہ ہوا مسلط کر دی جو اُن سے زیادہ طاقت ور تھی۔

ممکن ہے کہ بعد میں یہی ہوا بادل آ جانے کا باعث بنی ہو جسے بچے کھچے کافروں نے رحمت والا بادل سمجھا ہو۔لیکن اللہ نے اسے ان پر عذاب اور آگ کا باعث بنا دیا جیسے متعدد حضرات نے ذکر کیا ہے۔اس طرح ایک ہی قوم پر مختلف عذاب نازل ہوئے ہوں گے جس طرح اہل مدین پر مختلف عذاب آئے تھے۔(واللہ اعلم)

آخر الزماں نبی ﷺ نے اپنی امت کو دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے بہترین اسوہ دیا ہے۔گزشتہ امم کے واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے امت کو نصیحت فرمائی کہ وہ آندھی وغیرہ کو دیکھ کر مندرجہ ذیل دعا پڑھا کریں۔ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب تیز ہوا چلتی تو رسول اللہ ﷺ فرماتے:

[اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ.]

''اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اور جو کچھ دے کر وہ بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں۔اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اور جو کچھ وہ دے کر بھیجی گئی ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔''

وہ فرماتی ہیں: جب آسمان پر بادل چھا جاتے تو نبی ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا، آپ کبھی باہر تشریف لے جاتے اور کبھی اندر تشریف لاتے، (پریشانی کی حالت میں) کبھی آتے کبھی جاتے۔جب بارش نازل ہو جاتی تو آپ کی پریشانی دور ہو جاتی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کیفیت محسوس کر کے دریافت کیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا:''عائشہ! شاید یہ وہی صورت حال ہو، جیسے قوم عاد نے کہا تھا:

﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾

''جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو بولے: یہ بادل ہم پر بارش برسائے گا۔''[1]

مغرور قوم کا انجام: قوم عاد نے حق ماننے سے انکار کیا اور اپنی قوت پر ناز کرتے ہوئے اسے جھٹلایا تو گویا انہوں نے عذاب الٰہی کو دعوت خود ہی دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حم السجدہ میں اس کا ذکر یوں فرمایا:

﴿فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾

''جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ' جس نے اُن کو پیدا کیا ہے وہ اُن سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تو ہم نے بھی اُن پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور (اُس روز) اُن کو مدد بھی نہ ملے گی۔''

(حٰم السجدۃ: 41:15-16)

بالآخر قوم نے کفر و جہالت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے عذاب کا مطالبہ کر دیا جو بہت جلد پورا کر دیا گیا۔ سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ نے انہی کی بابت فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾

''اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی اور اُن سے پہلے اور پیچھے اور بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے (جو کہتے تھے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔ وہ کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ

[1] صحیح مسلم' صلاۃ الاستسقاء' باب التعوذ عند رؤیۃ الریح...... الخ' حدیث:899

ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو۔ اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے ہم پر لے آؤ (انہوں نے) کہا کہ (اس کا) علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو جو (احکام) دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو۔ پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) اُن کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کے رہے گا (نہیں) بلکہ (یہ) تو وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ کیے دیتی ہے' پھر وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ گناہ گار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔'' (الأحقاف: 46/21-25)

اور سورۂ ذاریات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَفِىْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝ مَا تَذَرُ مِنْ شَىْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۝ ﴾

''اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا چلائی، وہ جس چیز پر چلتی اسے ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔'' (الذاریات: 51/41،42)

اور سورۂ نجم میں ارشاد ہے:

﴿ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا۟ الْاُوْلٰى ۝ وَثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۝ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝ ﴾

''اور یہ کہ اُسی نے عاد اوّل کو ہلاک کر ڈالا اور ثمود کو بھی' غرض کسی کو باقی نہ چھوڑا اور اُن سے پہلے قوم نوح کو بھی۔ بلاشبہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے اور اسی نے الٹی ہوئی بستیوں کو دے پٹخا، پھر ان پر چھایا جو چھایا تو (اے انسان) تو اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت پر جھگڑے گا۔'' (النجم: 53/50-55)

اور سورۂ قمر میں فرمایا:

﴿ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾

''عاد نے بھی تکذیب کی تھی سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ ہم نے اُن پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی۔ وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیڑے ڈالتی تھی گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟'' (القمر: 54/18-22)

اور سورۃ الحاقہ میں انہی کی بابت فرمایا:

﴿وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝﴾

''رہے عاد تو اُن کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا۔ اللہ نے اُسے سات رات اور آٹھ دن لگا تار اُن پر چلائے رکھا' تو (اے مخاطب!) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) گرے (اور مرے) پڑے دیکھے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں۔ بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے؟'' (الحاقة: 69/6-8)

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ کافر امم کی طرح حضرت ہود علیہ السلام کی منکر قوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور انہیں بعد والوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔ اور سورۂ فجر میں ارشاد ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝﴾

''کیا آپ نے جانا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (جو) ارم (کہلاتے تھے۔ اتنے) دراز قد کہ تمام زمین میں ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا؟) جو وادی (قریٰ) میں پتھر تراشتے (اور گھر بناتے) تھے۔ اور فرعون کے ساتھ (کیا کیا؟) جو خیمے اور میخیں رکھتا تھا۔ یہ لوگ زمین میں سرکش ہو رہے تھے اور اس میں بہت سی خرابیاں کرتے تھے تو تمہارے پروردگار نے اُن پر عذاب کا کوڑا نازل کیا، بیشک تمہارا پروردگار تاک میں ہے۔'' (الفجر: 89/6-14)

قوم عاد کا ذکر سورۂ توبہ' سورۂ ابراہیم، سورۂ فرقان، سورۂ عنکبوت، سورۂ ص اور سورۂ ق میں بھی وارد ہے۔ ہم نے اپنی تفسیر میں اپنے اپنے مقام پر ان واقعات کے بارے میں بیان کیا ہے۔ (وللہ الحمد)

آندھی کا عذاب: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے جس قوم نے بت پرستی شروع کی، وہ قوم عاد تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے واضح ہے:

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ﴾

''اور یاد تو کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تمہیں پھیلاؤ زیادہ عطا کیا۔'' (الأعراف: 7/69)

یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے میں سب سے زیادہ قد آور اور طاقت ور بنایا تھا۔ سورۂ مومنون میں ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝﴾

''پھر اُن کے بعد ہم نے ایک دوسری جماعت پیدا کی۔'' (المؤمنون: 23/31) اس سے مراد بھی ہود علیہ السلام کی قوم ہے۔

اور یہی قول صحیح ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس آیت میں قوم ثمود کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے:

﴿فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً﴾

''تو انہیں وعدہ برحق کے مطابق زور کی آواز نے آن پکڑا۔ تو ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ کر ڈالا۔'' (المؤمنون: 41/23)

اور چیخ جیسی تیز آواز سے صالح علیہ السلام کی قوم کو تباہ کیا گیا تھا۔ اور قوم عاد کی بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝﴾ ''انہیں نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا۔'' (الحاقة: 6/69)

ان حضرات کے اس قول کے باوجود یہ ناممکن نہیں کہ اس قوم پر چیخ کا عذاب بھی آیا ہو اور آندھی کا عذاب بھی، جیسے مدین والے اصحاب الایکہ تھے کہ ان پر کئی قسم کا عذاب بیک وقت نازل ہوا۔ پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ قوم عاد کا زمانہ ثمود سے پہلے کا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عاد کے لوگ اکھڑ مزاج، سرکش، کافر اور بت پرست تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک شخص کو (رسول بنا کر) ان میں بھیجا، جس نے انہیں اللہ کی طرف، اس کی توحید اور خالصتاً اس کی عبادت کی طرف بلایا۔ انہوں نے اس کی تکذیب، مخالفت اور گستاخی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی شدید سزا کی لپیٹ میں لے لیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور عاد اولیٰ کی بستیاں
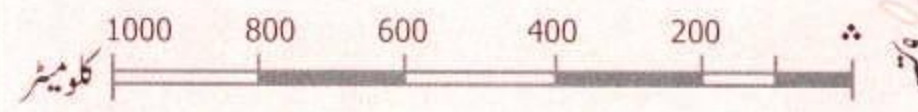
نتائج و فوائد ...... عبرتیں و حکمتیں

قومِ عاد کا مسکن: حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط اور قوی اجسام سے نوازا تھا۔ سخت اور بلند و بالا پہاڑوں کو تراش کر خوبصورت محلات تعمیر کرنے میں ان کا ثانی نہیں تھا۔ ان کی زمینیں سرسبز و شاداب اور ہر قسم کے باغات سے آراستہ تھیں۔ ان کو قرآن مجید میں ''احقاف'' والے کہا گیا ہے۔ احقاف کے معنی ریت کے اونچے ٹیلے ہیں۔ یہ صحرائے عرب کے جنوب مغربی حصے کا نام ہے۔ ان کے اکثر قبائل عمان سے حضر موت اور یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا مسکن یمن تھا جبکہ ان کی اکثر آبادی حضر موت اور یمن میں بحیرۂ عرب کے سواحل کے آس پاس تھی۔

آباء واجداد کی اندھی تقلید کا خوفناک انجام: دیگر اقوام کی طرح ہود علیہ السلام کی قوم بھی اس مرض بد کا شکار تھی۔ آباء واجداد کے باطل طریقوں کو چھوڑنا اور ہود علیہ السلام کی دعوتِ حق کو قبول کرنا ان کے لیے محال تھا۔ ان کے لیے یہ تصور نا قابل قبول ہوگیا کہ اتنی بڑی کائنات کو صرف ایک ہستی چلا رہی ہے جبکہ انہوں نے اولاد کے حصول کے لیے اور کھیتیوں، بارش اور کاروبار میں نفع ونقصان کا مالک دوسرے بتوں کو بنا رکھا تھا۔ دشمنوں پر فتح کے لیے الگ بت تھا۔ صحت و تندرستی کسی سے حاصل ہوتی تھی تو دولت و امارت کسی اور سے۔ اس طرح انہوں نے اپنے لیے بے شمار داتا، غریب نواز، گنج بخش اور غوث و دستگیر بنائے ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بڑے مشکل کشا یہ تین تھے: ① صمود۔ ② صداء اور ③ الھباء۔ بالآخر ان بتوں کی پوجا اور آباء واجداد کی اندھی تقلید ان کے خوفناک انجام کا سبب بنی اور یہ دستگیر ان کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ﴾

''پس قرب الٰہی کے حصول کے لیے انہوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے، (بلکہ دراصل) یہ ان کا محض جھوٹ اور (بالکل) بہتان تھا۔ (الاحقاف: 28/46)

بادِ صرصر اور نحوست کے ایام: حضرت ہود علیہ السلام نے بتوں کی پجاری قوم کو ہر طرح کے دلائل و براہین سے توحید کی دعوت دی اور انہیں ایک اللہ پروردگار کی عبادت پر یکسو کرنے کی کوشش کی مگر بتوں کی پوجا میں غرق، آباء واجداد کے رسوم و رواج کی تقلید میں اندھی قوم نے طرح طرح کے دلائل دیکھنے سننے کے باوجود آپ کو جواب دیا:

﴿ يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ

﴿اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا﴾

''اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے آسیب لگا دیا ہے۔''

(ہود:53/11)

جب دلائل و براہین سے حق واضح کر دیا گیا، حق تبلیغ پورا ہو گیا، کفار کا کفر و شرک اور ظلم و عناد تمام حدود پھلانگ گیا تو سنت اللہ کے پورے ہونے کا وقت آ گیا' اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝﴾

''ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل چلنے والی ہوا ایک پیہم منحوس دن میں بھیج دی، جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے پٹختی تھی گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے تھے۔ پس کیسی رہی میری سزا اور میرا ڈرانا؟'' (القمر:20,19/54)

اس طرح اللہ تعالی نے اس سرکش، مغرور، بددماغ اور مشرک قوم کو بادصرصر سے تباہ و برباد کر دیا۔ یہ یکایک تند و تیز، یخ بستہ اور شور مچاتی ہوئی ہوا تھی جو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی۔ یہ ہوا ان کافروں کو ان کے مضبوط قلعوں اور محلات سے اٹھاتی اور زمین پر پٹخ دیتی جس سے ان کے سر دھڑ سے جدا ہو جاتے اور وہ لمبے تڑنگے، کھجور کے تنوں کی طرح زمین پر گر پڑتے۔

تلخی کا جواب نرمی سے، بدتہذیبی کا جواب اخلاق سے دینا: حضرت ہود علیہ السلام کے قصے سے داعیان توحید و رسالت کو یہ درس ملتا ہے کہ انہیں اس مقدس فرض کی ادائیگی میں ہمیشہ نرم خو اور شیریں بیان ہونا چاہیے۔ تلخیوں کا جواب خندہ پیشانی سے دینا چاہیے۔ بے ہودہ گوئی اور استہزا کا جواب اخلاق و آداب سے دینا چاہیے تاکہ دعوت حق منکرین کے دلوں میں پیوست ہو جائے۔ نیز اس مشن کو بے لوث ہو کر ادا کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

﴿يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾

''اے میری قوم! میں تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا پھر تم عقل سے کام نہیں لیتے؟'' (ہود:51/11)

آپ کے اس اسلوب خطاب سے یہ بھی درس ملتا ہے کہ جنہیں دعوت حق دی جائے انہیں اچھے اچھے ناموں سے پکارا جائے تاکہ انہیں رغبت ہو، جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے کافر و مشرک قوم کو بھی ''میری قوم'' کہہ کر مخاطب کیا۔

میانہ روی اور اعتدال کا درس: حضرت ہود علیہ السلام کے قصے سے میانہ روی اور اعتدال کا درس ملتا ہے۔ اللہ تعالی نے

آپ کی قوم کو پھلوں سے لدے باغات' جاری چشموں اور لہلہاتی کھیتیوں سے نوازا تھا۔ انہیں مضبوط اور قوی بنایا تھا اور بلند قد وقامت عطا کیے تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ نعمتوں کی فراوانی پر شکر بجالاتے، وہ عیش وعشرت اور فخر ومباہات میں غرق ہو گئے۔ بلند و بالا پہاڑوں کو تراش کر عالی شان محلات تعمیر کرنا ان کا مشغلہ بن گیا۔ ان محلات کی تعمیر و آرائش پر کثیر دولت اور وقت صرف کرتے تا کہ دوسروں پر فخر اور برتری کا اظہار کر سکیں۔ وہ یہ سارے کام اظہار تفاخر اور محض کھیل کود کے لیے کرتے۔ ان محلات میں رہائش رکھنا ان کا قطعاً مقصد نہ تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو وقت اور وسائل کے اس بے جا ضیاع سے منع کیا۔ انہیں ایسا کام کرنے سے سختی سے منع کیا جس کا مقصد دین و دنیا کے منافع سے خالی تھا۔ لہٰذا انہیں اس بے کار محض اور عبث کام سے روکتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴾

''کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بطور کھیل تماشا یادگار (عمارت) بنا رہے ہو۔ اور بڑی صنعت والے مضبوط محل تعمیر کر رہے ہو گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔'' (الشعراء: 129,128/26)

آپ کی اس نصیحت میں موجودہ دور کے امراء کے لیے بھی درس عبرت موجود ہے جو وسیع و عریض محلات پر کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں جبکہ ان کا مقصد صرف دولتمندی کا اظہار ہوتا ہے جبکہ ان کے پہلو میں لاکھوں انسان دو وقت کی روٹی اور سر چھپانے کے لیے چند گز کے گھر کے لیے دست التجا بلند کیے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے' آپ نے فرمایا: ''اسراف اور تکبر سے بچتے ہوئے (جو چاہو) کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو۔''[1]

جرأت ایمانی: حضرت ہود علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے ہر مصلح، ہر داعی اور ہر مومن کو جرأت ایمانی کا درس ملتا ہے جبکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر رہا ہو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو دعوت توحید دی، ان کے معبودان باطلہ کی بے وقعتی اور بے حیثیتی کو واضح کیا، نیز انہیں اسراف و تبذیر سے روکا تو قوم کہنے لگی: ہود تمہارا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ ہمارے بزرگوں کی گستاخی کرنے سے تمہارا دماغ چل گیا ہے، ہمیں لگتا ہے کہ تو ہمارے کسی دیوتا کے زیر عتاب آ گیا ہے۔ اس پر ہود علیہ السلام نے کمال جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے تمام دیوتاؤں سے بیزاری اور براءت کا اظہار کیا اور انہیں ان کے دیوتاؤں سمیت چیلنج دے دیا:

﴿ قَالَ اِنِّيْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴾

''آپ نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اللہ کے سوا ان سب سے بے زار ہوں جنہیں تم شریک بنا رہے ہو۔ اچھا تم سب مل کر میرے حق میں بدی کر لو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔'' (ھود: 55,54/11)

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب قول الله تعالىٰ قل من حرم زينة الله ...... قبل حديث: 5783

اس طرح آپ نے کفار و مشرکین کو لاجواب کر دیا۔ آپ کی اس جرأت کا سبب بھی قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے تاکہ تاقیامت آنے والے داعیان حق اسی صفت کو اپنا کر میدان دعوت و ارشاد میں اتریں۔ آپ نے فرمایا تھا:

إِنِّي تَوَكَّلْتُ [illegible] رَبِّكُمْ

''میرا بھروسا صرف اللہ تعالیٰ پر ہے جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے۔'' (ھود:56/11)

لہٰذا جو بھی داعی اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے خوف کو امن اور کمزوری کو قوت و طاقت سے بدل دیتا ہے۔

توبہ و استغفار کے فوائد و ثمرات: تاریخ انسانی کے مطالعے سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جب کسی معاشرے میں ظلم و عدوان، سرکشی، فتنہ و فساد، قتل و غارت گری، کفر و شرک اور دیگر معاصی پھیل جاتے ہیں، شکرگزاری کی بجائے ناشکری عام ہو جاتی ہے تو پھر ایسے معاشرے اور ملک عذاب الٰہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ متکبر و جابر قومیں مٹ جاتی ہیں اور ناز و نعم میں دادِ عیش دینے والی بستیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس طرح گناہ نہ صرف انسانی جسم و عقل کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں بلکہ اجتماعی نظام حیات کے لیے بھی مہلک ثابت ہوتے ہیں۔

لیکن اگر قومیں توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنے گناہوں سے رجوع کر لیں' اپنے رب کی شکرگزار بن جائیں تو پروردگار عالم نہ صرف ان کی نعمتوں میں اضافہ فرما دیتا ہے بلکہ ان قوموں کو طویل عرصہ تک نعمتوں سے مستفید ہونے کا موقع دیتا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام بھی اپنی قوم کو اسی حقیقت سے روشناس کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ

''اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو تاکہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیج دے اور تمہاری قوت پر اور قوت بڑھا دے اور تم گناہ گار ہو کر روگردانی نہ کرو۔'' (ھود:52/11)

توبہ و استغفار، گناہوں کی معافی، رزق میں ترقی اور قرب الٰہی کے حصول کا اہم ذریعہ ہے۔ توبہ کی طرف وہی شخص متوجہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر قسم کے غم و اندوہ سے بے پروا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے نکلنے کے لیے راستہ بنا دیتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔'' (الطلاق:3,2/65)

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام کا نام ونسب اور قوم ثمود کا علاقہ

ثمود ایک مشہور قبیلے کا نام ہے۔ یہ جدیس کے بھائی ثمود کی نسل ہیں۔ یہ دونوں عاثر کے بیٹے تھے، جوارم کا بیٹا تھا اور ارم، نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کا بیٹا تھا۔

یہ دور قدیم کی خالص عربی قوم سے تھے۔ ان کی رہائش تبوک اور حجاز کے درمیان حجر کے مقام پر تھی جسے مدائن صالح بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ خلیج عقبہ کے مشرق میں واقع شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قوم ثمود کے مکانات اس علاقے میں پہاڑوں میں کھدے ہوئے صاف نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تبوک جاتے وقت اس مقام سے گزرے تھے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تبوک تشریف لے گئے تو مقام حجر میں ثمود کے (ویران) گھروں کے قریب فروکش ہوئے۔ لوگوں نے ان کنووں سے پانی لے لیا، جو ثمود کے زیر استعمال رہے تھے۔ انہوں نے (اس پانی سے) آٹا گوندھ لیا اور (گوشت پکانے کے لیے آگ پر) دیگیں چڑھا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم

دیا تو دیگیں اُلٹ دی گئیں اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا گیا۔ پھر نبی ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہو کر اس کنویں کے پاس جا ٹھہرے جہاں سے اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ آپ نے ان لوگوں کے (ویران) گھروں میں داخل ہونے سے منع فرمایا جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا اور فرمایا: ''میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی ویسا عذاب نہ آ جائے جیسا اُن پر آیا تھا، اس لیے ان کے علاقے میں داخل نہ ہوا کرو۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام حجر میں ارشاد فرمایا: ''ان عذاب یافتہ لوگوں کے علاقے میں (داخل ہونا پڑے تو) صرف روتے ہوئے داخل ہوا کرو، اگر رونا نہ آئے تو ان کے علاقے میں داخل نہ ہونا، کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو اُن پر نازل ہوا تھا۔''[2]

ان کا زمانہ قوم عاد کے بعد کا ہے اور ثمود، عاد کی طرح بت پرست تھے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اہل کتاب ان دونوں قوموں (عاد اور ثمود) کے حالات سے واقف نہیں تھے کیونکہ ان کی کتاب، تورات میں ان کا ذکر نہیں۔ لیکن قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو عاد و ثمود کے بارے میں بتایا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ﴾

''اور موسیٰ نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ناشکری کرو تو اللہ پھر بھی بے نیاز (اور) قابل تعریف ہے۔ بھلا تم کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو اُن کے بعد تھے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اُن کے پاس پیغمبر معجزے لے کر آئے۔'' (إبراهيم: 14/ 8،9)

یہ پوری بات موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمائی تھی۔ لیکن چونکہ یہ دونوں قومیں اہل عرب میں سے تھیں، اس لیے اہل کتاب نے ان کے حالات کو اچھی طرح معلوم نہیں کیا، نہ انہیں یاد رکھنے کو کوئی اہمیت دی، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان قوموں کے حالات ان میں مشہور تھے۔ ہم نے تفسیر میں اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔

اس وقت ثمود کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کا کیا معاملہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو اور مومنوں کو

---

[1] مسند أحمد: 2/ 117

[2] مسند أحمد: 2/ 114 و صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة في مواضع الخسف و العذاب، حديث: 433 و صحيح مسلم، الزهد، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر......، حديث: 2980

کس طرح نجات دی اور جن ظالموں نے کفر وسرکشی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنے رسول کی مخالفت کی تھی، انہیں کیسے تباہ کیا۔
ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ عربی قوم تھے اور ان کا زمانہ عاد کے بعد کا ہے۔ لیکن انہوں نے عاد کے واقعات سے عبرت حاصل نہ کی۔
بیان کیا جاتا ہے کہ اس قوم کے لوگوں کی عمریں بہت طویل تھیں۔ آدمی مٹی سے گھر بناتا تو اس کی موت سے پہلے وہ گھر گر پڑتا۔ چنانچہ انہوں نے پہاڑ کھود کر گھر بنانے شروع کر دیے۔
اللہ تعالیٰ نے اُنہی میں سے اپنے ایک بندے کو نبوت کے منصب پر فائز کر کے ان کی طرف بھیجا۔ اس نبی کا نام صالح بن عبید بن ماسح بن عبید بن حادر بن ثمود بن عاثر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت ودعوت اور سرداران قوم کا رویہ

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو اس بات کی دعوت دی کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، بتوں سے کنارہ کشی کریں اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر نے کفر کیا اور زبان وعمل سے انہیں اذیت دی، انہیں شہید کرنے کا پروگرام بنایا اور اس اونٹنی کو قتل کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیدا فرمایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شدید گرفت میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ سورۂ اعراف میں یوں کیا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ﴾

''اور قوم ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا (تو) صالح نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔'' (الأعراف: 73/7)

اور پھر مزید فرمایا:

﴿ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ ﴾

''اور یاد تو کرو جب اُس نے تم کو قوم عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے (مٹی لے لے کر)

محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ اُن کی قوم کے سردار لوگ جو غرور رکھتے تھے، غریب لوگوں سے، جو اُن میں سے ایمان لے آئے تھے، کہنے لگے: بھلا تم یقین کرتے ہو کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں جو چیز وہ دے کر بھیجے گئے ہیں ہم اُس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں۔ تو مغرور (سردار) کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔'' (الأعراف: 7/74-76)

یعنی اللہ نے تمہیں عاد کے جانشین بنایا ہے تاکہ تم ان کے حالات سے عبرت حاصل کرو اور ان جیسے عمل نہ کرو۔ اللہ نے تمہیں یہ زمین عطا فرمائی جس کے میدانوں میں تم محلات تعمیر کرتے ہو اور پہاڑ تراش کر بڑی مہارت، کاریگری اور پختگی کے ساتھ مکان بناتے ہو۔ لہٰذا اللہ کی اس نعمت کے عوض شکر اور نیک عمل کرو، اس کی عبادت کرو، اس کے ساتھ شرک نہ کرو، اس کے احکام کی مخالفت کرتے ہوئے اس کی اطاعت سے روگردانی نہ کرو کیونکہ اس روش کا انجام بہت خطرناک ہے۔

قوم کو توبہ کی تلقین: حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو بتوں کی پوجا سے روکا اور دیگر گناہوں سے توبہ کی تلقین کی لیکن نافرمان قوم نے پہلے سے بھی زیادہ سرکشی کا مظاہرہ کیا۔ سورۂ ہود میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ۝ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝ ﴾

''اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا سو اُس سے مغفرت مانگو اور اُس کے آگے توبہ کرو۔ بے شک میرا پروردگار نزدیک (بھی ہے اور دعا کا) قبول کرنے والا بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ صالح! اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہو گئیں) کیا تم ہم کو ان چیزوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں؟ اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں سخت شبہ ہے۔ صالح نے کہا: اے قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اُس نے مجھے اپنے ہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی، پھر اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو اُس کے سامنے میری کون مدد کرے گا؟ تم تو (کفر کی باتوں سے) میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو۔'' (ھود: 11/61-63)

اللہ ہی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس کے آباد کرنے والے بنایا۔ یعنی زمین میں جو فصلیں اور پھل ہیں، وہ

تمہیں دیے، اس لیے وہی خالق اور رازق ہے اور وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے، نہ کہ دوسری چیزیں اور افراد۔ ﴿فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ ''سو اسی سے بخشش مانگو' پھر اس کے آگے توبہ کرو۔'' یعنی تم جو بداعمالیاں کر رہے ہو، انہیں چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ' وہ توبہ قبول کر کے تمہیں معاف فرما دے گا۔ ﴿اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ﴾ ''میرا رب یقیناً قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے۔''

اس موقع پر آپ نے نرم لہجے اور نرم الفاظ میں بات کی اور انہیں نیکی کی طرف بلانے میں خوبصورت انداز اختیار کیا اور فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر معاملہ سچ مچ ویسے ہی ہوا جیسے میں کہتا ہوں تو تم اللہ کے ہاں کیا عذر پیش کر سکو گے؟ اس کے دربار میں تم کیسے جان چھڑا سکو گے؟ تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو کہ میں تمہیں اس کی اطاعت کی طرف بلانا چھوڑ دوں، میرے لیے یہ قطعاً ممکن نہیں، کیونکہ یہ مجھ پر فرض ہے۔ اگر میں اس کی ادائیگی ترک کر دوں تو مجھے اللہ کے عذاب سے نہ تم بچا سکو گے نہ کوئی اور میری مدد کر سکے گا۔ اس لیے میں تمہیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلاتا رہوں گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔

سورۃ الشعراء میں دعوت صالح علیہ السلام کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝﴾

''اور قوم ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن کو اُن کے بھائی صالح نے کہا: تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اِس کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا جو چیزیں (تمہیں یہاں میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیے جاؤ گے؟ (یعنی) ان باغوں اور ان چشموں اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں کے باغوں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں۔ اور تم تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔'' (الشعراء: 26/141-152)

قوم کی بدشگونی: دعوت حق کو تھامنے کی بجائے قوم نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بدشگونی لینا شروع کر دی اور فساد کے لیے صلاح مشورہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰي ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ قَالَ

يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝ وَكَانَ فِى الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

''اور ہم نے ثمود کی طرف اُس کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو' پھر بھی وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا کہ بھائیو! تم بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو (اور) اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے؟ وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لیے برا شگون لائے ہو۔ صالح نے کہا کہ تمہاری بدشگونی اللہ کی طرف سے ہے بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو فتنے میں پڑے ہوئے ہو۔ اور اس شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے آپس میں قسمیں کھا کر عہد کیا کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے' پھر اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم صالح کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے ہی نہیں اور ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔'' (النمل: 27/45-49)

✿ **اللہ کے نبی پر رکیک حملے:** حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اپنی ضد پر اڑی رہی اور دعوت توحید کو قبول کرنے کی بجائے اپنے نبی کی ذات پر رکیک حملے شروع کر دیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝

''ثمود نے بھی ہدایت کرنے والوں کو جھٹلایا اور کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اُس کی پیروی کریں؟ یوں ہو تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے۔ کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے۔ ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا خود پسند ہے۔ (القمر: 54/23-26)

قوم ثمود کی طرف سے معجزے کا مطالبہ اور اس کی بے حرمتی

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو دعوت حق دی لیکن وہ انکار پر ہی مصر رہے بلکہ آپ کو جادو زدہ کہا اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں تو کوئی معجزہ یا نشانی پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبے کا قرآن مجید میں یوں ذکر کیا ہے:

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ

﴿عَظِيْمٍ ۞ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۞ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞﴾

وہ (قوم ثمود) کہنے لگے کہ تم جادوزدہ ہو۔تم اور کچھ نہیں، ہماری ہی طرح کے آدمی ہو۔سو اگر سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔صالح نے کہا: (دیکھو) یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اُس کے پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمہاری باری ہے۔ اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا (نہیں تو) تم کو سخت عذاب آ پکڑے گا۔مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔آخرکار پچھتاتے رہ گئے۔پس اُن کو عذاب نے آن پکڑا۔بیشک اس میں ایک نشانی ہے اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔'' (الشعراء: 158-153/26)

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ﴾ یعنی آپ پر جادو کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے آپ کو معلوم ہی نہیں کہ آپ کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔یعنی توحید کو اختیار کرنے اور شرک چھوڑنے کی دعوت آپ عقل وشعور کے ساتھ نہیں دے رہے۔اکثر علماء نے ﴿الْمُسَحَّرِيْنَ﴾ کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد مسحور (جادو سے متاثر) ہے۔اس لفظ کو [مُسَحِّرِيْنَ] بھی پڑھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے دوست جن کے ذریعے سے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں' یعنی آپ جادوگر ہیں۔پہلی رائے زیادہ مضبوط ہے کیونکہ اس کے بعد ان لوگوں نے کہا: ﴿مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ ''آپ تو ہم جیسے انسان ہیں۔''

سورۂ قمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۞ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۞﴾

''(اے صالح!) ہم اُن کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں سو تم اُن کو دیکھتے رہو اور صبر کرو اور اُن کو آگاہ کر دو کہ اُن میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔ ہر باری والے کو اپنی باری پر آنا چاہیے۔'' (القمر: 28,27/54)

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر میں مطالبہ اسی انداز سے پورا کر دوں جیسے تم نے کہا ہے، تو کیا تم واقعی اس دین پر ایمان لے آؤ گے جو میں لایا ہوں اور ان امور میں میری تصدیق کرو گے جنہیں دے کر مجھے مبعوث کیا گیا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں! (ہم تجھ پر ایمان لائیں گے اور تیری باتوں کی تصدیق کریں گے۔'')

آپ نے ان سے پختہ عہد و پیمان لے لیا۔تب آپ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان لوگوں کا مطالبہ پورا فرمائے۔اللہ کے حکم سے وہ چٹان پھٹ گئی اور اس میں سے ایک بہت بڑی حاملہ اونٹنی نکلی، جس میں وہ تمام صفات موجود تھیں، جو مطالبہ کرنے والوں نے بیان کی تھیں۔جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے معجزہ ظاہر ہوتے دیکھ لیا تو انہیں اس کی عظمت کا احساس ہوا اور وہ مرعوب ہو گئے۔یہ اللہ کی قدرت کی ایک واضح نشانی اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کا ناقابل تردید ثبوت تھا۔چنانچہ قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے۔لیکن اکثر لوگ کفر وضلالت اور ہٹ دھرمی پر اڑے

رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَظَلَمُوا بِهَا﴾ یعنی اس کا انکار کیا۔ اس کو دیکھ کر حق کی پیروی نہیں کی۔ اس سے مراد ان کی اکثریت کا عمل ہے۔

وہ اونٹنی ان میں موجود رہی۔ ان کے علاقے میں جہاں سے چاہتی چرتی اور جب کنویں پر پانی پینے جاتی تو کنویں کا سارا پانی پی لیتی۔ چنانچہ لوگ اپنی باری والے دن اگلے دن کے لیے بھی پانی بھر لیتے تھے۔ وہ لوگ اس کا دودھ پیتے اور وہ سب کے لیے کافی ہو جاتا۔ اس لیے آپ نے ان سے فرمایا: ''(ایک دن) اس کی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمہاری باری۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ﴾ ''ہم اونٹنی ان کے لیے آزمائش بنا کر بھیجنے والے ہیں۔'' آزمائش اس لحاظ سے تھی کہ کیا وہ اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ ﴿فَارْتَقِبْهُمْ﴾ ''پس انتظار کیجیے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟'' اور ان کی طرف سے تکلیف دی جائے تو صبر کیجیے اور اُن کو آگاہ کر دیجیے کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔ ہر (باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہیے۔

اور صالح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿قَدْ جَآءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

''تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے یعنی یہی اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے معجزہ ہے سو اسے (آزاد) چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ دردناک عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔'' (الأعراف: 73/7)

اور مزید فرمایا:

﴿يَٰقَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ﴾

''اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی (معجزہ) ہے لہٰذا اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں (جہاں چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ پکڑے گا۔'' (ھود: 64/11)

☆ **معجزے کی بے حرمتی:** ایک عرصہ تک یہ معاملہ یونہی چلتا رہا۔ آخر ان کے سردار جمع ہوئے اور مشورہ کے بعد متفقہ فیصلہ کیا کہ اونٹنی کو قتل کر دیں تاکہ اس سے جان چھوٹے اور انہیں سارا پانی مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَٰصَٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾

''آخر اُنہوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالح! جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم (اللہ کے) پیغمبر ہو تو اُسے ہم پر لے آؤ۔'' (الأعراف: 77/7)

سازشی قوم نے اللہ کے معجزے پر ایمان لانے کی بجائے اس پر ظلم و عدوان کیا اور اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا بندوبست کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَآ ۝ إِذِ انۢبَعَثَ أَشْقَىٰهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ ٱللَّهِ نَاقَةَ ٱللَّهِ وَسُقْيَٰهَا ۝ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنۢبِهِمْ فَسَوَّىٰهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبَٰهَا﴾

''(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر کو) جھٹلایا۔ جب اُن میں سے ایک نہایت بدبخت اُٹھا، تو اللہ کے پیغمبر (صالح) نے اُن سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کی پینے کی باری سے ڈرو (اور احتیاط کرو) مگر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، پھر اللہ نے اُن کے گناہ کے سبب اُن پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا اور اس کو ان سے بدلہ لینے کا کچھ بھی ڈر نہیں۔'' (الشمس: 91/11-15)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَءَاتَيْنَا ثَمُودَ ٱلنَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا۟ بِهَا﴾

''اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (نبوت صالح کی کھلی) نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔'' (بني إسرائيل: 59/17)

جس شخص نے اونٹنی کو قتل کرنے کی ذمہ داری اُٹھائی، اس کا نام [قِدَار بن سالف بن جُندَع] تھا۔ وہ سرخ فام اور نیلی آنکھوں والا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سالف کی بیوی سے [صِیبَان] کے ناجائز تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ اس نے سب لوگوں کے متفقہ فیصلے کے نتیجے میں اونٹنی کو قتل کیا تھا۔ اس لیے اس کام کی نسبت ان سب کی طرف کی گئی۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین کا بیان ہے کہ قوم ثمود میں دو عورتیں تھیں۔ ایک کا نام [صدوق بنت محیا بن زُهیر بن مختار] تھا جو مالدار اور اونچے خاندان کی عورت تھی۔ اس نے قبیلہ اسلم کے ایک آدمی سے نکاح کیا، لیکن پھر طلاق لے لی۔ اس نے اپنے چچا زاد [مصدع بن مهرج بن محیا] کو بلا کر کہا: ''اگر تم اونٹنی کو قتل کر دو تو میں تم سے شادی کر لوں گی۔''

دوسری عورت کا نام [عُنَیزَہ] تھا۔ جو [غُنَم بنُ مِجلَز] کی بیٹی تھی۔ اس کی کنیت [اُمّ غَنَم] تھی۔ یہ ایک کافر بڑھیا تھی۔ اس کا خاوند [ذُؤاب بن عمرو] ایک رئیس تھا۔ اس عورت نے قدار بن سالف سے کہا: ''یہ میری چار بیٹیاں ہیں۔ اگر تم اونٹنی کو قتل کر دو، تو جس لڑکی سے چاہو گے، شادی کر دوں گی۔''

چنانچہ یہ دونوں جوان اس کام کے لیے کمربستہ ہو گئے اور قوم کے اور افراد کو بھی ترغیب دی۔ یوں مزید سات افراد ان کے ساتھ آ ملے اور یہ کل نو افراد ہو گئے۔ درج ذیل آیت مبارکہ میں انہی کا ذکر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴾

''اور شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔'' (النمل: 48/27)

انہوں نے باقی قبیلے کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کی تو لوگوں نے تائید کی۔ وہ اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے گھات میں بیٹھ گئے۔ جب وہ پانی پی کر واپس آئی تو مصدع نے' جو چھپ کر بیٹھا ہوا تھا، اس پر تیر چلا دیا، جو اس کی پنڈلی کی ہڈی میں پیوست ہو گیا۔ عنیزہ اور اس کی بیٹیاں بھی قدار کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے آ گئیں اور انہیں جوش دلانے کے لیے اپنے چہروں سے نقاب الٹ دیے۔ قدار بن سالف نے جلدی سے اونٹنی پر تلوار سے حملہ کیا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ وہ زمین پر گر پڑی اور زور سے آواز نکالی جس سے اس کا بچہ چوکنا ہو گیا اور دور پہاڑ پر چلا گیا اور تین بار بلبلایا۔ قدار نے اونٹنی کے گلے پر نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا۔ [1]

قرآن مجید نے اس کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:

﴿ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴾

''پھر ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے (اونٹنی کو پکڑ کر اس کی) کونچیں کاٹ ڈالیں سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہے؟'' (القمر: 30,29/54)

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے دوران میں اونٹنی کا اور اسے قتل کرنے والے کا ذکر کیا اور فرمایا: ''اسے قتل کرنے کے لیے ایک دلیر سردار اٹھا، جس کی بات مانی جاتی تھی جیسے (قریش میں) ابو زمعہ ہے۔'' [2]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کیا میں تجھے نہ بتاؤں کہ سب سے زیادہ بدبخت کون ہے؟'' انہوں نے کہا: ''جی ہاں! فرمائیے۔'' نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''دو شخص ہیں۔ ایک تو ثمود کا سرخ فام آدمی جس نے اونٹنی کو قتل کیا تھا، اور ایک وہ جو تجھے، اے علی! اس جگہ (یعنی سر پر) ضرب لگائے گا، جس سے یہ (یعنی ڈاڑھی) تر ہو جائے گی۔'' [3]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴾

''آخر انہوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالح!

---

[1] تفسیر ابن کثیر' 396/3' تفسیر سورۃ الأعراف' آیت: 77

[2] صحیح البخاري' التفسیر' باب سورۃ (والشمس وضحاھا) حدیث: 4942

[3] مسند أحمد: 263/4 سلسلة الأحادیث الصحیحة' حدیث: 1888

جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے ہو' اگر تم (اللہ کے) پیغمبر ہو تو اُسے ہم پر لے آؤ۔'' (الأعراف: 77/7)

ان کے اس قول میں کئی انداز سے کفر کا واضح اظہار ہے:

- انہوں نے مؤکد طور پر ممنوع کام کا ارتکاب کر کے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ یعنی اس اونٹنی کو ہلاک کیا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آیت (نشانی، معجزہ) قرار دیا تھا۔
- انہوں نے ایسا کام کیا جس سے عذاب جلدی آ جائے۔ لہٰذا وہ دو وجہ سے اس کے مستحق ہو گئے۔
- ایک اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کی یہ شرط بیان فرمائی تھی کہ اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ پکڑے گا۔
- دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عذاب کے جلد آ جانے کا مطالبہ کیا۔
- کفر کی تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس رسول کی تکذیب کی جس کی نبوت اور سچائی کا ناقابل تردید ثبوت موجود تھا اور انہیں اس کا پوری طرح علم اور یقین تھا۔ لیکن کفر، ضلالت اور فساد نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ حق کو ناقابل فہم قرار دیں اور اس طرح ان پر عذاب نازل ہو جائے۔

علمائے کرام نے بیان فرمایا ہے کہ جب ان لوگوں نے اونٹنی کو قتل کیا تو اس پر سب سے پہلے قدار بن سالف [لعنة الله علیه] نے حملہ کیا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں، وہ زمین پر گر پڑی۔ پھر سب افراد نے جلدی جلدی تلواروں سے اس کے ٹکڑے کر دیے۔ جب اس کے بچے نے یہ دیکھا تو بھاگ کر سب سے اونچے پہاڑ پر چڑھ گیا اور تین بار بلبلایا۔

اس لیے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ﴾

''اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ اُٹھالو۔'' (ھود: 65/11)

یعنی انہیں اس دن کے علاوہ تین دن کی مہلت دی گئی۔ انہوں نے اس مؤکد وعید پر بھی اعتبار نہ کیا۔ بلکہ شام ہوئی تو انہوں نے پروگرام بنایا کہ حضرت صالح علیہ السلام کو بھی شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ سب قسمیں کھا کر کہنے لگے:

﴿ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ﴾

''عہد کرو کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے۔'' (النمل: 49/27)

یعنی ہم رات کو صالح (علیہ السلام) کے گھر میں گھس کر آپ کو اہل وعیال سمیت شہید کر دیں گے۔ پھر اگر آپ کے اقارب نے قصاص یا دیت کا مطالبہ کیا تو ہم مکر جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے قتل نہیں کیا۔ اس لیے انہوں نے کہا:

﴿ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾

''پھر اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم صالح (علیہ السلام) کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے ہی نہیں اور ہم بالکل سچ

کہتے ہیں۔" (النمل: 27/49)

قومِ ثمود پر نزولِ عذاب اور صالح علیہ السلام کا اظہارِ افسوس

جب قوم نے معجزے کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو نتیجہ ان کی تباہی کی صورت میں نکلا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف پیرائے میں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾

"اور (وادیٔ) حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔ ہم نے اُن کو اپنی نشانیاں دیں اور وہ اُن سے منہ پھیرتے رہے اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے کہ امن سے رہیں گے تو ہولناک چیخ نے اُن کو صبح ہوتے ہوتے آ پکڑا۔ اور جو کام وہ کرتے تھے وہ اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے۔" (الحجر: 15/80-84)

اور ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ ﴾

"اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (نبوت صالح کی کھلی) نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم تو ڈرانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجا کرتے ہیں۔"

(بني إسرائيل: 17/59)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ ﴾

اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی (معجزہ) ہے لہٰذا اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں (جہاں

چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ پکڑے گا۔ مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ تو (صالح نے) کہا کہ اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدے اُٹھالو یہ (عذاب کا) وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا، سو جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اُن کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے (محفوظ رکھا۔) بے شک تمہارا پروردگار ہی طاقتور اور زبردست ہے۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، اُن کو ہولناک چیخ (کی صورت میں عذاب) نے آ پکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سن رکھو! کہ ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا اور سن رکھو کہ ثمود پر پھٹکار ہے۔'' (ھود: 11/64-68)

سورۂ قمر میں ان کے عذاب کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝﴾

''سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہے؟ ہم نے اُن پر (عذاب کے لیے) ایک ہولناک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ۔ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے' تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟'' (القمر: 54/30,31)

ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝﴾

''اور وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور اُن کو کچھ خبر نہ ہوئی' سو دیکھ لو کہ اُن کی چال کا انجام کیسا ہوا؟ ہم نے اُن کو اور اُن کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا۔ اب یہ اُن کے گھر اُن کے ظلم کے سبب خالی پڑے ہیں۔ جو لوگ دانش رکھتے ہیں اُن کے لیے اس میں نشانی ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی۔''

(النمل: 27/50-53)

جن افراد نے حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کی سازش تیار کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی قوم سے پہلے ہی عذاب نازل فرما دیا اور ان پر پتھر برسا کر کچل ڈالا اور تباہ کر دیا۔ جب مہلت کا پہلا دن یعنی جمعرات کا دن آیا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے، جیسے صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ شام ہوئی تو انہوں نے کہا: ''مہلت کا ایک دن تو گزر گیا۔'' جب دوسرے دن یعنی جمعہ کی صبح ہوئی تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے۔ شام ہوئی تو انہوں نے کہا: ''مہلت کے دو دن گزر گئے۔'' جب مہلت کا تیسرا دن آیا یعنی ہفتے کی صبح ہوئی تو ان کے چہرے سیاہ ہو گئے۔ شام ہوئی تو انہوں نے کہا: ''(صالح کی کہی ہوئی) مہلت

تو ختم ہوگئی۔ جب اتوار کی صبح ہوئی تو انہوں نے خوشبو لگائی اور تیار ہو کر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں کون سا عذاب آتا ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے اور ان پر کس طرف سے عذاب آنے والا ہے۔

جب سورج طلوع ہوا تو آسمان سے ایک شدید آواز آئی اور نیچے سے زلزلہ آ گیا۔ چنانچہ تمام افراد کی روحیں پرواز کر گئیں، وہ مرکر بے حس وحرکت اور خاموش ہو گئے۔ وہ اپنے گھروں میں جیسے بیٹھے تھے، ویسے ہی بیٹھے بیٹھے بے جان اجسام میں تبدیل ہو گئے اور حرکت بھی نہ کر سکے۔ ان میں سے صرف ایک لونڈی زندہ بچ گئی جو چلنے پھرنے سے معذور تھی۔ اس کا نام ''کلبہ بنت سلق'' تھا اور اسے ''ذریعہ'' بھی کہتے تھے۔ وہ پکی کافرہ تھی اور صالح علیہ السلام کی سخت دشمن تھی۔ جب اس نے عذاب دیکھا تو اسے چلنے کی طاقت مل گئی، چنانچہ وہ انتہائی تیزی سے بھاگی حتی کہ عربوں کے ایک قبیلے کے پاس جا پہنچی۔ اس نے تمام چشم دید واقعہ سنایا اور قوم پر آنے والے عذاب کی خبر دی۔ پھر پانی مانگا۔ جب اس نے پانی پیا تو وہ بھی مرگئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ﴾ ''یوں محسوس ہوتا کہ وہ کبھی یہاں بسے اور آباد ہی نہیں ہوئے۔'' یعنی اس طرح فنا ہو گئے گویا کبھی تھے ہی نہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کا اظہار افسوس: حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی تباہی و بربادی پر نہایت غم وحسرت کا اظہار فرمایا' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾

''پھر صالح اُن سے (ناامید ہوکر) پھرے اور کہا کہ اے میری قوم! میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست نہیں رکھتے۔'' (الأعراف: 79/7)

صالح علیہ السلام نے قوم کے ہلاک ہو جانے کے بعد قوم سے مخاطب ہو کر (بطور افسوس وحسرت) یہ فرمایا: ﴿ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ﴾ ''میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا تھا اور تمہارا بھلا چاہا تھا۔'' یعنی میں نے ہر ممکن طریقے سے تمہیں راہ ہدایت پر لانے کی پوری کوشش کی۔ اپنے قول، عمل اور نیت سے اس کا انتہائی خواہش مند تھا: ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ ''لیکن تم لوگ نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔'' یعنی تمہاری فطرت نہ حق کی طالب تھی، نہ اسے قبول کرتی تھی' اس لیے تم اس دردناک عذاب کا شکار ہو گئے، جس میں تم ابد تک مبتلا رہو گے۔ اب میں کسی طرح بھی تمہیں اس عذاب سے چھڑا نہیں سکتا۔ میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا یعنی تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی۔ میں یہی کچھ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

بدر کے کنویں میں جن مقتول کافروں کو پھینکا گیا تھا، اللہ کے نبی ﷺ نے تین دن بعد ان سے بھی اسی طرح خطاب فرمایا تھا۔ رات کے آخری حصے میں جب آپ نے اسلامی لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا تھا اور خود سواری پر تشریف فرما ہو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اے کنویں والو! تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے اسے پورا ہوتے دیکھ لیا؟ مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا، میں نے تو اسے پورا ہوتے دیکھ لیا ہے۔''

آپ نے اس موقع پر ان لاشوں کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا تھا: ''تم اپنے نبی کے لیے اس کا برا خاندان ثابت ہوئے۔ تم نے اس وقت مجھے جھوٹا کہا جب لوگوں نے مجھے سچا مانا، تم نے مجھے اس وقت (وطن سے) نکالا، جب لوگوں نے مجھے جگہ دی، تم نے اس وقت مجھ سے لڑائی کی جب لوگوں نے میری مدد کی۔ تم اپنے نبی کے لیے نبی کا برا خاندان ثابت ہوئے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ان لوگوں سے مخاطب ہیں جو مردار ہو چکے؟''

نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری بات تم اُن سے زیادہ نہیں سن رہے، لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔''[1]

بعض علماء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت صالح علیہ السلام حرم شریف میں تشریف لے گئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے۔

ابو رغال کا قصہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مقام حجر سے گزرے تو فرمایا: ''معجزات کا مطالبہ نہ کرو، صالح علیہ السلام کی قوم نے یہ مطالبہ کیا تھا تو وہ (اونٹنی کی صورت میں) ظاہر ہو گیا۔ وہ اس راہ سے پانی پینے آتی تھی اور اُس راستے سے واپس جاتی تھی۔ انہوں نے اپنے رب کا حکم نہ مانتے ہوئے سرکشی کی اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ ایک دن وہ پانی پیتی تھی اور دوسرے دن وہ اس کا دودھ پیتے تھے۔ جب انہوں نے اسے مار ڈالا تو ان پر ایسی سخت چیخ کا عذاب آیا جس سے تمام لوگ ہلاک ہو گئے صرف ایک آدمی بچا جو (اس وقت) حرم کی سرزمین میں تھا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون تھا؟'' فرمایا: ''وہ ابو رغال تھا۔ جب وہ حرم کی حدود سے نکلا تو وہ بھی اسی عذاب کی لپیٹ میں آ گیا جو اس کی قوم پر آیا تھا۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر، حديث:1370 و مسند أحمد:6/276

[2] مسند أحمد:3/296
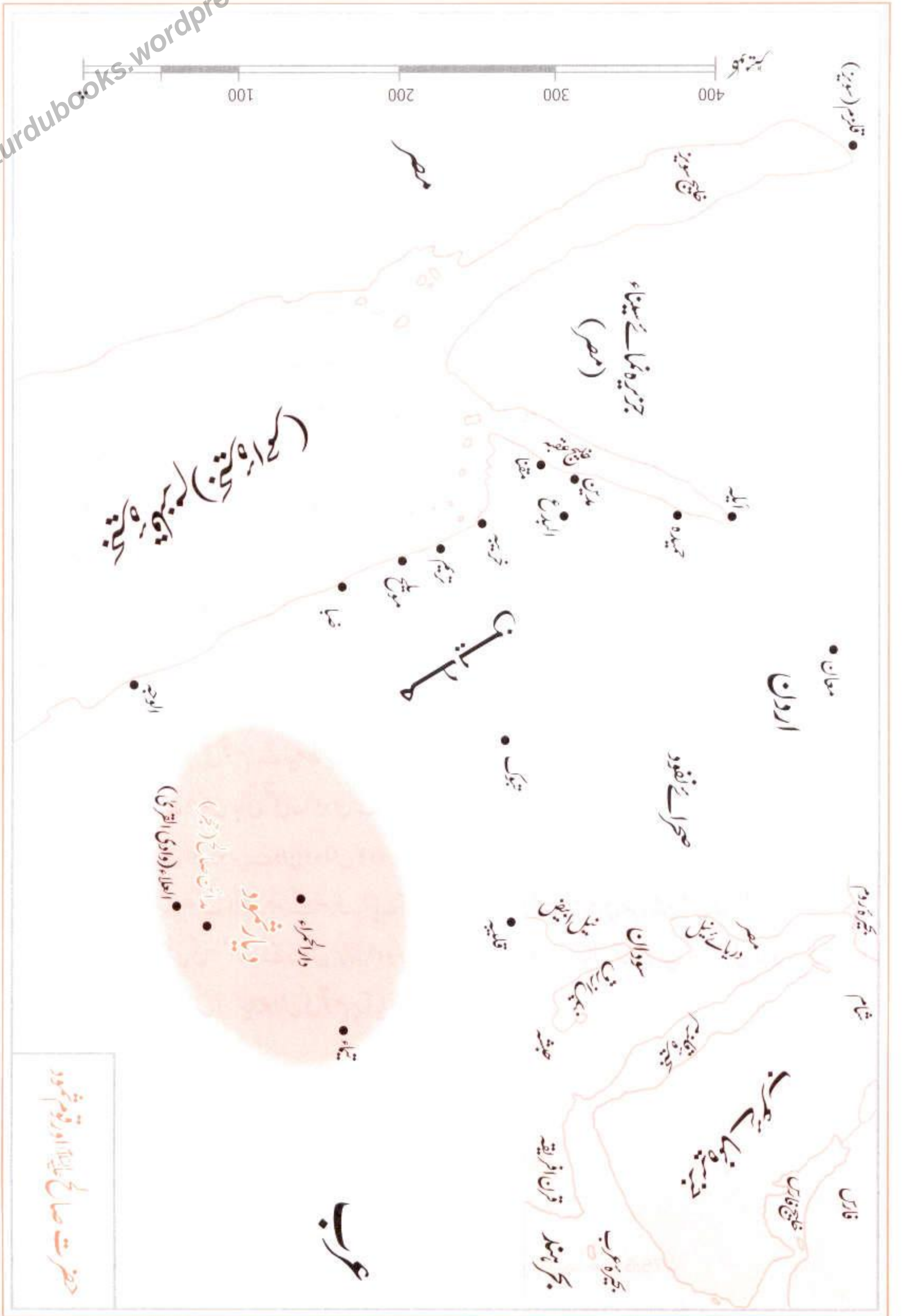
حضرت ابراهیم علیہ السلام

نام ونسب' بعثت اور والد کو دعوت توحید

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: ابراھیم بن تارخ (250) بن ناحور (148) بن ساروغ (230) بن راغو (239) بن فالح (439) بن عابر (464) بن شالح (433) بن ارفخشد (438) بن سام (600) بن نوح علیہ السلام۔

اہل کتاب کی کتاب (بائبل) میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ ہم نے ناموں کے ساتھ ان کے بیان کے مطابق ان حضرات کی ہندسوں میں عمریں لکھ دی ہیں۔[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾

''اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو۔'' (الأنعام: 74/6)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ''آزر'' تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سمیت اکثر علمائے نسب کا کہنا ہے کہ اس کا نام ''تارح'' تھا۔ اہل کتاب ''تارخ'' کہتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا: ''یہ (آزر) اس بت کا

[1] (دیکھیے: کتاب: پیدائش، باب: 11)

نام ہے جس کی وہ پوجا کرتا تھا اس وجہ سے اُسے بھی ''آزر'' کہنے لگے۔''
امام ابن جریر رحمۃ اللہ نے فرمایا: ''صحیح یہ ہے کہ اس کا نام آزر تھا۔ شاید اس کے دو نام ہوں یا ایک نام ہو دوسرا عرف۔ اور یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔'' (واللہ اعلم) [1]
ابن عساکر رحمۃ اللہ نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت اَبُو ضِیفَان (مہمانوں والا، مہمان نواز) تھی۔''
مؤرخین فرماتے ہیں کہ تارخ کی عمر پچھتر سال تھی جب اس کے ہاں ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ ناحور اور ہاران بھی تارخ کے بیٹے تھے اور ہاران کے بیٹے لوط علیہ السلام تھے۔
مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے درمیانے بیٹے تھے۔ ہاران کی وفات اس کے باپ کی زندگی میں اسی علاقے میں ہوگئی تھی جہاں وہ پیدا ہوا' وہ کلدانیوں کا علاقہ یعنی بابل کی سرزمین تھی۔ تاریخ وسیرت کے مصنفین کے ہاں یہی مشہور ہے۔
ابن عساکر رحمۃ اللہ نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے: ''صحیح بات یہ ہے کہ آپ کُوثیٰ (بابل) میں پیدا ہوئے۔'' [2]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شکل وشباہت: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے عیسیٰ ابن مریم، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام سرخ فام، گھنگریالے بالوں والے اور چوڑے سینے والے تھے اور موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے، فربہ بدن تھے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اور ابراہیم علیہ السلام؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لو۔'' [3]
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام (کا حلیہ معلوم کرنے) کے لیے اپنے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لو، موسیٰ علیہ السلام گھنگریالے بالوں والے، گندمی رنگت کے تھے، سرخ اونٹ پر سوار تھے، جس کی نکیل کھجور کے پتوں کی تھی۔ (وہ منظر میرے تصور میں محفوظ ہے۔) گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وادی کے نشیب میں اُتر رہے ہیں۔'' [4]
مؤرخین کہتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام سے نکاح کیا۔ حضرت سارہ علیہا السلام بانجھ تھیں۔ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ تارخ اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام، ان کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام اور اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو لے کر کلدانیوں کی سرزمین سے کنعانیوں کے علاقے کی طرف روانہ ہوا۔ وہ لوگ حران کے مقام پر رہائش پذیر ہوئے۔ وہاں تارخ دو سو پچاس سال کی عمر میں فوت ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حران میں پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ کلدانیوں کے ملک

[1] تفسير الطبري: 317/5' تفسير سورة الأنعام' آيت:74
[2] تاريخ ابن عساكر: 177/6
[3] مسند أحمد: 296/1
[4] صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' باب قول الله تعالى ﴿و اتخذ الله إبراهيم خليلا﴾......' حديث:3355

میں پیدا ہوئے جو بابل اور قرب وجوار کے علاقے پر مشتمل تھا۔

پھر وہ کنعانیوں کی سرزمین کی طرف روانہ ہوئے۔ یہی علاقہ بیت المقدس کا علاقہ ہے۔ راستے میں وہ حران میں ٹھہرے جو اس زمانے میں کلدانیوں کے ملک میں شامل تھا۔ وہ جزیرہ اور شام میں بھی رہے۔ یہ لوگ سات ستاروں کی عبادت کرتے تھے۔ جن لوگوں نے دمشق کا شہر بسایا، وہ بھی اسی مذہب کے پیروکار تھے۔ وہ قطب شمالی کی طرف منہ کر کے کئی طرح کے الفاظ اور اعمال کے ذریعے سے سات ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دمشق کے پرانے دروازوں میں سے ہر دروازے پر ان میں سے ایک ایک ستارے کی عبادت گاہ بنی ہوئی تھی۔ وہ ان کے نام کی عیدیں مناتے اور قربانیاں دیتے تھے۔ اسی طرح حران کے باشندے بھی ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ بلکہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، ان کی زوجہ محترمہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے سوا دنیا بھر میں لوگ کافر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے سے اس باطل اور گمراہی کو ختم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچپن ہی سے عقلِ سلیم اور رشد و ہدایت سے نواز دیا تھا اور جب وہ بڑے ہوئے تو انہیں رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور خلیل کا منصب عطا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ﴾

''ہم نے ابراہیم کو پہلے سے ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم اسے جانتے تھے۔'' (الأنبیاء:51/21)

یعنی ہمیں معلوم تھا کہ وہ اس منصب کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۗىِٕهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

"اور ابراہیم کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو۔ بلا شبہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے' پس اللہ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کا شکر کرو' اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ اور اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں۔ اور پیغمبر کے ذمے کھول کر سُنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے' پھر (کس طرح) اس کا اعادہ کرے گا؟ یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے پھر اللہ ہی دوسری نئی پیدائش کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم (اُس کو) نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور نہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے اور اس (اللہ) کی ملاقات سے انکار کیا وہ میری رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔ پھر ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے تو یہ بولے کہ اُسے مار ڈالو یا جلا دو' مگر اللہ نے اُن کو آگ (کی سوزش) سے بچا لیا۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُن کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو صرف دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔ پس اُن پر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیم علیہ السلام) کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔ اور ہم نے اُن کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور پیغمبری اور کتاب اُن کی اولاد میں ہی (مقرر) کر دی اور اُن کو دنیا میں بھی اُن کا صلہ عطا کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔" (العنکبوت: 29/16-27)

❁ **والد کو توحید کی دعوت:** آپ کا والد بتوں کو پوجتا تھا' چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اسی کو توحید کی دعوت دی کیونکہ سب سے زیادہ وہی اس بات کا حق رکھتا تھا کہ پورے اخلاص کے ساتھ اس کی خیر خواہی کی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت توحید کا آغاز اپنے گھر سے کیا اور اپنے مشرک باپ کو بڑے پیار اور ادب سے تبلیغ کی مگر باپ نے انتہائی سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کو سخت دھمکی دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ ﴾

''اور (اے نبی!) اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کرو۔ بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آ سکیں۔ ابا جان! مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا' لہٰذا میرے ساتھ ہو جائیے، میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ ابا جان! شیطان کی پرستش نہ کیجیے' بیشک شیطان رحم کرنے والے اللہ کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کو اللہ کا عذاب نہ آ پکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ اس نے کہا کہ ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے' اگر تو باز نہیں آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا' اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اچھا تم پر سلام ہو (اور کہا کہ) میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔ بیشک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اُن سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔'' (مریم: 19/41-48)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اپنے والد سے گفتگو اور بحث بیان فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ آپ نے اپنے والد کو کس طرح عمدہ ترین الفاظ اور بہترین اشارے کے ساتھ حق کی طرف بلایا اور اس پر بتوں کی عبادت کا باطل ہونا واضح فرمایا، جو اپنے پجاری کی پکار نہیں سنتے، اور نہ اس کی موجودگی کو دیکھتے ہیں، پھر وہ کس طرح اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟ کس طرح اسے رزق دے سکتے یا اس کی مدد کر سکتے ہیں؟ پھر اسے اس طرف توجہ دلائی کہ اگرچہ ان کی عمر اپنے والد سے کم ہے' تاہم اللہ نے انہیں ہدایت اور علم نافع سے نوازا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴾ ''ابا جان! مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا تو آپ میرے ساتھ ہو جائیے' میں آپ کو سیدھی راہ چلا دوں گا۔''

یعنی میں آپ کو وہ سیدھا راستہ دکھاؤں گا جو بہت واضح، ہموار، اور حنیفیت کا راستہ ہے' جو آپ کو دنیا اور آخرت کی بھلائی تک پہنچا دے گا۔ آپ نے جب اسے ہدایت کی یہ بات سنائی اور نصیحت فرمائی تو اس نے قبول نہ کی بلکہ آپ کو دھمکیاں دیتے ہوئے بولا: ﴿ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ ﴾ ''ابراہیم! کیا تو میرے

معبودوں سے برگشتہ (بے رغبت) ہے؟ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔'' ابراہیم علیہ السلام نے والد کے توحید کو ماننے سے انکار اور دھمکیوں کے جواب میں بڑے ادب واحترام سے فرمایا: ﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ﴾ ''آپ پر سلام ہو۔'' یعنی آپ کو میری طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی نہ میں آپ سے کوئی گستاخی کروں گا۔ میری طرف سے آپ بالکل محفوظ ہیں۔ اس کے بعد مزید حُسنِ سلوک کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴾ ''میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔ وہ میرے ساتھ بہت مہربان ہے۔'' یعنی مجھ پر یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے اپنی عبادت اور اخلاص کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اس لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴾ ''اور میں تم لوگوں سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اُن سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔'' (مریم: 19/48)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے اپنے والد کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کی دشمنی ترک کرنے پر آمادہ نہیں، تو اس سے براءت اور لاتعلقی کا اظہار کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَھَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴾

''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اُس سے کر چکے تھے لیکن جب اُن کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُس سے بیزار ہو گئے۔ کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔'' (التوبة: 9/114)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آزر سے ملیں گے تو آزر کے چہرے پر گرد وغبار اور سیاہی ہو گی۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: ''کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کریں؟'' وہ کہے گا: آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: ''یا رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جس دن لوگ (قبروں سے) اُٹھائے جائیں گے، اس دن تو مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہو گی کہ میرا باپ رحمت سے دور (جہنم میں جا رہا) ہے؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔'' پھر فرمایا جائے گا: ''ابراہیم! آپ کے قدموں میں کیا ہے؟'' وہ دیکھیں گے تو نجاست میں لتھڑا ہوا ایک بجّو نظر آئے گا جسے ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ [1]

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلا﴾.....، حديث:3350

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نظام کائنات میں غور وتدبر

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مظاہر قدرت دکھا کر ایمان و یقین کا اعلیٰ رتبہ عطا فرمایا تا کہ آپ اپنی امت کو دعوت توحید پرزور طریقے اور دلائل کی روشنی میں دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ۚ وَ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ۚ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۚ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

''اور ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھلائے تا کہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں (یعنی) جب رات نے ان کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو انہیں (آسمان میں) ایک ستارہ نظر آیا۔ وہ کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اُٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے: لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اُسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو، اُس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اُس کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا۔ ہاں

جو میرا پروردگار کچھ چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال نہیں کرتے؟ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے، اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لیے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارا پروردگار دانا اور خوب علم والا ہے۔'' (الأنعام: 6/75-83)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان مناظرے کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے یہ واضح فرمایا کہ روشن ستاروں کی صورت میں نظر آنے والے اجرام فلکی معبود ہونے کے لائق نہیں۔ اللہ کے ساتھ اُن کی عبادت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ وہ مخلوق ہیں جنہیں دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ وہ خالق کے بنائے ہوئے اور اس کے حکم کے تابع ہیں، کبھی طلوع ہوتے ہیں تو کبھی غروب ہو کر نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، وہ ازلی اور ابدی ہے، اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں۔

سب سے پہلے آپ نے یہ واضح کیا کہ ستارے یہ صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس کے بعد آپ نے چاند کا ذکر فرمایا جو ستاروں سے زیادہ روشن اور زیادہ خوبصورت ہے۔ اور آخر میں سورج کا ذکر فرمایا جو نظر آنے والے اجرام فلکی میں سب سے زیادہ روشن اور خوبصورت ہے۔ اور واضح کیا کہ یہ بھی کسی کے حکم کا تابع اور مسخر ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

''اور رات اور دن اور سورج اور چاند اُس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم کو اسی کی عبادت منظور ہو۔'' (حم السجدة: 41/37)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔـا

''پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے کہ میرا پروردگار یہ ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی

غروب ہو گیا تو کہنے لگے: لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو اُنہوں نے کہا: تم مجھ سے اللہ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو۔ اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا۔ ہاں جو میرا پروردگار کچھ چاہے۔'' (الأنعام: 6/78-80)

مطلب یہ ہے کہ میں ان نام نہاد معبودوں سے نہیں ڈرتا، جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ یہ کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے نہ سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ رکھتے ہیں بلکہ وہ یا تو ستاروں وغیرہ کی طرح ربوبیت کے محتاج اور حکم کے پابند ہیں یا ہاتھوں سے گھڑ کے اور تراش کر بنائی ہوئی مورتیاں ہیں۔

بت پرستوں سے مناظرہ اور دعوت غور وفکر کے لیے شاندار تدبیر

اہل بابل بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُنہی سے بت پرستی کے بارے میں مناظرہ کیا تھا اور مجسموں کو توڑ پھوڑ کر اور ان کی تحقیر و تذلیل کر کے ان کا باطل ہونا واضح فرمایا تھا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾

''اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے۔ (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔'' (العنکبوت: 25/29)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو دعوت غور وفکر دینے کے لیے ایک زبردست تدبیر کی جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ
اِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ
اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا
وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝

''اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن (کی پرستش) پرتم معتکف (اور قائم) ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ (ابراہیم نے) کہا کہ تم بھی (گمراہ ہو) اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔ وہ بولے: کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل (کی باتیں) کرتے ہو؟ (ابراہیم نے) کہا: (نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس (بات) کا گواہ (اور اسی کا قائل) ہوں۔ اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔ پھر ان کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا) تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟ وہ تو کوئی ظالم ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے، اُس کو ابراہیم کہتے ہیں۔ وہ بولے کہ اُسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ رہیں۔ (جب ابراہیم آئے تو) بت پرستوں نے کہا کہ ابراہیم‘ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام بھلا تم نے کیا ہے؟ (ابراہیم نے) کہا: (نہیں) بلکہ یہ اُن کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا) اگر یہ بولتے ہیں تو اُن سے پوچھ لو۔ انہوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے: بے شک تم ہی بے انصاف ہو۔ پھر انہوں نے (شرمندہ ہو کر) سر نیچا کر لیا (اور ابراہیم سے کہنے لگے) کہ تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں۔ (ابراہیم نے) کہا کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ تف ہے تم پر اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ان پر بھی۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (تب وہ) کہنے لگے کہ اگر تمہیں (اس سے اپنے معبودوں کا انتقام لینا اور) کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا۔) اُن لوگوں نے اُن (ابراہیم) کا برا چاہا تھا مگر ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا۔'' (الأنبياء: 21/51-70)

نبی علیہ السلام کے لاجواب دلائل: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو ایسے دلائل پیش کیے جن کا جواب ان مشرکوں کے پاس سوائے ندامت اور خاموشی کے کچھ نہ تھا۔ سورۂ شعراء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝﴾

''اور (اے نبی!) ان کو ابراہیم کا حال پڑھ کر سنا دو۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور اُن کی پوجا پر قائم ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ جب تم اُن کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو، تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی، وہ میرے دشمن ہیں، لیکن اللہ رب العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے اور جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔ اے پروردگار! مجھے علم و دانش عطا فرما اور نیکوکاروں میں شامل کر۔'' (الشعراء: 26/69-83)

اور سورۂ صافات میں فرمایا:

﴿وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝﴾

''اور ان ہی (نوح علیہ السلام) کے پیروکاروں میں ابراہیم تھے۔ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس (عیب سے) پاک دل لے کر آئے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیا تم اللہ کے سوا گھڑے ہوئے معبودوں کے طالب ہو؟ بھلا پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تب انہوں نے

ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ تب وہ اُن سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے۔ پھر ابراہیم اُن کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا ہے تم بولتے نہیں؟ پھر ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کیا۔ (واپسی پر) وہ لوگ اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے تو آپ نے کہا کہ تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو' حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اُس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ کہنے لگے: اس کے لیے ایک عمارت بناؤ' پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو۔ غرض انہوں نے ان کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی اور ہم نے ان ہی کو زیر کر دیا۔'' (الصافات: 37/83-98)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے قوم کی بت پرستی کی تردید کی اور بتوں کی تحقیر و تنقیص فرمائی اور ان سے کہا: ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ﴾ ''یہ کیا مورتیاں ہیں جن (کی پرستش) پر تم معتکف (اور قائم) ہو؟'' (الأنبياء: 21/52) انہوں نے کہا: ﴿وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ﴾ ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔'' (الأنبياء: 21/53) یعنی ان کے پاس صرف یہی دلیل تھی کہ باپ دادا کا طریقہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ دوسرے شریکوں کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''تم بھی (گمراہ ہو) اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔'' (الأنبياء: 21/54)

علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے کہا:

﴿مَا ذَا تَعْبُدُوْنَ ۚ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۗ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

''تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا گھڑے ہوئے معبودوں کے طالب ہو؟ بھلا پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' (الصافات: 37/85-87)

قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا' جب تم اس کے پاس جاؤ گے' جبکہ دنیا میں تم دوسروں کی عبادت کرتے رہے؟''[1]

ابراہیم علیہ السلام نے ان سے یہ بھی فرمایا:

﴿هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۙ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾

''جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں؟ یا نقصان پہنچا سکتے

[1] تفسیر ابن کثیر' 7/20' تفسیر سورۂ صافات' آیت: 87

ہیں؟ انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔'' (الشعراء: 26/72-74)
یعنی مخالفین نے تسلیم کیا کہ یہ نام نہاد معبود کسی کی پکار نہیں سنتے اور کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ان کی پوجا کا سبب اپنے جیسے جاہل بزرگوں کی پیروی اور تقلید ہے۔ اسی لیے آپ نے ان سے فرمایا:

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے، تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی' وہ میرے دشمن ہیں لیکن رب العالمین (میرا دوست ہے۔'') (الشعراء: 26/75-77)

یہ ایک ناقابل تردید ثبوت ہے کہ بتوں کی الوہیت کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بیزاری کا اظہار فرمایا اوران کی توہین کی۔ اگر وہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے تو ضرور آپ کو تکلیف پہنچاتے اور اگر کسی پر اثر انداز ہو سکتے تو آپ پر ہوتے۔
قوم کے بت پرست لوگوں نے جواباً کہا:

﴿ اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ ﴾

''کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل (کی باتیں) کرتے ہو؟'' (الأنبیاء: 21/55)
یعنی انہوں نے آپ سے کہا: ''آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں، جس طرح آپ ہمارے معبودوں کی توہین کر رہے ہیں اور اس کی بنیاد پر ہمارے آباء واجداد پر طعن کر رہے ہیں، آپ یہ باتیں سنجیدگی سے کر رہے ہیں یا یہ محض ایک مذاق ہے؟''
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

﴿ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ﴾

''(نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے اُن کو پیدا کیا ہے اور میں اس (بات) کا گواہ (اور اسی کا قائل) ہوں۔'' (الأنبیاء: 21/56)
یعنی آپ نے فرمایا: ''میں یہ باتیں انتہائی سنجیدگی سے حقیقت کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ تمہارا اصل معبود وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ تمہارا بلکہ ہر چیز کا رب ہے۔ اس نے آسمان اور زمین کو بے مثال پیدا کیا ہے۔ لہٰذا وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں۔''
ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ ﴾

''اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔'' (الأنبیاء: 21/57)
آپ نے قسم کھالی کہ جب وہ لوگ جشن منانے چلے جائیں گے تو آپ ان بتوں کے بارے میں کوئی تدبیر کریں گے جنہیں وہ پوجتے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات دل میں کہی تھی۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ بعض افراد نے آپ کی زبان سے یہ بات سن لی تھی۔ [1]

قوم کا جشن اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی

وہ لوگ سال میں ایک بار شہر سے باہر نکل کر عید (قومی جشن) منایا کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے اس جشن میں شامل ہونے کی دعوت دی، تو آپ نے فرمایا: ''میں بیمار ہوں۔''

جسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

﴿ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ ﴾

''تب انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔'' (الصافات: 37/88-89)

آپ نے کلام میں ''توریہ'' کیا تاکہ آپ بتوں کو پاش پاش کر کے ان کے مذہب کی غلطی ظاہر کر سکیں اور سچے دین کی حقانیت واضح کر سکیں۔

جب وہ لوگ عید منانے چلے گئے اور آپ شہر میں اکیلے رہ گئے تو آپ جلدی سے لوگوں کی نظروں سے بچ کر بتوں کے پاس پہنچ گئے۔ دیکھا کہ وہ بڑے شاندار ماحول میں ہیں اور لوگوں نے (اپنے خیال میں) ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے آگے طرح طرح کے کھانے رکھے ہوئے ہیں، تو ان کا مذاق اڑاتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ۝ ﴾

''تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا ہے تم بولتے کیوں نہیں؟'' (الصافات: 37/91,92)

﴿ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴾ (سورۂ الصافات: 37/93) ''پھر ان کی طرف مڑ کر دائیں ہاتھ سے ایک ایک ضرب لگاتے گئے۔'' کیونکہ دایاں ہاتھ زیادہ قوی، شدید، تیز اور غالب ہوتا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک بسولا (لوہے کا بھاری ہتھیار، جس سے بڑھئی لکڑی کاٹتے اور تراشتے ہیں) تھا، وہی مار مار کر انہیں توڑ پھوڑ دیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا ﴾ یعنی ''انہیں توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔'' ﴿ إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴾ ''سوائے بڑے بت کے (سب کو توڑ دیا) شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔'' (الأنبیاء: 85)

کہتے ہیں آپ علیہ السلام نے بسولا بڑے بُت کے ہاتھ میں دے دیا تھا' تاکہ یہ تأثر ملے کہ اسے اپنے ساتھ چھوٹے بتوں کی بھی عبادت ہوتے دیکھ کر غصہ آ گیا' اس لیے اس نے انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر: 51/10' تفسیر سورۃ الأنبیاء' آیت: 57

جب لوگ جشن سے فارغ ہو کر واپس آئے اور اپنے معبودوں کی دُرگت بنی ہوئی دیکھی، تب انہوں نے کہا: ﴿ مَنۡ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ ﴾ ”ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟“ (الأنبیاء:59/21)

اگر ان لوگوں کو عقل ہوتی تو ان کے معبودوں کے ساتھ جو کچھ ہو گیا تھا، اس سے انہیں حق کی دلیل سمجھ میں آ جاتی، یعنی اگر یہ بت معبود ہوتے تو کسی بھی بد اندیش کے خلاف اپنا دفاع کرتے۔ لیکن اپنی جہالت، حماقت، ضلالت اور بے وقوفی کی بنا پر انہوں نے کہا: ”ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟“ کچھ لوگوں نے کہا: ﴿ سَمِعۡنَا فَتًى يَّذۡكُرُهُمۡ يُقَالُ لَهٗۤ اِبۡرٰهِيۡمُ ﴾ ”ہم نے ایک جوان کو اُن کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے اس کو ابراہیم کہتے ہیں۔“ (الأنبیاء: 60/21)

یعنی وہ ان کے عیب بیان کرتا ہے، ان کی تحقیر اور تذلیل کرتا ہے۔ اسی نے پیچھے رہ کر انہیں توڑا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿ يَذۡكُرُهُمۡ ﴾ ”ان کا ذکر کرتا تھا“ اس سے مراد ابراہیم کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيۡدَنَّ اَصۡنَامَكُمۡ بَعۡدَ اَنۡ تُوَلُّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ ۞ ﴾

”اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔“ (الأنبیاء: 57/21)

﴿ فَاۡتُوۡا بِهٖ عَلٰۤى اَعۡيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡهَدُوۡنَ ۞ ﴾

”وہ بولے کہ اُسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ رہیں۔“ (الأنبیاء: 61/21)

یعنی اسے بڑے اجتماع میں لوگوں کے سامنے حاضر کرو تاکہ وہ سب لوگ اس کی باتیں سنیں اور اسے ملنے والی سزا دیکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنے سے اصل مقصود ہی یہ تھا کہ سب لوگ جمع ہو جائیں تاکہ تمام بت پرستوں کے سامنے ان کا عقیدہ غلط ہونے کی دلیل پیش کی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی مقصد کے لیے فرعون سے کہا تھا:

﴿ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۞ ﴾

”زینت اور جشن کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں۔“ (طٰہٰ:59/20)

قوم کا ردِعمل اور ابراہیم علیہ السلام کا مسکت جواب: جب سب لوگ جمع ہوئے اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی مجمع عام میں لے آئے، تو انہوں نے بات شروع کی اور کہا:

﴿ ءَاَنۡتَ فَعَلۡتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۞ قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـَٔلُوۡهُمۡ اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ ۞ ﴾

”اے ابراہیم! ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام بھلا تم نے کیا ہے؟ (ابراہیم نے) کہا: (نہیں) بلکہ یہ اُن کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا۔) اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔“ (الأنبیاء: 63,62/21)

اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے مجھے ان کے توڑنے پر آمادہ کیا۔ اس کلام میں تعریض تھی۔ اصل میں ابراہیم علیہ السلام لوگوں کی توجہ اسی حقیقت کی طرف مبذول کروانا چاہتے تھے کہ ان کے معبود تو بولنے سے بھی قاصر ہیں، اس لیے

انہیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ یہ محض عام پتھروں جیسے پتھر ہی ہیں اور کچھ نہیں۔ انہوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے: ﴿ اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''بے شک تم ہی بے انصاف ہو۔'' یعنی وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے اور انہوں نے کہا: ''تم نے خود ہی یہ غلطی کی کہ ان کے پاس کوئی چوکیدار یا محافظ نہ چھوڑا۔'' ﴿ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ﴾ (الأنبياء:65) ''تب انہوں نے سر جھکا لیے۔''

قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: یعنی وہ حیرت زدہ رہ گئے (کہ کیا جواب دیں؟) اور انہوں نے (شرم سے) سر جھکا لیے۔ [1] اور بولے: ﴿ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴾ ''تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں۔''

یعنی ابراہیم! آپ کو معلوم ہے کہ یہ مجسمے باتیں نہیں کرتے۔ پھر آپ ہمیں کیوں کہتے ہیں کہ ان سے پوچھ لو۔ تب حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ؕ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾

''پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ تُف ہے تم پر اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اُن پر بھی۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟'' (الأنبياء: 21/66,67)

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاَقْبَلُوْۤا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴾ ''تو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔'' (الصافات: 37/94)

مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: یعنی ''وہ تیزی سے آپ کی طرف گر پڑے۔'' [2] آپ نے فرمایا: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴾ ''کیا تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو۔'' یعنی تم ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو جنہیں تم خود لکڑی اور پتھر سے تراش کر اپنی مرضی کے مطابق ان کی شکل بناتے ہو؟

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾

''حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔'' (الصافات: 37/96)

اس آیت مبارکہ میں [مَا] کو مصدریہ قرار دے کر اس طرح بھی ترجمہ کیا جا سکتا ہے: ''اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔'' اور [مَا] کو [اَلَّذِیْ] کے معنی میں اسم موصول قرار دے کر اس طرح بھی ترجمہ کیا جا سکتا ہے: ''اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم بناتے ہو (یعنی اصنام) انہیں بھی (پیدا کیا ہے۔'')

دونوں صورتوں میں یہی مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ تم بھی مخلوق ہو اور یہ بت بھی مخلوق ہیں، پھر ایک مخلوق دوسری مخلوق کی

---

1. تفسير الطبري- 55/10 تفسير سورة الأنبياء' آيت:65
2. تفسير ابن كثير:22/7 تفسير سورة الصافات' آيت:94

عبادت کیوں کرے؟ اگر تمہارا انہیں پوجنا درست ہے تو یہ بھی درست ہونا چاہیے کہ وہ تمہیں پوجیں (کیونکہ مخلوق ہونے کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں) لہٰذا یہ دونوں باتیں برابر غلط ہیں۔ عبادت صرف اسی خالق کی واجب ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے الاؤ میں

قوم نے لاجواب ہونے پر وہی رویہ اپنایا جو ہر سرکش اور متکبر شکست کھانے پر اپناتا ہے' لہٰذا مشرک قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نشانِ عبرت بنانے کا پروگرام بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بری چال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝ ﴾

''وہ کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک عمارت بناؤ' پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو۔ غرض انہوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی اور ہم نے انہیں ہی زیر کر دیا۔'' (الصافات: 98,97/37)

جب وہ لوگ بحث ومناظرہ کے میدان میں شکست کھا گئے اور ان کے پاس کوئی دلیل باقی رہی نہ شبہ جسے دلیل کا رنگ دے کر پیش کیا جا سکے، تو انہوں نے حماقت اور سرکشی پر مبنی اپنے مذہب کی تائید کے لیے قوت اور اقتدار کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تدبیر سے دینِ حق کو غالب کر کے اپنی برہان کو پختہ ثابت کر دیا، جیسے کہ ارشاد ہے:

﴿ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝ ﴾

''(تب) وہ کہنے لگے کہ اگر تمہیں (اس سے اپنے معبود کا انتقام لینا اور) کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے حکم دیا: اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا) اُن لوگوں نے تو اُن (ابراہیم) کا برا چاہا تھا مگر ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا۔'' (الأنبياء: 21/68-70)

واقعہ یوں ہوا کہ انہوں نے ہر ممکن جگہ سے ایندھن جمع کرنا شروع کر دیا اور ایک مدت تک اکٹھا کرتے رہے' نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اگر کوئی عورت بیمار ہوتی تو یہی نذر مانتی کہ اگر مجھے شفا ہو گئی تو ابراہیم کو نذرِ آتش کرنے کے لیے اتنا ایندھن دوں گی۔ پھر انہوں نے ایک وسیع ہموار جگہ میں وہ تمام ایندھن رکھ کر اسے آگ لگا دی۔ آگ روشن ہوئی، بھڑکی اور اس کے شعلے بلند ہو گئے۔ اس سے اتنی بڑی بڑی چنگاریاں اڑنے لگیں جو اس سے پہلے کبھی کسی نے نہیں دیکھی تھیں۔ تب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک منجنیق میں رکھا جو ''ہیزن'' نام کے ایک ''کردی'' آدمی نے بنائی تھی۔ یہ آلہ سب

سے پہلے اسی شخص نے بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

پھر لوگوں نے آپ کو پکڑ کر باندھ دیا اور مشکیں کس دیں۔ اس وقت آپ یہ فرما رہے تھے: [لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ، لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الْمُلْکُ، لَاشَرِیْکَ لَکَ] (اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، جہانوں کے مالک! تیری ہی تعریف ہے، تیری ہی بادشاہی ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر منجنیق میں رکھا گیا اور اس کے ذریعے سے آگ میں پھینکا گیا تو آپ فرما رہے تھے: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ﴾ ''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔''

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ﴾ یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت فرمائی تھی جب انہیں آگ میں پھینکا گیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمائی جب آپ کو بتایا گیا:

﴿اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ۞ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ﴾

''کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لیے (لشکر کثیر) جمع کیا ہے سو اُن سے ڈرو۔ تو اُن کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے فضل کے ساتھ (خوش وخرم) واپس آئے۔ اُن کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا۔''[1] (آل عمران: 3/173،174)

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام ہوا میں تھے تو جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا: ''ابراہیم! آپ کی کوئی حاجت؟'' انہوں نے کہا: ''آپ سے تو کوئی کام نہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بارش کا فرشتہ کہنے لگا: ''مجھے کب حکم دیا جائے گا کہ میں بارش برسادوں؟'' لیکن اللہ کا حکم اس سے بھی پہلے پورا ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ﴾

''ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا۔'') (الأنبیاء: 21/69)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ﴿سَلٰمًا﴾ کا مطلب ہے کہ آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: ﴿سَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ﴾ ''ابراہیم پر سلامتی والی ہو جا!'' تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ آپ کو اس کی ٹھنڈک سے تکلیف محسوس ہوتی۔''

---

1. صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله تعالی ﴿الذین قال لهم الناس إن الناس قد جمعوا لکم فاخشوهم﴾، حدیث:4563
2. تفسیر الطبري، 10/58 تفسیر سورة الأنبیاء، آیت:69

حضرت کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس دن پوری زمین کے باشندے آگ سے فائدہ نہ اُٹھا سکے اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صرف وہ رسیاں جلائیں جن سے وہ باندھے گئے تھے۔

منہال بن عمرو رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''میری زندگی میں کوئی دن اور رات وہاں گزرے ہوئے ایام سے زیادہ خوشگوار نہیں گزری۔'' [1]

کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فتح پانا چاہی، لیکن انہیں شکست ہوئی۔ انہوں نے بلند ہونا چاہا لیکن پستی نصیب ہوئی۔ انہوں نے غالب آنا چاہا لیکن مغلوب ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴾

''اور اُن لوگوں نے تو ابراہیم کا بُرا چاہا تھا مگر ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا۔'' (الأنبیاء: 70/21) دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴾ (الصافات: 98) ''(انہوں نے ابراہیم کے ساتھ چال چلنا چاہی) مگر ہم نے انہی کو زیر کر دیا۔'' انہیں دنیا میں خسارہ اور پستی نصیب ہوئی۔ آخرت میں انہیں جہنم کی آگ نصیب ہوگی جس میں کوئی ٹھنڈک اور سلامتی نہیں۔ انہیں وہاں سلام بھی نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کی وہ کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی: ﴿ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴾ (الفرقان: 66) ''اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔''

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''وہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونکیں مارتی تھی۔'' [2]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چھپکلی کو قتل کر دیا کرو، وہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں (اسے تیز کرنے کے لیے) پھونکیں مارتی تھی۔'' چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انہیں مار دیا کرتی تھیں۔ [3]

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک عورت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ دیکھا کہ ایک نیزہ موجود ہے۔ اس نے کہا: یہ نیزہ کس لیے ہے؟ فرمایا: ''ہم اس کے ساتھ چھپکلیوں کو مارا کرتے ہیں۔'' پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا کہ ''جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو تمام جانور آگ بجھانے کی کوشش کرنے لگے، سوائے چھپکلی کے، جو پھونکیں مار کر آگ سلگانے لگی تھی۔'' [4]

حضرت فاکہ بن مغیرہ کی آزاد کردہ خاتون حضرت سائبہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

---

1. تفسیر الطبري، 58/10 تفسیر سورة الأنبیاء، آیت: 69
2. صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللّٰہ تعالی ﴿واتخذ اللّٰہ إبراھیم خلیلا﴾، حدیث: 3359 و صحیح مسلم، السلام، باب استحباب قتل الوزغ، حدیث: 2237
3. مسند أحمد: 200/6
4. مسند أحمد: 217/6

ہاں گئی تو ان کے گھر میں ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا۔ میں نے عرض کیا: ام المؤمنین! آپ اس نیزے کو کیا کرتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ''یہ چھپکلیوں کے لیے ہے۔ ہم اس کے ذریعے سے انہیں مارتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو زمین کا ہر جانور آپ کی آگ بجھاتا تھا، لیکن چھپکلی آگ میں پھونکیں مارتی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اسے قتل کر دیا کریں۔'' [1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

''بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ اللہ نے اُس کو سلطنت بخشی تھی، ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم نے کہا: میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ بولا کہ زندہ کرنا اور مارنا تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دے۔ (یہ سن کر) کافر ششدر رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' (البقرۃ: 258/2)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کا اس سرکش ظالم بادشاہ سے مناظرہ بیان فرمایا ہے جس نے رب ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اس کی دلیل کو غلط ثابت کر دیا۔ اس کی جہالت اور کم عقلی کو آشکارا کر دیا، دلیل کے میدان میں اس کا منہ بند کر دیا اور اس کے سامنے سیدھا راستہ واضح فرما دیا۔

علمائے نسب، مورخین اور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بادشاہ بابل کا بادشاہ تھا جس کا نام نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح تھا۔ مجاہد رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے۔ بعض علماء نے اس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے: نمرود بن فالح بن عابر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

مجاہد رحمہ اللہ اور دیگر حضرات بیان کرتے ہیں کہ یہ شخص پوری دنیا پر حکومت کرتا تھا۔ کیونکہ علماء کے قول کے مطابق چار بادشاہوں نے پوری دنیا پر حکومت کی ہے، جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر۔ مومن تو ذوالقرنین اور سلیمان علیہما السلام ہیں اور

---

[1] سنن ابن ماجہ، الصید، باب قتل الوزغ، حدیث: 3231

کافر نمرود اور بخت نصر ہیں۔ ①

علماء فرماتے ہیں کہ نمرود مسلسل چار سو سال بادشاہ رہا۔ اس نے سرکشی، ظلم اور تکبر کا راستہ اختیار کیا اور آخرت کی بجائے دنیا کا حصول پیش نظر رکھا۔ جب اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی تو اس نے جہالت اور گمراہی کی وجہ سے خالق کا انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے بحث کی۔ اس نے اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ ''میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔'' اس نے کہا: ﴿أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ﴾ ''میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔'' (البقرۃ:2/258)

قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے سامنے دو آدمی پیش کیے گئے جن کے لیے سزائے موت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس نے ایک کو قتل کرنے کا حکم دیا اور دوسرے کو معاف کر دیا۔ اس طرح اس نے یہ فریب دیا کہ اس نے ایک کو موت دے دی ہے اور دوسرے کو زندگی بخش دی ہے۔ ②

اس کا یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کا جواب نہیں تھا اور نہ اس کا موضوع مناظرہ سے کوئی تعلق تھا بلکہ یہ ایک بے کار بات تھی جس سے ظاہر ہو گیا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دلیل پیش فرمائی تھی اس کی فصاحت یہ ہے کہ جانداروں کا جینا مرنا ایک عام مشاہدے کی چیز ہے کیونکہ یہ واقعات خود بخود پیش نہیں آ سکتے، لہٰذا ضرور کوئی ایسی ذات موجود ہے جس کی مشیت کے بغیر ان اشیا کا وجود میں آنا محال ہے۔ لازمی ہے کہ نظر آنے والے واقعات کا کوئی فاعل ہو، جس نے انہیں پیدا کیا، انہیں اپنے اپنے نظام کا پابند کیا، جو ستاروں، ہواؤں اور بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے اور بارش برساتا ہے اور ان جانداروں کو پیدا کرتا ہے جو ہمیں نظر آتے ہیں اور پھر انہیں موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ ''میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔'' اس جاہل بادشاہ نے جو کہا ہے کہ ﴿أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ﴾ ''میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔'' اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ نظر آنے والے کام اس کے کنٹرول میں ہیں تو سراسر ضد اور ہٹ دھرمی کا اظہار ہے اور اگر وہ مطلب ہے جو قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے تو اس کا ابراہیم علیہ السلام کی پیش کردہ دلیل سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس نے نہ تو مقدمہ کو غلط ثابت کیا ہے نہ دلیل کے مقابل دلیل پیش کی۔

چونکہ بحث میں اس کی شکست کا یہ پہلو ایسا ہے جو حاضرین یا دوسرے لوگوں میں سے بہت سے افراد کی سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور دلیل پیش کر دی، جس سے نہایت واضح طور پر خالق کا وجود اور نمرود کے دعوے کا بطلان ثابت ہوتا تھا۔ اس کی وجہ سے اُسے سب کے سامنے لاجواب اور خاموش ہونا پڑا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① تفسیر ابن کثیر: 525/1 تفسیر سورۃ البقرۃ' آیت:258 و تفسیر الطبري: 34/3

② تفسیر الطبري: 36/3 و ابن کثیر: 525/1 تفسیر سورۃ البقرۃ' آیت:258

﴿قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ﴾

''ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے لہٰذا تو اسے مغرب سے نکال دے۔'' (البقرة: 258/2)

یعنی یہ مسخر سورج روزانہ مشرق سے نکلتا ہے جیسے اسے پیدا کرنے والے اور چلانے والے نے مقرر کر رکھا ہے۔ اگر تو ہی زندگی اور موت کا مالک ہے جیسے کہ تیرا دعویٰ ہے کہ تو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے، تو اس سورج کو مغرب سے لے آ۔ کیونکہ جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا اختیار ہو، وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے، اسے نہ منع کیا جا سکتا ہے، نہ مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہوتا ہے اور ہر چیز اس کے حکم کی پابند ہوتی ہے۔ اگر تیرا دعویٰ سچا ہے تو یہ کام کر۔ ورنہ ثابت ہو جائے گا کہ تیرا دعویٰ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تجھے معلوم ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ تو یہ کام نہیں کر سکتا۔ سو تو اس قدر عاجز ہے کہ ایک مچھر بھی پیدا نہیں کر سکتا۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جاہل اور عاجز ہونا واضح فرما دیا لہٰذا اس کے پاس جواب میں کہنے کو کچھ نہ رہا۔ اس کا منہ بند ہو گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۚ﴾

''(یہ سن کر) کافر ششدر رہ گیا اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' (البقرة: 258/2)

سدی نے ذکر کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان یہ مناظرہ اس دن ہوا، جس دن وہ آگ سے نکلے۔ اس سے پہلے ان کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ جس دن وہ اکٹھے ہوئے اس دن یہ مناظرہ واقع ہوا۔ [1]

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ نمرود نے اشیائے خوردنی کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ لوگ غلہ لینے کے لیے اس کے پاس جاتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ غلہ لینے گئے۔ اس سے پہلے دونوں کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت ان کے درمیان یہ مناظرہ ہو گیا۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ دینے سے انکار کر دیا۔ آپ اس کے پاس سے آئے تو آپ کے پاس غلہ نہیں تھا۔ جب آپ گھر کے قریب پہنچے تو دونوں بورے مٹی سے بھر لیے اور دل میں سوچا کہ جب میں گھر پہنچوں گا تو گھر والے مطمئن ہو جائیں گے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے بورے اتارے اور خود سو گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام اُٹھ کر بوروں کے پاس گئیں تو دیکھا کہ وہ عمدہ غلے سے بھرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کھانا تیار کیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے تو دیکھا کہ کھانا تیار ہے۔ انہوں نے پوچھا: ''یہ کھانا کہاں سے آیا؟'' زوجہ محترمہ نے فرمایا: ''جو آپ لائے تھے، اسی سے تیار کیا ہے۔'' آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر عطا فرمایا ہے۔ [2]

زید بن اسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے اسے اللہ پر ایمان لانے کو کہا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 526/1 تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت: 258

[2] البدایۃ والنھایۃ: 140/1

اس نے انکار کر دیا۔ اس نے دوبارہ ایمان کی دعوت دی' اس نے پھر انکار کر دیا۔ اس نے تیسری بار ایمان کی دعوت دی تو اس نے پھر انکار کیا اور کہا: ''تو اپنے لشکر جمع کر لے، میں اپنے لشکر جمع کرتا ہوں۔''

طلوع آفتاب کے وقت نمرود نے اپنی تمام فوجیں جمع کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے مچھر بھیج دیے کہ سورج ان کی اوٹ میں چھپ گیا۔ اللہ نے لشکر والوں پر مچھر مسلط کر دیے انہوں نے ان کا گوشت اس طرح کھا لیا کہ صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ ایک مچھر بادشاہ کی ناک میں داخل ہو گیا۔ اللہ نے اس کے ذریعے سے اسے چار سو سال عذاب میں مبتلا رکھا۔ چنانچہ اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جاتے تھے، حتی کہ وہ اللہ کے حکم سے ہلاک ہو گیا۔ [1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملک شام کی طرف ہجرت' مصر میں داخلہ اور ارض مقدس میں قیام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم کی ہٹ دھرمی' انکار اور کفر پر اصرار دیکھا تو ناامید ہو کر ہجرت کا ارادہ فرما لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ ﴾

''پس اُن پر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیم) کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں' بے شک وہ غالب، حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی اور اُن کو دنیا میں اس کا صلہ عطا کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔''

(العنکبوت: 29/26,27)

مزید ارشاد ہے:

﴿ وَ نَجَّیْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ یَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ۝ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۝ ﴾

''اور ابراہیم اور لوط کو اُس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی ہے۔ اور ہم

[1] البدایۃ والنھایۃ: 1/140

نے ابراہیم کو اسحاق عطا کیے اور مزید براں یعقوب بھی۔ اور سب کو نیک بخت کیا اور اُن کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور اُن کو نیک کام کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔'' (الأنبیاء: 21/71-73)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی رضا کے لیے اپنی قوم سے جدائی اختیار کر لی اور ان کے ملک سے ہجرت فرمائی۔ آپ کی زوجہ محترمہ کے اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے حضرت لوط بن ہاران بن آزر تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی نیک اولاد عطا فرمائی اور نبوت و کتاب آپ کی نسل میں مقرر فرما دی۔ یعنی آپ کے بعد مبعوث ہونے والا ہر نبی آپ ہی کی اولاد سے تھا اور آپ کے بعد نازل ہونے والی ہر کتاب آپ کی نسل کے کسی فرد ہی پر نازل ہوئی۔ یہ آپ کو اللہ کی طرف سے انعام ملا کیونکہ آپ نے اس کی رضا کے لیے اپنے وطن، خاندان اور قبیلے کو چھوڑ دیا تھا اور ہجرت کر کے اس مقام پر تشریف لے گئے تھے، جہاں آپ اپنے رب کی عبادت کر سکتے تھے اور لوگوں کو اس کی طرف بلا سکتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے جس علاقے میں گئے وہ شام کا ملک تھا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ﴾ ''اس زمین کی طرف نکالا۔ جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی ہے۔''

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ، ابو العالیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات نے یہی فرمایا ہے۔[1] جبکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ برکت والی زمین سے مراد مکہ مکرمہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴾

''پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے، بابرکت اور جہان والوں کے لیے (موجب) ہدایت ہے۔''[2] (آل عمران: 3/96)

ظالم بادشاہ کے شہر میں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے تین مواقع کے سوا کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ ان میں سے دو اللہ کے لیے تھے (جن سے اللہ کے دین یعنی توحید کی حقانیت ثابت کرنا مقصود تھا) ایک آپ کا یہ فرمانا: ﴿ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾ (الصافات: 89) ''میں بیمار ہوں۔'' اور یہ فرمانا: ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا ﴾ (الأنبیاء: 63) ''یہ کام اُن کے اس بڑے (سردار بُت) نے کیا ہے۔'' (تیسرا واقعہ یہ ہے کہ) ایک دن ابراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام سفر میں تھے کہ ایک ظالم بادشاہ کے شہر (مصر) سے گزر ہوا۔ اسے بتایا گیا: یہاں ایک مرد آیا ہے، جس کے ساتھ ایک حسین ترین

[1] تفسیر الطبري، 61/10 تفسیر سورة الأنبیاء، آیت: 71
[2] تفسیر الطبري، 62/10 تفسیر سورة الأنبیاء، آیت: 71

خاتون ہے۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا اور پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میری بہن ہے۔'' آپ نے سارہ ؑ کے پاس جا کر فرمایا: ''سارہ! روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے اسے بتایا ہے کہ تو میری بہن ہے۔ اب میری بات جھٹلا نہ دینا۔''

بادشاہ نے سارہ ؑ کو طلب کر لیا۔ جب آپ اس کے سامنے پیش ہوئیں، تو اس نے ہاتھ بڑھا کر آپ کو چھونا چاہا تو اسے پکڑ لیا گیا (یعنی حرکت نہ کر سکا۔) اس نے کہا: میرے لیے اللہ سے دعا کر، میں تجھے تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے پھر آپ کو چھونا چاہا تو پہلے سے زیادہ سخت گرفت میں آ گیا۔ اس نے (پھر) کہا: میرے لیے اللہ سے دعا کیجیے، میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔ آپ نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ تب اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا: تم میرے پاس کوئی انسان نہیں لائے، تم تو کوئی جن پکڑ لائے ہو۔ اس نے ان کی خدمت کے لیے حضرت ہاجرہ ؑ کو پیش کر دیا۔ جب سیدہ سارہ ؑ واپس آئیں تو حضرت ابراہیم ؑ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے اشارے سے پوچھا: کیا ہوا؟ حضرت سارہ ؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش کو ناکام کر دیا اور خدمت کے لیے ہاجرہ (ؑ) دے دی۔''

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا: ''اے آسمان کے پانی (جیسی پاک باز ماؤں اور باپوں) کی اولاد! (اہل عرب!) یہ (عظیم ہستی) تمہاری والدہ محترمہ ہیں۔'' [1]

حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابراہیم ؑ نے تین مواقع کے سوا کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ایک جب انہیں بتوں کی طرف بلایا گیا تو انہوں نے فرمایا: ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾ ''میں بیمار ہوں۔'' اور یہ فرمانا: ﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا﴾ ''یہ کام اُن کے اس بڑے نے کیا ہے۔'' اور سارہ ؑ کے بارے میں فرمایا: ''یہ میری بہن ہے۔''

(واقعہ اس طرح ہے کہ) حضرت ابراہیم ؑ ایک شہر (مصر) میں داخل ہوئے، جہاں ایک ظالم بادشاہ (حکمران) تھا۔ اسے بتایا گیا کہ آج رات ابراہیم (ؑ) ایک خاتون کے ساتھ آئے ہیں جو حسین ترین افراد میں سے ہے۔ بادشاہ نے بلا بھیجا اور کہا: تمہارے ساتھ یہ عورت کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''میری بہن ہے۔'' اس نے کہا: اسے (میرے پاس) بھیج دو۔ آپ نے انہیں بھیج دیا اور فرمایا: ''میری بات کی تکذیب نہ کرنا۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین پر ہم دونوں کے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔''

جب سارہ ؑ بادشاہ کے پاس پہنچیں، تو وہ آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور (دعا کرتے ہوئے) کہا: ''یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے جسم کو اپنے خاوند کے سوا ہر ایک سے محفوظ رکھا ہے۔ اب اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ فرمانا۔'' بادشاہ کی سانس بند ہو گئی حتی کہ وہ پاؤں مارنے لگا۔

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلا﴾...... حديث:3358

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت سارہ علیہا السلام نے فرمایا: ''یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے، اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔'' تب وہ (اس عذاب سے) چھوٹ گیا۔ (اس کے بعد) وہ دوبارہ آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے پھر وضو کر کے نماز پڑھی اور کہا: ''یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے جسم کو اپنے خاوند کے سوا ہر ایک سے محفوظ رکھا ہے۔ اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ فرمانا۔'' بادشاہ کی سانس بند ہو گئی حتی کہ وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ سارہ علیہا السلام نے فرمایا: ''یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔'' تب وہ چھوٹ گیا۔ تیسری یا چوتھی بار اس نے دربان سے کہا: تم نے میرے پاس کوئی شیطان (جن) بھیج دیا ہے۔ اسے واپس ابراہیم کے پاس پہنچا دو اور اسے ہاجرہ علیہا السلام دے دو!

سارہ علیہا السلام واپس آ گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: ''اللہ نے کافروں کی تدبیر کو ناکام بنا دیا اور خدمت کے لیے ایک لڑکی دے دی۔'' [1]

حدیث میں جو فرمایا گیا ہے: ''وہ میری بہن ہے۔'' اس سے مراد دین کے لحاظ سے بہن ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مومن میاں بیوی موجود نہیں۔ اس عبارت کا یہی مطلب لینا ضروری ہے کیونکہ لوط علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے اور وہ نبی تھے۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ جب وہ واپس آئیں تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَهْيَم﴾ ''یعنی کیا بنا؟'' انہوں نے فرمایا: ''اللہ نے کافروں کی تدبیر کو ناکام بنا دیا' اور خدمت کے لیے باندی دی ہے۔'' ایک روایت میں ہے: ''بدکار کی تدبیر کو ناکام بنا دیا۔'' اس سے مراد بادشاہ ہے۔

جب سارہ علیہا السلام کو بادشاہ کے پاس لے جایا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی وقت اُٹھ کر نماز پڑھنے لگے اور اللہ سے دعائیں کرنے لگے کہ وہ آپ کی اہلیہ کو محفوظ رکھے اور جس شخص نے آپ کی اہلیہ کے بارے میں بری نیت کی ہے، اس کے شر سے بچا لے۔ یہی کام حضرت سارہ علیہا السلام نے کیا۔ جب اللہ کے دشمن نے ان کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو انہوں نے فوراً اُٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھ کر مذکورہ بالا دعا مانگی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾

''صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ کی مدد حاصل کرو۔'' (البقرۃ: 45/2)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ علیہا السلام کے شرف کو بھی محفوظ رکھا اور اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے پیارے اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے شرف کی بھی حفاظت فرمائی۔

ارض مقدس کی طرف واپسی: اس کے بعد حضرت خلیل علیہ السلام مصر سے دوبارہ برکت والی سرزمین یعنی ارض مقدس کی طرف لوٹ آئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ مویشی، غلام اور بہت سا مال تھا اور حضرت ہاجرہ قبطیہ مصریہ علیہا السلام آپ

[1] مسند أحمد: 404/2

کے ہمراہ تھیں۔

پھر حضرت لوط علیہ السلام اپنے کثیر اموال سمیت ''غور'' کے علاقے کی طرف ہجرت کر گئے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا انہیں یہی حکم تھا۔ وہاں آپ ''سدوم'' کے شہر میں اقامت پذیر ہو گئے، جو اس دور میں اس علاقے کا مرکزی شہر تھا۔ یہاں کے باشندے کافر، بدکار اور شریر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی تو آپ نے اللہ کے حکم سے نظر اُٹھا کر شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کی طرف دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا: ''میں یہ سرزمین تجھے اور تیری اولاد کو قیامت تک کے لیے دوں گا اور تیری اولاد کو بڑھاؤں گا حتی کہ وہ ریت کے ذروں کے برابر ہو جائیں گے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی اس بشارت میں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) بھی شامل ہے۔ بلکہ اسی امت میں پیشین گوئی کامل ترین اور عظیم ترین انداز سے پوری ہوئی ہے۔ اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی تو میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصے دیکھ لیے۔ میری امت کی سلطنت وہاں وہاں پہنچے گی، جو جو حصہ سمیٹ کر مجھے دکھایا گیا۔''[1]

علمائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کچھ بدمعاشوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر قابو پا کر انہیں قید کر لیا، ان کا مال چھین لیا اور مویشیوں کو ہانک کر لے گئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خبر ملی تو آپ تین سو اٹھارہ افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ آپ نے لوط علیہ السلام کو بھی چھڑا لیا، ان کا مال ومتاع بھی واپس لے لیا اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی بہت سی تعداد کو تہ تیغ کر دیا، انہیں شکست دی اور ان کا تعاقب کیا حتی کہ دمشق کے شمال تک پہنچ گئے۔ وہاں ''برزہ'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ میرے خیال میں اس جگہ کو مقام ابراہیم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں ابراہیم علیہ السلام کے لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا۔

پھر آپ فاتحانہ طور پر اپنے علاقے میں واپس تشریف لائے۔ بیت المقدس کے بادشاہوں نے بڑے احترام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور آپ کی اطاعت قبول کی اور آپ اپنے وطن میں اقامت پذیر ہو گئے۔ آپ پر اللہ کی طرف سے درود وسلام ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پاکباز اولاد کی دعا فرمائی۔ اللہ نے آپ کو اس کی خوش خبری دی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس میں رہتے بیس سال ہو گئے تو سارہ علیہا السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ''رب نے

[1] صحيح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، حديث: 2889 و سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن و دلائلها، حديث: 4252

مجھے اولاد سے محروم رکھا ہے، آپ میری لونڈی (ہاجرہ علیہا السلام) کے پاس جائیں، شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے اولاد عطا فرما دے۔" جب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو وہ (ہاجرہ علیہا السلام) دے دیں تو ابراہیم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور وہ امید سے ہو گئیں۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب وہ امید سے ہوئیں تو اپنی مالکہ کو حقیر جاننے لگیں۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو غیرت آئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا: "تم جو چاہو کرو۔" حضرت ہاجرہ علیہا السلام خوف زدہ ہو گئیں اور بھاگ کر ایک چشمہ کے پاس چلی گئیں۔ انہیں ایک فرشتہ ملا۔ اس نے کہا: "خوف نہ کر، تیرے ہاں جو بیٹا پیدا ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت خیر و برکت عطا فرمائے گا۔" اس نے انہیں واپس جانے کا حکم دیا اور خوشخبری دی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا اور وہ اس کا نام "اسماعیل" رکھیں گی، وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہو گا، اس کا ہاتھ سب پر ہو گا اور سب کے ہاتھ اس کے ساتھ ہوں گے [1] اور وہ اپنے بھائیوں کے سارے ملک کا مالک ہو گا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔" [2]

یہ خوشخبری آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے کیونکہ عربوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سرداری کا مقام حاصل ہوا اور مشرق و مغرب کے سب ممالک ان کے قبضے میں آئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو وہ علم نافع اور عمل صالح عطا فرمایا جو پہلے کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس اُمت کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل و اشرف ہیں۔ یہ آپ کی رسالت کی برکت اور آپ کی شریعت کے کمال کی وجہ سے ہے اور اس لیے بھی کہ آپ تمام جہان والوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام واپس آئیں تو ان کے ہاں "اسماعیل علیہ السلام" پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی (86) سال تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام (اپنے بھائی) اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔

جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے خوشخبری دی کہ حضرت سارہ علیہا السلام سے اسحاق پیدا ہوں گے۔ آپ نے اللہ کو سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "میں نے اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں تیری دعا قبول کی، میں اسے برکت دوں گا، کثرت عطا فرماؤں گا اور بہت زیادہ بڑھاؤں گا، اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اسے ایک بڑی قوم کا سردار بناؤں گا۔" [3]

---

[1] اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسروں پر غالب ہو گا اور دوسرے اس کے مددگار ہوں گے۔ موجودہ بائبل میں اس جملے کو اس طرح بدل دیا گیا ہے: "اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے۔" (پیدائش باب 16، فقرہ 12۔ کتاب مقدس شائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور طبع 93)

[2] دیکھیے بائبل کی کتاب: پیدائش، باب 16، بائبل کے موجودہ نسخہ میں اس جملہ "وہ اپنے بھائیوں کے سارے ملک کا مالک ہو گا" کی جگہ یہ عبارت لکھ دی گئی ہے: "اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا۔" (پیدائش، باب 16، فقرہ 12)

[3] بائبل میں ہے: "اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔" (پیدائش، باب 17، فقرہ 20)

یہ بھی اس عظیم امت (محمدیہ) کے وجود کی خوشخبری ہے۔ان بارہ سرداروں سے مراد بارہ خلفائے راشدین ہیں، جن کی خوشخبری اس حدیث میں دی گئی ہے جو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بارہ امیر ہوں گے۔'' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جملہ فرمایا جو میں سمجھ نہ سکا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ نبی علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔'' [1]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''یہ کام (دین کا سلسلہ) قائم رہے گا۔'' اور دوسری میں ہے: ''غالب رہے گا حتی کہ بارہ خلفاء ہوں گے، وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔'' [2]

ان میں خلفائے اربعہ یعنی حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی۔ بنو عباس کے بعض خلفاء بھی اس میں شامل ہیں۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بارہ حضرات یکے بعد دیگرے مسلسل ہوں گے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ پائے جائیں گے۔ ان سے وہ بارہ امام بھی مراد نہیں جن کے بارے میں رافضی خاص قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق پہلے امام حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور آخری امام وہ ہے جو سامراء کے غار میں ہے اور اس (کے ظہور) کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق وہ (بارہواں امام) حسن عسکری کا بیٹا محمد ہے۔ ان (بارہ حضرات) میں سے سب سے اہم شخصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے جنگ و جدال ختم کر کے حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی تھی۔ اس طرح فتنے کی آگ بجھا کر مسلمانوں کی باہمی جنگ کا سلسلہ ختم کر دیا۔ (شیعہ کے) باقی (امام) سب رعیت کے افراد تھے جن کا مسلمانوں پر حکومت کرنے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ باقی رہا وہ (امام غائب) جس کو وہ سمجھتے ہیں کہ سامراء کے غار میں ہے تو یہ محض ان کے اوہام ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

بہرحال جب ہاجرہ علیہا السلام کے ہاں اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اس سے سارہ علیہا السلام کے جذبات برانگیختہ ہو گئے۔ انہوں نے حضرت خلیل علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ انہیں ان کے سامنے نہ رکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بیٹے کو لے کر چلے حتی کہ انہیں وہاں ٹھہرا دیا جہاں آج کل مکہ مکرمہ کا شہر آباد ہے۔ اسماعیل علیہ السلام اس وقت دودھ پیتے بچے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں وہاں چھوڑ کر پلٹے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اُٹھ کر دامن پکڑ لیا اور بولیں: ''ابراہیم! آپ ہمیں اس جگہ چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں، ہمارے پاس تو ضرورت کی اشیا بھی نہیں؟'' جب بار بار سوال کرنے پر بھی جواب نہ ملا تو انہوں نے کہا: ''کیا آپ کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے؟'' فرمایا: ''ہاں!'' تب انہوں نے کہا: ''اگر یہ بات ہے تو وہ ہمیں ہلاک نہیں ہونے دے گا۔''

---

1. صحیح البخاري، الأحكام، حديث: 7222، 7223 و صحيح مسلم: الإمارة، باب الناس تبع لقريش...... حديث: 1821
2. صحيح مسلم، الإمارة، باب الناس تبع لقريش......، حديث: 1821

حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام مکہ میں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''سب سے پہلے جس خاتون نے کمر بند استعمال کیا، وہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ انہوں نے کمر بند استعمال کیا، تا کہ ان کے نشان قدم سارہ علیہا السلام سے پوشیدہ رہیں۔ بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے شیر خوار بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو لے گئے اور انہیں بیت اللہ کے پاس زمزم سے اوپر کی طرف (موجودہ) مسجد کے بالائی حصے میں ایک بڑے درخت کے پاس ٹھہرا دیا۔ اس وقت مکہ میں کوئی انسان نہیں رہتا تھا اور وہاں پانی بھی نہیں تھا۔ آپ نے انہیں وہاں اُتارا اور ان کے پاس کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام واپس چل پڑے۔ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی ان کے پیچھے چلیں اور کہا: ''ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں کوئی ساتھی (یا ہمسایہ) ہے نہ (ضرورت کی) کوئی چیز؟'' انہوں نے کئی بار یہ بات کہی، لیکن آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ (آخر) انہوں نے کہا: ''کیا آپ کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''ہاں!'' وہ بولیں: ''تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔'' اور پلٹ گئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب ثنیہ (گھاٹی) پر پہنچے، جہاں سے وہ لوگ نظر نہیں آ رہے تھے، تو انہوں نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے ہاتھ اُٹھا دیے اور یہ دعا مانگی:

﴿ رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَ ارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ۝ ﴾

''اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں، تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اے پروردگار! تا کہ یہ نماز پڑھیں' سوتو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ اُن کی طرف جھکے رہیں اور اُن کو پھلوں سے رزق دے تا کہ (تیرا) شکر کریں۔'' (إبراهيم:14/37)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اُن کو دودھ پلاتی تھیں اور خود اس پانی میں سے پی لیتی تھیں حتی کہ جب مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو انہیں پیاس لگی اور ان کے بیٹے کو بھی پیاس لگ گئی۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ بچہ (پیاس کی وجہ سے) بے چین ہے۔ وہ اسے (تڑپتا) نہ دیکھ سکیں، اُٹھ کر چل دیں۔ انہیں اپنے قریب کی زمین میں سے صفا پہاڑ سب سے قریب معلوم ہوا۔ وہ اس پر چڑھ گئیں۔ پھر وادی کی طرف منہ کر کے دیکھا کہ کیا کوئی انسان نظر آتا ہے؟ کوئی نظر نہ آیا۔ وہ صفا سے اتریں۔ جب وادی کے نشیب میں پہنچیں تو قمیص کا دامن (جو زمین تک پہنچتا تھا) اُٹھا کر اس طرح بھاگیں جس طرح کوئی پریشان اور مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے حتی کہ وادی کو پار کر لیا۔ وہ مروہ تک پہنچیں تو اس پر چڑھ گئیں اور دیکھا کہ کیا کوئی نظر آتا

ہے؟ کوئی نظر نہ آیا۔ انہوں نے سات بار اسی طرح کیا (ایک پہاڑی سے دوسری تک دوڑتی رہیں۔) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''لوگ اسی وجہ سے ان دونوں پہاڑیوں (صفا اور مروہ) کے درمیان دوڑتے ہیں۔''

جب وہ (آخری چکر میں) مروہ پر پہنچیں تو انہیں کوئی آواز محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے آپ سے کہا: ''چُپ'' پھر غور سے سنا تو دوبارہ آواز سنائی دی۔ انہوں نے کہا: ''تو نے آواز سنا دی ہے، اگر تو مدد کر سکتا ہے (تو ہماری مدد کر۔'')

اچانک انہوں نے دیکھا کہ زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ کھڑا ہے۔ اس (فرشتے) نے اپنی ایڑی سے یا اپنے پر سے زمین کھودی تو پانی نکل آیا۔ آپ اسے حوض کی صورت دینے لگیں اور اپنے ہاتھ سے اس طرح (رکاوٹ) بنانے لگیں اور چلو بھر بھر کر مشکیزے میں ڈالنے لگیں۔ ان کے چلو بھرنے کے بعد پانی پھر نکل آتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحمت نازل فرمائے! اگر وہ زمزم کو بہنے دیتیں'' ...... یا فرمایا: ''اگر وہ پانی سے چلو نہ بھرتیں ...... تو وہ ایک بہتے ہوئے چشمے کی صورت اختیار کر لیتا۔'' راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر ہاجرہ نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے ان سے کہا: ''آپ ہلاکت کا اندیشہ نہ کریں، یہاں اللہ کا گھر ہے جس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کا والد (دونوں مل کر) کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے لوگوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔''[1]

اس وقت بیت اللہ کی زمین ایک بلند ٹیلے کی صورت میں تھی۔ سیلاب کا پانی آتا تو دائیں بائیں سے گزر جاتا۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا حتی کہ وہاں سے بنو جرہم کا ایک قافلہ یا ایک خاندان گزرا۔ وہ کداء کی طرف سے آئے اور مکہ کے نشیبی حصے میں ٹھہرے۔ انہیں ایک پرندہ منڈلاتا نظر آیا، تو بولے: ''یہ پرندہ تو پانی پر منڈلایا کرتا ہے۔ ہم تو جب اس وادی سے گزرتے ہیں تو یہاں پانی نہیں ہوتا۔''

انہوں نے دو آدمی (حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے) بھیجے تو انہیں پانی نظر آیا۔ انہوں نے جا کر پانی کی موجودگی کی اطلاع دی۔ وہ سب لوگ آ گئے۔ چشمہ (زمزم) کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ موجود تھیں۔ ان لوگوں نے کہا: ''کیا آپ ہمیں اجازت دیتی ہیں کہ ہم یہاں خیمہ زن ہو جائیں؟'' انہوں نے فرمایا: ''جی ہاں! (اجازت ہے) لیکن اس چشمے (کی ملکیت) پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔'' انہوں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے اپنے اپنے گھر والوں کو بھی وہاں بلا لیا، حتی کہ وہاں کئی گھر بس گئے۔

تورات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے اسماعیل کا ختنہ کریں۔[2] اور ان کے

---

[1] صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' باب ﴿يزفون﴾...... حديث:3364

[2] کتاب پیدائش' باب: 17' فقرہ:25,24,23

پاس جو غلام اور دوسرے افراد ہیں ان کا بھی ختنہ کریں۔ [1] آپ نے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت آپ کی عمر ننانوے سال تھی۔ اس طرح اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمرہ تیرہ سال بنتی ہے۔ آپ نے اپنے اہل خانہ کے بارے میں اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حکم کو واجب قرار دیا۔ اس لیے علماء کا یہ قول ہی صحیح ہے کہ مردوں پر ختنہ واجب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ خود ایک بسولے سے کیا تھا جبکہ وہ اسی (۸۰) برس کے تھے۔'' [2] بعض علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکور لفظ ''قدوم'' سے مراد قدوم شہر ہے نہ کہ ختنہ کرنے کا آلہ بسولا وغیرہ۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک اور آزمائش اتاری اور انہیں بڑھاپے میں عطا ہونے والے اکلوتے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے یہ حکم ربانی بیٹے کو سنایا تو فرمانبردار بیٹا فوری تیار ہوگیا۔ اس آزمائش پر پورا اترنے کا انعام جنت سے قربانی کی صورت میں ملا اور پھر یہ سنت ابراہیمی تاقیامت مسلمانوں پر مقرر کردی گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ۖ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓي اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝﴾

''اے پروردگار! مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادت مندوں میں سے (ہو۔) تو ہم نے اُن کو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی۔ جب وہ اُن کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں

[1] کتاب پیدائش، باب: 17، فقرہ: 13,12

[2] صحيح البخاري: أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلا﴾...... حديث: 3356

کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم دیکھو تمہاری رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کیجیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے اُن کو پکارا کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچا کر دکھایا' ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کا فدیہ دیا اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُن کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکو کاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے اُن پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکو کار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گناہ گار) بھی ہیں۔'' (الصافات: 113-99/37)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کا علاقہ چھوڑ کر ہجرت فرمائی تو رب سے دعا کی کہ وہ انہیں نیک اولاد عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بردبار لڑکے کی خوش خبری دی، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ وہ آپ کے پہلوٹھے تھے جو آپ کے ہاں چھیاسی سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔ اس مسئلہ میں تمام مذاہب (یہود نصاریٰ اور مسلمین) کا اتفاق ہے کہ وہ آپ کے پہلے بیٹے اور پہلوٹھے بچے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ ''جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا۔'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ جوان ہو گئے اور اپنے والد کی طرح اپنے کام کاج کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جوان ہو گئے، سفر کرنے لگے اور اپنے والد کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگے۔[1] اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ انہیں یہ بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔''[2]

یہ اللہ کی طرف سے اپنے خلیل علیہ السلام کی آزمائش تھی کہ وہ اس کے حکم سے اپنے پیارے بیٹے کو ذبح کر دیں، جو انہیں بڑھاپے میں ملا تھا اور اب تو ان کی عمر اور زیادہ ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے انہیں حکم ملا تھا کہ اس پیارے بیٹے کو اور اس کی ماں کو ایک بے آباد علاقے میں چھوڑ دیں، جہاں کوئی انسان تھا نہ مویشی اور نہ کھیتی باڑی۔ آپ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور اس پر بھروسا اور توکل کرتے ہوئے انہیں وہاں چھوڑ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مشکل سے نجات دی اور انہیں وہاں سے رزق دیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

پھر جب انہیں اپنے اس پہلوٹھے اور اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ملا تو انہوں نے فوراً اپنے رب کے حکم کی تعمیل

---

1. تفسیر ابن کثیر: 23/7 تفسیر سورۃ الصافات' آیت:102
2. مجمع الزوائد: 176/7

کی۔اس کے بعدانہوں نے اپنے بیٹے کے سامنے یہ معاملہ رکھا، تا کہ وہ بھی دل کی خوشی سے اس عمل میں شریک ہو اور اس کی تعمیل ان کے لیے آسان ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:

﴿ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ﴾

''بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں لہٰذا تم دیکھو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟''

بردبار بیٹا بھی کردار میں اپنے والد کا عکس ثابت ہوا۔ اس نے فوراً کہا:

﴿ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾

''اے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کیجیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔''

یہ جواب انتہائی درست اور والد کی فرماں برداری اور رب کی اطاعت کا بہت بڑا مظہر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴾

''جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔''

﴿ اَسْلَمَا ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے اللہ کا حکم تسلیم کر لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو انجام دینے کا عزم کر لیا۔ ﴿ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴾ کا مطلب ہے کہ اسے چہرے کے بل لٹا دیا۔ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام گدی کی طرف سے ذبح کرنا چاہتے تھے تاکہ ذبح کرتے وقت ان کا چہرہ نظر نہ آئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے۔[1] سُدّی اور دوسرے علماء کہتے ہیں: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حلق پر چھری پھیری، لیکن کچھ نہ کٹ سکا۔'' اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی: ﴿ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ﴾ ''اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔''[2] یعنی آپ کا جو امتحان مقصود تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ آپ کی اطاعت اور فوری تعمیل ظاہر ہو چکی ہے۔ جس طرح آپ نے اپنا بدن آگ میں ڈال دیا اور مال مہمانوں پر خرچ کر دیا، اسی طرح آپ نے اپنا بیٹا قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ﴾ ''بلاشبہ یہ ایک صریح آزمائش تھی۔'' اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: ﴿ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴾ یعنی ہم نے دوسرے ذبیحہ کو ان کے بیٹے کے عوض فدیہ بنا دیا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ بڑی آنکھوں والا اور سینگوں والا سفید مینڈھا ذبح ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے کیونکہ مکہ میں وہی قیام پذیر تھے اور اسحاق علیہ السلام کے بارے میں یہ مذکور نہیں کہ وہ بچپن میں مکہ تشریف لائے ہوں۔ (واللہ اعلم)

ذبیح اللہ کون؟: قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق جو کچھ مذکور ہے اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 24/7 تفسیر سورة الصافات' آیت:103

[2] تفسیر ابن کثیر: 24/7 تفسیر سورة الصافات' آیت:104

﴿ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾

''اورہم نے اُن کو اسحاق کی بشارت بھی دی کہ وہ نبی (اور) نیکو کاروں میں سے ہوں گے۔''

(الصافات: 112/37)

جو لوگ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے قائل ہیں، ان کی دلیل محض اسرائیلی روایات ہیں اور ان کی کتابیں تحریف شدہ ہیں۔ خاص طور پر یہاں تو تحریف اتنی واضح ہے کہ اس سے انکار ممکن نہیں کیونکہ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا اکلوتا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا۔ ترجمہ شدہ نسخہ میں: ''پہلوٹھے بیٹے اسحاق'' کا لفظ ہے۔ [1] یہاں ''اسحاق'' کا لفظ غلط طور پر لکھ دیا گیا ہے کیونکہ اسحاق علیہ السلام نہ اکیلے بیٹے تھے نہ پہلوٹھے۔ یہ صفات تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہیں۔ ان لوگوں نے یہ تحریف صرف اہل عرب سے حسد کی وجہ سے کی ہے کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اُن عربوں کے جد امجد ہیں جو حجاز میں رہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی میں سے ہیں۔ اور حضرت اسحاق' یعقوب علیہ السلام کے والد ہیں، جن کا لقب ''اسرائیل'' ہے اور بنی اسرائیل اُنھی کی طرف منسوب ہیں۔ انہوں نے اس شرف کو اپنے نام لگانا چاہا، اس لیے اللہ کے کلام میں تحریف کر دی اور اضافہ کر دیا۔ یہ قوم نہایت جھوٹی ہے' انہوں نے یہ اقرار نہیں کیا کہ فضل و کرم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

جن علماء نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح قرار دیا ہے، انہوں نے یہ قول کعب احبار سے یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے لیا ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں، جس کی وجہ سے ہمیں قرآن مجید کے ظاہری مفہوم کی تاویل کرنی پڑے۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے الفاظ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر نص ہیں۔

حضرت ابن کعب قرظی نے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بجائے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر اس آیت مبارکہ سے بہت خوب استدلال فرمایا ہے: ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ ﴾ ''تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔'' (ھود: 71) وہ فرماتے ہیں: ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی جائے اور یہ خوشخبری بھی دی جائے کہ ان کے ہاں بیٹا یعقوب علیہ السلام بھی پیدا ہوگا۔ پھر اسحٰق علیہ السلام کو قربان کرنے کا حکم دے دیا جائے حالانکہ وہ ابھی بچے تھے اور ان کے ہاں یعقوب علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے؟ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بشارت کے خلاف ہے۔'' (واللہ اعلم)

صحیح یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ حضرت مجاہد، سعید، شعبی، یوسف بن مہران، عطاء رحمہم اللہ اور دیگر حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی قول نقل کیا ہے کہ وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

[1] موجودہ بائبل میں لکھا ہے: ''تو اپنے بیٹے اسحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے...... سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔'' پیدائش باب 22۔ فقرہ: 7

انہوں نے فرمایا: ''قربانی کے لیے پیش کیے جانے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہودی کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور یہودی جھوٹ کہتے ہیں۔'' [1]

حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہم، حضرت سعید بن المسیّب، سعید بن جبیر، حسن بصری، محمد بن کعب، ابوجعفر محمد بن علی، ابوصالح، امام احمد بن حنبل اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ، کلبی اور ابوعمرو بن علاء رحمہما اللہ سے یہی قول نقل کیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے شام کے ایک عالم کو بلایا (جو پہلے یہودی تھے پھر مخلص مسلمان ہو گئے تھے۔) اور ان سے پوچھا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا کون سا بیٹا ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا؟'' اس نے کہا: ''امیر المؤمنین! قسم ہے اللہ کی! وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہودیوں کو یہ حقیقت معلوم ہے۔ لیکن وہ تم لوگوں سے یعنی عربوں سے حسد کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کے جد امجد اس شرف وفضل کے حامل ہوں، اس لیے وہ اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام ہیں کیونکہ اسحاق علیہ السلام ان کے جد امجد ہیں۔'' [2]

ہم نے یہ مسئلہ اپنی تفسیر کی کتاب میں تفصیلی دلائل اور روایات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (والحمد للہ)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو اولاد جیسی نعمت سے اس وقت نوازا جب وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی بیوی بھی بانجھ ہو چکی تھیں۔ اس لیے جب فرشتے یہ خوشخبری لے کر حاضر ہوئے تو انہیں خوشی کے ساتھ ساتھ زبردست تعجب بھی ہوا، مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی حالت کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ ﴾

''اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کہا، انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 29/7 تفسیر سورۃ الصافات، آیت:107

[2] تفسیر ابن کثیر: 29/7 تفسیر سورۃ الصافات، آیت:112

ابھی تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو اُن کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ (فرشتوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجیے۔ ہم قوم لوط کی طرف (اُن کو ہلاک کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم کی بیوی (جو پاس) کھڑی تھی، ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے کہا: ہائے میری کم بختی! میرے ہاں بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ کی قدرت پر تم تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ وہ سزاوارِ تعریف اور بزرگوار ہے۔'' (ھود: 11/69-73)

اور سورہ حجر میں فرمایا:

﴿ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ ۞ إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۞ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۞ قَالَ أَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى أَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۞ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۞ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ إِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۞ ﴾

''اور (اے نبی!) اُن کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنا دو۔ جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو سلام کہا۔ (انہوں نے) کہا ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا کہ ڈریے نہیں ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (وہ) بولے کہ مجھے بڑھاپے نے آ پکڑا تو تم خوشخبری دینے لگے' اب کاہے کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں' آپ مایوس نہ ہوں۔ اس (ابراہیم) نے کہا کہ اللہ کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہوں) مایوس ہونا گمراہوں کا کام ہے۔'' (الحجر: 15/51-56)

سورۂ عنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۞ إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۞ فَرَاغَ إِلٰٓى أَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۞ فَقَرَّبَهٗٓ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُوْنَ ۞ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۞ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۞ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ إِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۞ ﴾

''بھلا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا (دیکھا تو) ایسے لوگ کہ نہ جان نہ پہچان۔ تو اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے (اور کھانے کے لیے) ان کے آگے رکھ دیا۔ کہنے لگے آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟ اور دل میں ان سے خوف محسوس کیا (انہوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجیے۔ اور ان کو ایک دانشمند لڑکے کی بشارت بھی سنائی تو ابراہیم کی بیوی چلاتی آئی اور اپنا منہ پیٹ کر

کہنے لگی (ایک تو) بڑھیا اور (اور وہ بھی) بانجھ (انہوں نے) کہا (ہاں) تمہارے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے وہ بے شک صاحب حکمت (اور) خوب جاننے والا ہے۔'' (العنکبوت: 29/24-30)

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ (بعض حضرات کا کہنا ہے وہ تین فرشتے جبرائیل' میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے) انہوں نے مہمان سمجھ کر ان کی خاطر داری کی اور عمدہ گایوں کے ریوڑ میں سے ایک موٹے تازے بچھڑے کا گوشت بھون کر تیار کیا۔ جب مہمانوں کو کھانا پیش کیا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا کہ ان حضرات کو کھانے کی بالکل خواہش نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں میں وہ قوت نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے انسانوں کو کھانا کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اس طرز عمل سے تعجب ہوا اور خوف محسوس کیا۔ انہوں نے کہا: خوف نہ کیجیے! ہمیں لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حضرت سارہ علیہا السلام اللہ کی محبت کی وجہ سے ان بدکاروں سے نفرت رکھتی تھی، اس لیے اس خبر سے انہیں خوشی ہوئی۔ وہ مہمانوں کی خدمت کے لیے پاس ہی کھڑی تھیں، جیسے اہل عرب اور دوسری اقوام میں رواج ہے۔ جب وہ خوش ہو کر ہنس پڑیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ لیکن جب فرشتوں نے انہیں یہ خوشخبری دی تو ابراہیم کی بیوی چلاتی آئی اور اپنا منہ پیٹنے لگی جیسے عورتیں تعجب کے وقت کیا کرتی ہیں، سارہ علیہا السلام سے بھی وہ حرکت سرزد ہوئی اور انہوں نے فرمایا: ﴿ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ﴾ ''ہائے میری کم بختی! میرے ہاں بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں۔'' یعنی میرے ہاں کیسے اولاد ہو سکتی ہے جب کہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور بانجھ بھی ہوں اور یہ میرے شوہر ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ انہیں ان حالات میں اولاد ملنے پر تعجب ہوا۔ اس لیے انہوں نے کہا:

﴿ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۞ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۞ ﴾

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ بلاشبہ وہ سزاوار تعریف اور بزرگوار ہے۔'' (ھود: 11/72،73) اس خوشخبری پر ابراہیم علیہ السلام کو بھی تعجب ہوا۔ انہوں نے انتہائی خوشی کے عالم میں مزید تسلی کے لیے فرمایا:

﴿ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۞ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۞ ﴾

''جب مجھے بڑھاپے نے آ پکڑا تو تم خوشخبری دینے لگے' اب کاہے کی خوشخبری دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں، آپ مایوس نہ ہوں۔'' (الحجر: 15/54،55)

انہوں نے اس خوش خبری کی تصدیق کی اور انہیں ﴿ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴾ یعنی ''علم والے بچے'' کی خوش خبری دی۔ اس سے

مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بلند مقام اور عظیم صبر و ثبات کے انعام کے طور پر "علم والا بچہ" دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ وصف بھی بیان کیا ہے کہ وہ وعدہ پورا کرنے والے اور صبر کرنے والے تھے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝﴾

"تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔" (ھود: 71/11)

اہلِ کتاب کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھنے ہوئے بچھڑے کے ساتھ تین پیمانہ باریک آٹے کی پکی ہوئی روٹیاں، مکھن اور دودھ پیش کیا اور فرشتوں نے کھایا۔[1] یہ بات بالکل غلط ہے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہ (ظاہری طور پر) کھاتے محسوس ہوتے تھے جبکہ کھانا ہوا ہی میں غائب ہو جاتا تھا۔

بائبل میں لکھا ہے:

"خدا نے ابراہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے، سو اُس کو ساری نہ پکارنا۔ اس کا نام سارہ ہوگا اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابرہام سرنگوں ہوا (یعنی سجدہ کیا) اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا؟ اور کیا سارہ کے جو نوے (90) برس کی ہے اولاد ہوگی؟ ابراہام نے خدا سے کہا: کاش! اسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔ تب خدا نے فرمایا: بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا، تو اس کا نام اضحاق (اسحاق) رکھنا...... اگلے سال[2] اس وقت معین پر...... اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد، جو ابدی عہد ہے، باندھوں گا اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے ایک بڑی قوم (کا سردار[3]) بناؤں گا۔"[4]

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ "تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے

---

1. (دیکھیے کتاب پیدائش، باب: 18، فقرہ: 6، 7، 8) بائبل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تین افراد جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان ہوئے۔ ان میں سے ایک خود خدا تھا۔ (پیدائش، باب: 18)
2. بائبل میں یہ جملہ اس پوری عبارت کے بعد ان الفاظ میں منقول ہے: "لیکن میں اپنا عہد اضحاق سے باندھوں گا، جو اگلے سال اسی وقت معین پر سارہ سے پیدا ہوگا۔" (پیدائش 17:21) البتہ قصص الانبیاء میں یہ ان الفاظ میں "تو اس مقام پر" جیسے ہم نے لکھا۔
3. "سردار" کا لفظ قصص الانبیاء کے مطابق ہے۔ بائبل کے موجودہ نسخے میں یہ الفاظ ہیں: "میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔"
4. (پیدائش باب: 17، فقرہ: 15 تا 20) یہ ترجمہ "بائبل سوسائٹی لاہور" کی شائع کردہ اردو "کتاب مقدس" کے مطابق ہے۔

بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔‘‘ سے صاف ظاہر ہے کہ سارہ کو اپنے بیٹے اسحاق اور اپنے پوتے یعقوب کو زندہ دیکھنے کی خوشی نصیب ہوگی۔ یعنی وہ اپنے دادا، دادی کی زندگی میں پیدا ہوں گے تاکہ انہیں یعقوب علیہ السلام سے بھی اسی طرح خوشی حاصل ہو جیسے اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی خوشی حاصل ہوگی۔ اگر بشارت سے یہ مقصود نہ ہوتا تو اسحاق علیہ السلام کی ساری نسل میں سے صرف یعقوب علیہ السلام کا نام خاص طور پر ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ جب نام لے کر ذکر کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انہیں یعقوب علیہ السلام سے مستفید ہونے کا موقع ملے گا، جیسے ان کے والد (اسحاق) کی ولادت سے خوشی ہوئی۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا﴾

’’اور ہم نے اُن کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی۔‘‘ (الأنعام: 84/6)

اور مزید یہ فرمایا:

﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ﴾

’’اور جب ابراہیم (علیہ السلام) ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے اُن سے الگ ہو گئے تو ہم نے اُن کو اسحاق اور (اسحاق کو) یعقوب بخشے۔‘‘ (مریم: 49/19)

یہ واضح اور قوی دلیل ہے۔ اس کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا: میں نے عرض کی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مسجد حرام!‘‘ میں نے کہا: پھر کون سی؟ فرمایا: ’’مسجد اقصیٰ!‘‘ میں نے کہا: ان کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ فرمایا: ’’چالیس برس‘‘ میں نے کہا: ’’ان کے بعد کون سی؟ فرمایا: پھر جہاں تجھ پر نماز کا وقت آ جائے، وہیں نماز پڑھ لے، سب مسجد ہی ہے۔‘‘[1]

اہل کتاب کہتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اس سے بھی مذکورہ بالا بیان کی تائید ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے مسجد حرام کی تعمیر سے چالیس سال بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ تعمیر فرمائی۔ ان دونوں کی تعمیر سے پہلے اسحاق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر فرمائی ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي

[1] صحيح البخاري: أحاديث الأنبياء، باب، حديث: 3366 و صحيح مسلم: المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاة، حديث: 520 و مسند أحمد: 150/5.

وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۞ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۗ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۞ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۞ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۞ ﴾

''اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے رکھ کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں۔ اے پروردگار! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد میدان (مکہ) میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس لا بسائی ہے جہاں کھیتی بھی نہیں ہے۔ اے پروردگار! تاکہ یہ نماز پڑھیں' سو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ اُن کی طرف جھکے رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔ اے پروردگار! جو بات ہم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں تو سب جانتا ہے۔ اور زمین و آسمان میں اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق عطا کیے۔ بے شک میرا پروردگار دُعا سننے والا ہے۔ اے پروردگار! مجھ کو (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش دے۔) اے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔ اے پروردگار! حساب (کتاب) کے دن مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کو معاف کر دینا۔'' (إبراهيم: 14/35-41)

بیت اللہ کی تعمیر اور اہل مکہ کے لیے دعائے ابراہیم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے دعوت توحید قبول کرنے والوں کے لیے کعبۃ اللہ تعمیر کرنے کا حکم دیا تاکہ فرزندان توحید اس گھر کا طواف کریں اور یہاں آ کر نمازیں ادا کریں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۞ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۞ ﴾

''اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور طواف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو صاف رکھا کرو اور لوگوں میں حج کے لیے اعلان کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور دُبلے دُبلے اونٹوں پر جو دور (دراز) رستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہو کر) چلے آئیں۔'' (الحج: 22/26,27)

اور سورۂ آل عمران میں فرمایا:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا' وہی ہے جو مکے میں ہے۔ بابرکت اور جہان کے لیے موجب ہدایت۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (جن میں سے) ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اُس نے امن پالیا اور لوگوں پر اللہ کا حق (فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اللہ بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔''

(آل عمران: 3/96,97)

سورۂ بقرہ میں اسی کی بابت مزید فرمایا:

﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

''اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ اُن میں پورے اترے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔ اور جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے لیے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے، اُس کو نماز کی جگہ بنالو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل سے کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔ اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے پروردگار! اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے

رہنے والوں میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائیں اُن کے کھانے کو پھل عطا کر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر فائدہ دوں گا (مگر) پھر اُس کو (عذاب) دوزخ کے (بھگتنے کے) لیے ناچار کر دوں گا اور وہ بری جگہ ہے۔ اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دُعا کیے جاتے تھے کہ) اے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا۔ اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر رحم کے ساتھ توجہ فرما۔ بیشک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر دے جو اُن کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کے سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ بیشک تو غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔" (البقرة: 2/124-129)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے خلیل، موحدین کے امام اور انبیائے کرام کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے وہ قدیم گھر تعمیر فرمایا، جو تمام لوگوں کے لیے تعمیر کی جانے والی پہلی مسجد ہے، جس میں وہ اللہ کی عبادت کر سکتے ہیں۔ اللہ نے آپ کو وہ جگہ بتائی جو اس کی تعمیر کے لیے مقدر کی جا چکی تھی۔

حضرت علی بن ابی طالب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعے سے اس کی جگہ سے باخبر کیا گیا۔ آسمانوں کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے ہم (دوسری کتاب میں) بیان کر چکے ہیں کہ کعبہ شریف (آسمانی کعبہ) بیت المعمور کی بالکل سیدھ میں ہے، ساتوں آسمانوں پر اس انداز سے عبادت کے مقامات (ایک سیدھ میں) واقع ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہر آسمان میں ایک گھر (عبادت کا مقام) ہے، جس میں اُس آسمان کے فرشتے اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اُن کے لیے اس کی وہی حیثیت ہے جو زمین والوں کے لیے کعبہ شریف کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایک عبادت گاہ بنائیں جس کی حیثیت زمین والوں کے لیے وہی ہو جو آسمان کے فرشتوں کے لیے مذکورہ بالا عبادت گاہوں کی ہے اور اللہ نے آپ کو کعبہ شریف کی وہ جگہ بتائی جو آسمان و زمین کی تخلیق کے دن سے اس کے لیے متعین کر دی گئی تھی۔ جیسے کہ صحیحین میں ارشاد نبوی ہے:

"اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس دن محترم قرار دے دیا تھا، جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ وہ اللہ کے حکم کی وجہ سے قیامت تک کے لیے قابل احترام (حرم) ہے۔"[1]

کسی صحیح حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی کعبہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے لیے [مَكَانَ الْبَيْتِ] کے لفظ

[1] صحيح البخاري: الحج، باب فضل الحرم و قوله تعالىٰ ﴿إنما أمرت أن أعبد رب هذه البلدة......﴾ حديث: 1587 و صحيح مسلم: الحج، باب تحريم مكة و تحريم صيدها...... حديث: 1353

سے استدلال قوی نہیں کیونکہ آیت کے الفاظ کا مطلب یہ ہے: ''وہ جگہ جو اللہ کے علم میں اس کے لیے مقدر تھی اور جو مقام حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک تمام انبیاء کے نزدیک قابل احترام رہا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾

''بلاشبہ پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا' وہی ہے جو مکے میں ہے۔ بابرکت اور جہان کے لیے موجب ہدایت۔'' (آل عمران: 96/3)

یعنی تمام لوگوں کے لیے جو گھر برکت اور ہدایت کے لیے سب سے پہلے مقرر کیا گیا، وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے۔

﴿ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ ﴾ (آل عمران: 97) ''اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔'' یعنی یہ عمارت خلیل علیہ السلام کی تعمیر کردہ ہے، جو بعد میں آنے والے تمام نبیوں کے جدامجد اور اپنی اولاد کے تمام موحدین کے امام تھے جو آپ کی اقتدا کرنے والے اور آپ کی سنت پر عمل کرنے والے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿ مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ (آل عمران: 97) اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے کعبہ کی تعمیر جاری رکھی۔ جب عمارت آپ کے قد سے بلند ہوگئی تو آپ کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے یہ مشہور پتھر لا کر دیا تاکہ آپ اس پر کھڑے ہو جائیں، جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک لمبی حدیث میں مذکور ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے تک یہ پتھر اسی طرح کعبہ کی دیوار سے متصل پڑا رہا۔ جس طرح قدیم زمانے سے پڑا تھا۔ آپ نے اسے بیت اللہ سے کچھ فاصلے پر کر دیا تاکہ اس کے پاس نماز پڑھنے والوں کی وجہ سے طواف کرنے والوں کو رکاوٹ نہ ہو۔ بعد کے لوگوں نے اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعدد مشورے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی تصدیق ثابت ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: ''کاش! ہم مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھا کرتے۔''[2]

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾

''اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے، اُس کو نماز کی جگہ بنالو۔'' (البقرة: 125/2)

اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان اسلام کے ابتدائی دور تک باقی تھے۔ انہوں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے کعبہ کی بنیادوں پر عمارت بنائی تھی اور وہ دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا یہ نیک عمل قبول فرمالے۔ چنانچہ

[1] تفسیر ابن کثیر: 68/2 تفسیر سورة آل عمران' آیت:97

[2] مسند أحمد: 24/1

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

''اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کیے جاتے تھے کہ) اے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا۔ اور اے پروردگار! ہمیں ہمارے طریقِ عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بیشک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔'' (البقرۃ: 2/127,128)

اہل مکہ کے لیے دعائے ابراہیم علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بے آب و گیاہ وادی میں واقع مقدس ترین مقام پر مقدس ترین مسجد تعمیر کر دی اور وہاں بسنے والوں کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور یہ دعا کی کہ انہیں کھانے کو پھل ملیں' حالانکہ وہاں پانی بہت کم تھا' درخت، کھیتی اور پھل موجود نہ تھے' اور یہ بھی دعا کی کہ وہ اس مقام کو حرم (قابل احترام مقام) اور امن و امان کا گہوارہ بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ نے جو کچھ مانگا تھا، اس نے عطا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے جبکہ لوگ اس کے گرد و نواح سے اُچک لیے جاتے ہیں۔''

(العنکبوت: 29/67)

مزید فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا ﴾

''کیا ہم نے اُن کو حرم میں جو امن کا مقام ہے جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل پہنچائے جاتے ہیں (اور یہ) رزق ہماری طرف سے ہے۔'' (القصص: 28/57)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور عظیم دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان میں انہی سے یعنی ان کی جنس سے اور ان کی فصیح و بلیغ اور خالص زبان بولنے والا رسول مبعوث فرما تاکہ دونوں طرح کی نعمتیں مکمل طور پر حاصل ہو جائیں یعنی دنیا کی نعمت بھی اور دین کی نعمت بھی۔ دنیا کی سعادت بھی اور آخرت کی سعادت بھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور ایک رسول مبعوث فرمایا۔ کتنا عظیم رسول جس پر اس نے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا' اور ایسا کامل دین عنایت فرمایا جیسا پہلے کسی قوم کو نہیں ملا تھا اور آپ کی دعوت دنیا کی ہر قوم، ہر زبان، ہر علاقے، ہر ملک بلکہ قیامت تک ہر زمانے کے لیے عام فرما دی۔ یہ چیز بھی رسول اللہ ﷺ کا ایک خصوصی شرف ہے جو کسی اور نبی کو

حاصل نہیں ہوا۔ آپ کریمانہ اخلاق کے حامل، امت کے لیے کامل شفقت ورحمت کے جذبات رکھنے والے، معزز خاندان کے فرزند اور افضل ترین شہر کے رہنے والے تھے۔

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمین پر کعبہ شریف کو تعمیر کیا تھا، اس لیے وہ آسمانوں پر بلند ترین مقام کے مستحق ٹھہرے اور بیت المعمور ان کا مقام قرار پایا جو ساتویں آسمان والوں کا مبارک کعبہ ہے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، پھر قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔

ایک طویل عرصہ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت قائم رہی۔ اس کے بعد قریش نے کعبہ کو تعمیر کیا۔ انہوں نے ابراہیمی تعمیر میں سے شام کی طرف یعنی شمالی جانب سے کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ موجودہ تعمیر اسی کے مطابق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تجھے معلوم ہے کہ تیری قوم نے جب کعبہ تعمیر کیا تو ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے کم کر دیا؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اسے دوبارہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر نہیں کریں گے؟'' آپ نے فرمایا: ''اگر تیری قوم کفر سے ابھی ابھی نکل کر نہ آئی ہوتی تو میں ایسے ہی کرتا۔''[1]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے دور حکومت میں کعبہ شریف کو اسی طرح تعمیر کروایا تھا جس طرح انہیں ان کی خالہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ جب 73 ہجری میں حجاج بن یوسف نے انہیں شہید کر دیا، تو خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان سے مشورہ کیا کہ کعبہ کا کیا کیا جائے' ان کا خیال تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ کام اپنی رائے سے کیا ہے، چنانچہ خلیفہ نے حکم دیا کہ کعبہ کو دوبارہ پرانے انداز پر بنا دیا جائے' انہوں نے شام کی طرف کی دیوار توڑ کر ''حطیم'' کو الگ کر دیا۔ پھر دیوار (وہ جگہ چھوڑ کر) تعمیر کر کے (زائد) پتھر کعبہ کے اندر پھینک دیے۔ اس وجہ سے اس کا مشرقی دروازہ (زمین سے) بلند ہو گیا اور انہوں نے مغربی دروازہ بالکل بند کر دیا۔ اس طرح کعبہ کی وہ شکل بن گئی جو آج کل دیکھنے میں آتی ہے۔

بعد میں انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے واقعی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حدیث سنانے کی وجہ سے کعبہ کو اس انداز سے تعمیر کیا تھا۔ تب انہیں بہت افسوس ہوا۔

جب خلیفہ منصور کے بیٹے خلیفہ مہدی کا دور حکومت تھا، تو اس نے امام مالک رحمہ اللہ سے مشورہ کیا کہ کعبہ کی عمارت اس طرح بنا دی جائے جس طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بنائی تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مجھے خطرہ ہے کہ بادشاہ اسے کھیل بنا لیں گے، یعنی جب کوئی نیا بادشاہ آئے گا، وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق تعمیر کرنے کی کوشش کرے گا، چنانچہ عمارت اسی طرح رہ گئی جس طرح آج کل موجود ہے۔''

[1] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، حدیث:3368 و صحیح مسلم، الحج، باب نقض الکعبة و بنائھا، حدیث:1333

قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ومرتبہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

''اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ اُن میں پورے اُترے۔ اللہ نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔'' (البقرۃ: 124/2)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے بڑے بڑے کام انجام دیے تو اللہ نے آپ کو بنی نوع انسان کا پیشوا بنا دیا تاکہ وہ آپ کے نقش قدم پر چلیں اور آپ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کریں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ قیادت کا یہ منصب ان کی آل میں باقی رہے۔ آپ کی درخواست قبول ہوگئی اور امامت آپ کو دینے کے ساتھ یہ واضح کر دیا گیا کہ آپ کی نسل کے ظالم لوگ اس وعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ بلکہ یہ منصب صرف ان افراد کو حاصل ہوگا جو عالم باعمل ہوں گے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔'' (العنکبوت: 27/29)

مزید فرمایا:

﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾

''اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور اُن کی اولاد میں سے داود اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی، اور ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا

کرتے ہیں۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی' یہ سب نیکوکار تھے۔ اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور اُن سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور اُن کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو بھی۔ اور اُن کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا راستہ بھی دکھایا تھا۔'' (الأنعام: 6/84-87)

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ﴾ ''آپ کی اولاد'' سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی آل ہے۔ لوط علیہ السلام اگرچہ آپ کے بھتیجے ہیں، لیکن انہیں تغلیباً آپ کی اولاد میں شامل کرلیا گیا ہے۔ آیت مبارکہ میں لوط علیہ السلام کا ذکر ہونے کی وجہ سے بعض علمائے کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ﴾ ''آپ کی اولاد'' سے مراد نوح علیہ السلام کی اولاد ہے۔ تاہم اکثر علماء نے پہلا قول اختیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾

''اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور اُن کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلے) کو (وقتاً فوقتاً جاری) رکھا۔'' (الحديد: 57/26)

جس نبی پر بھی کوئی کتاب نازل ہوئی، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہی میں سے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور آپ کی عظمت کا اظہار ہے جس کا مقابلہ کوئی اور شخصیت نہیں کرسکتی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو عظیم بیٹے عطا فرمائے: حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے اسماعیل علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام سے اسحاق علیہ السلام۔ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے، جنہیں اسرائیل علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی اولاد کے قبائل کو اسی لیے بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ ان میں سے جو انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، ان کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے۔ ان کی صحیح تعداد صرف اسی کو معلوم ہے جس نے انہیں نبوت و رسالت کا منصب دے کے مبعوث فرمایا۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے عرب کے تمام قبائل وجود میں آئے۔ آپ کی اولاد میں سے صرف خاتم النبیین، سید الانبیاء والمرسلین، دنیا و آخرت میں انسانیت کے لیے باعث فخر حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم قریشی مکی مدنی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، درود اور صلاۃ و سلام ہوں آپ کی ذات اقدس پر۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میں ایسے مقام پر فائز ہوں گا کہ تمام لوگ حتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہوں گے۔'' [1]

اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم مدح ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا و آخرت میں سب سے عظیم شخصیت آپ کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو (تکلیف

[1] صحيح مسلم: صلاة المسافرين' باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف...... حديث:820 و البداية والنهاية:1/167، 285

دینے والی اشیا سے) پناہ کی مندرجہ ذیل دعا سکھاتے تھے اور فرماتے تھے: ''تمہارے جد امجد (حضرت ابراہیم علیہ السلام) بھی اس دعا کے ذریعے سے اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کو (اللہ کی) پناہ میں دیتے تھے: [اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ] ''میں پناہ حاصل کرتا ہوں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر شیطان اور زہریلے جانور سے اور ہر بری (نقصان دینے والی) نظر سے۔''[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشاہدہ قدرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾

''اور جب ابراہیم نے (اللہ تعالیٰ سے) عرض کی کہ اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کر لے۔ اللہ نے فرمایا کہ چار پرندے لے کر ان کو اپنی طرف مائل کر لو (اور ٹکڑے ٹکڑے کرا دو) پھر اُن کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر اُن کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے۔ اور جان رکھو کہ اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے۔'' (البقرۃ: 260/2)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست قبول فرمائی اور حکم دیا کہ چار پرندے لے لیں۔ اس بارے میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں کہ وہ کون کون سے پرندے تھے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان کے گوشت اور پروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے سب کو خوب ملا لیں۔ پھر اس ملے جلے گوشت کے حصے کر کے ہر پہاڑ پر ایک حصہ رکھ دیں۔ پھر انہیں حکم دیا کہ انہیں کہیں کہ اللہ کے حکم سے آ جاؤ۔

جب آپ نے انہیں پکارا تو ہر پرندے کے اعضا ایک دوسرے سے جا ملے اور ہر پرندے کے پر آپس میں مل کر اس سے جڑ گئے۔ اس طرح ہر پرندے کا بدن تمام اجزا کے ساتھ ویسے ہی بن گیا، جیسے وہ ذبح ہونے سے پہلے تھا۔ آپ نے اللہ کی قدرت کا یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا۔ بُلانے پر وہ پرندے بھاگ کر آپ کے پاس آ گئے تاکہ اُڑ کر آنے کی نسبت زیادہ بہتر انداز سے مشاہدہ فرما سکیں۔

کہتے ہیں کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھیں۔ چنانچہ ہر پرندہ اپنے سر کی طرف آتا تھا اور وہ اس (جسم) سے اسی طرح جُڑ جاتا تھا، جیسے پہلے تھا۔ واقعی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے، انہیں اس میں کوئی شک نہیں

[1] صحيح البخاري: أحاديث الأنبياء، حديث: 3371

تھا، لیکن انہوں نے چاہا کہ اس چیز کو آنکھوں سے دیکھ لیں تاکہ انہیں علم الیقین سے بلند تر درجہ یعنی عین الیقین حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست قبول فرما کر انہیں ان کا مطلوبہ مشاہدہ کروا دیا۔

☼ **ملت ابراہیمی کے اصل پیروکار:** قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی زبردست تردید فرمائی ہے جن کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہی کے مذہب پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے کو باطل قرار دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور اس کے اصل پیروکاروں کی وضاحت فرما دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل اُن کے بعد اُتری ہیں (اور وہ پہلے گزر چکے ہیں) تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں' اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی، بلکہ سب سے بےتعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ تھے جنھوں نے اُن کی پیروی کی' اور یہ پیغمبر (آخر الزماں) اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔'' (آل عمران: 3/65-68)

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اس دعوے کی تردید کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے مذہب اور طریقے پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی جہالت اور کم عقلی واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ ''حالانکہ تورات اور انجیل اُن کے بعد اُتری ہیں۔''

یعنی وہ تمہارے ہم مذہب کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ تمہاری شریعتیں ان سے طویل مدت کے بعد نازل ہوئی ہیں؟ اسی لیے فرمایا: ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ ''تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''

آگے چل کر فرمایا: ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بےتعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ وہ [حَنِيْف] تھے، یعنی اپنے قصد و ارادہ کے ساتھ اخلاص پر کاربند تھے اور انہوں نے سمجھ

بوجھ کر باطل کو چھوڑ کر حق کی راہ اختیار کی تھی جو یہودیت، عیسائیت اور مشرکانہ مذاہب' سب کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ٘ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

''اور ابراہیم کے دین سے کون رُوگردانی کر سکتا ہے؟ بجز اس کے جو نہایت نادان ہو۔ ہم نے اُن کو دُنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ (زمرۂ) صلحاء میں ہوں گے۔ جب اُن سے اُن کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سرِ اطاعت خم کرتا ہوں۔ اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو بھی اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے' سو مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اُس وقت موجود تھے۔ جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اُسی کے حکم بردار ہیں۔ یہ جماعت گزر چکی' اُن کو اُن کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور جو عمل

وہ کرتے تھے ان کی پُرسش تم سے نہیں ہوگی۔ اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے راستے پر لگ جاؤ گے۔ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم (اختیار کیے ہوئے ہیں) جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اُتری اُس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے اُن پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں اُن پر اور جو دوسرے پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے ملیں اُن پر (غرضیکہ ان سب پر ایمان لائے) ہم اُن پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اُسی اللہ وحدہ کے فرمانبردار ہیں۔ سو اگر یہ لوگ بھی اُسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (تمہارے) مخالف ہیں اور اُن کے مقابلے میں تمہیں اللہ کافی ہے اور وہ خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔ (کہہ دو کہ ہم نے) اللہ کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے اور ہم اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (اُن سے) کہو کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے اور ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور ہم خاص اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (اے یہود و نصاریٰ!) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اُن کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ (اے محمد! اُن سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت کو جو اُس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے؟ اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اللہ اُس سے غافل نہیں ہے۔ یہ جماعت گزر چکی اُن کو وہ (ملے گا) جو انہوں نے کیا اور تم کو وہ جو تم نے کیا' اور جو عمل وہ کرتے تھے اُن کی پُرسش تم سے نہیں ہوگی۔'' (البقرۃ: 141-130/2)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے خلیل علیہ السلام کو یہودیت و نصرانیت سے بری قرار دیا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ وہ ایک اللہ کے ہو جانے والے مسلم تھے اور ان کا مشرکین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسی لیے فرمایا:

﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ﴾

''ابراہیم سے قریب تر تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اُن کی پیروی کی۔'' (آل عمران: 68/3)

ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے آپ کے زمانۂ مبارک میں آپ کی پیروی کی اور وہ بھی مراد ہیں جو بعد کے زمانوں میں آپ کے دین پر قائم رہے۔

[وَهٰذَا النَّبِيُّ] یعنی محمد ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہی دین اور وہی شریعت عطا فرمائی ہے جو خلیل علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اور نبی ﷺ کے لیے اسے کامل فرما دیا اور رسول اللہ ﷺ کو وہ کچھ عطا فرما دیا، جو پہلے کسی نبی یا رسول کو عطا نہیں فرمایا تھا۔ جیسے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝﴾

”کہہ دو کہ مجھے میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے کہ وہ ایک دین متحکم ہے جو یکسو (پیغمبر) ابراہیم کا طریقہ ہے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اوّل فرمانبردار ہوں۔“ (الأنعام:6/161-163)

اور مزید فرمایا:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝﴾

”بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے۔ جو یک طرفہ مخلص تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اُس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ نے اُن کو برگزیدہ کر لیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو یک طرفہ مخلص تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔“ (النحل:16/120-123)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کعبہ شریف میں تصویریں دیکھیں تو اندر داخل نہ ہوئے جب تک آپ کے حکم سے انہیں مٹا نہ دیا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ (تصویروں میں) ابراہیم اور اسماعیل ﷧ کے ہاتھوں میں فال کے تیر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ ان (تصویریں بنانے والوں) کو تباہ کرے! قسم ہے اللہ کی! ان حضرات نے کبھی تیروں سے (جوا کھیلنے کے لیے) قرعہ اندازی نہیں کی تھی۔“ [1]

صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے: ”اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کرے! انہیں معلوم تھا کہ ہمارے بزرگ (ابراہیم یا اسماعیل ﷧) نے کبھی تیروں سے (جوا کھیلنے کے لیے یا قسمت معلوم کرنے کے لیے) قرعہ اندازی نہیں کی تھی۔“ [2]

آیت مبارکہ میں ﴿اُمَّةً﴾ سے مراد ہدایت یافتہ پیشوا اور امام ہے جو نیکی کی طرف دعوت دیتا ہو، نیکی میں اس کی پیروی کی

---

1. صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالى ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلا﴾ حديث:3352
2. صحيح البخاري، الحج، باب من كبّر في نواحي الكعبة، حديث:1601

جاتی ہو۔ ﴿قَانِتًا لِّلّٰهِ﴾ یعنی تمام حالات اور تمام حرکات وسکنات میں اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنے والے تھے۔ ﴿حَنِيفًا﴾ یعنی بصیرت کی بنیاد پر اللہ کے لیے اخلاص رکھنے والے تھے۔ ﴿وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ آپ شرک کرنے والے نہ تھے بلکہ ﴿شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ﴾ اللہ کی نعمتوں پر تمام اعضا کے ساتھ، دل سے، زبان سے اور اعمال سے، اللہ کا شکر بجالانے والے تھے۔ ﴿اجْتَبَاهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمالیا اور اپنی رسالت کے منصب کے لیے چُن لیا اور انہیں اپنا خلیل بنا کر دنیا اور آخرت کی خیر عطا فرمادی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيمَ خَلِيلًا﴾

''اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے حکم کو قبول کیا اور وہ نیکو کار بھی ہے۔ اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔'' (النساء: 125/4)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کی ترغیب دی ہے، کیونکہ آپ صحیح دین پر قائم تھے اور سیدھی راہ پر گامزن تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اسی صفت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِبْرٰهِيمَ الَّذِي وَفّٰى﴾

''اور ابراہیم کی (خبر نہیں پہنچی) جنہوں نے (حق اطاعت ورسالت) پورا کیا؟'' (النجم: 38)

اسی لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنالیا۔ [خُلَّةٌ] محبت کا اعلیٰ ترین مقام اور کامل ترین درجہ ہے۔ خاتم الانبیاء، سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مقام پر فائز تھے۔ جیسے صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے: ''لوگو! اللہ نے مجھے خلیل بنایا ہے۔''[1]

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری خطبے میں بھی ارشاد فرمایا: ''لوگو! اگر میں زمین کے کسی فرد کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن تمہارا ساتھی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا خلیل ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی ہے۔ ایک قول کے مطابق آپ کا اسم گرامی قرآن مجید کی 25 سورتوں میں 69 دفعہ آیا ہے جن میں سے 15 مقامات صرف سورۂ بقرہ میں ہیں۔

☼ **اولو العزم رسول:** حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شمار ان پانچ اولو العزم پیغمبروں میں ہوتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء میں سے خاص طور پر نام لے کر ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] مسند أحمد: 377/1، 389

[2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لو كنت متخذا خليلا، حديث: 3656 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، حديث: 2383 و مسند أحمد: 409/1

﴿ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴾

''اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور عہد بھی اُن سے پکا لیا۔'' (الأحزاب: 7/33)

اور مزید فرمایا:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾

''اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد!) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔'' (الشوریٰ: 13/42)

اولو العزم پیغمبروں میں حضرت محمد ﷺ کے بعد آپ ہی سب سے افضل ہیں۔ آپ ہی کو رسول اللہ ﷺ نے ساتویں آسمان پر اسی بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے دیکھا تھا، جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر دوبارہ ان کی باری کبھی نہیں آتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ سب سے معزز انسان کون ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم آپ سے یہ بات نہیں پوچھ رہے۔ فرمایا: ''سب سے معزز انسان حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، اللہ کے نبی تھے، اللہ کے نبی کے بیٹے تھے، اللہ کے نبی کے پوتے تھے، اللہ کے خلیل کے پڑپوتے تھے۔'' انہوں نے عرض کیا: ہم آپ سے یہ بات نہیں پوچھ رہے۔ فرمایا: ''تم مجھ سے عرب کے قبائل کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' انہوں نے کہا: جی ہاں! نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ جاہلیت میں بہتر تھے، وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، جب دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔''[2]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''لوگ (قبروں سے) بے لباس اور غیر مختون اُٹھیں گے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔'' پھر نبی علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

---

[1] مسند أحمد: 96/2 و صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿لقد كان في يوسف......﴾، حديث:3390

[2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿لقد كان في يوسف......﴾، حديث:3383

﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ﴾

''جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔''[1]

اسی جزوی افضلیت کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلقاً افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود کی جو افضلیت حاصل ہے، وہ زیادہ عظیم ہے۔ اس پر پہلے پچھلے تمام انسان نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رشک کریں گے۔

جہاں تک حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کا تعلق ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: [يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ] ''اے تمام مخلوقات میں سے افضل ترین!'' تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''وہ تو ابراہیم علیہ السلام تھے۔''[2]

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں کسر نفسی کا اظہار ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کا یہ فرمان ہے: ''انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ اور فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا انہیں طور کی بے ہوشی کا بدلہ دیا گیا؟''[3]

یہ احادیث نبی علیہ السلام سے مروی ان تمام متواتر احادیث کے خلاف نہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن تمام بنی آدم کے سردار ہوں گے۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اس کے خلاف نہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے تیسری دعا کو اس دن کے لیے ملتوی کر دیا ہے جس دن تمام لوگ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میرے قرب کے خواہش مند ہوں گے۔''[4]

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل رسول ہیں، اس لیے نمازی کو حکم دیا گیا ہے کہ تشہد میں آپ علیہ السلام پر درود پڑھے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو سلام کہنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے۔ آپ پر صلوٰۃ (درود۔ دعائے رحمت بھیجنے) کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یوں کہو:

[اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.]

---

1. مسند أحمد: 223/1
2. مسند أحمد: 184/3
3. صحيح البخاري، الخصومات، باب مايذكر في الأشخاص ......، حديث: 2412 وأطرافه
4. صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف ...... حديث: 820

''اے اللہ! محمد اور آل محمد پر رحمتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں نازل فرمائیں۔ تو یقیناً قابل تعریف اور بزرگی والا ہے' اے اللہ! محمد اور آل محمد پر برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائیں۔ تو یقیناً قابل تعریف بزرگی والا ہے۔'' [1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوری زندگی احکام الٰہی کی کما حقہ ادائیگی کر کے حق اطاعت ورسالت نہایت خوبی سے ادا کر دیا' آپ کی اسی خوبی کو اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم کے لیے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴾

''اور ابراہیم کی (خبر نہیں پہنچی) جنہوں نے (حق اطاعت ورسالت) پورا کیا؟''

اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں جتنے احکام دیے گئے، انہوں نے سب کی تعمیل کی اور ایمان کی تمام شاخوں اور تمام کاموں پر عمل پیرا ہوئے۔ آپ بڑے کام کا خیال رکھتے ہوئے چھوٹے کام سے غافل نہیں ہوتے تھے اور بڑے بڑے نیک کاموں کی ذمہ داری پوری کرتے وقت چھوٹے کاموں (اور بظاہر چھوٹی معلوم ہونے والی نیکیوں) کو فراموش نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ﴾

''اور جب ابراہیم کے پروردگار نے چند باتوں میں اس (ابراہیم) کی آزمائش کی' تو اس نے ان باتوں کو پورا کر دکھایا۔''

(البقرۃ: 124/2) کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے صفائی اور طہارت سے متعلق (دس) احکام دے کر آپ کی آزمائش کی تھی۔ پانچ احکام کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا تعلق باقی جسم سے۔ سر سے متعلق (احکام یہ ہیں:) مونچھیں کاٹنا، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور سر میں مانگ نکالنا۔ باقی جسم سے متعلق (احکام یہ ہیں:) ناخن کاٹنا، زیر ناف بال مونڈنا، ختنہ کرنا، بغلوں کے بال اُکھاڑنا اور پیشاب پاخانہ کے اثرات کو پانی سے دھو کر دور کرنا (یعنی استنجا کرنا۔'') [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فطرت میں شامل اعمال پانچ ہیں: ختنہ کرنا، لوہا استعمال کرنا، (زیر ناف بال مونڈنا)، مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال اُکھاڑنا۔'' [3]

---

[1] صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' حديث: 3370

[2] تفسير ابن أبي حاتم: 219/1 تفسير سورة البقرة' آيت: 123

[3] صحيح البخاري' الاستئذان' باب الختان بعد الكبر و نتف الإبط' حديث: 6297 و صحيح مسلم' الطهارة' باب خصال الفطرة' حديث: 257

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دس کام فطرت میں شامل ہیں: مونچھیں کاٹنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، (انگلیوں کے) جوڑوں کو دھونا، بغلوں کے بال اُکھاڑنا، زیرناف بال مونڈنا اور پانی استعمال کرنا یعنی استنجا کرنا اور کلی کرنا۔''[1]

خلاصہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بڑی عبادتیں پورے خلوص کے ساتھ ادا کرنے کے باوجود اپنے بدن کی دیکھ بھال سے غافل نہیں ہوتے تھے، بلکہ جسم کے ہر عضو کو اصلاح اور تزئین کا جائز حق دیتے تھے اور جسم کو بدنما کرنے والی اشیا کو دور کرنے میں غفلت نہیں کرتے تھے' مثلاً: غیر ضروری بال، ناخن، دانتوں کی بدنمائی اور میل کچیل وغیرہ۔ یہ سب کچھ ان خوبیوں میں شامل ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴾

''اور ابراہیم کی (خبر نہیں پہنچی) جنہوں نے (حق اطاعت ورسالت) پورا کیا؟'' (النجم: 37)

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی عمر اور وفات

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ''تاریخ'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت نمرود بن کنعان کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ہزار سال حکومت کی اور وہ انتہائی ظالم اور سنگ دل آدمی تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ بنوراسب سے تھا جن کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا، وہ اپنے زمانے میں پوری دنیا کا بادشاہ تھا۔ کہتے ہیں کہ آسمان میں ایک انتہائی روشن ستارہ نمودار ہوا، جس سے سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ گئی۔ اس سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے۔ نمرود بھی پریشان ہو گیا۔ اس نے اپنے کاہنوں اور نجومیوں کو طلب کیا اور اس کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا: ''آپ کی رعایا میں ایک لڑکا پیدا ہو گا، جس کے ہاتھوں آپ کی حکومت ختم ہو جائے گی۔'' اس نے حکم جاری کر دیا کہ تمام مرد عورتوں سے الگ رہیں اور اس دن کے بعد جو بھی بچہ پیدا ہو، اسے قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت انہی دنوں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظالموں سے محفوظ رکھا۔ آپ بڑے ہوئے اور جوان ہو گئے۔ پھر وہ واقعات پیش آئے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

آپ کی ولادت سوس کے مقام پر ہوئی۔ بعض نے بابل اور بعض نے کُوثی (سواد) کا مقام بیان کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا قول ہے کہ آپ دمشق کے مشرق میں برزہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 261 و جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في تقليم الأظفار، حديث: 2757

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں نمرود کو تباہ کر دیا تو آپ ہجرت کر کے حران اور پھر شام تشریف لے گئے۔ آپ [ایلیا] کے علاقے میں بھی رہے اور آپ کے ہاں اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام آپ کی زندگی میں کنعان کے علاقے میں [حبرون] کے مقام پر اہل کتاب کے قول کے مطابق ایک سو ستائیس (127) سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور اظہار غم کیا۔ پھر بنی حیث کے ایک شخص ''عفرون بن صحر'' [1] سے چار سو مثقال کے عوض ایک غار خریدا اور سارہ علیہا السلام کو وہاں دفن کیا۔

کہا جاتا ہے کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسحاق کی شادی ''رفقا بنت بتوئیل بن ناحور بن تارح'' سے کی۔ اہل کتاب کہتے ہیں: پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''قنطورا'' سے شادی کی، جن سے اولاد بھی ہوئی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار ہو گئے اور ایک سو پچھتر (175) سال کی عمر میں فوت ہوئے اور [عفرون حیثی] کے کھیت میں اپنی زوجہ محترمہ کے قریب مذکورہ بالا غار میں دفن ہوئے جو [حبرون] میں واقع ہے۔ آپ کے دفن کا اہتمام حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام نے کیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے اپنا ختنہ اسّی سال کی عمر میں کیا تھا۔ لیکن اس روایت میں 80 سال کے بعد کی عمر کی صراحت میں کیا تھا نہیں ہے کہ آپ اس کے بعد کتنا عرصہ حیات رہے۔ واللہ اعلم۔

آپ علیہ السلام کی قبر مبارک اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی قبریں اس چار دیواری میں واقع ہیں، جسے حضرت سلیمان بن داود علیہما السلام نے تعمیر کیا تھا۔ یہ ''حبرون'' کے شہر میں ہے جو آج کل ''الخلیل'' کے نام سے معروف ہے۔ اس چار دیواری میں قبروں کی جگہ کا بالکل صحیح تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اس پورے قطعۂ زمین کا احترام کرنا چاہیے اور اس میں چلنے پھرنے سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ لاعلمی میں ان میں سے کسی مقدس ہستی کی قبر پر پاؤں نہ آ جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد: آپ کے ہاں سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، جو مصر کے قبطی خاندان سے تعلق رکھنے والی خاتون حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے تھے۔ ان کے بعد آپ کی چچازاد حضرت سارہ علیہا السلام سے آپ کے بیٹے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قنطورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کی، جن سے آپ کے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں: مدین، زمران، سرج، یقشان، نشق اور چھٹے کا نام معلوم نہیں۔ ان کے بعد آپ نے حجون بنت امین سے شادی کی جن سے آپ علیہ السلام کے پانچ بیٹے: کیسان، سورج، اُمیم، لوطان اور نافس پیدا ہوئے۔ ابوالقاسم سُہیلی نے اپنی کتاب ''التعریف والاعلام'' میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

---

[1] یاقوت نے معجم البلدان جلد 2'' میں ''عفرون بن صحر'' کی جگہ ''عفرون بن صوحار'' لکھا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام

ابوالانبیاء — خلیل الرحمن

قریباً 1800 ق م

نتائج و فوائد ...... عبرتیں و حکمتیں

رحمدل، نرم خو، مشفق جد الانبیاء: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے ہمیں ان کے رحمدل اور نرم دل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ نرم دلی اور رحمت و شفقت ایک داعی کی بنیادی اور اہم ترین صفات ہیں۔ اگر داعی سخت مزاج اور درشت زبان ہو تو میدانِ دعوت میں کامیابی ناممکن ہے کیونکہ انسانی طبیعت نرمی، محبت و شفقت، رحمت و مودت اور نرم خوئی سے متاثر ہوتی ہے جبکہ سختی، ترش روئی، اور درشت زبانی سے متنفر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی آخر الزمان کو انہی اعلیٰ صفات کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ۚ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۞ ﴾

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں، اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں۔'' (آل عمران: 159/3)

حضرت ابراہیم علیہ السلام، نہایت نرم مزاج داعی، رحمدل بیٹے، مشفق باپ اور کمال محبت و رحمت والے جد انبیاء تھے۔ ان کی شفقت، رحمت، نرم دلی اور دوسروں کے لیے رحمدلی کا اندازہ مندرجہ ذیل امور سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

- رحمدل حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو شرک کی غلاظت میں لتھڑا ہوا دیکھتے ہیں تو باپ کو اس کے خطرناک انجام سے آگاہ کر کے اس قبیح جرم سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ دلائل و براہین سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر باپ کے دل پر کفر و شرک کے تالے پڑے تھے' اس لیے اس نے جواب میں رحمدل بیٹے کو سخت سست کہا اور سخت سزا دینے کا اعلان کیا۔ اس وقت رحمدل و مشفق ابراہیم نے کہا:

﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۖ إِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۞ ﴾

''اچھا تم پر سلام ہو، میں تو اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا۔'' (مریم: 47/19)

اس طرح آپ نے ترشی کا جواب نرمی سے دیا۔

- آپ کی اسی رحمت و مودت نے آپ کو درج ذیل دعا کرنے پر ابھارا۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۞ ﴾

''اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے۔'' (إبراھیم: 35/14)

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب امامت پر فائز کیا تو مشفق ورحمدل ابراہیم بے ساختہ اپنی اولاد کے لیے اسی منصب کی دعا کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ ﴾

''اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا، عرض کرنے لگے: اور میری اولاد کو۔'' (البقرہ: 124/2) لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمدل خلیل کی اس عرض کو قبول فرما کر ان کی اولاد کو بھی اس نعمت سے سرفراز فرما دیا جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ ﴾

''اور ہم نے نبوت اور کتاب کو اس کی اولاد میں رکھ دیا۔'' (العنکبوت: 27/29)

مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت: مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنا منع ہے اگرچہ مشرک نہایت قریبی رشتہ دار، باپ، بیٹا، والدہ یا بہن بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جواب میں باپ نے قتل کی دھمکی دے کر گھر سے نکل جانے کا حکم سنایا تو آپ والد کے لیے مغفرت کی دعا کا وعدہ کر کے گھر سے رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پختہ یقین ہو گیا کہ ان کا باپ ایمان نہیں لائے گا اور وہ مشرکین کے ساتھ ہی برے انجام سے دوچار ہو گا تو پھر ان سے براءت اور لاتعلقی کا اظہار فرما دیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ۝ ﴾

''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے۔ واقعی ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔'' (التوبة: 114/9)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو شریعت محمدی میں قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چچا کے لیے دعائے مغفرت سے منع فرما کر تمام مشرکین کے لیے دعائے مغفرت سے روک دیا۔ البتہ ان کی زندگی میں ہدایت کی دعا کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اور تمام مومنوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝ ﴾

"پیغمبر کو اور دوسرے مومنوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی ہوں' اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔" (التوبۃ:113/9)

☼ **عقیدہ توحید کی راہ میں شجاعت و جواں مردی کا مظاہرہ:** حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے داعیان توحید کو، اس راہ میں آنے والی مشکلات و مصائب کے سامنے سینہ سپر ہونے کا درس ملتا ہے۔ داعیان توحید کو جھٹلانا اور انہیں اذیتیں دینا، مشرکین کا ہمیشہ سے وتیرہ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت توحید دینا شروع کی تو سب سے پہلی مخالفت ان کے اپنے گھر ہی سے شروع ہوئی۔ آپ کا باپ جن معبودوں کے بت تراش کر تجارت کرتا تھا ان کے خلاف ایک لفظ سننے کا بھی روادار نہ تھا جبکہ آپ کی قوم جن معتقدات کو آباء و اجداد سے سنبھالے ہوئی تھی ان کو چھوڑنا یا ان کے باطل ہونے کے دلائل سننا ان کے بس سے باہر تھا۔ اس لیے والد نے قتل کی دھمکی دیتے ہوئے کہا:

﴿ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴾

"اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے۔ سن! اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا، جا ایک مدت دراز تک مجھ سے الگ رہ۔" (مریم: 46/19)

آپ ان دھمکیوں اور ترش روئی کا جواب نہایت شفقت سے دیتے رہے اور معبودان باطلہ کی عدم اہلیت و عدم صلاحیت کو خوب واضح کرتے رہے۔ قوم نے آپ کو آگ میں جلانے کا فیصلہ کیا تو بھی آپ نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے تا قیامت آنے والے داعیان توحید کو شاندار اسوہ فراہم کیا۔

☼ **حضرت ابراہیم علیہ السلام' ایثار و قربانی کا انمول نمونہ:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزندان توحید کے لیے ایثار و قربانی کا بہترین نمونہ چھوڑا ہے۔ دین حق کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کی اور ہر طرح کی قربانی پیش کی۔ اللہ کی توحید کی راہ میں آگ میں داخل ہونا خندہ پیشانی سے قبول کیا، والدین سے علیحدگی صبر سے برداشت کی، وطن سے ہجرت کو نہایت حوصلے کے ساتھ قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں اولاد کی نعمت سے نوازا تو بڑے شکر گزار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے امتحان لیتے ہوئے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا تو بلا جھجک فوراً تیار ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس رضا و رغبت اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے ہر دم تیار رہنے میں بنی نوع انسانی کے لیے بہترین اسوہ موجود ہے۔

☼ **پر تاثیر دلائل و براہین سے حق واضح کرنا:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹے مدعیان ربوبیت اور قوم کے ساتھ مناظروں میں منطقیانہ گفتگو اور فلسفیانہ دلائل سے گریز کرتے ہوئے، پرزور حسی اور مشاہداتی دلائل و براہین سے حق کو واضح کیا۔ یہ دلائل ایسے نمایاں اور پر تاثیر تھے کہ ہر کسی پر اثر کر گئے۔ نمرود کے دربار میں ایسے دلائل دیے کہ کافر لا جواب ہو کر نادم اور ذلیل و خوار ہو کے رہ گیا۔

آپ کے اس اسوہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ داعیان توحید کو کائنات کے حوالے سے ایسے حسی اور مشاہداتی دلائل پیش کرنے چاہییں جو ہر شخص بآسانی سمجھ سکے کیونکہ ایسے دلائل جلدی تاثیر دکھاتے ہیں۔

مشرک اقرباء کے ساتھ حسن سلوک: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کو توحید پرست بنانے کے لیے بھرپور سعی کی مگر باپ اپنے مشرکانہ عقائد واعمال پر مصر رہا۔ آپ نے باپ سے بیزاری کا اظہار کیا مگر ہمیشہ باپ کے ساتھ، نرمی، شفقت اور رحمدلی سے پیش آتے رہے۔ آپ کی اسی رحمدلی اور حسن سلوک کو اسلام نے برقرار رکھا ہے۔ لہٰذا شریعت محمدی میں مومنوں کو یہ حکم دیا گیا ہے:

﴿ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ﴾

''اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح گزر بسر کرنا۔'' (لقمان:15/31)

لہٰذا مشرک اقرباء کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ضروری ہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی ہدایت کی دعا کی جائے۔

آثار کائنات سے رب کائنات تک: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرک قوم کو آثار کائنات میں غور وفکر اور تدبر کرنے کی دعوت دی۔ مظاہر پرست سورج، چاند اور دیگر ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان سے رزق و اولاد طلب کرتے ہیں۔ حاجت روائی اور مشکل کشائی کی امیدیں باندھتے ہیں۔ آپ نے ان کے باطل عقائد اور معبودان باطلہ کے رد کے لیے آثار کائنات سے قوم کی رہنمائی فرمائی۔ آپ نے ان معبودان باطلہ کی غیر حقیقی اور بے وقعت حالت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ جو چاند اور سورج کبھی طلوع ہوں اور کبھی چھپ جائیں، وہ خالق اور مدبر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کا عروج وزوال کسی مقتدر حاکم کی خبر دیتا ہے جو ان سب کا مالک و مدبر ہے اور یہ سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ لہٰذا یہ کسی کے نفع ونقصان کے مالک ومختار کیسے ہو سکتے ہیں؟ آپ کے اس طرز عمل میں بھی داعیان توحید کے لیے شاندار اسوہ موجود ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی کائنات میں غور وفکر کرے گا وہ کائنات کے رب کو پالے گا۔

صحت افزا مشروبِ مشرق' زمزم: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعدد امتحانات لیے' اور وہ ان امتحانات میں بخوبی کامیاب وکامران ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں متعدد لازوال نعمتوں سے نوازا۔ ان ہی لازوال اور انمول نعمتوں میں سے ایک زمزم ہے۔ مکہ کے چٹیل اور خشک پہاڑوں میں زمزم کا چشمہ اپنے ظہور سے لے کر رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے باعث برکت ہے۔ وادیٔ غیر ذی زرع کے باسیوں کو جہاں دنیا جہان کے میوے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی بدولت نصیب ہیں' وہاں انہیں زمزم کا صحت بخش، خوش گوار اور جراثیم سے پاک مشروب بھی میسر ہے۔ یہ ایسا

بابرکت مشروب ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زمزم کو جس مقصد سے پیا جائے وہی پورا ہو جاتا ہے۔'' (مسند أحمد:3/357' حديث:14849)

تاریخ شاہد ہے کہ اگر کسی شخص نے اسے بطور غذا استعمال کیا ہے تو یہ مہینوں تک اسے کسی بھی دوسری غذا سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اگر اسے مہلک ترین بیماریوں کی دوا کے طور پر استعمال کیا گیا تو اس کے حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے۔ دنیا بھر کے علاج معالجے کے بعد بھی لا علاج امراض کا شافی علاج اس مبارک مشروب میں موجود ہے۔

چند سال قبل ایک بدبخت مصری پروفیسر نے اس مبارک مشروب کے خلاف اپنے خبث باطن کا اظہار کیا اور اسے مضر صحت قرار دیا۔ اس وقت کے سعودی فرماں روا شاہ فیصل رحمہ اللہ کی غیرت دینی جوش میں آئی تو انہوں نے فوراً زمزم کے نمونے یورپ کی جدید لیبارٹریوں میں ٹیسٹ کے لیے روانہ کیے۔ کفر و شرک کے تمام جادوگر اس کے معاینے کے بعد یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ زمزم ہر قسم کے جراثیم سے پاک اور ہر قسم کے قوت بخش اجزا سے مزین مشروب ہے۔ زمزم کے پاک، صحت بخش اور جراثیم سے مطہر ہونے کی بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ صدیوں سے جاری اس چشمے میں کبھی کوئی نباتات اگی ہے نہ کوئی پانی کی مخلوق پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرزندان توحید کے لیے تا قیامت محفوظ و مامون بنا دیا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اولیات ابراہیم علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام دین اسلام کے سالار اعظم ہیں۔ آپ نے بہت سے ایسے امور انجام دیے ہیں جو ان سے پہلے کسی نبی یا رسول نے نہیں کیے۔ انہیں اولیات ابراہیم علیہ السلام کا نام دیا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر کو شریعت محمدی ﷺ میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

1. سب سے پہلے آپ نے مہمان نوازی کی سنت جاری کی۔
2. سب سے پہلے آپ نے مونچھیں کٹوائیں، ناخن تراشے اور زیر ناف بال صاف کیے۔
3. سر کے بالوں میں مانگ نکالنے کی سنت آپ نے جاری کی اور سر کے بالوں میں بڑھاپے کے اثرات بھی آپ ہی نے دیکھے۔
4. سب سے پہلے منبر پر خطبہ بھی آپ نے دیا۔
5. عرب کا محبوب ولذیذ کھانا، ثرید، آپ نے تیار کیا۔
6. معانقے کی سنت بھی آپ نے جاری فرمائی۔

ہجرت' سنت انبیاء: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ ہجرت انبیائے کرام کی سنت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ مبارکہ تا قیامت آنے والے اہل ایمان کے لیے بہترین رہنما ہے۔ آپ نے حران کے علاقے میں دعوت توحید کا اعلان کیا تو اپنے پرائے سب دشمن ہو گئے۔ دعوت حق کو قبول کرنے والوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اہل توحید پر ظلم و ستم حد سے بڑھ گئے اور ان کے لیے عبادت الٰہی میں مشکلات حائل ہونے لگیں تو آپ نے

اس علاقے کے کافروں، منکروں، اور مشرکین سے اظہار براءت کر کے ہجرت کی راہ لی۔ آپ کے اس طرز عمل کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بہترین اسوہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ﴾

”(مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں۔ جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ' ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہوگئی۔“ (الممتحنة:4/60)

اس سے اہل توحید و ایمان کو یہ درس ملتا ہے کہ جب کافر ملک میں دین و ایمان پر عمل کرنا مشکل ہو جائے اور کافروں کا ظلم و ستم برداشت سے باہر ہونے لگے تو ایسے علاقے سے ہجرت کر جانی چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی کیونکہ مکہ دارالکفر ان کے ایمان کے لیے سخت امتحان بن گیا تھا اور اہل مکہ کی ایذائیں ناقابل برداشت ہوگئی تھیں۔

انبیائے کرام کی اس سنت پر عمل کرنے والے کو دنیا و آخرت میں بیش بہا انعامات ربانی سے نوازا جاتا ہے۔ سورۂ نساء میں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے:

﴿ وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً ۭ وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾

”جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں پائے گا' اور کشادگی بھی۔ اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا' پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“ (النسآء: 100/4)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی پیروکار: حضرت ابراہیم علیہ السلام بلند پایہ رسول، بیت اللہ کے بانی اور جد الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل سے بے شمار عظیم نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ آپ کے اسی بلند مقام و مرتبہ اور عز و شرف کی وجہ سے یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی پیروکار ہیں۔ یہودی یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان دعووں کی تردید سورۂ بقرہ آیت 133-134 اور سورۂ آل عمران آیت 65 میں کی

ہے۔ یہ دونوں گروہ اس طرح جھوٹے ثابت ہوئے ہیں کہ تورات وانجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سیکڑوں اور ہزاروں سال بعد نازل ہوئیں' پھر بھلا آپ یہودی یا عیسائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے دعووں کو باطل قرار دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی متبعین کی تعیین فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ (خالص) مسلمان تھے۔ اور وہ مشرک بھی نہ تھے۔ سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے، مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے۔'' (آل عمران: 68,67/3)

گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی پیروکار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے ایمان لانے والے اور تا قیامت آنے والے توحید پرست ہیں نہ کہ یہود و نصاریٰ یا بت پرست اور مجوسی۔

۞ **تاریخی حقائق کی نقاب کشائی:** اسلام کی سچائی اور حقانیت جہاں قرآن کے معجزاتی کلام سے ہوتی ہے وہاں جدید علوم وفنون بھی اسلام کی صداقت پر آئے دن نئی نئی گواہیاں ثبت کر رہے ہیں۔ بابل شہر کی کھدائی کے دوران میں ملنے والی لوحات، تختیاں اور آلات پر کندہ عبارات کی جدید تحقیق وتفتیش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل بابل علم نجوم سے واقف تھے اور مختلف ستاروں کے طلوع وغروب کے متعلق ان کے مختلف عقائد ونظریات تھے۔ ان کے بے شمار دیوتا تھے جن کو راضی کرنے کے لیے وہ طرح طرح کے نذرانے پیش کرتے تھے۔ ان میں قیمتی تحفے اور عمدہ تیار کیے ہوئے کھانے بھی ہوتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان کا ایک بڑا اور مرکزی دیوتا بھی تھا جس کا نام ''مردک'' تھا۔ یہ وہ حقائق ہیں جو آج منظر عام پر آ رہے ہیں حالانکہ قرآن مجید نے ان کو چودہ سو سال پہلے ہی بیان کر دیا تھا۔ علم نجوم اور فلکیات کے متعلق اس آیت میں اشارہ موجود ہے:

﴿ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ ﴾

''اب ابراہیم نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔'' (الصافات: 88,87/37)

آپ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب انہوں نے آپ کو میلے میں شرکت کی دعوت دی تو آپ نے تعریض کرتے ہوئے ان کے عقیدے کے مطابق آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں بیمار ہوں۔ قوم کے چلے جانے کے بعد آپ نے ان کے معبد خانے میں داخل ہو کر بتوں کو مخاطب کر کے فرمایا ﴿ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ ''تم کھاتے کیوں نہیں؟'' یعنی یہ نذرانے اور تبرکات آخر کس لیے تمہارے سامنے رکھے گئے ہیں اگر تم کو انہیں کھانا نہیں۔ پھر سب کو توڑ پھوڑ دیا سوائے بڑے بت کے کہ جسے جدید تحقیقات کے بعد ''مردک'' کا نام دیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام کی صداقت اور حقانیت ہر آنے والے دن کے

ساتھ مزید روشن ومنور ہوتی جا رہی ہے۔

☼ **اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے:** اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، اس کی عظمت ورفعت اور صنعت وکاری گری ہر ہر چیز سے ظاہر ہے۔ پروردگار عالم اپنی قدرت تامہ کا اظہار بے شمار کرشماتی اور معجزاتی طریقوں سے کرتا ہے۔ جس طرح اس نے تمام مخلوقات کو احسن انداز میں پیدا فرمایا ہے، پھر انہیں موت آ جاتی ہے، اسی طرح وہ اپنی قدرت سے قیامت کے دن جزا اور سزا کے لیے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ قدیم مشرکین اور جدید مادہ پرستوں کی ناقص عقل میں یہ بات نہیں سماتی۔ لہٰذا وہ اپنی عقل و دانش سے بڑی مضبوط دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب ہم مر جائیں گے، ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی، ہم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے، تو بھلا کیسے دوبارہ زندہ ہوں گے؟ ان کی اس دلیل کا جواب خود احکم الحاکمین نے ان الفاظ میں دیا ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

''(اللہ) وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اس کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے، آسمانوں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والا حکمت والا ہے۔'' (الروم: 27/30)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے ہی منکرین کو یوم آخرت کا عقیدہ سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی حسی مثال طلب کی جسے دیکھ کر ان کا اپنا ایمان و یقین مزید مستحکم ہو اور وہ دوسروں کے لیے باعث یقین و ایمان بنے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار پرندے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑ پر رکھنے کا حکم دیا۔ پھر جب آپ نے ان کو آواز دی تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار متعدد بار کیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیات :243-259 میں بھی مذکور ہے۔

نام ونسب' جائے نبوت اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں پیش آنے والا ایک اہم اور عظیم واقعہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا نزول ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام ہاران کے بیٹے تھے اور ہاران تارح یعنی آزر کے بیٹے تھے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام، ہاران اور ناحور آپس میں بھائی تھے، جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اجازت بلکہ ان کے حکم سے ان کے علاقے سے منتقل ہو کر ''غور زغر'' کے علاقے میں ''سدوم'' کے شہر میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ یہ اس علاقے کا مرکزی مقام تھا، جس کے ساتھ کافی زرعی اراضی اور دیہات وغیرہ ملحق تھے۔ یہاں کے باشندے انتہائی فاسق وفاجر، شدید ترین کافر، انتہائی بدفطرت اور بے حد بدکردار تھے۔ وہ راہزنی کے عادی اور سرعام برے کام کرنے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان گناہوں کے ارتکاب سے منع بھی نہیں کرتے تھے۔ یعنی ان کے اعمال انتہائی برے تھے۔

انہوں نے بے حیائی کا ایک نیا کام شروع کر رکھا تھا' جو اُن سے پہلے کسی انسان نے نہیں کیا تھا۔ یعنی انہوں نے اپنی

نفسانی خواہش مردوں سے پوری کرنا شروع کر دی اور اپنی جائز خواہش عورتوں کے ذریعے سے پوری کرنے سے اجتناب کرنے لگے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے عورتیں پیدا کی ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں حرام کاموں سے اور فحاشی کے قبیح افعال سے منع فرمایا لیکن ان کی گمراہی اور سرکشی میں اضافہ ہو گیا، وہ کفر اور گناہوں میں بدستور ملوث رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ عذاب نازل فرمایا، جو اُن کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا والوں کے لیے عبرت بنا دیا، جس سے دنیا بھر کے اہل خرد کو نصیحت ہو۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان کا واقعہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں ارشاد ہے:

﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝﴾

''اور (اسی طرح جب ہم نے) لوط کو (پیغمبر بنا کر بھیجا تو) اُس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا، یعنی خواہش نفسانی پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو۔ اور ان کی قوم سے اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ وہ بولے: اُن لوگوں (لوط اور ان کے گھر والوں) کو اپنے گاؤں سے نکال دو (کہ) یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔ پھر ہم نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بچا لیا مگر ان کی بیوی (نہ بچی) کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کا) مینہ برسایا۔ سو دیکھ لو کہ گناہ گاروں کا انجام کیسا ہوا؟'' (الأعراف: 7/80-84)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہود میں ان کا واقعہ یوں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ

اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝
يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝
وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝ وَجَآءَهٗ
قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ
لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ
بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝
قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْۤا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ
مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ
بِقَرِيْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ۬ مَّنْضُوْدٍ ۝
مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝

''اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کہا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جب دیکھا کہ اُن کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو اُن کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف محسوس کیا۔ (فرشتوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجیے ہم قوم لوط کی طرف (اُن کو ہلاک کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم کی بیوی (جو پاس) کھڑی تھی ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔ اس نے کہا: ہائے میری کم بختی! میرے بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اُنہوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ وہ سزاوار تعریف اور بزرگوار ہے۔ جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اُن کو خوش خبری مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں لگے ہم سے بحث کرنے، بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو جانے دو! تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا ہے اور اُن لوگوں پر عذاب آنے والا ہے، جو کبھی ٹلنے کا نہیں۔ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ اُن (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔ اور لوط کی قوم کے لوگ اُن کے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے اور یہ لوگ پہلے ہی سے برا فعل کیا کرتے تھے۔ لوط نے کہا کہ اے قوم! یہ (جو) میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں، یہ تمہارے لیے (جائز اور) پاک ہیں تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں میری آبرو نہ ضائع کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں۔ وہ بولے تم کو معلوم ہے کہ ہمیں تمہاری (قوم کی) بیٹیوں کی کوئی حاجت نہیں اور جو ہماری غرض

ہے اُسے تم خوب جانتے ہو۔ لوط نے کہا کہ اے کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر چل دو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ جو آفت اُن پر پڑنے والی ہے وہی اُس پر بھی پڑے گی۔ اُن کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دور ہے؟ تو جب ہمارا حکم آیا ہم نے اُس (بستی) کو (اُلٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور اُن پر پتھر کی تہ بہ تہ (یعنی پے در پے) کنکریاں برسائیں جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے۔ اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔'' (ھود: 11/69-83)

اور سورۂ حجر میں ان کی بابت یوں فرمایا:

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ۝ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ۝ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ۝ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ ۝ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ۝ إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ۝ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ۝ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُصْبِحِينَ ۝ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ۝ قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ قَالَ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ ۝ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُقِيمٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

''اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنا دو۔ جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو سلام کہا۔ (اُنہوں نے) کہا ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں) نے کہا کہ ڈریے نہیں، ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں۔ (وہ) بولے کہ جب مجھ کو بڑھاپے نے آ پکڑا تو تم خوش خبری دینے لگے، اب کاہے کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم آپ کو سچی خوش خبری دیتے ہیں، آپ مایوس نہ ہو جائیے (ابراہیم نے) کہا کہ اللہ کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہوں) مایوس ہونا گمراہوں کا کام ہے۔ پھر کہنے لگے کہ فرشتو تمہیں (اور) کیا کام ہے؟ (انہوں

نے) کہا کہ ہم ایک گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ اس پر عذاب نازل کریں) مگر لوط کے گھر والے کہ اُن سب کو ہم بچالیں گے۔ البتہ اُن کی عورت' اس کے لیے ہم نے مقدر کردیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گی۔ پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے۔ تو لوط نے کہا: تم ناآشنا لوگ ہو۔ وہ بولے کہ (نہیں) بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس یقینی بات لے کر آئے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ سو آپ کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے نکلیں اور خود اُن کے پیچھے چلیں اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے چلیں۔ اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے کاٹ دی جائے گی۔ اور اہل شہر (لوط کے پاس) خوش خوش (دوڑتے) آئے۔ (لوط نے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں (کہیں ان کے بارے میں) مجھے رسوا نہ کرنا اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ وہ بولے کیا ہم نے تم کو سارے جہاں (کی حمایت وطرفداری) سے منع نہیں کیا؟ (انہوں نے) کہا کہ اگر تمہیں کرنا ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں (ان سے شادی کرلو) (اے محمد!) تمہاری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔ سو اُن کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آ پکڑا۔ اور ہم نے اس (شہر) کو (اُلٹ کر) نیچے اوپر کردیا اور اُن پر کھنگر کے (مخصوص) پتھر برسائے۔ بے شک اس (قصے) میں اہل فراست کے لیے نشانی ہے اور وہ (شہر) اب تک سیدھے راستے پر (موجود) ہے۔ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔'' (الحجر: 15/51-77)

مزید فرمایا:

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۝ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ۝ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ۝ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ۝ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ۝ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ ﴾

''(اور قوم) لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں' سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس (کام) کا بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے جو تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں، اُن کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔

وہ کہنے لگے کہ لوط اگر تم باز نہ آؤ گے تو شہر بدر کر دیے جاؤ گے۔ لوط نے کہا: میں تمہارے کام کا سخت دشمن ہوں۔ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں (کے وبال سے) نجات دے۔ سو ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو نجات دی' مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ان پر مینہ برسایا، سو (جو) مینہ اُن (لوگوں) پر (برسا) جو ڈرائے گئے تھے' بہت برا تھا۔ بیشک اس میں نشانی ہے اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔'' (الشعراء: 26/160-175)

اور فرمایا:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ۝ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ۝ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ۝

''اور لوط کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھتے بھالتے بے حیائی (کے کام) کرتے ہو؟ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت (حاصل کرنے) کے لیے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم احمق لوگ ہو۔ چنانچہ اُن کی قوم کے لوگ (بولے تو) یہ بولے اور اس کے سوا ان کا کچھ جواب نہ تھا کہ لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ لوگ پاک رہنا چاہتے ہیں۔ پھر ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ مگر ان کی بیوی کہ اُس کی نسبت ہم نے مقرر کر رکھا تھا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ اور ہم نے ان پر مینہ برسایا' سو اُن لوگوں پر جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا، جو مینہ برسا بہت برا تھا۔'' (النمل: 27/54-58)

لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ قرآن مجید کی دیگر سورتوں میں اس طرح کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ وَلَمَّا أَن جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ

﴿ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾

''اور لوط (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم (عجب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو۔ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا۔ تم کیوں (لذت کے ارادے سے) مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو اور مسافروں کی رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔ پھر ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے تو یہ بولے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔ لوط نے کہا کہ اے میرے پروردگار! ان مُفسد لوگوں کے مقابلے میں میری نصرت فرما۔ اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشی کی خبر لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ یہاں کے رہنے والے نافرمان ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں (رہتے) ہیں ہمیں سب معلوم ہیں۔ ہم اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بچالیں گے بجز ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ اُن (کی وجہ) سے ناخوش اور تنگ دل ہوئے۔ فرشتوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کیجیے اور نہ رنج کیجیے ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے مگر آپ کی بیوی کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ ہم اس بستی کے رہنے والوں پر اس سبب سے کہ یہ بدکرداری کرتے رہے ہیں آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے سمجھنے والوں کے لیے اس بستی میں سے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔'' (العنکبوت: 29/28-35) نیز ارشاد ہے:

﴿ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ؕ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ۞ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۞ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۙ وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ ﴾

''اور بلاشبہ لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو (عذاب سے) نجات دی۔ مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور تم دن کو بھی اُن (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟'' (الصافات: 37/133-138)

سورۂ ذاریات میں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا واقعہ بیان ہوا اور آپ کو علم والے لڑکے کی خوش خبری ملنے کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد فرمایا:

﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۞ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۞ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ وَتَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۞ ﴾

''اس (ابراہیم) نے کہا کہ فرشتو! تمہارا مدعا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم گناہ گار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں

تاکہ ان پر کھنگر برسائیں جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیے گئے ہیں۔ تو وہاں جتنے مومن تھے اُن کو ہم نے نکال لیا اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں اُن کے لیے وہاں بڑی نشانی چھوڑ دی۔'' (الذاریات: 51/31-37)

اور ایک مقام پر ارشاد ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾

''لوط کی قوم نے بھی ڈرسنانے والوں کو جھٹلایا تھا۔ تو ہم نے اُن پر پتھراؤ کرنے والی ہوا چلائی مگر لوط کے گھر والے کہ ہم نے اُن کو سحری کے وقت ہی بچالیا اور اپنے فضل سے شکر کرنے والوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور لوط نے اُن کو ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا مگر انہوں نے ڈرانے میں شک کیا اور اُن سے اُن کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے اُن کی آنکھیں مٹا دیں۔ سو (اب) میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور اُن پر صبح سویرے ہی اٹل عذاب آ نازل ہوا۔ سو اب میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟'' (القمر: 54/33-40)

ہم نے تفسیر میں اپنے اپنے مقام پر ان واقعات کے بارے میں بیان کیا ہے۔ قرآن مجید میں بعض دیگر مقامات پر بھی حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے جنہیں ہم حضرت نوح علیہ السلام اور عاد وثمود کے واقعات کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ

جب حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو یہ دعوت دی کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور انہیں بے حیائی کے کاموں سے منع فرمایا تو ایک آدمی نے بھی ان کی بات نہ مانی اور ایمان قبول نہ کیا، نہ ممنوع کام ترک کیا۔ وہ اسی حال پر مصر رہے اور رسول کو اپنی بستی سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا۔ وہ اتنے بے عقل تھے کہ انہوں نے پیغمبر کی باتوں کا صرف یہی جواب دیا:

﴿ اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ ﴾

''لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ لوگ پاک رہنا چاہتے ہیں۔'' (النمل: 27/56)

جو خوبی حقیقت میں قابل تعریف تھی' ان لوگوں نے اسی کو ایسے عیب کے طور پر ذکر کیا جس کی وجہ سے انھیں بستی سے نکال دینا ضروری سمجھا۔ اس سے ان کی پرلے درجے کی ہٹ دھرمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی بیوی کے سوا گھر کے تمام افراد کو بڑے اچھے طریقے سے وہاں سے نکال لیا اور انہیں اس گندگی میں ملوث ہونے سے بچا لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو بدبودار نمکین پانی کی جھیل میں تبدیل کر دیا جس میں غرق ہو کر وہ لوگ جہنم کی بھڑکتی آگ کا ایندھن بن گئے۔

انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ قبول کرنے سے صرف اس لیے انکار کیا کہ آپ انہیں انتہائی مکروہ اور گھناؤنی بے حیائی سے منع فرماتے تھے، جس کا ارتکاب ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں وہ سزا دی کہ وہ ہمیشہ کے لیے ایک عبرت کا مرقع بن کر رہ گئے۔

اس کے علاوہ وہ راستوں میں ڈاکے ڈالتے، مسافروں کو لوٹتے، دوستوں سے خیانت کرتے، عام اجتماع کے مقامات پر طرح طرح کی فحش باتیں اور فحش حرکات کرتے۔ بلکہ بعض اوقات مجلس میں بھی بدفعلی کا ارتکاب کرتے اور بالکل حیا نہ کرتے۔ ان پر نہ کسی کی نصیحت کا اثر ہوتا تھا، نہ کسی کے سمجھانے سے باز آتے تھے۔ انہیں نہ موجودہ گناہوں سے شرم تھی، نہ سابقہ گناہوں پر ندامت اور نہ مستقبل میں اصلاح کی نیت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت سزا دی۔

انہوں نے اپنے نبی سے یہاں تک کہہ دیا:

﴿ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾

"اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔" (العنکبوت: 29/29)

گویا حضرت لوط علیہ السلام انہیں جس عذاب سے ڈراتے تھے، انہوں نے خود ہی اس کا مطالبہ کر ڈالا۔

حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان اور قوم کا کردار

جب لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ قوم کی سرکشی میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو ان کے خلاف بددعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ فسادیوں کے خلاف اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی ناراضی کی وجہ سے قوم پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ اس نے ان لوگوں کو سزا دینے کے لیے اپنے فرشتے بھیج دیے، جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر گئے اور آپ کو علم والے بچے کی خوش خبری اور لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے نزول کی خبر دیتے گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ

﴿ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴾

''ابراہیم نے کہا کہ فرشتو! تمہارا مدعا اور مقصد کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم گناہ گار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ان پر کھنگر برسائیں جن پر حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیے گئے ہیں۔'' (الذاریات: 34-31/51)

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۚۖ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴾

''اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کر دینے والے ہیں کیونکہ یہاں کے رہنے والے نافرمان ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں (رہتے) ہیں ہمیں سب معلوم ہے۔ ہم ان کو اور اُن کے گھر والوں کو بچا لیں گے بجز ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔'' (العنکبوت: 32,31/29)

اور فرمایا:

﴿ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴾

''جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اُن کو خوش خبری بھی مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگے۔'' (ھود: 74/11)

دراصل ابراہیم علیہ السلام کو امید تھی کہ وہ لوگ کبھی تو لوط (علیہ السلام) کی بات مان کر اسلام قبول کر لیں گے اور اپنے جرائم سے باز آ جائیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴾

''بے شک ابراہیم بڑے حلم والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو جانے دو، تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہیں ٹلے گا۔'' (ھود: 76,75/11)

یعنی اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ آ چکا ہے، اب انہیں سزا مل کے رہے گی، اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

حضرت سعید بن جبیر، سدی، قتادہ اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا: ''اگر بستی میں تین سو مومن ہوں، تو کیا آپ لوگ اسے تباہ کر دیں گے؟'' انہوں نے کہا: ''نہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر دو

سو مومن ہوں؟'' انہوں نے کہا: ''نہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر چالیس ہوں؟'' انہوں نے کہا: ''نہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر چودہ مومن ہوں؟'' وہ بولے: ''نہیں۔''

ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ بتاؤ کہ اگر وہاں ایک مومن موجود ہو؟'' فرشتوں نے کہا: ''تب بھی (ہم بستی کو ہلاک) نہیں (کریں گے)۔'' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اِنَّ فِيهَا لُوطًا﴾ ''اس میں لوط علیہ السلام موجود ہیں۔'' فرشتوں نے کہا: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا﴾ (سورۃ العنکبوت: 32) ''ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس میں کون کون ہے۔''[1]

اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''یا رب! کیا تو انہیں تباہ کرے گا جب کہ ان میں پچاس نیک آدمی موجود ہوں؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر ان میں پچاس نیک آدمی موجود ہوں تو میں انہیں ہلاک نہیں کروں گا۔'' حتیٰ کہ آپ نے دس افراد کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر ان میں دس بھی نیک آدمی ہوئے تو میں انہیں ہلاک نہیں کروں گا۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ﴾

''اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔'' (ھود: 77/11)

مفسرین فرماتے ہیں: ''جب فرشتے یعنی جبریل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے رخصت ہوئے تو سدوم کے علاقے میں آ گئے۔ وہ خوبصورت جوان لڑکوں کی صورت میں تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قوم کی آزمائش تھی تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔ جب وہ پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے ان کے ہاں مہمان بننے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر میں نے ان کی مہمانی نہ کی تو کوئی اور شخص انہیں اپنا مہمان بنا لے گا، حالانکہ وہ لوگ انتہائی بدکردار ہیں۔ آپ اسی وجہ سے پریشان ہوئے کہ آپ کو معلوم تھا کہ مہمانوں کا دفاع اور بدکاروں سے ان کا بچاؤ ایک مشکل کام ہے۔ آپ کو پہلے بھی اس کام کی انجام دہی میں سخت مشکلات پیش آ چکی تھیں اور شہر کے لوگوں نے پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ کسی اجنبی کو اپنا مہمان نہ بنائیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فرشتے (انسانی صورت میں) آپ کے پاس آئے تو آپ کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ کے ہاں ٹھہرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ کو ان کی درخواست رد کرنے سے شرم آئی، اس لیے آپ ان کے آگے آگے (گھر کی طرف) چل پڑے۔ آپ علیہ السلام ان سے اشاروں کنایوں میں ایسی باتیں کہنے لگے جن کو سن کر

---

1. تفسیر ابن کثیر: 289/4 تفسیر سورۂ ھود' آیت: 76

2. (کتاب پیدائش، باب: 18، فقرہ: 32 تا 33)

وہ اس بستی سے چلے جائیں اور کسی دوسری بستی میں جا ٹھہریں۔ آپ نے ان سے کہا: ''قسم ہے اللہ کی! میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر اس بستی والوں سے زیادہ گندے اور خبیث لوگ بھی ہوں گے۔''[1]

پھر تھوڑا سا چلے' پھر یہی بات فرمائی۔ اسی طرح آپ نے چار بار یہ بات ارشاد فرمائی۔ فرشتوں کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ملا تھا کہ قوم کو اس وقت تک تباہ نہ کریں جب تک ان کا نبی ان کے خلاف گواہی نہ دے لے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمِن قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ﴾ (ھود: 78/11) یعنی وہ لوگ پہلے بھی بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔

لوط علیہ السلام نے ان کو باز رکھنے کے لیے مختلف قسم کے حربے استعمال کیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ يَا قَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ﴾ (ھود: 11 / 78) ''لوط نے کہا: اے قوم! یہ (جو میری قوم کی) لڑکیاں ہیں، یہ تمہارے لیے (جائز اور) پاک ہیں۔''

مطلب یہ تھا کہ اپنی بیویوں سے خواہش پوری کرو جو شرعی طور پر آپ کی بیٹیاں تھیں کیونکہ امت میں نبی کا مقام والد کا سا ہوتا ہے، جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ﴾

''پیغمبر مومنوں پر اُن کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔'' (الأحزاب: 6/33)

لوط علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میری بیٹیاں تمہارے لیے پاک ہیں' کا یہی مطلب ہے جس کی وضاحت مذکورہ بالا سطور میں ہو چکی ہے۔ اور اس کی مزید وضاحت اس آیت سے ہو جاتی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴾

''کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لیے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔'' (الشعراء: 166,165/26)

متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ اس آیت کی دوسری تشریح[2] غلط ہے جو اہل کتاب سے ماخوذ ہے۔[3] یہ ان کی ایک بہت بڑی غلطی ہے جیسے ان کی بیان کردہ یہ بات غلط ہے کہ فرشتے صرف دو تھے اور انہوں نے

[1] تفسیر ابن کثیر: 290/4 تفسیر سورۂ ھود' آیت: 77

[2] آیت مبارکہ ﴿هَؤُلَاءِ بَنَاتِي ....﴾ کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: میری بیٹیوں سے نکاح کر لو، وہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ پیش کش اس لیے کی کہ یہ رشتہ قائم ہونے کی صورت میں وہ احساس کریں گے اور اپنے سسر کے مہمانوں کو تنگ نہیں کیا کریں گے۔ مصنف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تشریح درست نہیں۔

[3] دیکھیے: کتاب پیدائش، باب: 19

آپ کے ہاں کھانا کھایا۔ اہل کتاب نے اس واقعہ کی تفصیل میں اور بھی بہت سی غلطیاں کی ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴾

''سو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں؟''

(ھود: 78/11)

آپ نے ان لوگوں کو بے حیائی کے ارتکاب سے منع فرمایا۔ اس بیان میں قوم کے بارے میں آپ کی یہ گواہی پائی جاتی ہے کہ ان لوگوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس میں شرافت اور نیکی کی رمق پائی جاتی ہو۔ بلکہ وہ سب کے سب احمق، بدکار اور کافر تھے۔ فرشتے آپ سے کچھ پوچھنے سے قبل یہی کچھ آپ کی زبان سے سننا چاہتے تھے۔

وہ بدکرداری کے جذبات سے اس قدر مغلوب تھے کہ جب پیغمبر نے انہیں صنفی جذبات کی تکمیل کے جائز طریقے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیغمبر سے صاف کہہ دیا:

﴿ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴾

''(اے لوط!) آپ کو معلوم ہے کہ ہم تمہاری (قوم کی) بیٹیوں کی خواہش نہیں رکھتے۔ ہم جو چاہتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔'' (ھود: 79/11)

انہیں یہ بات کہتے ہوئے نہ معزز اور پاک باز رسول سے شرم آئی نہ اللہ عظیم و برتر کی گرفت سے خوف محسوس ہوا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا:

﴿ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴾

''اے کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔'' (ھود: 80/11)

آپ نے یہ تمنا کی کہ کاش! آپ کو ان کا مقابلہ کرنے کی قوت حاصل ہوتی یا آپ کے خاندان اور قبیلے کے افراد وہاں موجود ہوتے جو ان کے خلاف آپ کی مدد کرتے تاکہ وہ انہیں اس بدتمیزی کی مناسب سزا دے سکتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کا حق رکھتے ہیں [1] اور اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے، وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتے تھے۔ [2] اور اگر میں اتنا عرصہ قید میں

---

[1] جب ہمیں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے تو ابراہیم علیہ السلام کیسے شک کر سکتے ہیں؟ یعنی آپ کا یہ سوال کہ مردوں کو زندہ کر کے دکھایا جائے شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ یقین میں اضافے کے لیے تھا۔

[2] یعنی اگرچہ بظاہر ان کا کوئی ایسا حامی نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ بدمعاشوں کے شر سے محفوظ رہتے۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا: اگر میرا کوئی مضبوط (دنیوی) سہارا ہوتا تو تم مجھے پریشان کرنے کی جرأت نہ کرتے' تاہم ان کا اعتماد اللہ تعالیٰ پر تھا جو واقعی ایک مضبوط سہارا ہے بلکہ حقیقت میں وہی مضبوط سہارا ہے' باقی سب کمزور ہیں۔

رہتا، جتنا عرصہ یوسف علیہ السلام رہے تو میں بلانے والے کی بات مان لیتا (اس کے کہنے پر جیل سے باہر آجاتا۔[1])
ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوط علیہ السلام پر اللہ کی رحمت نازل ہو، وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کی۔) آپ کے بعد اللہ نے جو بھی نبی بھیجا ہے، وہ قوم کے کھاتے پیتے گھرانے میں سے بھیجا ہے۔“[3]

نبی مکرم کی قوم کو مصلحانہ نصیحت: بدکردار قوم نے جب لوط علیہ السلام کے خوبصورت مہمانوں کو دیکھا تو اپنی غلیظ خواہش سے مغلوب ہو کر دوڑتے ہوئے آئے۔ لوط علیہ السلام نے انہیں بڑے مشفقانہ انداز میں سمجھایا مگر وہ بدفطرت اندھے ہو چکے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ۝ قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ قَالَ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ﴾

”اور اہل شہر (لوط کے پاس) خوش خوش (دوڑے) آئے (لوط نے) کہا: یہ میرے مہمان ہیں (کہیں ان کے بارے میں) مجھے رسوا نہ کرنا اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ وہ بولے کیا ہم نے تم کو سارے جہان (کی حمایت وطرفداری) سے منع نہیں کیا؟ (انہوں نے) کہا: اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں، (ان سے شادی کرلو۔“) (الحجر: 15/67-71)

یعنی لوط علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں کے پاس جایا کریں اور برائی کے جس طریقے کو اختیار کیے ہوئے ہیں، ترک کر دیں۔ لیکن انہوں نے آپ کے فرمان پر کوئی توجہ نہ دی۔ انہوں نے اپنے حیا سوز مطالبے کو دہرایا اور لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی عزت سے کھیلنے پر مصر رہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کی تقدیر انہیں کس انجام کی طرف لے جا رہی ہے اور صبح کو ان پر کون سی آفت ٹوٹنے والی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ﴾

”اور لوط نے اُن کو ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا مگر انہوں نے ڈرانے میں شک کیا اور اُن سے اُن کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے اُن کی آنکھیں مٹا دیں۔ سو (اب) میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو، اور اُن پر صبح سویرے ہی اٹل عذاب آنازل ہوا۔“ (القمر: 54/36-38)

---

1. میں اس اعتماد پر جیل سے باہر آجاتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹے الزام سے کسی اور انداز سے بری کر دے گا۔ لیکن یوسف علیہ السلام نے زیادہ استقامت کا راستہ اختیار کیا کہ اس وقت تک جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا جب تک ان کا دامن جھوٹے الزام سے پاک نہ ہو جائے تاکہ کوئی یہ نہ سوچے کہ یوسف کو جیل سے نجات بادشاہ کی مہربانی سے ہوئی ہے، آپ کی بے گناہی کی وجہ سے نہیں۔
2. صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب "ونبئهم عن ضيف......"، حديث: 3372
3. المستدرك للحاكم: 561/2

مفسرین فرماتے ہیں: اللہ کے نبی لوط علیہ السلام اپنی قوم کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ دروازہ بند تھا۔ وہ لوگ اسے کھولنے اور اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ دروازے کے پیچھے سے انہیں نصیحت فرما رہے تھے۔ [1] جب صورت حال نازک ہوگئی تو آپ نے فرمایا ﴿لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ﴾ ''اے کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔'' تب فرشتوں نے کہا: ﴿یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ﴾ ''اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکتے۔''

مفسرین فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام باہر تشریف لے گئے، اپنے پر کا ایک کنارہ ان کے چہروں پر مارا تو وہ اندھے ہو گئے۔ حتی کہ بعض علماء کے قول کے مطابق ان کی آنکھیں بالکل معدوم ہوگئیں۔ نہ ان کی جگہ باقی رہی (جو چہرے کی ہڈی میں گڑھے کی صورت میں ہوتی ہے) نہ کوئی نشان باقی رہا۔ وہ دیواروں کو ٹٹولتے اور اللہ کے نبی (علیہ السلام) کو دھمکیاں دیتے لوٹ گئے۔ جاتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے: ''جب صبح ہوگی تو تم سے نپٹیں گے۔'' [2]

عذاب کا نزول

جب حضرت لوط علیہ السلام نے ہر طرح سے قوم پر اتمام حجت کر دیا تو عذاب الٰہی ان پر مسلط کر دیا گیا' اور آپ کی نافرمان بیوی بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوگئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْہُ عَنْ ضَیْفِہٖ فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَہُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ صَبَّحَہُمْ بُکْرَۃً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝﴾

''اور انہوں نے اُن سے اُن کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے اُن کی آنکھیں مٹا دیں۔ سو (اب) میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور صبح سویرے ہی اٹل عذاب آ نازل ہوا۔'' (القمر: 54/37-38)

فرشتوں نے لوط علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے آخری حصے میں یہاں سے تشریف لے جائیں۔ اور جب قوم پر عذاب نازل ہو تو ان کی آواز سن کر تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ اور آپ کو حکم ہوا کہ آپ سب ہمراہیوں کے پیچھے چلیں۔

﴿اِلَّا امْرَاَتَکَ﴾ ''تیری بیوی کے سوا'' اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو لے چلیے مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیجیے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے گا' سوائے آپ کی بیوی کے، وہ ضرور مڑ کر

[1] تفسیر ابن کثیر: 445/7 تفسیر سورۃ القمر' آیت:37

[2] تفسیر ابن کثیر: 445/7 تفسیر سورۃ القمر' آیت:37

دیکھے گی تو اس پر بھی وہی عذاب آ جائے گا جو دوسرے کافروں پر آیا۔

امام سُہیلی کہتے ہیں: لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام ''وَالِهَه'' اور نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام ''وَالِغَه'' تھا۔

فرشتوں نے ان بدکاروں کی ہلاکت کی خوش خبری دیتے ہوئے لوط علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴾

''اُن کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دور ہے؟'' (ھود: 81/11)

جب لوط علیہ السلام روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ صرف آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ قوم کا ایک شخص بھی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

ایک قول کے مطابق آپ کی بیوی بھی روانہ ہوئی تھی۔ (واللہ اعلم)

جب وہ لوگ شہر سے نکل گئے اور سورج طلوع ہوا تو اللہ کا عذاب بھی آ گیا، جسے ٹال دینا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴾

''تو جب ہمارا حکم آیا ہم نے اُس (بستی) کو (اُلٹ کر) نیچے اوپر کر دیا۔ اور اُن پر پتھر کے تہ بہ تہ کنکر برسائے جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے اور وہ (بستی ان اہل مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔''

(ھود: 83,82/11)

علمائے کرام فرماتے ہیں: جبریل علیہ السلام نے اپنے پر سے ان سات بستیوں کو جڑوں سے اکھاڑ دیا جن میں چار لاکھ یا چالیس لاکھ افراد تھے۔ ان میں موجود جانوروں سمیت انہیں آسمانوں تک بلند کیا، حتیٰ کہ فرشتوں نے ان کے مرغوں کی اذانیں اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ پھر انہیں اُلٹ کر پھینک دیا۔

[سِجِّيل] کا مطلب ہے ''سخت مضبوط'' اور [مَنضُود] کا مطلب یہ ہے کہ وہ آسمان سے ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے تھے اور قوم پر مسلسل برس رہے تھے۔ [مُسَوَّمَةً] یعنی ہر پتھر پر کسی نہ کسی آدمی کا نام لکھا ہوا تھا۔ وہ اسی پر گرتا اور اس کا سر کچل دیتا تھا۔ سورۂ نجم میں ارشاد ہے:

﴿ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ۝ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ﴾

''اور اُس نے اُلٹی ہوئی بستیوں کو دے پٹکا۔ پھر ان پر چھایا جو چھایا لہٰذا (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت پر جھگڑے گا؟'' (النجم: 55-53/53)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کو اس طرح اُلٹ دیا کہ ان کا اوپر والا حصہ نیچے ہو گیا، پھر مسلسل پتھروں کی بارش سے انہیں نظروں سے اوجھل کر دیا۔ ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر اسے گرنا تھا، خواہ ان میں سے کوئی اپنے شہر میں

موجود تھا یا سفر کی وجہ سے شہر سے باہر تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ شہر میں رہی (اس لیے وہ بھی وہیں عذاب کی لپیٹ میں آ گئی۔)

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند اور دونوں بیٹیوں کے ہمراہ روانہ ہوئی تھی۔ لیکن جب شہر کے تباہ ہونے کی آواز اور ہلاک ہونے والوں کا شور سنا، تو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قوم کی طرف مڑ کر دیکھا اور بولی: ''ہائے میری قوم!'' وہیں اس پر ایک پتھر آ پڑا، جس نے اس کا سر پھاڑ کر اسے اس کی قوم سے ملا دیا۔ وہ انہی لوگوں کے مذہب پر تھی اور لوط علیہ السلام کی جاسوسی کرتے ہوئے آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کے بارے میں قوم کو اطلاع دے دیا کرتی تھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ﴾

''اللہ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ دونوں ہمارے نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے اُن کی خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں اُن عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور اُن کو حکم دیا گیا کہ دوسرے داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ!'' (التحریم:10/66)

خیانت سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے دین کے معاملہ میں نبیوں کی پیروی نہیں کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بدکاری میں ملوث تھیں۔ حاشا و کلا اللہ تعالیٰ کسی نبی کو اس آفت میں مبتلا نہیں فرماتا کہ اس کی بیوی بدکاری کا ارتکاب کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و غیر صحابہ علمائے کرام رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں: ''کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔ جو شخص اس کے برعکس موقف اختیار کرتا ہے وہ بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔''[1]

واقعہ افک میں جب منافقین نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے بنیاد الزام تراشی کی تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو زجر و تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ڰ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾

''جب تم اپنی زبانوں سے اُس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو کچھ علم نہ تھا اور تم اسے ایک ہلکی بات سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی بات تھی۔ اور جب تم نے اُسے سنا تو

[1] تفسیر ابن کثیر: 192/8 تفسیر سورۃ التحریم' آیت:10

کیوں نہ کہا کہ ہمیں شایاں نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں۔ (پروردگار) تو پاک ہے۔ یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے۔" (النور: 16,15/24)

یعنی اے اللہ! یہ بات تیری شان کے لائق نہیں کہ تیرے نبی کی بیوی سے یہ حرکت سرزد ہو۔ یہاں یہ فرمایا ہے:

﴿ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴾ "اور وہ (بستی) ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی ان بدکاروں جیسی حرکت کرے گا، یہ سزا اسے بھی مل سکتی ہے۔

اسی وجہ سے بعض علماء کا موقف ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بدکار قوم جیسا جرم کرنے والے کو سنگسار کرنا چاہیے، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور دیگر بہت سے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے صراحت سے اس رائے کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے تم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والا کام کرتے دیکھو تو کرنے والے کو بھی قتل کر دو اور جس کے ساتھ بدفعلی کی گئی، اسے بھی قتل کر دو۔"[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کی روشنی میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو اونچے پہاڑ سے نیچے گرایا جائے، پھر اُس پر پتھر برسائے جائیں، جس طرح لوط علیہ السلام کی قوم کو یہی سزا دی گئی تھی۔

اہل خرد کے لیے مقام عبرت

اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کی جگہ ایک بدبودار جھیل بنا دی، جس کے پانی سے اور اس کے اردگرد کی زمین سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا کیونکہ وہ قطعہ زمین انتہائی نکما اور بے کار ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے اس کی قدرت، عظمت اور اس کی گرفت کی ایک نشانی بن چکا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اپنے مومن بندوں پر رحمت فرما کر انہیں تباہی سے بچاتا اور اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

"بے شک اس میں نشانی ہے، اور اُن میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔" (الشعراء: 9,8/26)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ

[1] مسند أحمد: 300/1 جامع الترمذي' الحدود' باب ماجاء في حد اللوطي' حديث:1456

﴿سِجِّيۡلٍ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ۞ وَ اِنَّہَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ ۞ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۞﴾

''سواُن کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آ پکڑا اور ہم نے اس (شہر) کو (اُلٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر کھنگر کی پتھریاں برسائیں۔ بیشک اس قصے میں اہل فراست کے لیے نشانی ہے اور وہ (شہر) اب تک سیدھے راستے پر (موجود) ہے۔ بیشک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔'' (الحجر: 15/73-77)

یعنی جو شخص ان کے واقعہ پر غور کرے گا اور فہم وفراست استعمال کرے گا، اس کے لیے اس واقعے میں عبرت کی نشانیاں موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کی حالت کس طرح تبدیل فرما دی کہ جو کبھی آباد بستیاں تھیں، اب ویران کھنڈر بن چکی ہیں۔

﴿وَ اِنَّہَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ﴾ ''اور وہ (شہر) اب تک سیدھے راستے پر (موجود) ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ بستیاں اس شاہراہ پر واقع تھیں جس پر اب بھی لوگ سفر کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا:

﴿وَ اِنَّکُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مُّصۡبِحِیۡنَ ۞ وَ بِالَّیۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۞﴾

''اور تم دن کو بھی اُن (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''

(الصافات: 37/137-138)

اور مزید فرمایا:

﴿فَاَخۡرَجۡنَا مَنۡ کَانَ فِیۡہَا مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۞ فَمَا وَجَدۡنَا فِیۡہَا غَیۡرَ بَیۡتٍ مِّنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۞ وَ تَرَکۡنَا فِیۡہَاۤ اٰیَۃً لِّلَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ۞﴾

''تو وہاں جتنے مومن تھے، اُن کو ہم نے نکال لیا اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں، اُن کے لیے وہاں نشانیاں چھوڑ دیں۔'' (الذاریات: 51/35-37)

یعنی ہم نے انہیں اس شخص کے لیے باعث عبرت ونصیحت بنا دیا ہے جو آخرت کے عذاب سے خوف زدہ ہے، رب کے سامنے پیشی سے ڈرتا ہے، اپنے آپ کو خواہشات نفس سے بچاتا ہے، اللہ کے حرام کردہ کاموں سے پرہیز کرتا ہے اور گناہوں سے دور رہتا ہے، وہ ڈرتا ہے کہ اس کی مشابہت حضرت لوط علیہ السلام کی بدکردار قوم سے نہ ہو جائے کیونکہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے شمار ہوگا اگرچہ کلی طور پر اُن سے مشابہت نہ ہو، جزوی طور پر ہی ہو۔

اپنے رب سے ڈرنے والا سمجھ دار عقل مند آدمی، احکام ربانی کی تعمیل کرتا ہے اور پیغمبر کی ہدایات قبول کرتا ہے، اپنی جائز خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی منکوحہ بیویوں کے پاس جاتا ہے، جنہیں اللہ نے اس کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسے چاہیے کہ شیطان کی پیروی سے بچ کر رہے تاکہ اللہ کی وعید کی زد میں نہ آ جائے اور اس پر اللہ کا یہ فرمان صادق نہ آ جائے:

﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ﴾

''اور وہ (تباہ شدہ بستی) ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہیں۔'' (ھود:83)

حضرت لوط علیہ السلام
بحیرۂ لوط (بحیرۂ مردار)
سدوم، عامورہ اور ضوغر
شام
اردن
فلسطین
بحیرۂ روم
صحرائے نقب
عرب
سیناء
قنیطرہ
حولہ
صفد
عکا
حیفا
عتلیت
قیساریہ
ناصرہ
طبریہ
جھیل طبریہ
بیسان
دریائے یرموک
دریائے اردن
اربد
اذرعات (درعا)
ازرع
شہبا
سویداء
بصری الشام
جنین
طولکرم
نابلس
عجلون
عوجا
یافا (تل ابیب)
لد
رملہ
اریحا
زرقاء
سلط
عمان
قصر الحلابات
ازرق
قصر عمرہ
القدس (یروشلم)
مادبا
غزہ
الخلیل (جبرون)
بئر سبع
وادی غزہ
کرک
شوبک
اذرح
بترا
معان
جفر
عقبہ
ایلہ (ایلات)
50
50
100
150

نتائج و فوائد ...... عبرتیں و حکمتیں

لواطت ایک قبیح و شنیع جرم: حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے وہ طرح طرح کے گناہوں کی دلدل میں دھنسی ہوئی تھی۔ ان کا سب سے بڑا اور قبیح جرم، مردوں سے ہم جنس پرستی تھی جو انہی کی ایجاد تھا۔ لذت آشنائی اور شہوت پرستی میں یہ قوم تمام حدیں پھلانگ چکی تھی۔ شہوت رانی کی انتہا کو پہنچی ہوئی اس قوم نے فطری اور طبعی طریقوں کو ترک کر کے، لواطت کے غیر فطری، غیر طبعی اور شنیع جرم کو اختیار کیا۔ اس غیر شائستہ اور قبیح جرم کی قباحت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی جب وہ یہ جرم سر عام محفلوں میں ایک دوسرے کے سامنے کرتے یا سر راہ کرتے جس سے مسافروں اور راہ گزروں کو سخت اذیت ہوتی۔ نیز وہ مسافروں سے بھی زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کرتے، مسافروں کو پتھر مارتے اور ان کا ساز و سامان لوٹ لیتے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو ان تمام قبیح افعال سے روکا اور ان کے نقصانات اور خرابیوں سے آگاہ کیا۔ جواب میں سرکش و باغی قوم نے حضرت لوط علیہ السلام کو برا بھلا کہا اور عذابِ الٰہی کا مطالبہ کر دیا جس نے بالآخر انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ٘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۞ اَىٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ﳔ وَ تَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۞﴾ (العنکبوت:29،28/29)

”اور حضرت لوط کا بھی ذکر کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم تو اس بدکاری پر اتر آئے ہو جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس (بدفعلی کے لیے) آتے ہو اور راستے بند کرتے ہو اور اپنی عام مجلسوں میں بے حیائی کا کام کرتے ہو؟ اس کے جواب میں اس کی قوم نے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ بس اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آ۔“

لواطت کے مضر صحت اثرات: اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہمارے لیے ہر وہ چیز حلال اور جائز رکھی ہے جو ہمارے لیے مفید، نفع بخش اور ہماری سلامتی و بقا کے لیے ضروری ہے۔ اور ہر اس چیز کو حرام و ممنوع کر دیا ہے جو ہماری دنیا یا آخرت کے لیے نقصان دہ ہے۔ انسان کی فطری خواہش کی تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت کو پیدا فرمایا ہے اور انسانی شہوت کی تسکین کے لیے نکاح کا مقدس نظام انسانوں کو دیا ہے تا کہ انسانوں کے جذبات کو مناسب راہ مل سکے، نسل انسانی

کی بقا کا سامان مہیا ہو اور معاشرے میں امن وسلامتی کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

دور جدید کے نام نہاد ''مہذب ومتمدن'' ملکوں نے اس نظام الٰہی سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے معاشروں میں لواطت کو قانوناً جائز قرار دے لیا ہے۔ ہم جنس پرستی کو قانونی حیثیت دینے کے بعد یہ ممالک کس طرح عذاب الٰہی کا شکار ہوئے ہیں، ان کے نظام اخلاقیات کا جنازہ کس بری طرح سے دوراہے میں رکھا ہے اس کا اندازہ ان ممالک کے مختصر جائزے سے عیاں ہے۔

① ان ممالک میں خاندانی نظام حیات ختم ہو گیا ہے کیونکہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے باہم لذت آشنا ہیں اور نسل انسانی تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ ان ممالک میں آبادی کی شرح خطرناک حد تک کم ہو چکی ہے کیونکہ شہوت پرست قومیں بچے جننے اور ان کی پرورش وتربیت پر راضی نہیں۔ اسی لیے سالانہ اربوں ڈالر بچے جننے والوں کو انعامات کی شکل میں دیے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود سالانہ لاکھوں حرامی بچے گٹروں، پارکوں اور کوڑے دانوں سے مردہ مل رہے ہیں۔

② مہلک امراض جیسے ایڈز، آتشک، سوزاک' سیلان، خارش، آلہ تناسل کی مختلف بیماریاں، اور خطرناک پھوڑے پھنسیاں عام ہیں۔ ان امراض کے علاج پر یہ حکومتیں اربوں ڈالر خرچ کر رہی ہیں۔ ہزاروں ہسپتال ان امراض کے علاج کے لیے مختص ہیں۔ درجنوں تنظیمیں ان امراض سے لوگوں کو آگاہ کرنے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ترغیب دینے پر مامور ہیں لیکن پھر بھی ان کا حال یہ ہے کہ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''۔ یہ دنیا کا عذاب ان پر مسلط کر دیا گیا ہے جبکہ آخرت کا عذاب اور بھی شدید ہے۔ ان ممالک کے برعکس اسلامی ممالک جہاں اسلامی تہذیب وتمدن پائی جاتی ہے وہاں یہ بیماریاں برائے نام ہیں۔ والحمد للہ علی ذلک

ہم جنس پرستوں پر عذاب الٰہی: اللہ تعالیٰ نے ہم جنس پرستی کے قبیح جرم کی شکار قوم کو دردناک عذاب چکھایا تھا۔ پھر ان کے حالات بیان کر دیے تاکہ تا قیامت آنے والی نسلیں اس جرم سے بچیں اور قوم لوط کے انجام سے عبرت پکڑیں۔ قوم لوط کو ان کی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی، نافرمانی اور بے حیائی پر عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝﴾

''پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا، ہم نے اس بستی کو زیروزبر کر دیا اور ان پر کھنگر کے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے تیرے رب کی طرف سے نشان دار تھے اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔'' (ھود: 11/82'83)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کو بستیوں سمیت آسمان تک اٹھایا اور پھر نیچے پھینک دیا جس سے ان کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔ پھر دوسری آیت میں آئندہ اس فعل شنیع کے مرتکب ہونے والوں کو سخت دھمکی دی گئی ہے

کہ اگر وہ اس فعل سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی اسی طرح دردناک ہوگا۔ لہٰذا آج کی ترقی یافتہ نام نہاد متمدن قومیں اسی جرم کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب الٰہی کا شکار ہیں جن کا نظارہ ان حیاباختہ اقوام میں کیا جا سکتا ہے۔

اسلام میں لواطت کی سزا: اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ایک باحیا، عفت و عصمت اور فطرت کے عین مطابق نظام حیات دیا ہے۔ لہٰذا اسلام ہر بے حیائی سے روکتا ہے اور ہر غیر فطری فعل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ چونکہ لواطت ایک سخت قبیح، غیر فطری اور ناشائستہ و بے حیائی کا کام تھا، اس لیے اسلام نے اس جرم کی سزا بھی شدید ترین رکھی ہے تاکہ لوگ اس کے قریب جانے سے بھی باز آجائیں اور فطرت سلیمہ کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کریں۔ رحمت عالم ﷺ نے اس جرم کی سزا بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''تم جس شخص کو قوم لوط والا عمل کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔''[1]

قتل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ائمہ اہل سنت فرماتے ہیں کہ اس فعل کے مرتکب شخص کو پتھروں سے رجم کر دیا جائے خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ۔ یہ رائے امام احمد، شافعی اور دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دیا جائے اور پھر اس پر پتھروں کی بارش کر دی جائے جیسا کہ لوط علیہ السلام کی قوم کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اعاذنا اللہ منها

مہمانوں کا اکرام اور دفاع: حضرت لوط علیہ السلام کے قصے سے مہمان نوازی اور مہمانوں کی عزت و تکریم کرنے کا درس ملتا ہے۔ آپ کے واقعے سے مہمانوں کو ہر ممکن طریقے سے آرام پہنچانے اور انہیں تکالیف سے بچانے کا سبق ملتا ہے۔ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو آپ کو بدکردار قوم کی طرف سے خدشات لاحق ہو گئے۔ مہمانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت دامن گیر ہوئی تو سخت پریشانی کے عالم میں ان کی حفاظت کے لیے ہر ممکن وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔ مہمانوں کو بچانے کے لیے قوم کو اپنی یعنی قوم کی بیٹیاں نکاح کے لیے پیش کرتے ہیں۔ بے حیا و بدکردار قوم سے عاجز آکر خواہش کرتے ہیں:

﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ﴾

''کاش! کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا۔'' (ھود: 80/11)

آپ کی اس خواہش میں مہمانوں کی عزت و آبرو کو بچانے کے لیے لڑائی کرنے کے جذبے کا اظہار ہے۔ جو ہمیں درس دیتا ہے کہ مہمان نوازی اور مہمانوں کو ہر مضر شے سے محفوظ کرنا نہایت ضروری ہے۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے مہمانوں کے عظیم حق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

[1] سنن أبي داود، الحدود حديث: 4462۔ جامع الترمذي، الحدود، حديث: 1456

’’جو شخص اللہ اور قیامت پر یقین و ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کی عزت کرے۔‘‘[1]

یعنی ہر مومن پر مہمان کا اکرام لازم ہے۔ جو شخص مہمان کی عزت و تکریم نہیں کرتا اس کا ایمان ناقص ہے۔

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب إكرام الضيف و خدمته إياه بنفسه...... حديث: 6136

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ودعوت اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے اہل مدین کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ وَ اِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآىِٕفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ۚ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ

اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝

''اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ چکی ہے، سو تم ماپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے، اور ہر راستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اُسے تم ڈراتے اور راہِ الٰہ حقیقی سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو۔ اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تم کو جماعت کثیر بنا دیا اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کیے رہنا یہاں تک کہ اللہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (تو) ان کی قوم میں سے جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب! (یا تو) ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ انہوں نے کہا: خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں (تو بھی؟) اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس (کفر) سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے اللہ پر افترا (جھوٹ) باندھا اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں، ہاں اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے (تو مجبوری ہے) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی پر بھروسا ہے۔ اے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہت بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔ تب ان کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (یہ لوگ) جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی، ایسے برباد ہوئے کہ گویا وہ اُن میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے۔ (غرض) جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے تو شعیب اُن میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو! میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی۔ لہٰذا میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے

سے) رنج وغم کیوں کروں؟'' (الأعراف: 7/85-93)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مختلف سماجی جرائم میں مبتلا تھی آپ نے ان کو ان معاشرتی برائیوں سے روکا تو قوم آپ کی دشمن ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿﴾ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿﴾ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿﴾ قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿﴾ وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَن يُصِيبَكُم مِّثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ ﴿﴾ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿﴾ قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿﴾ وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴿﴾

''اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو (بھیجا) تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں گھیر کر رہے گا۔ اور اے میری قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی نہ کرتے پھرو۔ اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا: اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم اُن کو ترک کردیں یا اپنے مال میں جو تصرف کرنا چاہیں نہ کریں؟ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔ انہوں نے

کہا کہ اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اُس نے اپنے ہاں سے مجھے نیک روزی دی ہو (تو کیا میں اُن کے خلاف کروں گا؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اُس کو کرنے لگوں۔ میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے۔ میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم! میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرادے کہ جیسی مصیبت نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر واقع ہوئی تھی، ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو۔ اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں۔ اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اُس کے آگے توبہ کرو۔ بیشک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو اور اگر تمہارے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے اور اس کو تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ میرا پروردگار تو تمہارے سب اعمال پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور برادران ملت! تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ' میں (اپنی جگہ) کام کیے جاتا ہوں۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رُسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اُن کو تو اپنی رحمت سے بچالیا اور جو ظالم تھے اُن کو چنگھاڑ نے آ دبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے گویا اُن میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سن رکھو! مدین پر (ویسی ہی) پھٹکار ہے جیسی پھٹکار ثمود پر تھی۔'' (ھود:11/84-95)

آپ کی قوم نے آپ کی ناصحانہ گفتگو کے جواب میں آپ کو جھوٹا قرار دیا اور اپنی برائیوں پر ڈٹے رہنے کا اعلان کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجر میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے واقعہ کے بعد فرمایا:

﴿وَإِنْ كَانَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۙ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۞﴾

''اور بَن کے رہنے والے (یعنی قوم شعیب کے لوگ) بھی ظالم (گناہ گار) تھے۔ تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا اور یہ دونوں شہر کھلے راستے پر (موجود) ہیں۔'' (الحجر:15/78,79)

اور سورۂ شعراء میں بھی انہی کے واقعہ کے بعد فرمایا:

﴿كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ۞ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ۞ وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۞ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۞ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا

فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۚ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۗ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۚ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۗ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

’’بَن کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن سے شعیب نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں' لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور میں اس کام کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا' میرا بدلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمے ہے۔ (دیکھو!) پیمانہ پورا بھرا کرو اور نقصان (کمی) نہ کیا کرو اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو۔ اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اور تم سے پہلی خلقت کو پیدا کیا۔ وہ کہنے لگے کہ تم تو جادوزدہ ہو اور تم اور کچھ نہیں بس ہمارے جیسے آدمی ہو اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا کر گراؤ۔ شعیب نے کہا کہ جو کام تم کرتے ہو میرا پروردگار اس سے خوب واقف ہے۔ سو اُن لوگوں نے اُن کو جھٹلایا، پس سائبان والے دن کے عذاب نے اُن کو آن پکڑا۔ بیشک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔ اس میں یقیناً نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے' اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔‘‘ (الشعراء:26/176-191)

خطیب الانبیاء کی قوم ’’مدین‘‘

اہل مدین عربی باشندے تھے۔ یہ لوگ اپنے شہر ’’مَدیَن‘‘ میں رہتے تھے، جو اطراف شام میں ارض معان کے نزدیک ہے، جو حجاز سے متصل اور بحیرۂ قوم لوط کے قریب ہے۔ [1] ان کا زمانہ بھی قوم لوط سے تھوڑی مدت بعد کا ہے۔ مدین کا قبیلہ ’’مَدیَن بن مَدیان بن ابراہیم علیہ السلام‘‘ کی نسل سے وجود میں آیا۔ بعض بزرگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کے نام سے یاد کیا ہے۔ [2] کیونکہ آپ قوم کو ایمان کی دعوت دیتے وقت فصاحت و بلاغت اور اعلیٰ عبارت سے کام لیتے تھے۔

مدین کے لوگ کافر تھے، رہزنی کرتے اور مسافروں میں دہشت پھیلاتے، اور اَیکہ کو پوجتے تھے۔ یہ ایک قسم کا درخت تھا، جس کے اردگرد درختوں کا جھنڈ تھا۔ ان لوگوں کا لین دین کا معاملہ بہت برا تھا۔ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ لیتے

---

[1] آج کل معان' اردن میں ہے جبکہ ارضِ مدین بحیرۂ قوم لوط (بحیرۂ مردار) کے قریب نہیں بلکہ سعودی عرب میں خلیج عقبہ اور بحیرۂ احمر کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ [2] المنتظم في تاريخ الأمم و الملوك: 1/324

وقت بڑے پیمانے سے ماپتے اور بڑے باٹوں سے تولتے اور دیتے وقت چھوٹے پیمانے اور کم وزن کے باٹ استعمال کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک شخصیت یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کو منصب رسالت پر فائز فرمایا۔ آپ نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں سودا کم دینے اور راہ چلتے لوگوں کو پریشان کرنے جیسے برے کاموں سے منع فرمایا۔ کچھ لوگ ایمان لائے لیکن اکثریت نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت عذاب نازل فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَـٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـٰهٍ غَيْرُهُۥ ۖ قَدْ جَآءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾

''اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ چکی ہے۔'' (الأعراف: 85/7)

یعنی میں واضح دلیل اور برہان قاطع لے کر آیا ہوں، جس سے میری تعلیمات کی صداقت ثابت ہوتی ہے اور اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے۔ دلیل سے مراد وہ معجزات ہیں جو آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ قرآن وحدیث میں ان کی تفصیل مذکور نہیں۔ تاہم اس لفظ (بینہ) سے ان کی طرف مجمل اشارہ ہوتا ہے۔ مزید فرمایا:

﴿ فَأَوْفُوا۟ ٱلْكَيْلَ وَٱلْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا۟ ٱلنَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَـٰحِهَا ۚ ﴾

''لہٰذا تم ماپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کیا کرو۔'' (الأعراف: 85/7)

آپ نے انہیں عدل وانصاف کا حکم دیا اور ظلم سے منع کیا اور فرمایا: ﴿ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ ''اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' (الأعراف: 85/7) اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَلَا تَقْعُدُوا۟ بِكُلِّ صِرَٰطٍ تُوعِدُونَ ﴾ ''اور ہر راستے پر مت بیٹھا کرو کہ لوگوں کو ڈراتے رہو۔'' (الأعراف: 86/7)

یعنی ہر راستے میں بیٹھ کر لوگوں کو پریشان نہ کرو، تم ان سے غنڈہ ٹیکس وصول کرتے ہو اور دہشت گردی کر کے راستے روکتے ہو۔

امام سُدی رحمہ اللہ وغیرہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مذکورہ آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ وہ لوگ گزرنے والے لوگوں کے مالوں میں سے دسواں حصہ وصول کر لیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''سب سے پہلے ان لوگوں نے یہ ظالمانہ طریقہ ایجاد کیا۔''[1]

[1] تفسیر ابن کثیر: 401/3 تفسیر سورۃ الأعراف: 86

یعنی آپ نے انہیں ظاہری دنیوی راستے روکنے سے بھی منع فرمایا اور معنوی یعنی دین کے راستے میں رکاوٹ بننے سے بھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو نصیحت اور قوم کا اعلان بغاوت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاذْكُرُوٓا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴾

''اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔ اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟'' (الأعراف: 86/7)

آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے اللہ کی نعمت یاد دلائی کہ ان کی تعداد کم تھی، اللہ نے زیادہ کر دی۔ اور تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ آپ کی ہدایات کی پیروی نہیں کریں گے تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو جائے گا۔ جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّىٓ أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴾

''اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں گھیر لے گا۔'' (ھود: 84/11)

یعنی اپنے غلط کاموں کو جاری نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے مالوں کی برکت ختم کر دے گا اور تمہیں مفلس کر دے گا اور تمہاری دولت چھین لے گا۔ اس کے علاوہ آخرت کا عذاب بھی آنے والا ہے اور جس کو دنیا میں بھی سزا ملی اور آخرت میں بھی عذاب بھگتنا پڑا، وہی اصل خسارے سے دوچار ہوگا۔

اس کے بعد شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَيَٰقَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴾

''اور اے میری قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی نہ کرتے پھرو۔ اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔'' (ھود: 86,85/11)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ ''اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے لینے کی نسبت اللہ کا دیا ہوا حلال رزق تمہارے لیے بہتر ہے۔''

ابن جریر ؒ نے فرمایا: ”لوگوں کو پوری چیز ناپ تول کر دینے کے بعد تمہارے پاس جو نفع بچتا ہے، وہ اس سے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں کے حق میں سے رکھ لیتے ہو۔“ [1]

یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مشابہ ہے:

﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ﴾

”کہہ دو کہ پاک چیزیں اور ناپاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں گو ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں اچھی ہی لگے۔“

(المائدة: 100/5)

یعنی تھوڑا سا حلال مال بہت سے حرام مال سے بہتر ہے۔ کیونکہ حلال تھوڑا بھی ہو تو برکت والا ہوتا ہے اور حرام زیادہ بھی ہو تو بے برکت ہوتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ﴾

”اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا ہے اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔“ (البقرة: 276/2)

اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ”سود زیادہ بھی ہو تو اس کا انجام قلت ہی ہے۔“ [2]

نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”بیچنے والا اور خریدنے والا (سودا قائم رکھنے یا ختم کرنے کا) اختیار رکھتے ہیں، جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں۔ اگر وہ سچ بولیں اور (سودے کی حقیقت کو) واضح کریں، تو دونوں کو ان کے سودے میں برکت دی جاتی ہے اور اگر وہ چھپالیں (اور ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کریں) اور جھوٹ بولیں تو ان کے سودے کی برکت مٹ جاتی ہے۔“ [3]

شعیب ﷤ کے اس فرمان: ﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ”اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔“ کا یہی مطلب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴾ ”اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں“ کا مفہوم یہ ہے کہ میں تمہیں جو حکم دیتا ہوں اس پر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور ثواب کی نیت سے عمل کرو، اس لیے نہیں کہ میں یا کوئی اور تمہیں دیکھ رہا ہے۔ قوم نے اکھڑپن کا مظاہرہ کیا اور یوں گویا ہوئی:

﴿ يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴾

---

1. تفسير الطبري: 131/7
2. مسند أحمد: 395/1
3. صحيح البخاري، البيوع، باب إذا كان البائع بالخيار......، حديث: 2114 و صحيح مسلم، البيوع، باب الصدق في البيع والبيان، حديث: 1532

''اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم اُن کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں جو تصرف کرنا چاہیں نہ کریں؟ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔'' (ھود:87/11)

یہ بات ان لوگوں نے شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لیے کہی کہ آپ جو نماز پڑھتے ہیں، کیا یہی آپ کو حکم دیتی ہے کہ ہم پر پابندیاں عائد کریں کہ ہم صرف آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں؟ اور ان سب کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباء و اجداد پوجتے آئے ہیں؟ کیا ہم اپنے معاملات صرف اس انداز سے انجام دیا کریں جو آپ کو پسند ہے؟ کیا ہم لین دین کے وہ سب طریقے چھوڑ دیں جو آپ کو پسند نہیں، خواہ ہمیں ان میں کوئی خرابی نظر نہ آتی ہو؟

﴿اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ﴾ ''حقیقت یہ ہے کہ صرف آپ ہی عقل منداور سمجھ دار ہیں۔'' حضرت ابن عباس ابن جریج اور زید بن اسلم اور ابن جریر رحمہم اللہ نے فرمایا: ''اللہ کے دشمنوں نے یہ بات مذاق اڑاتے ہوئے کہی تھی۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ رَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ﴾

''(شعیب علیہ السلام نے) کہا: اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اُس نے اپنے ہاں سے مجھے بہترین روزی دی ہو (تو کیا میں اس کے خلاف کروں گا؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں، خود اُس کو کرنے لگوں۔ میں تو جہاں تک ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے۔ میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' (ھود: 88/11)

یہ دعوت حق کے لیے نرم الفاظ استعمال کرنے کا اسلوب ہے لیکن اس میں حق بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''اے منکرو! ذرا غور کرو میرے پاس واضح دلائل موجود ہیں کہ اللہ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور مجھے اچھی چیز یعنی نبوت و رسالت عطا کی ہے لیکن تم اسے پہچاننے کی توفیق سے محروم رہ گئے ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟''

نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے بعینہ یہی بات فرمائی تھی جیسے کہ ان کے واقعات میں بیان ہوا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ﴾ ''اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں۔'' یعنی میں تمہیں جو بھی نیکی کا کام بتاتا ہوں، سب سے پہلے میں خود اس پر عمل کرتا ہوں اور تمہیں جس غلط کام سے روکتا ہوں، سب سے پہلے خود اس سے اجتناب کرتا ہوں۔

[1] تفسیر الطبری: 135/7

یہ ایک عظیم خوبی ہے۔ اس کے برعکس کیفیت ایک مذموم خرابی ہے جس میں بنی اسرائیل کے علماء اور جاہل خطباء آخری زمانے میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾

''(یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور خود کو فراموش کر دیتے ہو، حالانکہ کتاب (اللہ) بھی پڑھتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟'' (البقرۃ:2/44)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''(قیامت کے دن) ایک آدمی کو لا کر جہنم میں پھینکا جائے گا، اس کے پیٹ سے انتڑیاں باہر نکل آئیں گی۔ وہ ان کے اردگرد (تکلیف کی شدت سے) چکر کاٹنا شروع کر دے گا، جس طرح (چکی چلانے والا) گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ جہنمی اکٹھے ہو جائیں گے۔ وہ کہیں گے: فلاں صاحب! آپ کو کیا ہوا؟ کیا آپ ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیا کرتے تھے اور برے کاموں سے منع نہیں کیا کرتے تھے؟ وہ کہے گا: ''ہاں! میں نیکی کی تلقین تو کرتا تھا، لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ برائی سے منع تو کرتا تھا، لیکن خود اس کا ارتکاب کر لیا کرتا تھا۔''[1]

انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والے بدنصیب بدکاروں کی یہی کیفیت ہوتی ہے، لیکن اہل عقل علماء جو رب کا خوف رکھتے ہیں، ان کی کیفیت وہ ہوتی ہے جیسے اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ ﴾

''اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اُس کو کرنے لگوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں۔'' (ھود: 11/88)

یعنی مجھے ہر حال میں اللہ ہی سے توفیق ملتی ہے اور میں تمام معاملات میں اسی پر اعتماد کرتا ہوں۔ میرے ہر کام کا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سارا کلام ''ترغیب'' پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد آپ نے ''ترہیب'' کا پہلو اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴾

''اور اے میری قوم! میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرا دے کہ جیسی مصیبت نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر واقع ہوئی تھی ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں۔'' (ھود:11/89)

یعنی میری مخالفت اور میرے لائے ہوئے پیغام سے نفرت تمہیں اس طرف نہ لے جائے کہ اپنی گمراہی اور جہالت پر قائم رہو، جس کے نتیجے میں تم پر اللہ کا عذاب آ سکتا ہے، جس طرح تم جیسے پہلے کافروں پر آیا تھا، یعنی جس طرح قوم نوح

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حديث: 3267 و صحيح مسلم، الزهد، باب عقوبة من يأمر بالمعروف ولا يفعله ......، حديث 2989 و مسند أحمد: 205/5

اور عاد وثمود کے کافر اور حق کے مخالف اللہ کے عذابوں کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ پھر فرمایا: ﴿وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ﴾ ''اور لوط علیہ السلام کی قوم تم سے کچھ دور نہیں۔'' یعنی وہ کوئی بہت پرانے دور کا واقعہ نہیں۔ بلکہ ان کے کفر وعناد کی وجہ سے آنے والا عذاب تمہیں معلوم ہے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ ان کا علاقہ اور مسکن تم سے کچھ دور نہیں۔ ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ لوگ عادات اور بداعمالیوں کے لحاظ سے تم سے کچھ دور اور زیادہ مختلف نہیں تھے۔ وہ بھی تمہاری طرح مسافروں کو لوٹنے اور پریشان کرنے والے اور طرح طرح کے مکر وفریب کے ذریعے سے اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے لوگوں کا مال سرعام بھی چھین لیتے تھے اور خفیہ طور پر بھی لے لیتے تھے۔

یہ سب اقوال درست ہیں کیونکہ وہ زمانہ، مقام اور اعمال کے لحاظ سے ان سے قریب تھے۔ آخر میں ترہیب کے بعد پھر ترغیب کا پہلو اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾

''اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اُس کے آگے توبہ کرو۔ بیشک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے۔''

(ھود: 90/11)

یعنی اپنے موجودہ گناہوں سے باز آ جاؤ اور رحمت کرنے والے محبت کرنے والے رب کے آگے توبہ کرو کیونکہ جو بندہ توبہ کرتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر اتنا زیادہ رحم کرنے والا ہے کہ ماں بھی اپنے بچے پر اس قدر شفقت نہیں کر سکتی۔ وہ قابل محبت ہے کیونکہ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے خواہ کتنے ہی برے اور تباہ کن گناہوں کے بعد توبہ کرے۔

قوم کا اعلان بغاوت: حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کی ہر طرح سے خیر خواہی کی' انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل شدہ خیر وبرکت یاد دلائی اور برائیوں سے روکا مگر قوم نے ماننے کی بجائے آپ کو سنگسار کرنے اور بستی سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ﴾

''انہوں نے کہا کہ شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو۔ اور اگر تمہارے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔''

(ھود: 91/11)

یہ اُن کے شدید کفر وعناد کا اظہار ہے کہ انہوں نے کہا: تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ کیونکہ وہ ہمیں پسند نہیں، نہ ہم انہیں سننا یا سمجھنا چاہتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو قریش کے کافروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَ فِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴾

''اور وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اُس سے ہمارے دل پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (یعنی بہرا پن) ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے' سو تم (اپنا) کام کرو ہم (اپنا) کام کرتے ہیں۔''

(حٰمٓ السجدۃ: 5/41)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ﴾

''(شعیب نے) کہا کہ اے میری قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے؟'' (ھود:11/92)

یعنی تم خاندان اور قبیلے سے ڈرتے ہو اور اس کی وجہ سے میرا (کچھ نہ کچھ) لحاظ کرتے ہو لیکن کیا تمہیں اللہ کے عذاب سے خوف محسوس نہیں ہوتا؟ تم میرا لحاظ اس وجہ سے کیوں نہیں کرتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ گویا تمہاری نظروں میں میرا قبیلہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقت والا ہے۔

﴿ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ﴾ ''اور تم نے اللہ کے احترام اور خوف کو پس پشت ڈال دیا ہے۔'' ﴿ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴾ ''میرا پروردگار تو تمہارے سب اعمال پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' یعنی اسے معلوم ہے جو تم کر رہے ہو۔ وہ تمہاری ہر چھوٹی بڑی حرکت سے باخبر ہے۔ جب تم اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں اس کی پوری سزا دے گا۔ اور کہا:

﴿ وَ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَ ارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ﴾

''برادران ملت! تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ میں (اپنی جگہ) کام کیے جاتا ہوں۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رُسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔''

(ھود:11/93)

اس میں سخت وعید ہے کہ اگر وہ باز نہیں آتے تو اپنے طریقے پر قائم رہیں، جلد ہی اس کا نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ پھر انہیں معلوم ہوگا کہ کس کا انجام اچھا ہوتا ہے اور کس پر تباہی نازل ہوتی ہے' یعنی دنیا کی زندگی میں رسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کس پر ٹوٹتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں نے جو خبریں تمہیں دی ہیں اور تنبیہ کی ہے، اس میں میں جھوٹا ہوں یا تم جس مذہب اور رواج پر عمل پیرا ہو' اس میں تم جھوٹے ہو۔ ﴿ وَ ارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ﴾ ''اور تم بھی انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔''

اس کا وہی مفہوم ہے جو اس آیت مبارکہ کا ہے:

﴿وَإِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾

''اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کیے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' (الأعراف: 87،7)

عذاب کی آمد اور قوم کی ہلاکت پر نبی علیہ السلام کا اظہار افسوس

عذاب کی آمد: قوم کے سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو زبردست دھمکیاں دیں اور مومنوں کو اپنے پرانے مذہب میں واپس آنے کی تلقین کی۔ جب مومن ڈٹ گئے تو قوم کی زیادتیاں اور بھی بڑھ گئیں لہٰذا حضرت شعیب علیہ السلام نے نصرت ربانی کے لیے دعا کر دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۚ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ﴾

''اُن کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب! (یا تو) ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ انہوں نے کہا خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں (تو بھی؟) اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس (کفر) سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے اللہ پر افترا (جھوٹ) باندھا اور ہمیں لائق نہیں کہ اس میں لوٹ جائیں۔ ہاں اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی پر بھروسا ہے۔ اے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' (الأعراف: 89،88،7)

کافروں نے مطالبہ کیا کہ مومنوں کو دوبارہ اپنے آباء واجداد کا مذہب اختیار کر لینا چاہیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے مومنوں کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ﴾ یعنی مومن اپنی خوشی سے تو کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ اگر بفرض محال ایسا ہو بھی گیا تو وہ تمہارے ظلم کی وجہ سے مجبوراً ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایمان کی حقانیت دل میں جاگزیں

ہو جائے تو پھر انسان کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ اس کو ناپسند کرے یا اسے ترک کر دے۔

اس لیے آپ نے فرمایا:

﴿ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ﴾

''اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس (کفر) سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بیشک ہم نے اللہ پر افترا (جھوٹ) باندھا اور ہمیں لائق نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں۔ ہاں اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے (تو ہم مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی پر بھروسا ہے۔''

(الأعراف: 89/7)

یعنی وہ اللہ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔ وہ ہماری حفاظت کرنے والا ہے۔ ہر معاملے میں وہی ہمارا ملجا و ماویٰ ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ قوم کے خلاف آپ کی مدد کرے اور انہیں وہ سزا دے جس کے وہ مستحق ہیں۔ فرمایا:

﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴾

''اے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' (الأعراف: 89/7)

آپ نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی دعا رد نہیں کیا کرتا، جب وہ منکرین ومخالفین کے خلاف دعا فرمائیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی بداعمالیوں پر قائم رہنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ اُن کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے:

﴿ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴾

''(لوگو!) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔'' (الأعراف: 90/7)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾

''تو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' (الأعراف: 78/7)

یعنی زمین لرزنے لگی، شدید زلزلہ آ گیا جس کی وجہ سے ان کے جسموں سے روحیں پرواز کر گئیں۔ ان کے بے جان لاشے بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ ان میں جان رہی نہ حرکت۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی طرح کی سزائیں دیں اور کئی طرح کے عذاب ان پر نازل کیے کیونکہ وہ بری عادتوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا زلزلہ مسلط کیا جس سے وہ بے حس وحرکت ہو کر رہ گئے اور ایسی چیخ کا عذاب بھیجا کہ تمام آوازیں خاموش ہو گئیں اور ایسے بادل کا سایہ کیا جس سے ہر طرف

آ گ کے انگارے برسنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر سورت میں کلام کے سیاق وسباق کے مطابق کسی ایک عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی اور ان کے ساتھیوں کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے دین حق کو ترک نہ کیا تو انہیں بستی سے نکال دیا جائے گا۔ اس [إرْجاف] ''خوف زدہ کرنے'' کی سزا [رَجفة] ''زلزلہ'' تھا۔

سورۂ ہود میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے نبی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا:

﴿ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴾

''کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھلاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں جو تصرف کرنا چاہیں نہ کریں۔ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔'' (ھود: 87/11)

انہوں نے نبی سے گستاخی کرتے ہوئے جو بڑی باتیں کہی تھیں اس کی سزا کے طور پر ایک ہولناک آواز کا عذاب نازل ہوا جس سے وہ تباہ ہو گئے اور تمام آوازیں خاموش ہو گئیں۔

سورۂ شعراء میں مذکور ہے کہ ان پر ''سائبان والے دن'' کا جو عذاب آیا وہ ان کے مطالبے کا جواب تھا جو انہوں نے کیا تھا:

﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۚ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۗ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾

''تم تو جادو زدہ ہو اور کچھ نہیں بس ہمارے جیسے آدمی ہو۔ اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا کر گراؤ۔ شعیب نے کہا تم جو کام کرتے ہو میرا پروردگار اس سے خوب واقف ہے۔''

(الشعراء:26/185-188)

اس کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾

''تو اُن لوگوں نے اس (شعیب) کو جھٹلایا' پس سائبان والے دن کے عذاب نے اُن کو آ پکڑا۔ بیشک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔'' (الشعراء:26/189)

مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پر سخت گرمی مسلط ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سات دن ہوا روک لی۔ گرمی کی شدت پانی سے کم ہوتی نہ سائے سے اور نہ تہہ خانوں میں داخل ہو جانے سے۔ چنانچہ وہ گھروں سے میدان میں نکل آئے۔ اچانک ان پر ایک بادل آیا، تو وہ سب اس کے نیچے جمع ہو گئے تاکہ گرمی سے تسکین حاصل ہو۔ جب وہ سب کے سب جمع ہو گئے تو اس میں سے چنگاریاں اور شعلے برسنے لگے۔ زمین زلزلے سے لرزنے لگی اور آسمان سے انتہائی شدید آواز گونجی، جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ۝ ﴾

''اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یہ لوگ) جنھوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہو گئے گویا وہ اُن میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے۔ (غرض) جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے۔''

(الأعراف: 92,91/7)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝ ﴾

''اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اُن کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور جو ظالم تھے اُن کو چنگھاڑ نے آ دبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا اُن میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سن رکھو کہ مدین پر (ویسی ہی) پھٹکار ہے جیسی ثمود پر پھٹکار ہوئی تھی۔'' (ھود: 95,94/11)

اور مزید فرمایا:

﴿ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ۝ ﴾

''اور ان کی قوم میں سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (لوگو) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔ تب اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یہ لوگ) جنھوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہو گئے گویا وہ اُن میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے (غرض) جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے۔'' (الأعراف: 92-90/7)

جب کہ وہ لوگ کہتے تھے:

﴿ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾

''اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔'' (الأعراف: 90/7)

قوم کی ہلاکت پر اظہار افسوس: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ پیغمبر نے قوم کی تباہی پر افسوس کا اظہار کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ

كٰفِرِيْنَ ○

''تو شعیب اُن میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو! میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے ہیں اور تمہاری خیر خواہی کی تھی، سو میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج وغم کیوں کروں؟'' (الأعراف: 93/7)

یعنی ان لوگوں کے تباہ ہو جانے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام ان کی بستی سے یہ کہتے ہوئے چل دیے کہ میں نے پوری خیر خواہی کرتے ہوئے اللہ کے احکام مکمل طور پر تمہیں پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور جس جس طرح مجھ سے ہو سکا، میں نے ہر طریقے سے تمہیں ہدایت سے سرفراز کرنے کی کوشش کی لیکن تم اس سے کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکے کیونکہ ہدایت دینا اللہ کے قبضے میں ہے۔ اس کے بعد تم پر آنے والے عذاب کا مجھے کوئی افسوس نہیں کیونکہ یہ تم ہی تھے جو ہدایت قبول کرتے تھے نہ رسوائی اور عذاب کے دن کا خوف محسوس کرتے تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج اور غم کیوں کروں؟ یعنی میں ان لوگوں کا غم کیوں کروں جو حق قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اس کے نتیجے میں ان پر اللہ کا وہ عذاب آ گیا جسے روکا جا سکتا ہے نہ اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور نہ کہیں اس سے پناہ مل سکتی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام
مدین اور اَیکہ
قلزم (سویز)
صحرائے سیناء
جزیرہ نمائے سیناء
خلیج سویز (خلیج سوئس)
مصر
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
ایلہ (ایلات)
عقبہ
حمیدہ
مدین
البدع
مقنا
خریبہ
تریم
مویلح
ضبا
وجہ
معان
اردن
تبوک
(اَیکہ)
قلیبہ
تیماء
دارالحمراء
دیارِ ثمود
مدائن صالح (حجر)
العلاء
عرب
عراق
بحیرۂ روم
فارس (ایران)
خلیج فارس
جزیرہ نمائے عرب
بحیرۂ قلزم
بحیرۂ عرب
سوڈان
افریقہ
حبشہ (ایتھوپیا)
صومالیہ
400
300
200
100

نتائج و فوائد ...... عبرتیں و حکمتیں

اصلاح کے بنیادی اصول: حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے سے داعیانِ اِلی اللہ کو اصلاح معاشرہ کے بنیادی اصول ملتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے تجارت میں دھوکہ دہی کی اخلاقی بیماری میں مبتلا قوم کی اصلاح کا ارادہ فرمایا تو قوم نے ان کی مصلحانہ کوششوں کی سخت مخالفت کی۔ اور اپنے کردار و عمل پر پختگی سے وابستہ رہنے کا اظہار کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے اس باطل ردعمل کو اصلاح کے ان بنیادی اصولوں سے رد فرمایا:

﴿وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

''میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہاری مخالفت کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر میرا بھروسا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔'' (ھود: 88/11)

آپ کے اس فرمان میں مصلحین کے لیے ارشاد ہے کہ ان کا عمل و کردار ہمیشہ ان کے اقوال کے موافق ہونا چاہیے کیونکہ اقوال کی نسبت کردار و عمل زیادہ موثر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی واعظ و خطیب کتنا ہی بلند پایہ اور شیریں بیان کیوں نہ ہو اگر اس کا عمل اس کی گفتار کے مطابق نہ ہو تو لوگ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے داعیان کے لیے سخت وعید بیان فرمائی ہے جن کا عمل ان کی تبلیغ کے موافق نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا:

''قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا، اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا' اس کی آنتیں باہر نکلی ہوں گی اور وہ چکی کے گدھے کی طرح ان کے گرد گھوم رہا ہو گا۔ جہنمی اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے: اے فلاں شخص! تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں نیکی کی ہدایت کرتا اور برائی سے روکتا نہیں تھا؟ وہ کہے گا: میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود وہ کام نہیں کرتا تھا۔ تمہیں برائی سے روکتا تھا جبکہ خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔'' [1]

آپ نے دوسرا اصول یہ بیان فرمایا کہ میں حسب طاقت اصلاح کی کوشش کر رہا ہوں، اس سے داعیان الی اللہ کو پرخلوص اور بے لوث دعوت دینے کا درس ملتا ہے۔ نیز آپ کے توکل علی اللہ اور اللہ تعالیٰ سے مدد و تائید حاصل کرنے سے بھی داعیان توحید کو درس ملتا ہے کہ وہ بھی ہمیشہ اپنا بھروسا اپنے پروردگار پر رکھیں۔

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3267 و صحيح مسلم، الزهد، حديث: 2989

نماز برائیوں سے روکتی ہے: حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عقیدہ توحید کو اپنانے اور برائیوں کوترک کرنے کا باعث بنتی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے پیروکار نماز کی ادائیگی کی وجہ سے شرک، دھوکہ دہی، فراڈ اور سامان تجارت میں ملاوٹ جیسی برائیوں سے محفوظ ہو گئے۔ جبکہ آپ کی قوم انہی بیماریوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ان برائیوں سے روکا تاکہ وہ دنیا وآخرت میں سرخرو ہوں۔ آپ نے فرمایا:

﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝﴾

''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔ اے میری قوم! ناپ تول پورے پورے انصاف کے ساتھ کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ۔''

(ھود: 85'84/11)

قوم نے ان پند ونصائح کو قبول کرنے کی بجائے استہزا کرتے ہوئے جواب دیا:

﴿يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝﴾

''اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے مالوں میں حسب خواہش تصرف کرنا بھی چھوڑ دیں۔ تو تو بڑا ہی باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔'' (ھود: 87/11)

یعنی قوم نے آپ کی دعوت توحید اور تجارت میں ایمانداری کی دعوت کو ترک کر کے ثابت کر دیا کہ نماز واقعی ان چیزوں کا حکم دیتی ہے۔ اگر وہ نماز ادا کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو دعوت وتوحید اور ایمانداری کو بھی قبول کر لیتے۔ بے شک نماز بے حیائی اور برائیوں سے روکتی ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

دھوکہ دہی اور ملاوٹ سے احتراز کا درس: حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے سے ہمیں ایمانداری کا درس ملتا ہے۔ لوگوں کو دھوکہ دینا اور چیزوں میں ملاوٹ کرنا' نیز ناپ تول میں ڈنڈی مارنا سخت اخلاقی جرائم ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم انہی جرائم کی مرتکب تھی' لہٰذا آپ کی مصلحانہ کوششوں کی ناکامی پر سخت عذاب کا شکار ہوئی۔

اسلام عدل وانصاف اور ایمانداری کی تلقین کرتا ہے جو لوگ دوسروں کو دھوکہ دے کر سامان دنیا جمع کرتے ہیں انہیں سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝﴾

''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔'' (المطففین: 83/1-3)

رسول اکرم ﷺ نے اس تجارتی برائی کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس پر قحط سالی، سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم وستم مسلط کر دیا جاتا ہے۔''[1]

[1] سنن ابن ماجہ' الفتن' باب العقوبات' حدیث: 4019

آلِ ابراہیم کے انبیاء علیہم السلام

گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور ان واقعات کے نتیجے میں کیا صورت حال پیش آئی؟ آپ پر اللہ کی رحمتیں اور سلام نازل ہو۔

ان کے زمانے میں پیش آنے والے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے واقعات وحالات بھی بیان کیے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مدین کے حالات بیان کیے کیونکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان دونوں اقوام کا ذکر یکجا کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے واقعات کے بعد قوم مدین کے حالات بیان کیے ہیں۔ صحیح قول کے مطابق اصحاب الایکہ سے قوم مدین ہی مراد ہے۔ چنانچہ قرآن کے انداز بیان کی اتباع میں ہم نے بھی ان اقوام کا ذکر اسی ترتیب سے کر دیا۔

اس کے بعد ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے بارے میں بیان کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت اور آسمانی کتابوں کا سلسلہ آپ کی اولاد میں رکھا ہے اور آپ کے بعد جو نبی بھی آیا ہے وہ آپ کی اولاد ہی میں سے آیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

سیرت حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کئی بیٹے تھے۔ ان میں سے زیادہ مشہور وہ دو بھائی ہیں جو عظیم نبی اور رسول ہیں۔ ان میں سے عمر میں بڑے اور عظمت وشان میں برتر وہ ہیں جو ذبیح اللہ ہیں یعنی اسماعیل علیہ السلام' جو حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے پہلوٹے بیٹے ہیں اور حضرت ہاجرہ قبطیہ علیہا السلام سے پیدا ہوئے۔ ان پر اللہ عظیم وجلیل کا سلام ہو۔

جو یہ کہتا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح تھے، اس کا قول بنی اسرائیل سے ماخوذ ہے، جنہوں نے تورات وانجیل میں تحریف وتاویل کی ہے۔ بلکہ ان کے پاس جو کتابیں موجود ہیں، ان سے بھی اس مؤقف کی تردید ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنا پہلوٹی کا بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کریں اور ایک روایت کے مطابق اپنے اکلوتے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کا حکم ہے۔

جو بھی ہو دلیل کی روشنی میں ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی برس تھی جب ان کے ہاں اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسحاق علیہ السلام کی ولادت اس وقت ہوئی جب حضرت خلیل علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔ یعنی اسماعیل علیہ السلام ہی یقیناً پہلے بیٹے ہیں اور وہی ظاہری طور پر بھی اور معنوی طور پر بھی اکلوتے ہیں۔

ظاہری صورت میں اکیلے اس طرح کہ وہ تیرہ سال تک اپنے والد محترم کی اکیلی اولاد رہے اور معنوی طور پر اکیلے اس طرح کہ وہ دودھ پیتے بچے تھے، جب انہیں اور ان کی والدہ کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے اور انہیں فاران کے پہاڑوں میں جا بسایا۔ فاران کے پہاڑ وہ ہیں جو مکہ کے اردگرد ہیں۔ وہاں تھوڑا سا پانی اور تھوڑی سی غذا دے کر ٹھہرایا اور صرف اللہ پر اعتماد اور توکل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی اور کرم فرمایا۔ یقیناً اللہ بہترین کارساز اور بہترین محافظ ونگہبان ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر بھی اور حقیقی طور پر بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ''اکیلے'' اور ''اکلوتے'' تھے لیکن اس نکتے کو کوئی باشعور نکتہ دان ہی سمجھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف کرتے ہوئے آپ کے یہ اوصاف بیان فرماتا ہے کہ آپ حلم اور صبر والے تھے۔ وعدے کے سچے اور نماز کے پابند تھے۔ آپ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیتے تھے تاکہ انہیں عذاب سے بچا سکیں اور دوسروں کو بھی یہی دعوت دیتے تھے کہ اللہ رب العالمین ہی کی عبادت کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۞ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۞﴾

''تو ہم نے اُن کو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی۔ جب وہ اُن کے ساتھ دوڑ نے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا: بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم دیکھو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: ابا جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔'' (الصافات: 102,101/37)

آپ کے والد نے آپ کو جس قربانی کی طرف بلایا، آپ نے اسے دل وجان سے قبول فرمایا۔ آپ نے صبر کا وعدہ کیا تو وعدہ پورا بھی کیا اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کر کے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۞ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۞﴾

''اور کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر کرو، وہ وعدے کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (اور برگزیدہ) تھے۔'' (مریم: 55,54/19)

اور فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۞ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۞ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۞ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۞﴾

''اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے، ہم نے اُن کو

ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔'' (ص: 38/45-48)

اور فرمایا:

﴿ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْکِفْلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰھُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّھُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ ﴾

''اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشبہ وہ نیکوکار تھے۔'' (الأنبیاء: 21/85،86)

اور مزید فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ ﴾

''(اے نبی!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اُن کے بعد آنے والے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی، اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور ان کی اولاد (وغیرہ کی طرف وحی بھیجی۔'') (النساء: 4/163)

نیز ارشاد ہے:

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ ﴾

''(مسلمانو!) کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اُتری اُس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُن کی اولاد پر نازل ہوئے اُن پر (بھی ایمان لائے۔'') (البقرۃ: 2/136)

اور فرمایا:

﴿ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰہُ ﴾

''(اے یہود و نصاریٰ!) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُن کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ (اے نبی!) ان سے کہہ دو کہ بھلا تم زیادہ علم رکھتے ہو یا اللہ؟'' (البقرۃ: 2/140)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر خوبی بیان فرمائی۔ آپ کو اپنا نبی اور رسول بنا کر مخاطب کیا اور جاہلوں نے آپ کی طرف جو غلط باتیں منسوب کی تھیں، ان کی تردید فرماتے ہوئے آپ کو منزہ اور پاک بیان فرمایا اور مومنوں کو حکم دیا کہ آپ پر نازل ہونے والی وحی اور ہدایت پر ایمان رکھیں۔

علمائے نسب کا بیان ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی نے گھوڑوں پر سواری کی۔ اس سے پہلے گھوڑے آزاد جنگلی

جانوروں میں شامل تھے' آپ نے انہیں پالتو بنایا اور ان پر سواری فرمائی۔

سب سے پہلے آپ ہی نے فصیح و بلیغ عربی میں کلام فرمایا۔ آپ نے یہ زبان عرب عاربہ کے ان افراد سے سیکھی تھی جنہوں نے مکہ میں آپ کے پاس رہائش اختیار کی تھی۔ ان لوگوں کا تعلق جرہم، عمالیق، اہل یمن اور ان دوسرے عرب قبائل سے تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی اور اولاد

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جوان ہونے پر عمالیق کی ایک عورت سے شادی کی جسے بعد میں اپنے والد کے حکم پر طلاق دے دی۔ اس کا نام عمارۃ بنت سعد بن اسامہ بن اکیل عمالیقی تھا۔ اس کے بعد ایک اور خاتون سے نکاح کیا جن کے بارے میں ان کے والد نے حکم دیا کہ ان سے جدائی اختیار نہ کریں۔ چنانچہ وہ آپ کے نکاح میں رہیں ان کا نام سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی تھا۔

بعض مورخین نے انہیں آپ کی تیسری زوجہ محترمہ قرار دیا ہے۔ ان میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں: نابت، قيدار، ازبل، ميشي، مسمع، ماش، دوصا، أزر، يطور، نبش، طيما، قيذما اہل کتاب نے اپنی کتاب میں ایسے ہی لکھا ہے۔[1]

حضرت اسماعیل علیہ السلام اس علاقے اور قرب و جوار کے قبائل کی طرف مبعوث ہوئے تھے جن میں جرہم اور عمالیق کے قبائل اور یمن کے باشندے شامل ہیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا، تو آپ نے اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور اپنی بیٹی نَسمہ کی شادی اپنے بھتیجے عیص بن اسحاق علیہ السلام سے کر دی۔[2] اس سے عیص کا بیٹا ''روح''[3] پیدا ہوا۔ عیص کے بیٹے بنی اصفر کہلاتے ہیں، کیونکہ عیص زرد رُو تھا۔

اللہ کے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے قریب ''حجر'' میں دفن کیے گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ایک سو سینتیس برس تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مکہ مکرمہ کی گرمی کی شکایت کی تو

---

1. بائبل کے موجودہ نسخہ میں یہ نام کچھ مختلف ہیں۔ کتاب پیدائش میں لکھا ہے: ''اور اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں اور یہ نام ترتیب وار ان کی پیدائش کے مطابق ہیں: اسماعیل کا پہلوٹھا نبایوت تھا۔ پھر قیدار اور ادبئیل اور مبسام اور مشماع اور دومہ اور مسّا اور حدد اور تیما اور یطور اور نفیس اور قدمہ (پیدائش باب: 24 فقرہ: 13 '14 '15) عربی نسخہ میں حدد کو 'حدار' اور نفیس کو نافیش لکھا گیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ)
2. [عیص] کا نام بائبل میں [عیسو] مذکور ہے اور [نسمہ] کا نام [بسمہ] بتایا گیا ہے۔ (پیدائش 3:36)
3. بائبل میں اسے [رعوئیل] کہا گیا ہے۔ دیکھیے کتاب پیدائش 4:36

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی: ''آپ جس جگہ دفن ہوں گے، میں وہاں سے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دوں گا اور آپ کو قیامت تک جنت کی ہوا آتی رہے گی۔''

حجاز کے تمام عرب قبائل حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دو بیٹوں نابت اور قیدار کی اولاد سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند ارجمند

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔ آپ کی والدہ حضرت سارہ علیہا السلام کو جب آپ کی ولادت کی خوش خبری دی گئی تو وہ نوے سال کی تھیں۔ آپ اپنے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چودہ سال بعد پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰۤى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ۝ ﴾

''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکو کاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے اُن پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں۔ اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکو کار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گناہ گار) بھی ہیں۔'' (الصافات: 113,112/37)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ کا ذکر اور تعریف موجود ہے۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کریم شخصیت کے پڑپوتے، کریم کے پوتے، کریم کے بیٹے اور خود بھی

کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔''[1]

حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اور ان کی باہمی عداوت اور سبب

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے والد کی زندگی میں رفقا[2] بنت بتوایل سے شادی کی، اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی، وہ بانجھ تھی۔ آپ نے اللہ سے دعا کی تو وہ امید سے ہوگئی۔ پھر اس کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام عیسُو تھا جسے اہل عرب عَیص کہتے ہیں۔ وہ رومیوں کا جد امجد ہے۔ اور دوسرا جو اپنے بھائی کی ایڑی پکڑے ہوئے پیدا ہوا، اس کا نام ''یعقوب'' رکھا گیا۔ ان ہی کا نام ''اسرائیل'' بھی ہے۔ اسی لیے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسبت عیسو سے زیادہ محبت تھی۔ کیونکہ وہ ان کا پہلوٹا بیٹا تھا اور رفقا کو یعقوب سے زیادہ محبت تھی کیونکہ وہ چھوٹے تھے۔

اولاد اسحاق علیہ السلام کی باہمی عداوت اور سبب: جب حضرت اسحاق علیہ السلام بوڑھے ہوگئے اور ان کی نظر کمزور ہوگئی تو انہوں نے اپنے بیٹے عیسو سے کھانا تیار کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اسے حکم دیا کہ جا کر کوئی جانور شکار کرے اور اس کا گوشت پکا کر کھلائے تاکہ آپ اس کے حق میں خیر و برکت کی دعا کریں۔ عیسو شکار پیشہ آدمی تھا، وہ شکار کی تلاش میں نکل گیا۔ رفقا نے اپنے بیٹے یعقوب سے کہا کہ اپنی بکریوں میں سے دو عمدہ میمنے ذبح کر کے اپنے والد کی پسند کا کھانا تیار کرے اور بھائی کے آنے سے پہلے والد کو پیش کر دے تاکہ وہ اس کے حق میں دعا کریں۔ پھر اس نے یعقوب کو عیسو کے کپڑے پہنا دیے اور میمنوں کی کھال اس کے بازوؤں اور گردن پر لپیٹ دی کیونکہ عیسو کے جسم پر بہت بال تھے اور یعقوب علیہ السلام کا جسم بالوں سے صاف تھا۔ جب اس نے کھانا لا کر پیش کیا تو اسحاق علیہ السلام نے فرمایا: ''تو کون ہے؟'' اس نے کہا: ''آپ کا بیٹا (عیسو) ہوں۔'' آپ نے اس سے معانقہ کیا اور فرمایا: ''آواز تو یعقوب کی ہے لیکن چھونے اور کپڑوں سے عیسو معلوم ہوتا ہے۔''

جب حضرت اسحاق علیہ السلام نے کھانا کھا لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دعا دی کہ وہ اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ معزز ہو، وہ ان کا اور بعد والی قوموں کا سردار ہو اور اس کا رزق اور اولاد بہت زیادہ ہو۔

جب وہ آپ کے پاس سے نکلے تو اُن کا بھائی عیسو بھی والد کے حکم کے مطابق کھانا لے کر حاضر ہوا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے فرمایا: ''بیٹا! یہ کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''یہ وہ کھانا ہے جس کی آپ نے خواہش کی تھی۔'' آپ نے فرمایا: ''کیا تو تھوڑی دیر پہلے میرے پاس کھانا نہیں لایا تھا جسے کھا کر میں نے تجھے دعا دی تھی؟'' اس نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم!'' اسے

---

1. صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب ﴿أم کنتم شهداء......﴾ حدیث:3382

2. اردو بائبل میں ربقہ بنت بتوئیل درج ہے۔

معلوم ہو گیا کہ اس کا بھائی (یعقوب) اس سے پہلے کھانا پیش کر کے دعا لے چکا ہے' چنانچہ اسے اس پر بہت غصہ آیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ اس نے بھائی کو دھمکی دی کہ باپ کی وفات کے بعد اسے قتل کر دے گا۔ اس کے مطالبے پر اس کے والد (اسحاق علیہ السلام) نے اس کے لیے دوسری دعا کی کہ اس کی اولاد کو سخت (اور زرخیز) زمین ملے اور ان کے رزق اور پھلوں میں اضافہ ہو۔

جب ان کی ماں نے سنا کہ عیسو اپنے بھائی یعقوب کو دھمکیاں دے رہا ہے تو اس نے یعقوب سے کہا کہ اپنے ماموں ''لابان'' کے پاس حران کے علاقے میں چلا جائے اور بھائی کا غصہ ٹھنڈا ہونے تک وہیں رہے اور اس کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی کر لے۔ اس نے اپنے خاوند اسحاق علیہ السلام سے بھی کہا کہ یعقوب کو ایسا کرنے کی نصیحت کرے اور اسے دعا دے۔ چنانچہ اسحاق علیہ السلام نے ایسے ہی کیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام دن کے پچھلے پہر روانہ ہوئے۔ راستے میں شام ہو گئی تو وہ ایک جگہ پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک سیڑھی لگی ہوئی ہے جس پر فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں (یعقوب علیہ السلام کو) مخاطب کر کے فرما رہا ہے: ''میں تجھے برکت دوں گا اور تیری اولاد بہت بڑھاؤں گا اور یہ زمین تجھے اور تیری نسل کو دوں گا۔'' جب آپ بیدار ہوئے تو اس خواب کی وجہ سے بہت خوش تھے۔ آپ نے نذر مانی کہ اگر وہ سلامتی سے گھر پہنچ گئے تو اس مقام پر اللہ کی عبادت گاہ تعمیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو جو کچھ بھی دے گا اس کا دسواں حصہ اللہ کے لیے دیں گے۔ پھر آپ نے اس پتھر پر بطور نشانی تیل لگا دیا۔ اس جگہ کا نام ''بیت ایل'' یعنی بیت اللہ رکھا گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج کل بیت المقدس واقع ہے جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعد میں بنایا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی حران آمد اور شادی

جب حضرت یعقوب علیہ السلام حران کے علاقے میں اپنے ماموں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی دو بیٹیاں ہیں۔ بڑی کا نام لیّا تھا اور چھوٹی کا نام راحیل۔ آخر الذکر زیادہ خوش شکل تھی۔ یعقوب نے اس کا رشتہ طلب کیا تو اس (لڑکی) کے والد (لابان) نے یہ مطالبہ اس شرط پر منظور کر لیا کہ آپ سات سال تک اس کی بکریاں چرائیں۔ جب یہ مدت پوری ہو گئی تو لابان نے لوگوں کو جمع کیا اور کھانا کھلایا۔ رات کو اپنی بڑی بیٹی لیّا کو یعقوب کے پاس بھیج دیا۔ اس کی آنکھیں چندھی تھیں۔ صبح ہوئی تو یعقوب علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ انہوں نے لیّا کے ساتھ رات گزاری ہے تو انہوں نے اپنے ماموں سے کہا: میں نے تو آپ سے راحیل کا رشتہ مانگا تھا۔ اس نے کہا: ''ہمارے ہاں یہ رواج نہیں کہ بڑی سے پہلے چھوٹی کی شادی کر دیں۔ اگر تم راحیل سے نکاح کرنا چاہتے ہو تو سات سال مزید میری خدمت کرو، میں اس کا نکاح بھی تم سے کر دوں گا۔''

آپ نے سات سال مزید خدمت کی۔ تب ان کا نکاح راحیل سے بھی ہو گیا۔ ان کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ ایک شخص دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھے۔ پھر تورات میں اس سے منع کر دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گزشتہ انبیاء کی شریعتوں میں بھی احکام منسوخ ہوتے رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس عمل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ معصوم تھے۔ لابان نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک لونڈی دی۔ ''لیّا'' کو جو لونڈی دی گئی اس کا نام زُلفی تھا اور راحیل کی لونڈی کا نام بلہہ تھا۔

آل واولاد: اللہ تعالیٰ نے لیّا کی کمزوری دور کی کہ انہیں کئی بیٹے عطا فرما دیے۔ یعقوب سے ان کے ہاں سب سے پہلے ''روبیل'' پیدا ہوا۔ پھر ''شمعون'' پھر ''لاوی'' پھر ''یہودا''۔ تب راحیل کو غیرت آئی کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہو رہی تھی اس نے اپنی لونڈی بلھہ یعقوب کو ہبہ کر دی۔ آپ نے اس سے خلوت کی تو وہ امید سے ہو گئی اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام ''دان'' تھا۔ اس کے بعد ایک اور لڑکا ہوا۔ اس نے اس کا نام ''نیفتالی'' رکھا۔ تب ''لیّا نے بھی اپنی لونڈی زُلفی یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ اس سے آپ کے دو لڑکے ''جاد'' اور ''اشیر'' پیدا ہوئے۔ پھر لیّا کے ہاں پانچواں بیٹا پیدا ہوا۔ اس نے اس کا نام ''ایساخر'' رکھا۔ اس کے بعد اس کا چھٹا بیٹا پیدا ہوا، اس کا نام ''زابلون'' رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کے ہاں ایک بیٹی ''دینا'' پیدا ہوئی۔ اس طرح اس کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے سات بچے پیدا ہوئے۔

اس کے بعد راحیل نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اسے حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک بیٹا عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور اس کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک عظیم، معزز اور خوبصورت بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اُس نے ''یوسف'' رکھا۔

یہ تمام اولاد اس وقت ہوئی جب وہ لوگ ''حران'' کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ آپ اپنی دو ماموں زادوں سے نکاح کے بعد مزید چھ سال اپنے ماموں کے پاس رہ کر ان کی بکریاں چراتے رہے۔ اس طرح آپ کی وہاں رہنے کی کل مدت بیس سال ہے۔

مال ومتاع: تب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں لابان سے درخواست کی کہ انہیں اپنے گھر جانے دے۔ آپ کے ماموں نے کہا: ''مجھے تیری وجہ سے برکت حاصل ہوئی ہے، اس لیے میرے مال سے جو کچھ چاہے طلب کر لے۔'' آپ نے فرمایا: ''تو مجھے بکریوں سے اس سال پیدا ہونے والے وہ بچے دے دینا جو چتلے ہوں، جو بھیڑ کا بچہ سفید ہو لیکن اس کے رنگ میں سیاہی بھی ہو، اور جو سیاہ ہو لیکن اس میں سفیدی بھی ہو، اور بکریوں میں سے جو بے سینگ اور سفید ہو۔'' اس نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' اس کے بیٹوں نے اپنے باپ کے ریوڑ میں سے اس قسم کے بکرے الگ کر دیے، تا کہ کوئی میمنا اس طرح کا پیدا نہ ہو اور انہیں لے کر اپنے باپ کے ریوڑ سے تین دن کے فاصلے پر چلے گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بادام اور سفیدے کی تازہ شاخیں لے کر انہیں چھیلا اور انہیں کہیں سے سیاہ اور کہیں سے سفید کر

دیا۔ وہ انہیں بھیڑ بکریوں کے پانی پینے کی جگہ ان کے سامنے کھڑی کر دیتے تھے۔ تاکہ بکریاں انہیں دیکھیں اور ان سے خوف محسوس کریں اور ان کے بچے ان کے پیٹوں میں حرکت کریں، تو ان بچوں کے رنگ بھی اسی طرح (چتکبرے) ہو جائیں۔

اگر یہ بات صحیح ہے تو اسے خرق عادت اور معجزات کی قبیل سے شمار کرنا چاہیے۔ [1]

اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بہت سی بکریاں، اونٹ، گدھے اور غلام وغیرہ ہو گئے۔ تب یعقوب علیہ السلام نے محسوس کیا کہ آپ کے ماموں اور ماموں کے بیٹوں کا رویہ بدل گیا ہے اور وہ آپ سے حسد کرنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ اپنے باپ دادا کے علاقے میں واپس چلے جائیں۔ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو بتایا تو وہ فوراً تیار ہو گئے۔ آپ اپنے بیوی بچوں اور مال (جانوروں) کو لے کر چل پڑے۔ چلتے وقت راحیل اپنے والد (لابان) کے بت چرا لیے۔

جب وہ لوگ اپنے علاقے میں پہنچے تو پیچھے سے لابان اور اس کی قوم کے افراد بھی آ پہنچے۔ لابان نے یعقوب سے اس بات پر ناراضی کا اظہار کیا کہ وہ بغیر بتائے کیوں نکل آئے۔ اگر وہ بتا کر آتے تو وہ انہیں خوشی خوشی روانہ کرتا اور اپنی بیٹیوں اور ان کی اولاد کو خود الوداع کہتا۔

اور اس نے یہ بھی کہا کہ تم میرے بت کیوں لے آئے ہو؟ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان بتوں کے بارے میں بالکل علم نہ تھا، اس لیے آپ نے اس الزام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لابان اپنی بیٹیوں اور ان کی لونڈیوں کے خیموں میں داخل ہوا اور تلاشی لی، لیکن اسے کچھ نہ ملا۔ راحیل ان بتوں کو اونٹ کے کجاوے میں رکھ کر ان پر بیٹھ گئی تھی' وہ وہاں سے نہ اُٹھی اور یہ عذر پیش کیا کہ وہ ایام سے ہے، اس لیے بزرگوں کے سامنے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح لابان بتوں کو تلاش نہ کر سکا۔

اس وقت انہوں نے ''جلعاد'' نام کے ایک ٹیلے کے پاس باہمی عہد و پیمان کیا کہ یعقوب اس کی بیٹیوں کی اہانت نہیں کریں گے اور ان کی موجودگی میں مزید عورتوں سے شادی نہیں کریں گے اور یہ ٹیلہ دونوں کے درمیان حد فاصل ہو گا جس سے نہ لابان تجاوز کرے گا نہ یعقوب۔ وہاں انہوں نے کھانا تیار کیا اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ پھر ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے علاقے میں چلے گئے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام ''ساعیر'' کی سرزمین کے قریب پہنچے تو فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی عیسو کی طرف ایلچی بھیج کر اس سے مہربانی اور شفقت کی درخواست کی۔ ایلچیوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ عیسو چار سو سواروں کے ساتھ ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔

---

[1] بائبل کے موجودہ نسخوں میں لکھا ہے کہ جب بکریاں ان شاخوں کے سامنے حاملہ ہوتی تھیں تو اس طرح کے بچے پیدا ہوتے تھے (پیدائش: باب 30) تاہم بائبل کے بیانات اس قدر یقینی نہیں کہ ان کو صحیح ثابت کرنے کے لیے تاویلات کا سہارا لینا پڑے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے خطرہ محسوس کیا۔ آپ نے اللہ سے بہت گڑگڑا کر عاجزی سے دعا مانگی اور اللہ کو اس کے وعدے کا واسطہ دیا اور دعا کی کہ اللہ آپ کو آپ کے بھائی عیسو کے شر سے محفوظ رکھے۔ آپ نے عیسو کے لیے عظیم الشان تحفہ تیار کیا۔ یعنی دوسو بکریاں، بیس بکرے، دوسو بھیڑیں، بیس مینڈھے، تیس دودھ دینے والی اونٹنیاں، چالیس گائیں، دس بیل، بیس گدھیاں اور دس گدھے۔

آپ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ ہر غول کو الگ الگ کریں اور ہر ریوڑ کو دوسرے سے فاصلے پر رکھیں۔ جب عیسو پہلے گروہ سے ملے اور پوچھے: ''تو کون ہے؟ اور تیرے ساتھ جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟'' تو اسے چاہیے کہ کہے: ''تیرے خادم یعقوب کے ہیں، جو اس نے میرے آقا عیسو کے لیے تحفہ کے طور پر بھیجے ہیں۔'' اس کے بعد ملنے والا گروہ بھی یہی کہے اور اس کے بعد والا بھی اور اس کے بعد والا بھی اور ہر گروہ یہ بھی کہے: ''یعقوب بھی ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی دونوں بیویوں، دونوں لونڈیوں اور گیارہ بیٹوں کے ساتھ دو راتوں کے فاصلے تک ان سے پیچھے رہے۔[1] اس دوران میں وہ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیوی بچوں کے آگے آگے چلے اور جب انہیں اپنا بھائی عیسو نظر آیا تو اسے سات بار سجدہ کیا۔ اس زمانے میں ان کے سلام کا یہ طریقہ تھا اور ان کی شریعت میں جائز تھا جس طرح فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں اور والدین نے سجدہ کیا۔ تفصیل حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گی۔

جب عیسو نے آپ کو دیکھا تو آگے بڑھ کر آپ سے بغلگیر ہو گیا اور بوسہ دیا اور رویا۔ پھر اس نے نظر اُٹھائی اور عورتوں اور بچوں کو دیکھا۔ اس نے کہا: ''آپ کو یہ سب کچھ کہاں سے ملا؟'' آپ نے فرمایا: ''یہ سب کچھ آپ کے خادم کو اللہ نے دیا ہے۔'' دونوں لونڈیوں اور ان کے بچوں نے بھی آگے بڑھ کر عیسو کو سجدہ کیا۔ لیّا اور اس کے بیٹوں نے بھی آگے بڑھ کر سجدہ کیا۔ پھر راحیل اور اس کا بیٹا یوسف آگے بڑھے اور انہوں نے سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے عیسو کو تحفے پیش کیے جو آپ کے اصرار کرنے پر اس نے قبول کر لیے۔ تب عیسو واپس ہوا اور آگے آگے چلا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیوی بچوں، جانوروں اور غلاموں کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے ساعیر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب آپ ساحور[2] کے مقام سے گزرے تو اپنے لیے ایک گھر بنایا اور جانوروں کے لیے جھونپڑے بنائے۔ پھر شخیم[3] کے شہر اُورشلیم (یروشلم) کے پاس سے گزرے۔ وہاں آپ نے شہر کے قریب ڈیرے لگائے۔ آپ نے شخیم بن جمور سے سو

---

[1] بائبل کے موجودہ نسخوں میں صرف ایک رات کا ذکر ہے جس میں بقول اہل کتاب فرشتے سے کشتی ہوئی۔ شاید امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے دور کی بائبل میں دو راتوں کا ذکر ہو۔ ان نسخوں میں ہر دور میں ردوبدل ہوتا رہا ہے۔ اس کے مفصل دلائل کے لیے دیکھیے ''اظہار الحق'' یا اس کا اردو ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک''۔

[2] اردو بائبل میں سکات ہے عربی نسخے میں اسے سکوت کہا گیا ہے۔ (پیدائش: 33/16)

[3] اردو بائبل میں سکم اور عربی بائبل میں شکیم ہے۔ (پیدائش: 33/18) آج کل اسے نابلس کہا جاتا ہے۔

بھیڑوں کے عوض زمین کا ٹکڑا خرید لیا۔[1] وہاں آپ نے اپنا خیمہ لگایا اور ایک مذبح بنایا اور اس کا نام ''ایل'' الہ اسرائیل رکھا۔ آپ کو اللہ نے اس کی تعمیر کا حکم دیا تھا تاکہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ یہی آج کل بیت المقدس کے نام سے معروف ہے۔ اسی کو بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے نئے سرے سے تعمیر فرمایا تھا۔ یہ اسی چٹان (صخرہ) کی جگہ تعمیر کیا گیا، جس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے تیل ڈال کر نشان لگایا تھا جیسے کہ پہلے بیان ہوا۔

اس کے بعد راحیل کے ہاں ایک بیٹا ''بنیامین'' پیدا ہوا۔ انہیں ولادت کے موقع پر دردِ زہ کی سخت تکلیف ہوئی اور وہ بنیامین کی ولادت کے بعد فوت ہوگئیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو ''افراث'' یعنی بیت لحم کے مقام پر دفن کیا اور یعقوب نے ان کی قبر پر ایک پتھر نصب کر دیا۔ وہ آج تک ''راحیل کی قبر'' کے طور پر مشہور ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے: لیّا سے روبیل، شمعون، لاوی، یہودا، ایساخر اور زابلون۔ ''راحیل'' سے یوسف اور بنیامین۔ راحیل کی لونڈی [بلھہ] سے دان اور نیفتالی۔ لیّا کی لونڈی زُلفی سے جاد اور اُشیر۔ لیّا کے بطن سے ایک بیٹی [دینا] بھی تولد ہوئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے نام

قصص الانبیاء	عربی بائبل	اردو بائبل	انگریزی تلفظ
روبیل	راوبین	روبن	Reuben
شمعون	شمعون	شمعون	Simeon
لاوی	لاوی	لاوی	Levi
یھودا	یھودا	یہوداہ	Judah
دان	دان	دان	Dan
نیفتالی	نفتالی	نفتالی	Naphtali
جاد	جاد	جد	Gad
اشیر	اَشِیْر	آشر	Asher
ایساخر	یَسّاکر	اشکار	Issachar

[1] بائبل میں ہے: اور زمین کے جس قطعہ پر اس نے اپنا خیمہ کھڑا کیا تھا اسے اس نے سکم کے باپ حمور کے لڑکوں سے چاندی کے سو سکے دے کر خرید لیا۔ (پیدائش: 19/33)

قصص الانبیاء	عربی بائبل	اردو بائبل	انگریزی تلفظ
زابلون	زبولون	زبولون	Zebulun
یوسف	یوسف	یوسف	Joseph
بنیامین	بنیامین	بنیمین	Benjamin

بحوالہ کتاب پیدائش باب 35,30,29

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس آ گئے اور کنعان (حبرون) کے علاقے میں اپنے والد کے پاس رہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہتے تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ایک سو اسی سال کی عمر میں بیمار ہو کر فوت ہو گئے اور آپ کے بیٹوں عیسو اور یعقوب علیہ السلام نے آپ کو آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب اس غار میں دفن کیا جو انہوں نے خریدا تھا' جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ [1] ان سب پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب شہر الخلیل کو عبرانی میں حبرون (Hebron) کہتے ہیں۔ یہ بیت المقدس سے تقریباً 35 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ تورات میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے عفرون میں صوحار حیثی سے یہاں زمین کا ایک ٹکڑا چار سو نقرئی درہموں میں خریدا اور اس میں سارہ کو دفن کیا' چنانچہ یہاں ایک غار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ سارہ' حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اہلیہ ربقہ' حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ ایلیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم کی قبر بھی اسی غار (مغارہ مکفیلہ) میں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق ان انبیائے کرام کی قبروں پر قبہ نما چھت بنا دی۔ (اطلس القرآن' اردو (دارالسلام) صفحہ 85 بحوالہ معجم البلدان' جلد: 2)
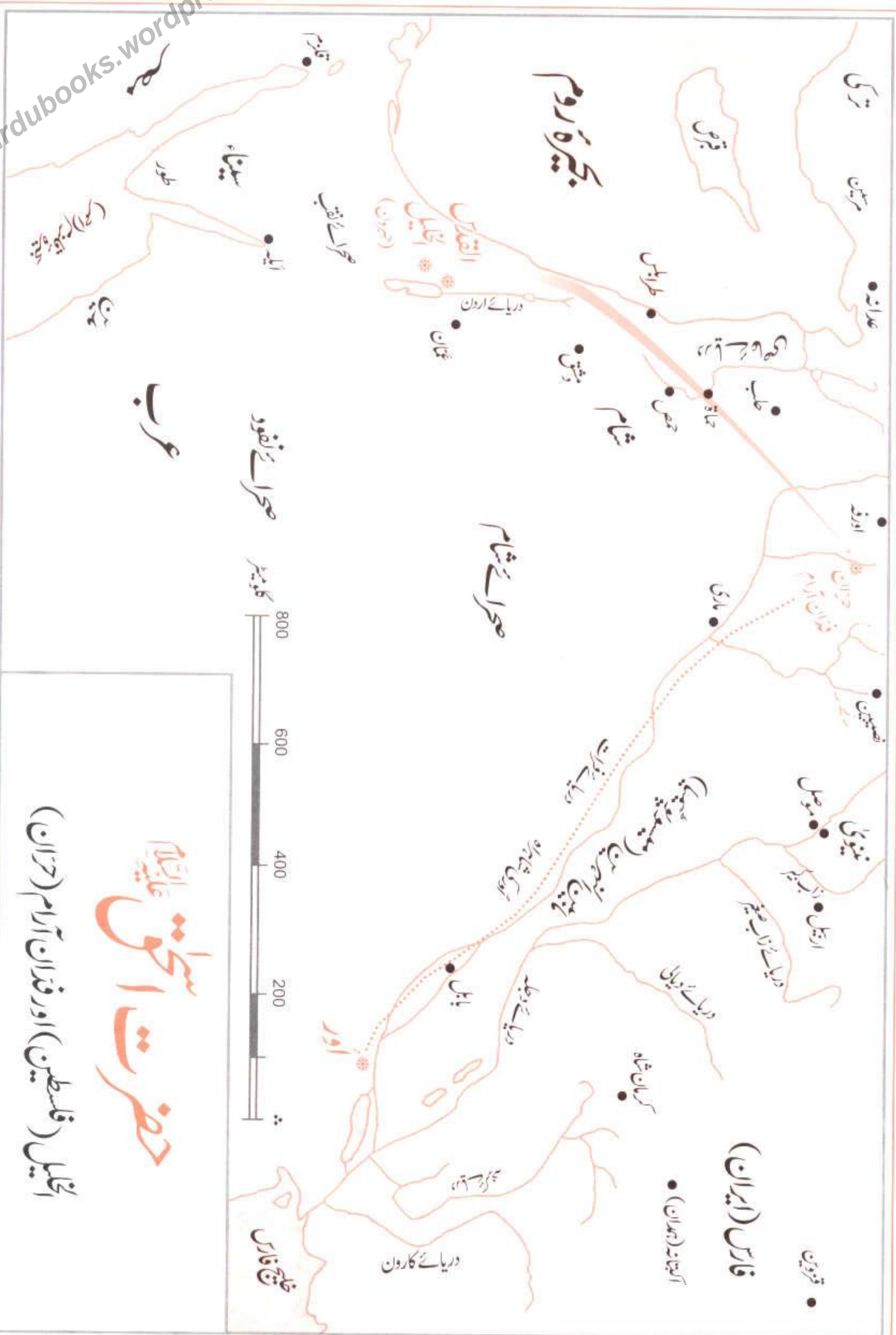
حضرت یوسف علیہ السلام

احسن القصص

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حسن و جمال کے پیکر، صبر و ثبات کے مجسمے اور عفو و درگزر کے عظیم علمبردار بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام عطا فرمائے اور انہیں منصب نبوت سے سرفراز کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں قرآن مجید کی ایک پوری سورت نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اس پر غور کریں اور اس میں جو حکمتیں، نصیحتیں، آداب اور مسائل ہیں، انہیں سمجھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝﴾

''الٓرٰ، یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ (اے پیغمبر!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے، تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔'' (یوسف: 12/1-3)

قرآن مجید فصیح و بلیغ زبان، بہترین قصص اور گزشتہ امم کے صحیح ترین حالات بتانے والی عظیم کتاب ہے جو نبی آخر

الزمان ﷺ کو عطا ہوئی۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب کی تعریف فرمائی ہے کہ جو اس نے اپنے معزز بندے اور رسول پر فصیح عربی زبان میں نازل فرمائی اور جو اتنی واضح اور سلیس ہے کہ ہر پاک باز ذہین اور عقل مند آدمی اسے سمجھ سکتا ہے۔ وہ آسمان سے نازل ہونے والی سب سے مقدس کتاب ہے جو بڑی فصیح زبان اور واضح بیان کے ساتھ مقدس ترین فرشتے کے ذریعے سے مقدس ترین انسان پر، مقدس ترین مقام پر اور مقدس ترین وقت میں نازل ہوئی۔

اگر گزشتہ اور آیندہ زمانے کے واقعات ہوں تو قرآن انہیں بہترین اور واضح ترین انداز سے بیان کرتا ہے۔ مختلف فیہ معاملات میں صحیح بات بیان کرتا ہے اور غلط بات کی تردید کر کے اسے غلط ثابت کر دیتا ہے۔

اگر اوامر و نواہی کے مسائل ہوں تو قرآن کا پیش کردہ قانون سب سے زیادہ مبنی بر انصاف اور واضح اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾

''تیرے رب کے فرمان سچائی اور انصاف میں کامل اور مکمل ہیں۔'' (الأنعام: 115/6)

یعنی واقعات کے بیان میں کامل ترین حقیقت اور اوامر و نواہی میں کامل ترین انصاف کا مظہر ہیں۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ ﴾

''(اے پیغمبر!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔'' (یوسف: 3/12)

یعنی آپ کو وحی کے ذریعے سے جو کچھ بتایا گیا ہے، آپ اس سے پہلے اس سے بے خبر تھے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ ﴾

''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے وحی بھیجی ہے۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اُس کو نور بنایا ہے کہ اُس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور بے شک (اے محمد ﷺ!) آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں (یعنی) اللہ کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے۔ دیکھو! سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے (اور وہی ان

میں فیصلہ کرے گا۔'') (الشوریٰ 53,52:42)

اور مزید فرمایا:

﴿ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ ﴾

''اسی طرح ہم تم سے وہ حالات بیان کرتے ہیں جو گزر چکے ہیں اور ہم نے تمہیں اپنے پاس سے نصیحت (کی کتاب) عطا فرمائی ہے۔ جو شخص اس سے منہ پھیرے گا وہ قیامت کے دن (گناہ کا) بوجھ اُٹھائے گا اور ایسے لوگ ہمیشہ اس (عذاب) میں (مبتلا) رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے دن اُن کے لیے برا ہے۔'' (طٰہٰ 101-99/20)

یعنی جو شخص اس قرآن سے اعراض کر کے دوسری کتابوں کی پیروی کرے گا، اسے یہ سزا ملے گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اہل کتاب کے کسی آدمی سے ایک کتاب مل گئی۔ وہ اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پڑھ پڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلال میں آ گئے اور فرمایا:

''اے خطاب کے بیٹے! کیا تم لوگ بھی اس (شریعت) کے بارے میں پراگندہ ذہنی کا شکار ہو جاؤ گے؟ قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس صاف ستھری روشن شریعت لے کر آیا ہوں۔ ان (اہل کتاب) سے کوئی چیز نہ پوچھو۔ (ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ) وہ تمہیں صحیح بات بتائیں گے، تم اسے تسلیم نہ کرو گے یا وہ تمہیں غلط بات بتائیں گے اور تم اسے تسلیم کر لو گے۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میرا اتباع کیے بغیر انہیں بھی چارہ نہ ہوتا۔''[1] اس کے بعد آپ کے حکم سے اس تحریر کا ایک ایک حرف مٹا دیا گیا۔

ایک اور سند کے ساتھ یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے اندر تشریف لے آئیں۔ پھر تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے، تم میرے حصے کی امت ہو اور میں تمہارے حصے کا نبی ہوں۔''[2]

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب

سورۂ یوسف کی ابتدا میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک خواب کا تذکرہ ہے جس کی تعبیر بہت عظیم اور شاندار ثابت ہوتی

[1] مسند أحمد: 387/3، السنة لابن أبي عاصم، حديث: 50

[2] مجمع الزوائد: 174/1

ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ۝ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝﴾

''جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ دیکھتا (کیا) ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا! اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اور اسی طرح اللہ تمہیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ اور جس طرح اُس نے اپنی نعمت پہلے تمہارے دادا پردادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی' اسی طرح تم پر اور اولاد یعقوب پر پوری کرے گا۔ بے شک تمہارا پروردگار (سب کچھ) جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔'' (یوسف: 6-4/12)

﴿وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ﴾ یعنی جس طرح اللہ نے آپ کو یہ عظیم خواب سکھایا ہے۔ اگر آپ اسے چھپائیں گے تو آپ کو طرح طرح کے الطاف اور رحمتوں سے نوازے گا۔ ﴿وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ اور آپ کو کلام کا وہ مفہوم اور خوابوں کی وہ تعبیر سکھائے گا جو دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔ ﴿وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل کر کے اپنی نعمت کی تکمیل فرما دے گا۔ ﴿وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ﴾ یعنی آپ کی وجہ سے آل یعقوب کو دنیا اور آخرت کی بھلائی حاصل ہوگی۔ ﴿كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرما کر آپ کو بھی نبوت کی نعمت عطا فرمائے گا جس طرح آپ کے والد یعقوب، آپ کے دادا اسحاق اور آپ کے پردادا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ''بے شک تمہارا پروردگار سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ بنی اسرائیل کے تمام قبائل انہی بارہ کی طرف منسوب ہیں جن میں سے سب سے معزز اور سب سے افضل اور سب سے عظیم حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

متعدد علماء نے بیان کیا ہے کہ ان میں سے صرف حضرت یوسف علیہ السلام نبوت کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کے دوسرے بھائی نبی نہیں تھے۔ آپ کے واقعہ میں ان کا جو کردار سامنے آیا ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ﴾

''کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب

اور ان کی اولاد پر اُترے (ان پر بھی ایمان لائے۔") (آل عمران: 3:84)

وہ کہتے ہیں کہ [أسباط] سے یہی افراد مراد ہیں۔لیکن یہ استدلال قوی نہیں کیونکہ اسباط سے مراد بنی اسرائیل کے قبائل ہیں۔ان قبائل ہی میں سے وہ انبیاء پیدا ہوئے جن پر آسمانوں سے وحی نازل ہوتی رہی۔ (واللہ اعلم)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے نبی نہ ہونے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث میں آپ کے کسی بھائی کا نام لے کر اسے نبی نہیں کہا گیا۔اس سے بھی ہمارا موقف درست ثابت ہوتا ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس ارشاد نبوی سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے: "کریم شخصیت کے پڑپوتے، کریم شخصیت کے پوتے، کریم شخصیت کے بیٹے اور خود بھی کریم' یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔"[1]

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند آپ کو سجدہ کرتے ہیں۔گیارہ ستاروں سے مراد آپ کے گیارہ بھائی تھے اور سورج اور چاند سے مراد آپ کے والدین۔حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھ کر خوف محسوس کیا' اس لیے نیند سے بیدار ہو کر اپنے والد محترم کو یہ خواب سنایا۔آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ آپ کو دنیا اور آخرت میں بلند مقام و مرتبہ حاصل ہونے والا ہے،جس کی وجہ سے آپ کے بھائی اور والدین بھی آپ کے سامنے جھک جائیں گے۔والد نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے بھائیوں کو خواب نہ سنائیں تاکہ وہ لوگ حسد نہ کریں اور مکر و فریب کے ذریعے سے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔اسی لیے کسی بزرگ نے فرمایا ہے: "اپنی ضروریات پوری کرنے میں اخفاء سے مدد لو کیونکہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔"

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب والد کے ساتھ بھائیوں کو بھی سنا دیا تھا۔[2] یہ ان (اہل کتاب) کی غلطی ہے۔

برادران یوسف کا قصہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے چھوٹے بیٹے یوسف سے بے حد محبت تھی۔بھائیوں کو یہی محبت برداشت نہ ہوئی تو وہ حسد کی آگ میں جلنے لگے اور یوسف علیہ السلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔اللہ تعالیٰ نے ان کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ۝ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ﴿أم كنتم شهداء إذ حضر يعقوب الموت﴾ حديث: 3382

[2] دیکھیے: کتاب پیدائش، باب:37، فقرہ:10 بائبل میں پورا فقرہ اس طرح ہے: "اور اس نے اسے اپنے باپ اور بھائیوں دونوں کو بتایا، تب اس کے باپ نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے؟ کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کر تجھے سجدہ کریں گے؟"

وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝

''ہاں! یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے والوں کے لیے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ جب انہوں نے (آپس میں) تذکرہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی ابا جان کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں' حالانکہ ہم جماعت (کی جماعت) ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ابا جان صریح غلطی پر ہیں' لہٰذا یوسف کو (یا تو جان سے) مار ڈالو یا کسی ملک میں پھینک آؤ' پھر ابا جان کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے۔ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو اور کسی گہرے کنویں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال کر (کسی اور ملک میں) لے جائے اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں کرو۔'') (یوسف:12/7-10)

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں موجود نشانیوں، حکمتوں، نصائح اور دلائل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کے بھائیوں کے حسد کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے والد ان سب کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے سگے بھائی بنیامین سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ بزعم خویش اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان سے محبت کی جائے کیونکہ وہ ایک بڑی جماعت ہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا: ہمارے والد واضح غلطی پر ہیں کہ ہم سب کی نسبت ان دونوں کو محبت کے معاملے میں ترجیح دیتے ہیں۔

پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیں یا کسی ایسی دور دراز جگہ پہنچا دیں جہاں سے واپس نہ آ سکیں تاکہ والد کی محبت انہی کے لیے ہو کر رہ جائے اور انہیں زیادہ محبت اور توجہ حاصل ہو۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ بعد میں توبہ کر لیں گے۔

جب انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا اور اس پر اتفاق کر لیا تو ﴿قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ﴾ ''ان میں سے ایک نے کہا'' ﴿لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ﴾ ''یوسف کو قتل نہ کرو۔''

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ کہنے والا شمعون تھا۔ سُدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ یہودا تھا۔ قتادہ اور محمد بن اسحاق رحمہما اللہ کہتے ہیں: وہ سب سے بڑا بھائی یعنی روبیل (روبن) تھا۔[1] اس نے کہا: ﴿اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ﴾ ''اسے کسی گہرے کنویں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال کر (دوسرے ملک میں) لے جائے۔''[2]

یعنی کوئی آنے جانے والا مسافر اسے لے جائے گا۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾ یعنی اگر تمہیں ضرور وہ کام کرنا ہے جو کہہ رہے

[1] بائبل میں اس کا قائل رابن ہی کو بتایا گیا ہے۔ (پیدائش، باب:37، فقرہ:21)

[2] تفسیر ابن کثیر: 319/4 تفسیر سورۂ یوسف' آیت:10

ہو، تو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کرو کیونکہ یہ کام اسے قتل کرنے یا کہیں دور چھوڑ کر آنے سے آسان ہے۔

اس رائے پر اتفاق ہو گیا تو انہوں نے اپنی اس تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۞ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۞ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۞ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۞

''کہنے لگے کہ ابا جان! کیا سبب ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے' حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ خوب پھل کھائے اور کھیلے کودے' ہم اُس کے نگہبان ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ امر مجھے غمناک کیے دیتا ہے کہ تم اُسے لے جاؤ (یعنی وہ مجھ سے جدا ہو جائے) اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تم (کھیل میں) اُس سے غافل ہو جاؤ اور اُسے بھیڑیا کھا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں' جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں' اُسے بھیڑیا کھا گیا' تب تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔'' (یوسف:12/11-14)

انہوں نے اپنے والد سے مطالبہ کیا کہ ان کے ساتھ ان کے بھائی یوسف کو بھی بھیج دیں اور ظاہر یہ کیا کہ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یوسف بھی ان کے ساتھ جا کر کھیل کود آئیں اور تفریح کر لیں اور جو بات ان کے دل میں تھی، وہ تو صرف اللہ ہی جانتا تھا۔ ان کے والد نے فرمایا: بیٹو! مجھ سے تو اس کی جدائی گھڑی بھر برداشت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی ڈر لگتا ہے کہ تم اپنے کھیل کود میں مشغول ہو کر اس سے غافل ہو جاؤ گے اور کوئی بھیڑیا آ کر اسے کھا جائے گا۔ وہ تو اتنا چھوٹا ہے کہ تمہارے غافل ہونے کی صورت میں اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکے گا۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں اُسے بھیڑیا کھا گیا' پھر تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔ یعنی اگر بھیڑیا اس پر حملہ کر کے اسے ہمارے درمیان سے اُٹھا کر لے گیا یا ہم ایک جماعت ہو کر بھی اس سے اس طرح غافل ہو گئے کہ خدانخواستہ یہ حادثہ ہو گیا تو ہم تو کسی کام کے نہ ہوئے۔ تب تو ہم مرے برابر ہوئے۔

اہل کتاب کہتے ہیں: ''حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے پیچھے بھیج دیا۔ آپ راستہ بھول گئے۔ کسی نے آپ کو راستہ بتایا۔ یہ اُن لوگوں سے ترجمہ کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ یعقوب علیہ السلام تو آپ کو بھائیوں کے ساتھ بھی بھیجنا نہیں چاہتے تھے تو اکیلے کیسے بھیج دیا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۞ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۞ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۚ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۚ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۞

''غرض جب وہ اُس کو لے گئے اور اس بات پر اتفاق کرلیا کہ اس کو گہرے کنویں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ (ایک وقت ایسا آئے گا) تم اُن کو اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو (اس وحی کی) کچھ خبر نہ ہو گی۔ (یہ حرکت کرکے) وہ رات کو باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تو اُسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ ہماری بات کو، خواہ ہم سچ ہی کہیں، مانیں گے نہیں۔ اور وہ اُن کے کُرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا: (کہ حقیقت حال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنا لائے ہو۔ اچھا! صبر (کہ وہی) خوب (ہے) اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔'' (یوسف: 12/15-18)

وہ لوگ اپنے والد گرامی سے اصرار کرتے رہے حتی کہ انہوں نے یوسف کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ جونہی وہ لوگ آپ کی نظروں سے اوجھل ہوئے، انہوں نے یوسف سے گالی گلوچ اور زبان و عمل سے ایذا رسانی شروع کر دی۔ انہوں نے پختہ فیصلہ کرلیا کہ آپ کو کنویں کی گہرائی میں اس کے درمیان پڑے ہوئے اس بڑے پتھر پر پھینک دیں گے جسے ''راعونہ'' کہتے تھے۔ جب کنویں میں پانی کم ہو جاتا تو ایک آدمی کنویں میں اتر کر اس پتھر پر کھڑا ہو جاتا اور ڈول میں خود پانی بھرتا تھا، باہر کھڑا ہوا دوسرا آدمی رسی کے ذریعے سے ڈول کھینچ لیتا تھا۔ [1]

جب انہوں نے آپ کو کنویں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ آپ جس مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں، اس سے آپ کو ضرور نجات ملے گی۔ آپ اس وقت بھائیوں کو ان کے کرتوت یاد دلائیں گے جب آپ کو عزت و اقتدار حاصل ہو گا اور یہ لوگ آپ کے محتاج بھی ہوں گے اور آپ سے خوف زدہ بھی اور انہیں معلوم نہیں ہو گا۔

﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ کی تشریح دو طرح سے گئی ہے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یوسف کی طرف یہ وحی کی تو بھائیوں کو پتہ بھی نہ چلا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ انہیں یہ باتیں بتائیں گے اس وقت وہ آپ کو پہچان نہیں رہے ہوں گے۔ یہ قول ابن جریر رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے۔ [2]

جب وہ آپ کو کنویں میں ڈال کر چل دیے تو آپ کی قمیص لے کر اسے خون آلود کرلیا اور عشاء کے وقت جب والد کے پاس لوٹے تو اپنے بھائی کی مزعومہ ہلاکت پر رو رہے تھے۔ اسی لیے ایک بزرگ نے فرمایا ہے: ''ظلم کی شکایت کرنے والے کے نالہ و شیون سے دھوکا نہ کھاؤ۔ بعض اوقات ظالم بھی رو کر دکھا دیتے ہیں۔ جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائی رات کو اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئے تھے۔'' ﴿عِشَآءً﴾ کا مطلب یہ ہے کہ رات کو اندھیرا چھا جانے کے بعد آئے تا کہ ان کے

---

[1] علامہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ [جُبّ] وہ چاہ جو زیادہ گہرا ہو اور اس میں پانی بھی زیادہ ہو۔ (الجمال والکمال)

[2] تفسیر الطبري، 7/210، 211

دھوکے پر پردہ پڑ جائے۔ اور کہنے لگے کہ ابا جان! ہم تو دوڑ نے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔ یعنی اپنے سامان کے پاس چھوڑ کر خود دوڑتے ہوئے دور نکل گئے تو ہماری غیر موجودگی میں اسے بھیڑیا کھا گیا۔ اور ساتھ ہی کہنے لگے ہمیں معلوم ہے کہ آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے خواہ ہم سچ ہی کہتے ہوں۔ یعنی ہم آپ کی نظر میں قابل اعتبار بھی ہوتے تب بھی آپ ہماری اس بات پر یقین نہ کرتے کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے، اب جب کہ ہم لوگ آپ کی نظر میں مشکوک ہیں تو آپ ہم پر کیسے یقین کریں گے؟ آپ نے یہ خطرہ ظاہر کیا تھا کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا اور ہم نے آپ کو ضمانت دی تھی کہ ایسا نہیں ہوگا کیونکہ ہم بہت زیادہ افراد اس کے اردگرد موجود ہوں گے۔ آپ نے تب بھی ہم پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ لہٰذا موجودہ صورت حال میں ہمیں سچا نہ سمجھنے میں آپ واقعی معذور ہیں۔ اور وہ اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لیے یوسف علیہ السلام کے کرتے پر لہو بھی لگا لائے۔ یہ جھوٹ موٹ کا خون تھا۔ کیونکہ انہوں نے ایک میمنا لے کر ذبح کیا تھا اور اس کا خون یوسف علیہ السلام کی قمیص پر لگا کر یہ باور کرانا چاہا تھا کہ یوسف کو بھیڑیے نے کھایا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں: انہیں قمیص کو پھاڑنے کا خیال نہ آیا۔ ان پر شک کی علامات واضح تھیں اس لیے والد کے سامنے ان کی بات نہ بن سکی۔ آپ جانتے تھے کہ وہ یوسف سے عداوت رکھتے ہیں اور اس بات پر ان سے حسد کرتے ہیں کہ والد کے دل میں ان کی محبت زیادہ ہے کیونکہ ان پر بچپن ہی سے شان اور عظمت کے آثار نظر آتے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو شرف نبوت سے نوازنا چاہتا تھا۔ جب وہ بہلا پھسلا کر انہیں لے گئے تو فوراً ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تاکہ انہیں والد کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے دور کر دیں پھر جھوٹ موٹ کے غم کا اظہار کرنے کے لیے روتے ہوئے آئے اور یہ ان کی متفقہ سازش تھی۔ اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ ﴾

''(حقیقت حال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنا لائے ہو۔ اچھا! صبر (کہ وہی) خوب (ہے) اور جو تم بیان کرتے ہو اُس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔''

یوسف علیہ السلام سرزمین مصر میں

یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے زعم باطل میں ان کو مار کر گھر لوٹ گئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بذریعہ وحی تسلی دی اور علم وحکمت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَاۗءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ

عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾

''اور ایک قافلہ آیا اور انہوں نے (پانی کے لیے) اپنا سقا (پانی لانے والا) بھیجا۔ اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا (تو یوسف علیہ السلام اس سے لٹک گئے) وہ بولا زہے قسمت یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔ اور انھوں نے اس کو تھوڑی سی قیمت یعنی چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا اور انہیں ان کے بارے میں کچھ لالچ بھی نہ تھا۔ اور مصر میں جس شخص نے اُس کو خریدا اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت واکرام سے رکھو۔ بعید نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور غرض یہ تھی کہ ہم ان کو باتوں (خوابوں) کی تعبیر سکھائیں۔ اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے اُن کو دانائی اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔'' (یوسف: 12/19-22)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا گیا تو کیا ہوا؟ آپ بیٹھے اللہ کی مدد اور رحمت کا انتظار فرما رہے تھے کہ ایک قافلہ آ گیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں: قافلے والوں کا سامان تجارت پستہ، صنوبر اور بطم (پستہ سے ملتا جلتا ایک پھل) پر مشتمل تھا۔[1] انہوں نے کنویں سے پانی لانے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ جب اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا تو یوسف علیہ السلام اس سے لٹک گئے۔ (اس طرح باہر نکل آئے)

جب اس آدمی نے آپ کو دیکھا تو بولا: میرے لیے خوشخبری ہے کہ یہ ایک لڑکا ہے۔ ﴿ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ﴾ یعنی انہوں نے ظاہر کیا کہ ان کے سامان تجارت میں یہ غلام بھی شامل ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آپ کے بھائیوں نے کیا سازش کی ہے اور وہ بات بھی معلوم تھی جو قافلے والوں نے یہ کہہ کر چھپائی تھی کہ یوسف ان کے سامان تجارت میں شامل ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صورت حال کو تبدیل نہ کیا کیونکہ اس میں اللہ کی ایک عظیم حکمت پوشیدہ تھی، جس کا فیصلہ تقدیر الٰہی نے بہت پہلے کر دیا تھا۔ یہ لڑکا جو مصر میں ایک قیدی غلام کی طرح داخل ہو رہا تھا، اس کے ذریعے سے اہل مصر پر رحمت نازل ہونے والی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ان کے تمام معاملات (اور حکومت) کی باگ ڈور آنے والی تھی اور اس کے ذریعے سے ان لوگوں کو دنیا اور آخرت کے بے حد وحساب

[1] بائبل کے موجودہ نسخوں میں ان کے سامان تجارت کو گرم مسالا، روغن بلسان اور مُر پر مشتمل بتایا گیا ہے۔ (کتاب پیدائش، 25:37)

فوائد و برکات حاصل ہونے والے تھے۔

یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں

جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے محسوس کیا کہ قافلے والے آپ کو لے گئے ہیں، تو وہ ان سے جا ملے اور بولے: یہ ہمارا غلام ہے جو ہمارے پاس سے بھاگ گیا تھا۔ قافلے والوں نے ان سے آپ کو معمولی قیمت کے عوض خرید لیا۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا﴾ ''اور مصر میں جس شخص نے اُس کو خریدا اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو، بعید نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔'' کا مفہوم یہ ہے کہ آپ پر اللہ کے لطف و رحمت کا اظہار اور آپ پر اس کا احسان تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بلند منصب کا اہل بنا کر دنیا و آخرت کی بھلائی سے سرفراز کرنا چاہتا تھا اور مصر میں آپ کو خریدنے والا عزیز مصر یعنی شاہ مصر کا وزیر تھا، جو ملک کے خزانوں کے معاملات کا ذمہ دار تھا۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی۔'' کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے عزیز مصر اور اس کی بیوی کے دل میں یہ بات ڈال کر کہ آپ کی دیکھ بھال اور آپ سے حسن سلوک کریں، آپ کو مصر میں ایک ٹھکانا مہیا کر دیا۔ اور آپ کو باتوں کی سمجھ اور خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرما دیا۔ ﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ﴾ یعنی جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے روبہ عمل آنے کے ایسے اسباب پیدا فرما دیتا ہے جنہیں لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ ''اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام واقعات پختہ کاری اور کامل فہم و فراست کی عمر تک پہنچنے سے پہلے واقع ہو چکے تھے۔ اس سے مراد چالیس سال کی عمر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں پر اسی عمر میں وحی نازل فرماتا ہے۔ ان سب پر درود و سلام ہوں۔

یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی ناکام کوشش: یوسف علیہ السلام جوانی کی دہلیز پر پہنچے تو آپ کا حسن و جمال اور مردانہ وجاہت اپنے عروج پر تھی۔ عزیز مصر کی بیوی آپ کے حسن پر فریفتہ ہوگئی اور آپ کو ورغلانے کی سعی لا حاصل کرنے لگی۔

---

[1] علامہ سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے اس سے اتفاق نہیں کیا کہ یوسف کو بھائیوں نے فروخت کیا تھا۔ ان کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ اس مقام پر قافلے والوں کا یوسف کو بیچنا مراد ہے۔ آپ نے اس کی تائید میں حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا قول بھی نقل کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فتح البیان، 192/5، ابن کثیر، 15/5)

[2] ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اس کا نام ''اطفیر'' بتایا ہے۔ بائبل میں ''فوطیفار'' کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے مکر وفریب کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّيٓ أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّلِمُونَ ۝ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَن رَّا بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَالْفَحْشَآءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ۝ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوٓءًا إِلَّآ أَن يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ۝ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ۝ فَلَمَّا رَا قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِينَ ۝ ﴾

''تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اُس نے اُن کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی (یوسف) جلدی آؤ! اُنہوں نے کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے' وہ یعنی تمہارے میاں تو میرے آقا ہیں۔ انہوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے (میں ایسا ظلم نہیں کرسکتا) بیشک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔ اور اس عورت نے اُن کا قصد کیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے۔ یوں اس لیے (کیا گیا) کہ ہم اُن سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں۔ بیشک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔ اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے اور عورت نے اُن کا کُرتا پیچھے سے (پکڑ کر جو کھینچا تو) پھاڑ ڈالا۔ اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا۔ تو عورت بولی کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اُس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید میں رکھا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے۔ یوسف (علیہ السلام) نے کہا: اس نے مجھ کو مائل کرنا چاہا تھا۔ اور اس کے قبیلے میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر اس کا کُرتا آگے سے پھٹا ہو تو یہ سچی اور یوسف جھوٹا اور اگر کُرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا۔ جب اس کا کرتہ دیکھا تو پیچھے سے پھٹا تھا۔ (تب اس نے زلیخا سے) کہا کہ یہ تمہارا فریب ہے اور یقیناً تم عورتوں کے فریب بڑے (بھاری) ہوتے ہیں۔ یوسف! اس بات کا خیال نہ کر اور (زلیخا!) تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ' بے شک خطا تیری ہی ہے۔'' (یوسف: 12/23-29)

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کی بیوی کا وہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب اس نے یوسف علیہ السلام سے وہ نازیبا مطالبہ کیا، جو آپ کے مقام ومرتبہ کے لائق نہیں تھا۔ وہ مال وجمال میں بے مثال تھی، شاہانہ جاہ وجلال اور بھرپور شباب حاصل تھا۔ اس نے آپ کو اکیلے پا کر سب دروازے بند کر لیے اور پوری طرح بناؤ سنگھار کر کے بہترین فاخرانہ لباس پہن کر اسے برائی کی دعوت دی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ کوئی عام عورت نہیں تھی بلکہ وزیر کی بیوی تھی۔ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ کی

روایت کے مطابق شاہ مصر ریان بن ولید کی بھانجی تھی۔

ادھر یوسف علیہ السلام بھی جوان اور پیکر حسن و جمال تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ نبیوں کی آل تھے۔ اس لیے آپ کو آپ کے رب نے گناہ سے بچالیا اور عورتوں کے مکر سے محفوظ فرمالیا۔ کیونکہ وہ سردار اتقیاء تھے، جو سایۂ عرش سے مشرف ہونے والے سات قسم کے اولیاء میں سے ایک قسم میں شامل تھے، جن کے بارے میں فرمان خاتم الانبیاء ﷺ ہے:

''سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا: انصاف کرنے والا حکمران، تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے اشک بار ہو جانے والا انسان، وہ آدمی جو مسجد سے نکلتا ہے تو واپسی تک اس کا دل وہیں اٹکا رہتا ہے، اللہ کے لیے محبت رکھنے والے دوست جو اسی بنیاد پر ملتے ہیں اور اسی حالت میں ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں، وہ آدمی جو صدقہ دیتا ہے تو اس قدر پوشیدہ رکھتا ہے کہ دائیں کے دیے کا بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا' وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی گزارتا ہے اور وہ مرد جسے کسی صاحب حیثیت اور صاحب جمال عورت نے دعوت گناہ دی تو اس نے کہہ دیا: میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔''[1]

الغرض اس نے آپ کو گناہ کی دعوت دی اور آپ کو آمادہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن آپ نے فرمایا: ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ﴾ ''اللہ کی پناہ! وہ میرا مالک ہے۔'' یعنی گھر کا مالک اور تیرا خاوند میرا آقا ہے۔[2] ﴿اَحْسَنَ مَثْوَايَ﴾ ''مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔'' یعنی مجھ پر احسان کیا اور عزت و احترام سے رکھا ہے۔ ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔''

فرمان الٰہی: ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ کی وضاحت ہم نے اپنی تفسیر میں کافی تفصیل سے کردی ہے۔ اس موضوع پر زیادہ تر اقوال اہل کتاب سے ماخوذ ہیں، ان کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔[3] ہمیں جو عقیدہ رکھنا

---

[1] صحيح البخاري: الأذان' باب من جلس في المسجد.....' حديث: 660 و صحيح مسلم: الزكاة' باب فضل إخفاء الصدقة' حديث: 1031

[2] علامہ منصور پوری رحمہ اللہ نے یوسف علیہ السلام کے اس فرمان کی جو تشریح کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے: ''میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، وہ (اللہ) میرا مالک ہے، جس نے میرا مقام پاک اور بلند بنایا ہے۔'' تفصیل کے لیے دیکھیے: الجمال والکمال کا متعلقہ مقام۔

[3] عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عورت نے بھی برائی کا ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی برائی کا خیال آ گیا۔ لیکن انہیں یعقوب علیہ السلام کی صورت نظر آئی یا عورت نے اپنے بت کے چہرے پر کپڑا ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب تو ہر حال میں دیکھتا ہے۔ علامہ منصور پوری رحمہ اللہ نے امام رازی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿لَوْلَآ﴾ کا جواب اس سے پہلے ﴿هَمَّ بِهَا﴾ ہے۔ اس صورت میں آیت مبارکہ کا ترجمہ یوں ہوگا: ''وہ بھی اس عورت کا قصد کر لیتے، اگر انہوں نے اپنے رب کی برہان نہ دیکھی ہوتی۔'' اس کے بعد اپنی رائے یہ ظاہر فرمائی ہے کہ ﴿هَمَّتْ بِهٖ﴾ میں ضمیر کا مرجع اس عورت کا کلام ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ ہے۔ اور ﴿هَمَّ بِهَا﴾ میں ضمیر کا مرجع یوسف علیہ السلام کے تین ارشادات میں: ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ ﴿اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ﴾ ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا: ''وہ عورت اپنی بات پر اصرار کرتی رہی اور یوسف اپنے جوابات پر اصرار کرتے رہے۔'' لغت اور نحو کے مشہور امام احمد بن یحییٰ ثعلب نے ﴿هَمَّتْ﴾ کے معنی یوں فرمائے ہیں: [وَ كَانَتْ مُصِرَّةً] ''وہ اصرار کرتی رہی۔'' (دیکھیے الجمال والکمال از قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ)

ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور بے حیائی کے ارتکاب سے بچالیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ ''یونہی ہوا، اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور کریں، بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔'' (یوسف: 34/12)

﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ ﴾ ''دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس سے بچنے کے لیے باہر نکلنے کے ارادہ سے دروازے کی طرف دوڑے اور اس نے آپ کا تعاقب کیا۔ ﴿ وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ﴾ ''اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا۔'' اس نے بات کرنے میں پہل کی اور اسے آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ کہنے لگی: ﴿ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے، بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے۔'' (یوسف: 35) اس نے آپ پر الزام لگا دیا، حالانکہ قصور خود اس کا تھا۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ ﴾ ''یہ عورت ہی مجھے پھسلا رہی تھی۔''

عورت کے قبیلے کے ایک شخص نے گواہی دی کہ واقعی یوسف علیہ السلام کا کوئی قصور نہیں۔ ایک قول کے مطابق گواہی دینے والا چھوٹا بچہ تھا، جو ابھی گہوارے میں تھا۔[1]

ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کے خاوند قطفیر کا رشتہ دار تھا۔ ایک قول کے مطابق خود اس عورت کا رشتہ دار تھا' اس نے کہا: ﴿ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ ''اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔'' کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ یوسف نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی ہو اور اس نے انہیں پیچھے ہٹانے کی کوشش کی ہو جس کے نتیجے میں کرتا آگے سے پھٹ گیا ہو۔ ﴿ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ ''اور اگر اس کا کرتا پیچھے کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا۔'' کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے بچنے کے لیے بھاگے ہوں اور اس نے پیچھا کر کے پکڑ لیا ہو جس کی وجہ سے کرتا پھٹ گیا ہو اور واقعتاً ہوا بھی ایسے ہی تھا۔ خاوند نے جو دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیٹھ کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو صاف کہہ دیا: ﴿ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴾ ''یہ تم عورتوں کی چال بازی ہے۔ بے شک تمہاری چال بازی بہت بڑی ہے۔'' (یوسف: 37) یعنی یہ جو واقعہ

[1] علامہ البانی رحمہ اللہ نے ان روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، جن میں یوسف کے گواہ کو گہوارے میں معجزانہ طور پر بولنے والے بچوں میں شمار کیا گیا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، 272/2' حدیث: 880) علامہ منصور پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس گواہ نے (جس کا ذکر آیت میں ہے) جانب داری سے کام لیا تھا کیونکہ اس قسم کے مقدمہ میں اصولی طور پر عورت کا معاینہ ہونا چاہیے تھا۔ تاکہ تشدد کا ثبوت تلاش کیا جائے لیکن اس نے صورت معاملہ کو بدل کر یوسف کے معاینہ کے لیے کہا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے اس کی تدبیر ناکام بنا دی اور قصور پھر بھی عورت ہی کا ثابت ہوا۔ لہٰذا خاوند کو یوسف علیہ السلام سے کہنا پڑا کہ اب اس بات کو جانے دو۔

پیش آیا ہے یہ تم عورتوں کی چال بازی ہے۔ تو نے خود ہی اسے ورغلانے کی کوشش کی اور خود ہی اس پر جھوٹا الزام لگا دیا۔

پھر اس کے خاوند نے اس بات کو نظر انداز کر دیا اور کہا: ﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا﴾ "یوسف! اب بات کو جانے دو۔" یعنی کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا کیونکہ ایسے معاملات کو چھپانا ہی مناسب اور بہتر ہوتا ہے اور عورت کو حکم دیا کہ اس سے جو گناہ سرزد ہو گیا ہے، اس پر استغفار کرے اور اپنے رب کے آگے توبہ کرے کیونکہ بندہ جب اللہ کے آگے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

مصر کے لوگ اگرچہ بتوں کی پوجا کرتے تھے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور ان کی سزا دینے والا اکیلا اللہ ہی ہے۔ اس میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لیے اس کے خاوند نے اس سے یہ بات کہی اور اسے بعض لحاظ سے معذور سمجھا کیونکہ وہ ایسے خوش شکل انسان کی موجودگی میں اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ لیکن یوسف علیہ السلام پاک دامن تھے۔ آپ نے اپنی عزت کو داغ دار ہونے سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ اس نے کہا: ﴿وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ﴾ "(اے عورت!) تو اپنے گناہ سے توبہ کر، بے شک تو گناہ گاروں میں سے ہے۔"

عزیز مصر کی بیوی کا شہر میں چرچا اور زنانِ مصر کی ضیافت

عزیز مصر کی بیوی کا عشق شہر میں مشہور ہوا تو دیگر رؤساء کی عورتوں نے اسے لعن طعن کرنا شروع کر دیا اور اسے عار دلائی کہ وہ اپنے غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۝ قَالَتْ فَذَٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝﴾

"اور شہر میں عورتیں گفتگو کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے، ہمیں لگتا ہے کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔ جب اس (عزیز کی بیوی) نے ان عورتوں کی (گفتگو جو حقیقت میں دیدار یوسف کے لیے ایک) چال (تھی) سنی تو اُن کے پاس (دعوت کا) پیغام

بھیجا اور اُن کے لیے ایک محفل مرتب کی اور (پھل تراشنے کے لیے) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ ان کے سامنے باہر آؤ۔ تو اُن کا رعب (حسن) اُن پر (ایسا) چھا گیا کہ (پھل تراشتے تراشتے) اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بے ساختہ بول اُٹھیں کہ سبحان اللہ (یہ حُسن!) یہ آدمی نہیں، کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ تب اس نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں اور بے شک میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر یہ بچا رہا اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو میں کہتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہو گا۔ یوسف نے دعا کی کہ پروردگار! جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید پسند ہے اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا۔ سو اللہ نے اُن کی دعا قبول کر لی اور اُن سے عورتوں کا مکر دفع کر دیا، بے شک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے۔'' (یوسف: 12/30-34)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شہر کی عورتوں یعنی درباریوں اور سرداروں کی بیویوں اور بیٹیوں کے طرز عمل کا ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے عزیز مصر کی بیوی کو اس لیے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا کہ اس نے اپنے غلام کو ورغلانے اور اس سے شدید محبت کا اظہار کیا، حالانکہ وہ غلام ہونے کی وجہ سے اس لائق نہ تھا کہ اس کی طرف اس قدر میلان ظاہر کیا جاتا، اس لیے ان عورتوں نے کہا: ﴿ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴾ ''ہمارے خیال میں وہ صریح گمراہی میں ہے۔'' کیونکہ اس نے ایک چیز (محبت کے جذبات) کو غلط مقام پر رکھ دیا ہے۔

عزیز مصر کی بیوی نے جب ان کی پرفریب غیبت کا حال سنا اور لوگوں کے طعن و تشنیع کی خبریں اس تک پہنچیں تو اس نے چاہا کہ ان کے سامنے اپنا عذر پیش کرے اور واضح کر دے کہ یہ جوان ویسا نہیں، جیسا وہ سمجھتی ہیں اور اُن کے غلاموں جیسا نہیں۔ اس لیے انہیں بلا بھیجا اور انہیں گھر میں جمع کر لیا اور ان کے لیے ان کے لائق ضیافت کا بندوبست کیا۔ اس میں ایسی چیزیں بھی پیش کیں جو چاقو چھری سے کاٹ کر کھائی جاتی ہیں۔ اس لیے ہر عورت کو چھری دی۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہترین لباس پہنا کر تیار کیا ہوا تھا اور آپ کی جوانی کا حسن پورے جوبن پر تھا۔ اس نے آپ کو حکم دیا کہ عورتوں کے سامنے آئیں۔ آپ آئے تو چودھویں کے چاند کا حسن آپ کے سامنے ماند تھا۔ ان عورتوں نے جب آپ کو دیکھا تو بہت بڑا جانا، یعنی آپ کی عظمت و جلال سے مرعوب ہو گئیں۔ وہ سوچ نہیں سکتی تھیں کہ انسانوں میں ایسا حسین بھی ہو سکتا ہے۔ وہ آپ کے حسن و جلال سے اس قدر مبہوت ہوئیں کہ انہیں اپنے آپ کا ہوش نہ رہا۔ انہوں نے ان چھریوں سے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور انہیں زخموں کا احساس ہی نہ ہوا۔ اور ان کی زبان سے نکل گیا: ﴿ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴾ ''حاشا للہ (اللہ کی پناہ)! یہ انسان ہرگز نہیں، یہ تو یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے۔''[1]

[1] مصنف رحمہ اللہ نے آگے جا کر لکھا ہے کہ ان سب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو تلقین کی تھی کہ اپنی مالکہ کی فرماں برداری کریں۔ اس لیے بعض علماء کی رائے ہے کہ انہوں نے آپ کے حسن سے مبہوت ہو کر ہاتھ نہیں کاٹے تھے۔ وہ کوئی باحیا معاشرہ تو نہ تھا کہ امراۃ العزیز کی ➤

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی معراج کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ انہیں آدھا حسن دیا گیا ہے۔'' [1]

امام سہیلی رحمۃ اللہ اور دیگر علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے آدھا حسن دیا گیا تھا۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی خاص روح ڈالی۔ لہٰذا آپ انسانی حسن و جمال کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ اس لیے جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں حضرت آدم علیہ السلام کا سا قدوقامت اور حسن حاصل ہوگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت آدم علیہ السلام سے نصف تھا اور ان دونوں ہستیوں کے درمیان ان دونوں سے زیادہ حسین کوئی انسان پیدا نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت حوا علیہا السلام کے بعد کوئی عورت ان سے اس قدر مشابہ نہیں تھی جس قدر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام ان سے مشابہ تھیں۔

اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا: ﴿ فَذٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ﴾ ''یہی ہیں جن کے بارے میں تم مجھے طعنے دے رہی تھیں۔'' پھر اس نے آپ کی کامل واکمل پاک دامنی کی تعریف کرتے ہوئے کہا: ﴿ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِنْ لَمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِنَ الصَّاغِرِينَ ﴾ ''میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا، لیکن یہ بال بال بچا رہا۔ اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں، اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً قید کر دیا جائے گا اور بے شک یہ بہت ہی بے عزت ہوگا۔''

ان سب عورتوں نے آپ کو اپنی مالکہ کی فرماں برداری کرنے کی تلقین کی تھی، لیکن آپ نے سختی سے انکار کر دیا کیونکہ آپ انبیائے کرام علیہم السلام کی آل میں سے تھے۔ اس وقت آپ نے رب العالمین سے دعا کی اور فرمایا: ﴿ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴾ ''اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں، اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے۔ اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں سے جاملوں گا۔'' یعنی اگر تو نے مجھے میری ذات کے سپرد کر دیا (اور اپنی حفاظت اُٹھالی) تو میری ذات تو کمزور ہے، میں تو اپنی جان کے لیے بھی کسی نفع نقصان کا مالک نہیں، مگر جو اللہ کی مرضی ہو۔ میں کمزور ہوں الا یہ کہ تو مجھے قوت بخشے اور میری حفاظت فرمائے اور تیری توفیق میرے شامل حال ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ

➤ سہیلیوں نے آپ علیہ السلام کو کبھی نہ دیکھا ہو۔ آخر آپ کئی سال سے اس گھر میں رہ رہے تھے۔ وہ عورتیں اکثر آتی جاتی ہوں گی۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے یک زبان ہو کر یوسف کو گناہ کا راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ کے صاف انکار پر انہوں نے خودکشی کی دھمکی دی۔ جب آپ اس سے بھی متاثر نہ ہوئے تو ہاتھ زخمی کر لیے کہ یہ خالی دھمکی نہیں۔ جس طرح ہم نے ہاتھ کاٹے ہیں' تمہارے مزید انکار کی صورت میں خودکشی بھی کر سکتی ہیں اور ہمارا خون آپ کے سر ہوگا۔ جب اس مرحلہ پر بھی یوسف علیہ السلام ثابت قدم رہے تو انہوں نے کہا کہ یوسف علیہ السلام انسان نہیں۔ اگر انسان ہوتا تو ہمارے ایک اشارے پر اس طرح چلا آتا جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔ یقیناً یہ انسانی صورت میں فرشتہ ہے جو انسانی جذبات وخواہشات سے مبرا ہے۔ واللہ اعلم۔

[1] صحيح مسلم' الإيمان' باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى السموات و فرض الصلوات' حديث: 162

نے فرمایا: ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ ''اس کے رب نے اس کی دعا قبول کرلی اوران عورتوں کے داؤ پیچ اس سے پھیر دیے، یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت ہوجانے کے باوجود آپ کو قید خانے میں ڈال دیا تاکہ اپنے خاندان کے عیب کو چھپا سکے اور لوگ اس قصے کو فراموش کردیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قید کو حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے باعث خیر و برکت بنانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَاۗءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ۭ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَاۗءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝ ﴾

''پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے اُن کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصے کے لیے ان (یوسف) کو قید ہی کردیں۔ اور اُن کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زندان (جیل) ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ (میں خواب) میں دیکھتا ہوں کہ شراب (کے لیے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اُٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اُن میں سے کھا رہے ہیں (لہٰذا) ہمیں اُن کی تعبیر بتا دیجیے کہ ہم تمہیں نیکوکار سمجھتے ہیں۔ یوسف نے کہا کہ جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ اُن (باتوں) میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔ جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں میں اُن کا مذہب چھوڑے ہوئے

ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں۔ ہمیں لائق نہیں کہ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، ہم پر بھی اور دوسرے لوگوں پر بھی، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ میرے جیل خانے کے ساتھیو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) اللہ یکتا و غالب۔ جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے اُن کی کوئی سند نازل نہیں کی (سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اُس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ میرے جیل خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور پرندے اُس کا سر نوچ کھائیں گے۔ جو امر تم مجھ سے پوچھتے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔" (یوسف: 12/34-41)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ عزیز مصر اور اس کی بیوی کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بے قصور ہیں۔ اس کے باوجود انہیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ آپ کو کچھ عرصہ کے لیے قید کر دیا جائے تاکہ لوگوں کی چہ میگوئیاں ختم ہو جائیں اور یہ معاملہ دب جائے۔ یہ مقصد بھی تھا کہ عوام یہ خیال کریں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے چھیڑ چھاڑ میں پہل کی ہوگی، اس لیے انہیں قید کی سزا دی گئی ہے۔ بہر حال آپ کو جیل میں بھیجنا ان کا ظلم تھا، تاہم اس میں اللہ کی حکمت تھی کہ اس طرح آپ ان عورتوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے بچ گئے اور ان کی شرارتوں سے محفوظ ہو گئے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے تھے۔ کہتے ہیں ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا، اس کا نام بنوا بتایا جاتا ہے، اور دوسرا بادشاہ کا باورچی تھا۔ اس کا نام مجلث بتایا جاتا ہے۔ وہ کسی جرم کے سلسلے میں مشکوک تھے اس لیے بادشاہ نے انہیں قید کر دیا تھا۔ جب جیل میں ان کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی تو وہ آپ کے اخلاق و کردار، عادات و اطوار، اقوال و افعال، کثرتِ عبادت اور مخلوق خدا پر شفقت سے بہت متاثر ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک خواب آیا، جو اس کے شب و روز کے مشاغل سے مناسبت رکھتا تھا۔

مفسرین فرماتے ہیں: ان دونوں نے ایک ہی رات میں خواب دیکھا۔ ساقی نے خواب میں دیکھا کہ انگور کی بیل کی تین شاخیں ہیں، ان میں پتے اُگ آئے اور انگوروں کے گچھے لگ کر پک گئے۔ اس نے انہیں لے کر بادشاہ کے پیالے میں نچوڑا اور اسے وہ مشروب پلا دیا۔ روٹیاں پکانے والے باورچی نے دیکھا کہ اس کے سر پر روٹیوں کی تین ٹوکریاں ہیں اور پرندے سب سے اوپر کی ٹوکری سے کھا رہے ہیں۔

دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا اپنا خواب سنایا اور تعبیر کی درخواست کی۔ دونوں نے کہا: ﴿ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ "ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔" آپ نے انہیں بتایا کہ وہ خوابوں کی تعبیر کے علم سے بخوبی واقف ہیں۔ اور کہا ﴿ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ﴾ "تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے

تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا۔''
اس کی تشریح اس طرح بھی کی گئی ہے کہ تمہیں جو خواب بھی نظر آئے، میں اس کی تعبیر کے واقع ہونے سے پہلے تعبیر بتادوں گا۔ پھر جیسے میں نے بتایا ہوگا' اسی طرح واقع ہوگا۔ اور ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے پاس کھانا آنے سے پہلے میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کھانا کیسا ہوگا' میٹھا یا کھٹا؟ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ﴾ ''اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو' میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔'' (آل عمران:49/3)
آپ نے فرمایا: ''یہ سب کچھ مجھے اللہ نے سکھایا ہے کیونکہ میں اس پر ایمان رکھتا ہوں، اس کی توحید پر کاربند ہوں اور اپنے معزز اجداد ابراہیم خلیل الرحمٰن، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے مذہب وملت کا متبع ہوں۔ ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں۔ یہ ہم پر اللہ کا خاص فضل ہے کہ اس نے ہمیں اس کی ہدایت بخشی اور تمام لوگوں پر بھی کہ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم انہیں اس کی طرف بلائیں اور ان کی اس طرف رہنمائی کریں۔ یہ (عقیدۂ توحید) ان کی فطرت میں پیوست ہے اور ان کی جبلت میں شامل ہے۔ لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔''
❁ **قید خانے میں دعوت توحید:** پھر آپ نے انہیں توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت کی مذمت فرمائی، معبودان باطلہ کی تحقیر اور ضعف کو واضح فرمایا اور کہا: ﴿يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ ''اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا کئی ایک متفرق پروردگار بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست طاقتور؟ اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود ہی گھڑ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ فرماں روائی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔'' (یوسف: 40,39)
یعنی وہی اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کر لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ رہنے دیتا ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ ''تم سب سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو۔'' یعنی وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ ﴿ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ ''یہی دین درست ہے۔'' یعنی سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔ ﴿وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ''لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' اور وہ اس کے واضح ہونے کے باوجود اس تک نہیں پہنچ سکتے۔
حضرت یوسف علیہ السلام کا اس موقع پر انہیں تبلیغ کرنا انتہائی حکمت وکمال کا مظہر ہے کیونکہ ان کے دلوں میں آپ کی عظمت جاگزیں ہو چکی تھی، لہٰذا وہ آپ کی بات سننے اور تسلیم کرنے پر آمادہ تھے۔ اس لیے مناسب تھا کہ انہوں نے جو کچھ دریافت کیا انہیں اس سے زیادہ اہم اور زیادہ مفید امر کی طرف توجہ دلائی جاتی۔
پھر جب آپ تبلیغ کا فرض ادا کر چکے اور ان کی رہنمائی فرما چکے تو فرمایا: ﴿يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا﴾ ''اے میرے قید خانے کے رفیقو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا۔'' علماء

فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ساقی ہے۔ ﴿ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ﴾ ''لیکن دوسرا صلیب دیا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ کھائیں گے۔'' کہتے ہیں اس سے مراد باورچی ہے۔ ﴿ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴾ ''تم دونوں جس کے بارے میں استفسار کر رہے تھے، اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔'' یعنی یہ لازماً ہو کر رہے گا۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک خواب کی تعبیر نہ کی جائے، وہ پرندے کے پاؤں پر ہے۔ (اس کا واقع ہونا اور نہ ہونا دونوں ممکن ہیں جیسے پرندے کے پیر میں پکڑی ہوئی چیز کا گرنا اور نہ گرنا دونوں ممکن ہیں) جب تعبیر کر دی جائے تو وہ واقع ہو جاتی ہے۔'' [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴾

''اور دونوں شخصوں میں سے جس کی نسبت (یوسف نے) خیال کیا کہ وہ رہائی پا جائے گا' اُس سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا لیکن شیطان نے اُن کا اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف کئی برس جیل خانے ہی میں رہے۔'' (یوسف: 42/12)

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس شخص سے کہا جو اُن کے خیال میں نجات پانے والا تھا، یعنی ساقی سے کہا: ﴿ اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ ''اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا۔'' یعنی بادشاہ کو میرا معاملہ بتانا اور میرا بغیر جرم کے قید ہونا ذکر کرنا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسباب کو اختیار کر کے کوشش کرنا جائز ہے اور یہ اللہ رب العالمین پر توکل کے منافی نہیں۔ ﴿ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ ﴾ ''پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے ذکر کرنا بھلا دیا۔'' یعنی شیطان نے چھوٹ جانے والے قیدی کو بھلا دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے جو تاکید کی تھی، اس کا ذکر بادشاہ سے کرتا۔ حضرت مجاہد، محمد بن اسحاق رحمہما اللہ اور دوسرے متعدد علمائے کرام نے یہی فرمایا ہے اور یہی درست ہے۔ اہل کتاب کے ہاں بھی (بائبل میں) یہی لکھا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴾ ''اور اس (یوسف) نے کئی سال قید خانے ہی میں کاٹے۔'' [بِضْعٌ] کا لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ [2]

جن حضرات نے ﴿ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ ﴾ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ''شیطان نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے رب کی یاد بھلا دی۔'' ان کا موقف درست نہیں۔

---

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في الرؤيا، حديث: 5020

[2] علامہ منصور پوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ یوسف صدیق علیہ السلام زنداں میں سات سال تک رہے تھے۔ (الجمال والکمال)

بادشاہ کا خواب اور اس کی تعبیر

حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدی ساتھی رہا ہونے پر بادشاہ کے سامنے آپ کا تذکرہ کرنا بھول گیا' پھر جب بادشاہ کو خواب آیا اور عام درباری اس کی تعبیر سے عاجز آ گئے تو اسے حضرت یوسف علیہ السلام یاد آئے کہ آپ خوابوں کی بہترین تعبیر جانتے ہیں۔ لہٰذا وہ بادشاہ کی اجازت سے آپ کے پاس تعبیر پوچھنے کے لیے حاضر ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ۞ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ۞ وَ قَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۞ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۞ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًاۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۞ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۞ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ۞ ﴾

''اور بادشاہ نے کہا کہ میں (نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں اور (سات) خشک۔ اے سردارو! اگر تم خوابوں کی تعبیر بتا سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ؟ انہوں نے کہا یہ تو پریشان سے خواب ہیں اور ہمیں ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی۔ اب وہ شخص جو دونوں قیدیوں میں سے رہائی پا گیا تھا اور جسے مدت کے بعد وہ بات یاد آ گئی' بول اُٹھا کہ میں آپ کو اس کی تعبیر (لا کر) بتلا دیتا ہوں۔ مجھے (جیل خانے) جانے کی اجازت دیجیے۔ (غرض وہ یوسف کے پاس آیا اور کہنے لگا:) اے یوسف! اے بڑے سچے (یوسف) ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتائیے کہ سات موٹی گایوں کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں اور سات سوکھے' تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جا کر تعبیر بتاؤں' تاکہ وہ جان لیں۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی کرتے رہو گے سو جو (غلہ) کاٹو' تو تھوڑے سے غلے کے سوا جو کھانے میں آئے' اُسے خوشوں ہی میں رہنے دو۔ پھر اس کے بعد (خشک سالی کے) سات سخت سال آئیں گے کہ جو (غلہ) تم نے جمع کر کے رکھا ہو گا وہ اس سب کو کھا جائیں گے۔ صرف وہی تھوڑا سا غلہ رہ جائے گا جو تم اختیار سے رکھ چھوڑو گے۔ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا کہ خوب مینہ برسے گا اور

لوگ اس میں رس نچوڑیں گے۔'' (یوسف: 12/43-49)

یہ بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جن کی بنا پر حضرت یوسف علیہ السلام کو بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ جیل سے باہر لایا گیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ مصر کے بادشاہ کو ایک خواب آیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ اس نے خواب میں دیکھا گویا وہ ایک دریا کے کنارے پر ہے۔ دریا سے سات موٹی تازی گائیں نکلیں اور وہاں مرغزار میں چرنے لگیں۔ پھر اسی دریا سے سات دُبلی گائیں نکلیں اور ان کے ساتھ چرنے لگیں۔ پھر وہ دبلی گائیں ان موٹی گایوں کو کھا گئیں۔ بادشاہ گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ جب دوبارہ سویا تو اس نے دیکھا کہ گندم کے ایک پودے میں سات سرسبز بالیاں ہیں، اچانک سات پتلی پتلی خشک بالیوں نے انہیں کھالیا۔ وہ پھر گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ (بائبل' کتاب پیدائش باب: 41)

جب اس نے اپنے درباریوں اور دوسرے افراد کو یہ خواب سنایا تو کوئی اس کی تعبیر نہ بتا سکا بلکہ انہوں نے کہا: ﴿ أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ﴾ ''یہ تو پریشان خواب ہیں۔'' اس قسم کے خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی اور پھر یہ بات بھی ہے کہ ہمیں اس علم میں کوئی مہارت حاصل نہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا: ﴿ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴾ ''اور ہم خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔''

اس وقت قید سے نجات پانے والے (ساقی) کو یوسف کی بات یاد آئی جو انہوں نے فرمایا تھا کہ بادشاہ کے پاس ان کا ذکر کرنا لیکن اسے اب تک یہ بات بھولی رہی تھی۔ یہ اللہ کی تقدیر تھی جس میں اللہ کی خاص حکمت پوشیدہ تھی۔ اس نے جب بادشاہ کا خواب سنا اور لوگوں کو اس کی تعبیر سے عاجز دیکھا تو اسے حضرت یوسف علیہ السلام کی بات چیت اور نصیحت یاد آ گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ ﴾ ''ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہوا تھا، اسے مدت کے بعد یاد آ گیا۔'' یعنی کئی سال بعد اسے یاد آ گیا تو اس نے اپنی قوم سے اور بادشاہ سے کہا: ﴿ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴾ ''میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا، مجھے جانے کی اجازت دیجیے۔'' یعنی مجھے یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت دیجیے، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ﴿ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ ''یوسف! اے بہت بڑے سچے یوسف! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں، جنہیں سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور (سات ہی) دوسرے بالکل خشک ہیں، تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں' تاکہ وہ سب جان لیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے کوئی شرط لگائے بغیر اور جلد رہائی کا مطالبہ کیے بغیر بلا تاخیر انہیں اپنے علم سے مستفید فرما دیا اور بادشاہ کے خواب کی تعبیر بیان کر دی کہ ''پہلے سات سال شادابی ہوگی اور پھر سات سال قحط پڑے گا اور اس کے بعد جو سال آئے گا، اس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی جس سے زرخیزی اور خوش حالی آئے گی اور اس میں خوب رس نچوڑیں گے۔'' یعنی انگوروں کا رس، زیتون اور تلوں وغیرہ کا تیل جیسے پہلے حاصل کیا کرتے تھے، پھر حاصل کرنے لگیں گے۔

آپ نے انہیں تعبیر بھی بتائی اور اچھی تدبیر بھی سجھائی اور دونوں حالتوں یعنی زرخیزی اور قحط کے ایام کے بارے میں ان کی رہنمائی فرمائی کہ ابتدائی سالوں یعنی زرخیزی کے دور میں غلہ خوشوں میں رکھیں، صرف کھانے کی ضرورت کے مطابق دانے نکالیں اور قحط سالی کے دور میں بیج کم بوئیں کیونکہ زیادہ امکان یہی ہے کہ کھیت سے بیج کے برابر بھی پیداوار نہ ہوگی۔ اس سے آپ کے علم اور فہم دونوں کے کمال کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بے قصور ثابت ہوتے ہیں

خواب کی تعبیر معلوم ہونے پر بادشاہ بڑا خوش ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو حاضر کرنے کا حکم دیا تاکہ انہیں اپنے خاص وزراء میں شامل کرے مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی مکمل بے گناہی کا اظہار کروائے بغیر جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

"بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لے آؤ۔ جب قاصد اُن کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ اپنے آقا کے پاس لوٹ جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ بے شک میرا پروردگار اُن کے مکر سے خوب واقف ہے۔ بادشاہ نے (عورتوں سے) پوچھا بھلا اُس وقت کیا ہوا تھا، جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ سب بول اُٹھیں کہ [حاش للّٰہ] ہم نے اس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ عزیز کی عورت نے کہا: اب سچی بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے (اصل یہ ہے کہ) میں نے اُس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے۔ (یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لیے (پوچھی ہے) کہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر کو راہ نہیں دیتا۔ اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتی کیونکہ نفس امّارہ (انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا رب پروردگار رحم کرے۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔" (یوسف: 12/50-53)

جب بادشاہ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام علم وافر، عقل کامل، رائے صائب اور فہم ثاقب سے متصف

ہیں تو اس نے حکم دیا کہ آپ کو اس کے دربار میں حاضر کیا جائے تا کہ آپ کو خاصان دربار میں شامل کیا جائے۔ جب بادشاہ کا فرستادہ آپ کے پاس یہ پیغام لایا تو آپ نے چاہا کہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ آپ کو قید کیا جانا محض ظلم وعدوان تھا اور جو گناہ آپ کی طرف منسوب کیا گیا وہ صریح بہتان تھا۔ تب آپ نے اس سے فرمایا: ﴿ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴾ ”اپنے مالک یعنی بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ میرا رب ان کے حیلے سے واقف ہے۔“

﴿ رَبِّیْ ﴾ ”میرا مالک، آقا“ سے ایک قول کے مطابق عزیز مراد ہے یعنی اسے تو معلوم ہے کہ میں اس الزام سے بری ہوں لہٰذا بادشاہ سے کہو کہ وہ ان عورتوں سے بھی پوچھے کہ جب انہوں نے مجھے بہکانا چاہا تو میں نے ان کی بات ماننے سے کس قدر سختی سے انکار کیا تھا؟ جب عورتوں سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اصل واقعہ کا اعتراف کر لیا اور یہ تسلیم کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کردار بے داغ تھا۔ انہوں نے کہا: ﴿ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ ﴾ ”معاذ اللہ! ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں پائی۔“

اس وقت ”عزیز کی بیوی“ زلیخا بھی بول اُٹھی کہ اب تو سچی بات نتھر آئی یعنی حق واضح ہو گیا ہے اور حق ہی کی پیروی ہونی چاہیے۔ اس نے کہا: ﴿ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ ”میں نے ہی اسے اس کے جی سے ورغلایا تھا، اور وہ یقیناً سچوں میں سے ہے۔“ یعنی اس کی یہ بات بالکل سچ ہے کہ وہ بے گناہ ہے، اس نے مجھے گناہ کی دعوت نہیں دی بلکہ اسے جھوٹ اور بہتان کی بنیاد پر ظلم وعدوان سے قید کیا گیا تھا۔

آیت مبارکہ ﴿ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴾ کو بعض علماء نے یوسف علیہ السلام کا کلام قرار دیا ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ میں نے یہ تحقیق اس لیے کرائی ہے تا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں، اس کی خیانت نہیں کی تھی (یعنی زلیخا سے ناجائز تعلق قائم نہیں کیا تھا۔) اور بعض دوسرے علماء اسے زلیخا کا کلام قرار دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے اعتراف کر لیا ہے تا کہ میرے خاوند کو علم ہو جائے کہ میں نے اپنے خاوند کی عملاً خیانت نہیں کی تھی۔ صرف مائل کرنے کی کوشش ہوئی تھی، بدکاری کا عمل سرزد نہیں ہوا۔

متاخرین علماء میں سے بہت سے حضرات اس (دوسرے) قول کی تائید کرتے ہیں۔ البتہ ابن جریر رحمۃ اللہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ نے صرف پہلا قول نقل کیا ہے۔

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ ”اور میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتی، بے شک نفس تو برائی پر اُبھارنے والا ہی ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے۔ یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔“

پہلی آیت کے بارے میں اختلاف کی بنیاد پر اس آیت کو بھی بعض علماء نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے اور بعض نے زلیخا کا۔ زیادہ مناسب اور زیادہ قوی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی زلیخا کا کلام ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت یوسف علیہ السلام منصب حکومت پر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ۝ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ ﴾

''بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنا مصاحب خاص بناؤں گا۔ پھر جب اُن سے گفتگو کی تو کہا کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحب منزلت اور صاحب اعتبار ہو (یوسف علیہ السلام نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف بھی ہوں۔ اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو ملک (مصر) میں جگہ دی اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے۔ ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں نازل کرتے ہیں اور نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے اُن کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔'' (یوسف: 12/54-57)

جب بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت ہوگئی اور اسے علم ہوگیا کہ آپ پر لگایا جانے والا الزام سراسر بے بنیاد تھا۔ تو اس نے کہا: ﴿ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ﴾ ''اسے میرے پاس لے آؤ، میں اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کرلوں۔'' پھر جب اس سے بات چیت کی اور آپ کی بات چیت سن کر آپ کی صلاحیتیں خوب معلوم ہوگئیں تو کہنے لگا: ﴿ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴾ ''آپ ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانت دار ہیں۔'' (یوسف علیہ السلام نے) کہا: ﴿ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴾ ''آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے، میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔'' آپ نے بادشاہ سے کہا کہ وہ آپ کو غلہ کے سرکاری گوداموں کی نگرانی کا منصب سونپ دے، کیونکہ شادابی کے سات سال گزرنے کے بعد حالات خراب ہونے کا خدشہ تھا اس منصب پر فائز ہونے کی صورت میں آپ اس وقت عوام کے لیے مفید اور محتاط پالیسی اختیار کر سکتے تھے۔ آپ نے بادشاہ کو بتایا کہ آپ ''حفاظت کرنے والے'' ہیں، یعنی آپ دیانت داری کے ساتھ ان کی حفاظت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور ''باخبر'' ہیں، یعنی آپ کو معلوم ہے کہ اشیا کو کیسے

محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور گودام کس طرح بہتر حالت میں رہ سکتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے بارے میں جانتا ہو کہ وہ کسی عہدے کی اہلیت رکھتا ہے اور دیانت داری سے متصف ہے، اس کے لیے حکومتی عہدہ طلب کرنا جائز ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں: فرعون (یعنی اس وقت کے شاہ مصر) نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے حد عزت افزائی کی اور آپ کو پورے مصر کا حاکم بنا دیا۔ اس نے آپ کو اپنی شاہی انگوٹھی پہنائی، ریشم کا لباس پہنایا[1]، سونے کا ہار پہنایا اور آپ کو اپنے دوسرے رتھ میں سوار کرا کر آپ کے آگے یہ منادی کرائی کہ تو مالک اور مختار ہے اور اپنے بارے میں کہا: فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ﴾ ''اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک کا قبضہ دے دیا وہ جہاں کہیں چاہے رہے سہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ قید اور تنگی کی زندگی گزارنے کے بعد پورے مصر میں خود مختار ہو گیا۔ جہاں چاہے عزت و احترام سے رہے سہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔'' یہ سب اس جزا اور ثواب کا ایک حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کو دیا کرتا ہے اور جس کے ساتھ آخرت میں عظیم نعمتیں اور بہترین ثواب محفوظ ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ''یقیناً ایمان داروں اور پرہیز گاروں کا اُخروی اجر بہت ہی بہتر ہے۔''

مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ مصر کا بادشاہ ریان بن ولید یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لے آیا تھا۔[2] (واللہ اعلم)

برادران یوسف علیہ السلام مصر میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو طویل آزمائشوں کے بعد تخت مصر سے نوازا جبکہ آپ کے حاسد بھائی قحط سالی کا شکار ہو کر آپ کے پاس غلے کے حصول کے لیے آتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِىْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّىْٓ اُوْفِى الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِىْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِىْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ

---

[1] بائبل میں ''باریک کتان'' کا لباس کہا گیا ہے۔ (پیدائش، 42,41) بہر حال مقصود لباس فاخرہ ہے۔

[2] تفسیر ابن کثیر: 339/4 تفسیر سورۂ یوسف' آیت: 57

اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۶۲﴾

''اور یوسف کے بھائی (کنعان سے مصر میں غلہ خریدنے کے لیے) آئے تو یوسف کے پاس گئے۔ یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے۔ جب یوسف نے اُن کے لیے اُن کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (پھر آنا تو) باپ کی طرف سے جو تمہارا ایک اور بھائی ہے اُسے بھی میرے پاس لیتے آنا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ماپ بھی پورا پورا دیتا ہوں اور مہمان داری بھی خوب کرتا ہوں؟ اور اگر تم اُسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو نہ تمہیں میرے ہاں سے غلہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس آسکو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اُس کے بارے میں اس کے والد سے تذکرہ کریں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے۔ اور (یوسف نے) اپنے خادموں سے کہا کہ ان کا سرمایہ (یعنی غلے کی قیمت) اُن کے بوروں میں رکھ دو' تا کہ جب یہ اپنے اہل و عیال میں جائیں تو اُسے پہچان لیں (اور) بعید نہیں کہ یہ پھر یہاں آئیں۔'' (یوسف: 12/58-62)

ان آیات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے غلہ لینے کے لیے مصر میں آنے کا ذکر ہے۔ اس وقت قحط کے سال شروع ہو چکے تھے اور تمام علاقے قحط سے متاثر تھے۔ اس وقت مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت قائم تھی۔ چنانچہ جب وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں پہچان لیا، لیکن انہوں نے آپ کو نہ پہچانا کیونکہ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اس مقام و مرتبہ پر فائز ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے آپ نے انہیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔

بائبل میں لکھا ہے: جب وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو سجدہ کیا۔ آپ نے انہیں پہچان لیا اور چاہا کہ وہ آپ کو نہ پہچانیں۔ اس لیے ان سے سخت لہجے میں بات کی اور فرمایا: ''تم جاسوس ہو، تم ہمارے ملک کی اچھی چیزیں لینا چاہتے ہو!'' بھائیوں نے کہا: ''اللہ کی پناہ! ہم تو قحط اور بھوک کی وجہ سے اناج لینے آئے ہیں۔ ہم کنعان کے رہنے والے ہیں اور ایک ہی باپ کے بارہ بیٹے ہیں، جن میں سے ایک گم ہو گیا ہے اور چھوٹا بھائی ہمارے والد کے پاس ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''میں تمہارے معاملے کی تحقیق کروں گا۔'' آپ نے انہیں تین دن تک نظر بند رکھا' پھر چھوڑ دیا۔ آپ نے شمعون کو اپنے پاس روک لیا تا کہ دوسرے بھائی بنیامین کو لے کر آئیں۔ [1] ان تفصیلات میں بعض باتیں غلط بھی ہیں۔

گزشتہ آیات کی تفسیر: ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ﴾ ''اور جب انہیں ان کا سامان مہیا فرما دیا۔'' یعنی حسب معمول ہر شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ کے مطابق غلہ دے دیا' تو کہا: ﴿ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ﴾ ''تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا، جو تمہارے باپ سے ہے۔'' آپ نے ان سے ان کے حالات پوچھ لیے تھے اور پوچھا کہ وہ کتنے افراد ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم بارہ بھائی تھے۔ ایک گم ہو گیا اور اس کا سگا بھائی ہمارے باپ کے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا: اگلے سال آؤ گے تو اسے بھی ساتھ لیتے آنا۔ ﴿أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ﴾ ''کیا تم نہیں

[1] دیکھیے کتاب پیدائش، باب: 42

دیکھتے کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین میزبانی کرنے والوں میں سے ہوں۔'' یعنی میں نے تمہاری مہمانی بہترین طریقے سے کی ہے۔ آپ نے یہ باتیں انہیں ترغیب دینے کے لیے فرمائیں، تا کہ وہ اس بھائی کو لے کر آئیں' پھر انہیں دھمکی بھی دی اور فرمایا: ﴿فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ﴾ ''پس اگر تم میرے پاس اسے لے کر نہ آئے تو میری طرف سے تمہیں کوئی ماپ (غلہ) نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔'' یعنی پھر میں تمہیں غلہ نہیں دوں گا اور تمہاری مہمانی بالکل نہیں کروں گا یعنی پہلی بات کے برعکس معاملہ ہوگا۔ اس طرح آپ نے ترغیب وترہیب کے ذریعے سے پوری کوشش کی کہ وہ لوگ بنیامین کو بھی ساتھ لے آئیں تا کہ آپ اپنے بھائی سے ملاقات کے اشتیاق کی تسکین کر سکیں۔ انہوں نے کہا: ﴿سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ﴾ ''(اچھا!) ہم اس کے باپ کو اس کی بابت ترغیب دیں گے اور پوری کوشش کریں گے۔'' یعنی ہم اسے لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور ہم ضرور اسے ساتھ لا کر رہیں گے۔

پھر آپ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ لوگ غلہ خریدنے کے لیے جو کچھ لائے ہیں، وہ ان کی لاعلمی میں ان کے سامان میں رکھ دیا جائے۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ''تا کہ جب لوٹ کر اپنے اہل وعیال میں جائیں اور پونجیوں کو پہچان لیں، تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں۔'' اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ وطن پہنچ کر غلے میں پونجی پائیں گے تو واپس کرنے ضرور آئیں گے۔ یا یہ وجہ ہے کہ آپ کو خطرہ تھا کہ شاید ان کے پاس مزید رقم نہ ہو، جسے لے کر وہ دوبارہ غلہ لینے کے لیے آسکیں، یا یہ وجہ ہے کہ آپ کو غلہ کے عوض ان سے رقم لینا اچھا معلوم نہ ہوا۔

بنیامین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات

بھائیوں نے حسب وعدہ بنیامین کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے سختی سے رد کر دی' پھر بیٹوں کی منت سماجت اور پختہ وعدوں کے بعد ساتھ بھیج دیا۔ اس طرح بنیامین اپنے سگے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ جاتے ہیں' ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ۝ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝ وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ

اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

’’جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس گئے تو کہنے لگے کہ ابا جان (جب تک ہم بنیامین کو ساتھ نہ لے جائیں) ہمارے لیے غلے کی بندش کر دی گئی ہے' سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجیے تا کہ ہم پھر غلہ لائیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔ یعقوب نے کہا کہ میں اس کے بارے میں تمہارا اعتبار نہیں کرتا مگر ویسا ہی جیسا اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا' لہٰذا اللہ ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ اُن کا سرمایہ ان کو واپس کر دیا گیا ہے۔ کہنے لگے کہ ابا جان! ہمیں (اور) کیا چاہیے (دیکھیے) یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔ اب ہم اپنے اہل وعیال کے لیے پھر غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی نگہبانی کریں گے اور ایک بار شتر زیادہ لائیں گے (جو ہم لائے ہیں) تھوڑا ہے۔ یعقوب نے کہا کہ جب تک تم اللہ کا عہد نہ دو کہ اس کو میرے پاس (صحیح سلامت) لے آؤ گے' میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا' مگر یہ کہ تم گھیر لیے جاؤ (یعنی بے بس ہو جاؤ تو مجبوری ہے) جب انہوں نے اُن سے عہد کر لیا تو (یعقوب نے) کہا کہ جو قول وقرار ہم کر رہے ہیں اس کا اللہ ضامن ہے اور ہدایت کی کہ اے بیٹا! ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا اور میں اللہ کی تقدیر تو تم سے روک نہیں سکتا' بے شک حکم اسی کا ہے۔ میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اہل توکل کو اُسی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ اور جب وہ اُن اُن مقامات سے داخل ہوئے جہاں جہاں سے (داخل ہونے کے لیے) باپ نے اُن سے کہا تھا تو وہ تدبیر، اللہ کے حکم کو ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی۔ ہاں وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو انہوں نے پوری کی تھی اور بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘ (یوسف: 12/63-68)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب وہ لوگ اپنے والد کے پاس واپس پہنچے، تب کیا واقعات پیش آئے۔ انہوں نے کہا: ﴿مُنِعَ مِنَّا الْكَیْلُ﴾ ’’ہم سے (غلے کا) ماپ روک لیا گیا۔‘‘ یعنی اگر آپ نے ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ نہ بھیجا تو اس سال کے بعد غلہ نہیں ملے گا۔ لیکن اگر آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں گے تو ہمیں غلہ مل جائے گا۔

﴿وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَیْهِمْ ؕ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ؕ﴾

’’جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اپنا سرمایہ موجود پایا، جو اُن کی جانب لوٹا دیا گیا تھا۔ کہنے لگے: ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟‘‘ اب تو ہمیں اپنا سرمایہ بھی واپس مل چکا ہے۔ اس لیے ﴿نَمِیْرُ اَهْلَنَا﴾ ’’ہم اپنے خاندان کو رسد لا دیں

گے۔" ﴿ وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴾ "اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور اس کی وجہ سے ایک اونٹ کا بار زیادہ لائیں گے۔ یہ بار تو بہت آسان ہے۔" [1]

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کی شدید خواہش رکھتے تھے کیونکہ اس میں انہیں یوسف کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ انہیں یہ اطمینان ہوتا تھا کہ یوسف کی غیر موجودگی میں ان کا بھائی موجود ہے۔ اسی لیے انہوں نے فرمایا: ﴿ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ﴾ "میں تو اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا، جب تک کہ تم اللہ کو بیچ میں رکھ کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس واپس لاؤ گے، سوائے ایک صورت کے کہ تم سب مغلوب ہو جاؤ۔" یعنی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ بنیامین کو بحفاظت واپس لانا تمہارے بس سے باہر ہو جائے، تب تم بے قصور ہو گے۔ جب انہوں نے پکا قول و قرار دے دیا تو انہوں نے کہا: ﴿ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴾ "ہم جو کچھ کہتے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بہت پختہ عہد و پیمان لیے اور اپنے بیٹے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کا مظاہرہ فرمایا لیکن تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی۔ اگر آپ کو اور آپ کے کنبے کو خوراک کی شدید احتیاج نہ ہوتی تو آپ اپنے پیارے بیٹے کو کبھی نظروں سے اوجھل نہ کرتے۔ لیکن تقدیر کے اپنے طریقے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فیصلے فرما دیتا ہے، وہی کامل حکمت والا، مکمل علم والا ہے۔

پھر آپ نے انہیں حکم دیا کہ شہر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہوں، بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ آپ نے انہیں یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ انہیں نظر نہ لگ جائے کیونکہ وہ سب خوب صورت اور خوش شکل تھے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مقصد یہ تھا کہ الگ الگ داخل ہونے سے شاید کسی کو یوسف کا سراغ مل جائے۔ پہلا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اس لیے فرمایا: ﴿ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ "میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے ٹال نہیں سکتا۔" [2]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

---

[1] آیت کے اس حصے کا ترجمہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ "یہ ماپ تھوڑا ہے۔" یعنی جتنا اناج ملا ہے، وہ تھوڑا ہے۔ ہماری ضرورت پوری نہیں کر سکتا۔

[2] علامہ منصور پوری رحمہ اللہ نے ایک توجیہ یہ بھی فرمائی ہے کہ "ممکن ہے یعقوب علیہ السلام نے ﴿ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ﴾ کی وسعت پر غور فرمایا ہو اور پھر سمجھا ہو کہ اگر احاطہ ہوا تو سب ہی گھیرے میں آ جائیں گے...... اس لیے بہتر ہے کہ کوئی ایسی صورت بھی نکال دی جائے کہ کسی مصیبت کے پڑنے پر سب کے سب گرفتار بلا نہ ہو جائیں۔" (الجمال والکمال)

’’جب وہ انہی راستوں (دروازوں) سے گئے جن کا حکم اُن کے والد نے انہیں دیا تھا، کچھ نہ تھا کہ اللہ نے جو بات مقرر کر دی ہے، وہ اس سے انہیں ذرا بھی بچالیں، مگر یعقوب کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا جسے انہوں نے پورا کرا لیا۔ بلاشبہ وہ ہمارے سکھلائے ہوئے علم کے عالم تھے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘

بائبل میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے ہاتھ عزیز مصر کے لیے تحفہ کے طور پر پستہ، بادام، صنوبر کے بیج، شہد اور مُرّ وغیرہ بھیجا۔ بھائیوں نے پہلے درہم بھی لے لیے اور کچھ اور اشیا بھی غلہ خریدنے کے لیے ساتھ لے لیں۔[1]

حضرت یوسف علیہ السلام کی ایک تدبیر: حضرت یوسف علیہ السلام بلاوجہ اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ نہیں سکتے تھے، لہٰذا انہوں نے بھائی کو روکنے کی ایک تدبیر کی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ۝ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ۝ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ ۚ كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝ قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَانًا ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۝ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا لَظَالِمُونَ ﴾

’’اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میں تیرا بھائی ہوں، سو جو سلوک یہ (ہمارے ساتھ) کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا۔ جب یوسف نے اُن کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے کجاوے میں پانی پینے کا پیالہ رکھ دیا پھر (جب وہ آبادی سے باہر نکل گئے تو) ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ اے قافلے والو! تم تو چور ہو۔ وہ اُن کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کون سی چیز کھوگئی ہے؟ وہ بولے کہ بادشاہ (کے پانی پینے) کا پیالہ کھو گیا ہے اور جو شخص اس کو لے آئے اس کے لیے ایک بار شتر (ایک اونٹ کا سامان) ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! تم کو معلوم ہے کہ ہم (اس)

[1] (دیکھیے کتاب پیدائش، باب:43، فقرہ:12,11)

ملک میں اس لیے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور نہ ہم چوری کیا کرتے ہیں۔ وہ بولے کہ اگر تم جھوٹے نکلے (یعنی چوری ثابت ہوگئی) تو اس کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ دستیاب ہو وہی اس کا بدل قرار دیا جائے' ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔ تب یوسف نے اپنے بھائی کے سامان سے قبل ان کے سامانوں کو دیکھنا شروع کیا' پھر اپنے بھائی کے سامان میں سے اس (پیالے) کو نکال لیا۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ مشیت الٰہی کے سوا اپنے بھائی کو نہ لے سکتے تھے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔ (برادران یوسف نے) کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہو تو (کچھ عجب نہیں کیونکہ) اس کے ایک بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی۔ یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا اور ان پر ظاہر نہ ہونے دیا (اور) کہا کہ تم بڑے بدقماش ہو اور جو تم بیان کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! اس کے والد بہت بوڑھے ہیں (اور اس سے محبت بھی رکھتے ہیں) سو (اس کو چھوڑ دیجیے اور) اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والے ہیں۔ یوسف نے کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں۔ ایسا کریں تو ہم بڑے بے انصاف ہیں۔'' (یوسف: 12/69-79)

ان آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ اپنے بھائی بنیامین کو لے کر اس کے سگے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے اسے اپنے قریب جگہ دی اور پوشیدہ طور پر اسے بتایا کہ آپ اس کے بھائی ہیں اور اسے حکم دیا کہ ابھی یہ بات بھائیوں کو نہ بتائیں۔ [1] علاوہ ازیں ان کی بدسلوکی پر اسے تسلی دی۔

پھر آپ نے ایک تدبیر کی تاکہ بنیامین کو دوسرے بھائیوں سے الگ کر کے اپنے پاس رکھ لیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ آپ کا پیالہ ان کو علم ہوئے بغیر اس کے بورے میں رکھ دیں۔ [2] آپ اسی پیالے میں پانی پیتے تھے اور اسی سے ماپ کر لوگوں کو غلہ دیتے تھے۔ جب وہ روانہ ہوئے تو ان کے پیچھے چند افراد بھیج دیے۔ انہوں نے جا کر کہا: تم لوگ بادشاہ کا پیمانہ چرا لائے ہو۔ اگر تم واپس کر دو گے تو ایک اونٹ غلہ مزید دیا جائے گا۔

اعلان کرنے والے نے اس وعدہ کے پورا ہونے کی ذمہ داری قبول کی۔ انہوں نے اس الزام کی صحت سے انکار کیا اور الزام لگانے والوں پر ناراضی کا اظہار کیا اور انہوں نے کہا: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ﴾

[1] غالباً بنیامین سے اپنا تعارف کروانے سے یوسف علیہ السلام کا مقصد یہ ہوگا کہ واپس جا کر والد کو بتائے تو ان کا غم دور ہو جائے' تاہم بعد میں حالات نے جو رخ اختیار کیا، اس کی وجہ سے بنیامین کو اپنے پاس روکنا پڑا اور یعقوب علیہ السلام کے ابتلا کی مدت مزید طویل ہوگئی۔

[2] علامہ منصور پوری رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ پیالے کو بوری میں رکھنے کا کام یوسف علیہ السلام نے کیا تھا۔ جس کا علم بنیامین کے سوا کسی کو نہ تھا۔ بھائیوں کے روانہ ہونے کے بعد جب نوکروں کو معلوم ہوا کہ پیالہ موجود نہیں تو قدرتی طور پر انہی لوگوں پر شک ہوا جو ابھی یہاں سے گئے تھے' لہٰذا اُن کا تعاقب کر کے انہیں جا لیا۔ (الجمال والکمال)

''اللہ کی قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں۔'' یعنی تمہیں معلوم ہے کہ یہاں ہمارا عزت واحترام سے استقبال کیا گیا تھا اور ہم کسی برے ارادے سے نہیں آئے۔

تب الزام لگانے والوں نے کہا: ﴿فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ كٰذِبِيۡنَ ۝ قَالُوۡا جَزَآؤُهٗ مَنۡ وُّجِدَ فِىۡ رَحۡلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ﴾ ''اچھا! چور کی سزا کیا ہے، اگر تم جھوٹے ہوئے؟ انہوں نے کہا: اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں سے پایا جائے، وہی اس کا بدلہ ہے۔ ہم تو (ایسے) ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔'' ان کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ چور کو اس کے حوالے کر دیا جائے جس کی چوری ہوئی' اس لیے انہوں نے یہ بات کہی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَبَدَاَ بِاَوۡعِيَتِهِمۡ قَبۡلَ وِعَآءِ اَخِيۡهِ ثُمَّ اسۡتَخۡرَجَهَا مِنۡ وِّعَآءِ اَخِيۡهِؕ﴾ ''پس یوسف نے اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے' ان کے سامان کی تلاشی شروع کی، پھر اس پیمانے کو اپنے بھائی کے سامان سے نکالا۔'' اس کا مقصد یہ تھا کہ یوسف پر کوئی الزام نہ آئے اور تدبیر زیادہ کارگر ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ كِدۡنَا لِيُوۡسُفَؕ مَا كَانَ لِيَاۡخُذَ اَخَاهُ فِىۡ دِيۡنِ الۡمَلِكِ﴾ ''ہم نے یوسف کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی۔ [1] اس بادشاہ کے قانون کے رو سے وہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتے تھے۔'' یعنی اگر بھائی یہ اعتراف نہ کرتے کہ جس کے سامان سے پیمانہ نکلے، اسی کو رکھ لیا جائے تو یوسف علیہ السلام مصر کے قانون کے مطابق بنیامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُؕ وَفَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ﴾ ''مگر یہ کہ اللہ کو منظور ہو، ہم جس کے چاہیں، (علم میں) درجے بلند کرتے ہیں۔ ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام ان سے زیادہ علم، عقل، عزم وحزم سے بہرہ ور تھے۔ آپ نے اللہ کے حکم سے یہ کام کیا کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک بڑا فائدہ حاصل ہونے والا تھا۔ یعنی آپ کے والد اور خاندان کے افراد ان کے پاس پہنچنے والے تھے۔

جب بھائیوں نے دیکھا کہ پیمانہ بنیامین کے سامان سے نکلا ہے تو انہوں نے کہا: ﴿اِنۡ يَّسۡرِقۡ فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُۚ﴾ ''اگر اس نے چوری کی (تو تعجب کی کوئی بات نہیں) اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔'' یعنی انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو چور کہا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جس چوری کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے وہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں اپنے نانا کا بت چرا کر توڑ دیا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ کی پھوپھی کو آپ سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کا ایک کمربند ان کے

---

[1] ممکن ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ پیالہ بھائی کو تحفے کے طور پر دیا ہو۔ لیکن جب اعلان کرنے والے نے ان کے سامان کی تلاشی لے کر بنیامین کے سامان میں سے پیالہ برآمد کر لیا (منصور پوری رحمہ اللہ نے آیت کا ترجمہ یہی کیا ہے) تو یوسف علیہ السلام نے خاموشی اختیار کر لی۔ کیونکہ ان کے لیے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا جواز پیدا ہو گیا تھا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كَذٰلِكَ كِدۡنَا لِيُوۡسُفَؕ﴾ ''ہم نے اسی طرح یوسف کے لیے تدبیر کی۔''

کپڑوں میں چھپا دیا۔ پھر تلاش کیا گیا تو ان کے پاس سے نکلا۔ انہیں تو معلوم نہیں تھا کہ یہ کیوں کیا جا رہا ہے۔ پھوپھی محبت کی وجہ سے چاہتی تھیں کہ آپ اس کے پاس رہیں، اس لیے یہ تدبیر کی۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ گھر سے کھانا چرا کر غریبوں کو کھلا دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ [1]

اس لیے بھائیوں نے کہا: ''اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔'' یوسف علیہ السلام نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے ظاہر نہ کیا۔ جو بات ظاہر نہ کی گئی تھی وہ آپ کے اگلے الفاظ ہیں کہ ﴿اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ﴾ ''تم بڑے بدقماش ہو اور جو تم بیان کرتے ہو، اللہ ہی خوب جانتا ہے۔''

آپ نے حلم و درگزر سے کام لیتے ہوئے یہ بات آہستہ کہی، اونچی آواز سے نہ کہی۔ تب وہ آپ کی منت سماجت کرنے لگے اور بولے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ﴾ ''اے عزیز مصر! اس کے والد بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں، آپ اس کے بدلے میں ہم میں سے کسی کو لے لیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں۔ یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے، اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً ناانصافی کرنے والے ہو جائیں گے۔'' یعنی اگر ہم نے ملزم کو چھوڑ دیا اور بے گناہ کو گرفتار کر لیا تو یہ ظلم ہوگا۔ ہم نہ خود ظلم کر سکتے ہیں نہ کسی کو ظلم کی اجازت دے سکتے ہیں۔ ہم تو اسی کو پکڑیں گے جس سے ہمیں اپنا سامان ملا۔

بھائیوں کا باہمی صلاح مشورہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا

---

[1] یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگانا بھی اسی طرح کی ناروا حرکت ہے، جس طرح گزشتہ بداعمالیاں مثلاً: والد سے بدگمانی، جھوٹ، دھوکا، بھائی پر ظلم اور انہیں کنویں میں گرانا۔ ان کے مقابلے میں یوسف علیہ السلام کو چور کہہ دینا محض مخفی بغض کا ایک معمولی سا اظہار ہے۔ ان لوگوں کے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش میں بے سروپا حکایات بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

''جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر صلاح کرنے لگے۔ سب سے بڑے نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کا عہد لیا ہے اور اس سے پہلے بھی تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو۔ سو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں' میں تو اس جگہ سے ہلوں گا نہیں' یا اللہ میرے لیے کوئی اور تدبیر کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم سب والد صاحب کے پاس جاؤ اور کہو کہ ابا جان! آپ کے صاحب زادے نے (وہاں جا کر) چوری کی اور ہم نے تو اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کو لے آنے کا) عہد کیا تھا مگر ہم غیب (کی باتوں) کے (جاننے اور) یاد رکھنے والے تو نہیں تھے۔ اور جس بستی میں ہم (ٹھہرے) تھے وہاں سے (یعنی اہل مصر سے) اور جس قافلے میں ہم آئے ہیں اس سے دریافت کر لیجیے۔ اور ہم (اس بیان میں) بالکل سچے ہیں۔ (جب انہوں نے آ کر یہ بات یعقوب سے کہی تو) انہوں نے کہا: (کہ حقیقت یوں نہیں ہے) بلکہ یہ بات تم نے اپنے دل سے بنا لی ہے' پس صبر ہی بہتر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ بے شک وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔ پھر اُن کے پاس سے چلے گئے اور کہنے لگے: ہائے افسوس! یوسف (ہائے افسوس) اور رنج والم میں (اس قدر روئے کہ) ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور اُن کا دل غم سے بھر رہا تھا۔ بیٹے کہنے لگے کہ واللہ! اگر آپ یوسف کو اسی طرح یاد کرتے رہیں گے تو یا تو بیمار ہو جائیں گے یا جان ہی دے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنے غم واندوہ کا اظہار اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بیٹا (یوں کرو کہ ایک دفعہ پھر) جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ کی رحمت سے بے ایمان لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں۔'' (یوسف: 12/80-87)

جب وہ لوگ بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام سے چھڑانے میں ناکام ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔ سب سے بڑے بھائی روبیل (روبن) نے کہا: ﴿اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پختہ اقرار لیا ہے؟'' یعنی یہ وعدہ لیا ہے کہ واپسی میں بنیامین کو ضرور ساتھ لاؤ گے۔ اب تم عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے ہو اور جس طرح تم نے پہلے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کوتاہی کا ارتکاب کیا تھا، اب اس کے بارے میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ ﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ ''پس میں تو اس سرزمین سے نہ جاؤں گا بلکہ یہیں ٹھہرا رہوں گا حتی کہ والد صاحب خود مجھے واپس آنے کی اجازت دے دیں یا اللہ تعالیٰ میرے اس معاملے کا فیصلہ کر دے (کہ میں کسی طرح اپنے بھائی کو اپنے والد کے پاس لے جا سکوں۔) وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔'' ﴿اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ﴾ ''تم سب والد صاحب

کی خدمت میں واپس جاؤ اور کہو کہ ابا جی! آپ کے صاحب زادے نے چوری کی۔" یعنی انہیں وہ بات بتاؤ جو ظاہری طور پر تمہارے مشاہدے میں آئی ہے اور کہو: ﴿وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا﴾ "آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرمالیں جہاں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں۔" یعنی ہم نے آپ کو بھائی سے چوری کی غلطی سرزد ہونے کی جو خبر سنائی ہے، وہ مصر میں مشہور ہو چکی ہے، وہ ان قافلے والوں کو بھی معلوم ہے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ "اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام کا رنج والم: جب بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور بنیامین کی داستان سنائی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پرانے زخم بھی تازہ ہو گئے اور مسلسل رونے کی وجہ سے آپ کی بینائی جاتی رہی' لیکن آپ نے صبر کا دامن تھامے رکھا اور اپنے رب سے پرامید رہتے ہوئے فرمایا: ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾ "(ایسا ہوا نہیں) بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنالی' پس اب صبر ہی بہتر ہے۔" یعنی تمہارا بیان غلط ہے۔ بنیامین سے چوری کا جرم سرزد نہیں ہوا۔ یہ اس کی عادت نہیں، بلکہ تم نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا: "بنیامین کے بارے میں ان کی کوتاہی، یوسف علیہ السلام سے بدسلوکی کا نتیجہ تھی۔ [1] اسی لیے یعقوب علیہ السلام نے یہ بات فرمائی۔ کسی بزرگ کا قول ہے: "گناہ کی سزا بعض اوقات اس طرح بھی ملتی ہے کہ ایک اور گناہ سرزد ہو جائے۔"

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا﴾ "قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس پہنچا دے۔" یعنی یوسف، بنیامین اور روبیل (روبن) کو میرے پاس واپس لے آئے۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ "وہی علم وحکمت والا ہے۔" یعنی پیارے بیٹوں کی جدائی میں میرا جو حال ہے' اللہ اسے خوب جانتا ہے اور اللہ جو کچھ کرتا ہے اور جو فیصلے فرماتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔" پھر انھوں نے اپنے بیٹوں سے منہ پھیر لیا اور کہا: ﴿يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ﴾ "ہائے یوسف!" نئے غم کی وجہ سے پرانا غم بھی تازہ ہو گیا اور رنج والم کے جو جذبات دل میں موجود تھے، ان میں شدت پیدا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾ "ان کی آنکھیں رنج وغم کے باعث سفید ہو چکیں تھیں۔" یعنی بہت زیادہ رونے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ ﴿فَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ "اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔" یعنی غم کی شدت اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کی شدید خواہش کی وجہ سے ان کا دل غم سے لبریز ہو گیا۔ [2]

---

[1] ﴿فَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ "وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔" کے الفاظ سے اشارہ ملتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے رونے سے اجتناب کیا تھا۔ جو شخص رو لیتا ہے اس کا رنج وغم ہلکا ہو جاتا ہے اور جو شخص غم میں اندر ہی اندر گھلتا رہے تو شدت غم کی وجہ سے آنسو خشک ہو جاتے ہیں۔ یہ غم کی انتہائی شدید کیفیت ہے۔ [2] تفسیر ابن کثیر: 347/4' تفسیر سورۂ یوسف' آیت: 83'84

جب آپ کے بیٹوں نے آپ کو جدائی کے رنج والم میں اس طرح غلطاں وپیچاں دیکھا تو آپ پر ترس کھاتے ہوئے کہا: ﴿ تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتّٰى تَكُونَ حَرَضًا اَوْ تَكُونَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴾ ''واللہ! آپ ہمیشہ یوسف کی یاد ہی میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں یا ختم ہی ہو جائیں۔'' یعنی اگر آپ اسی طرح یوسف کو یاد کرتے رہے تو آپ کا جسم لاغر ہو جائے گا اور قوت ختم ہو جائے گی۔ اس لیے آپ کے لیے یہی بہتر ہے کہ کچھ حوصلہ کریں۔ آپ نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔'' آپ نے بیٹوں سے فرمایا: میں اپنی مصیبت کی شکایت تم سے تو نہیں کر رہا نہ کسی اور انسان سے شکایت کر رہا ہوں۔ میں تو اللہ عزوجل سے شکایت کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ میری مشکلات اور غم ختم فرما دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ یوسف کا خواب سچا ہو کر رہے گا اور اس کے مطابق میں اور تم سب اسے ضرور سجدہ کریں گے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔''

پھر آپ نے انہیں یوسف اور بنیامین کی تلاش کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ ''میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو پوری طرح تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔'' یعنی مصیبت کے بعد راحت کے حصول سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ کی رحمت سے اور مشکلات سے نجات مقدر ہونے سے مایوسی تو کافروں کا کام ہے۔

بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی بپتا سناتے ہیں: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ایک بار پھر قحط سالی سے تنگ آ کر آپ کے پاس غلے کے حصول کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ اس بار حضرت یوسف علیہ السلام ان کو حقیقت سے آشنا کرتے ہیں اور تمام اہل وعیال کو مصر لانے کا مطالبہ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـــِٕيْنَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ﴾

''جب وہ یوسف کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو بڑی مشکلات کا سامنا ہے

اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں۔ آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجیے اور خیرات کیجیے کہ اللہ خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔ (یوسف نے) کہا: تمہیں معلوم ہے کہ جب تم نادانی میں پھنسے ہوئے تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ بولے: کیا تم ہی یوسف ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں میں ہی یوسف ہوں اور (بنیامین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے) یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ بلاشبہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ بولے: اللہ کی قسم! اللہ نے تم کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم خطا کار تھے۔ (یوسف نے) کہا کہ آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب (اور ملامت) نہیں ہے۔ اللہ تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ یہ میرا کرتا لے جاؤ اور اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو۔ وہ بینا ہو جائیں گے اور اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ!'' (یوسف:12/88-93)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے دوبارہ ان کے پاس آ کر غلہ مانگنے کا اور بنیامین کو دوبارہ ان کے حوالے کرنے کی درخواست کا ذکر فرمایا ہے۔ جب یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: ﴿يَاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ ''اے عزیز! ہم کو اور ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے۔'' یعنی زیر کفالت افراد زیادہ ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ قحط سالی اور تنگ دستی کا سامنا ہے۔ ﴿وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ﴾ ''اور ہم حقیر پونجی لائے ہیں۔'' یعنی ایسی چیز لائے ہیں جو عام طور پر قبول نہیں کی جاتی، یعنی کھوٹے یا تھوڑے سے درہم یا صنوبر یا بطم کے بیج وغیرہ تھے۔

ایک قول کے مطابق پرانی بوریاں اور رسیاں وغیرہ لے کر آئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ﴾ ''پس آپ ہمیں غلہ کا پورا ماپ دیجیے اور ہم پر خیرات کیجیے۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔'' خیرات اور صدقہ سے مراد یہ ہے کہ ہماری نکمی چیزیں ہی قبول کر لیجیے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا بھائی ہمیں واپس دے دیجیے۔

جب آپ نے ان کی یہ کیفیت دیکھی کہ ان کے پاس صرف ناکارہ اشیا رہ گئی ہیں، تو آپ کو ان پر ترس آ گیا۔ چنانچہ آپ نے پیشانی سے کپڑا اٹھا دیا[1] اور انہیں اپنی پہچان کراتے ہوئے اللہ کے حکم سے فرمایا: ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ

[1] پہلی دو ملاقاتوں میں بھائی یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچان سکے۔ اس کی یہ وجہ قرین قیاس نہیں کہ آپ چہرہ چھپا کر رکھتے تھے۔ بلکہ اس کی کچھ دوسری وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

- حضرت یوسف علیہ السلام سے جدائی ہوئی تو آپ سترہ سال کے لڑکے تھے اور اس واقعہ کے وقت چالیس سال کی عمر کے پختہ کار مرد بن چکے تھے۔ عمر کے اس فرق کے ساتھ کسی بھی انسان کی شکل وشباہت میں تبدیلی شناخت کو مشکل کر دیتی ہے۔
- بھائیوں کو تو یہ بھی توقع نہیں ہوگی کہ یوسف علیہ السلام کہیں زندہ موجود ہیں۔ ان کے خیال میں اگر زندہ ہونے کا کوئی امکان ہوا تو کہیں غلامی کی سختیاں سہ رہے ہوں گے۔ آپ کے تخت حکومت پر متمکن ہونے کا تو انہیں خیال بھی نہیں آ سکتا تھا۔ انہیں جس چیز نے یوسف علیہ السلام کی شناخت کرائی تھی وہ یہ تھی کہ کسی اجنبی شخص کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ ربع صدی پہلے گزرے ہوئے واقعات کا علم کس طرح ہو سکتا ہے۔ ←

﴿ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴾ ''جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی نادانی کی حالت میں کیا کیا؟'' ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے لیکن آپ کو پہچان نہ سکے تھے۔ اس حیرت کے عالم میں انہوں نے کہا: ﴿ ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ﴾ ''واقعی تو ہی یوسف ہے؟'' جواب دیا: ﴿ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ﴾ ''ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔'' یعنی میں وہی یوسف ہوں جس کے ساتھ تم نے کیا کچھ بدسلوکی نہیں کی اور جس کے بارے میں تم سے کیا کیا تقصیر سرزد نہیں ہوئی! آپ کا یہ کہنا ﴿ وَهٰذَآ اَخِيْ ﴾ ''اور یہ میرا بھائی ہے۔'' اس میں پہلی بات کی تاکید وتائید ہے۔ اور ان کے دلوں میں پوشیدہ حسد اور ان کے گزشتہ فریب کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ﴾ ''اللہ نے ہم پر فضل وکرم کیا۔'' یعنی اللہ کا ہم پر یہ فضل واحسان ہے کہ اس نے ہمیں اچھا ٹھکانا مہیا فرمایا، ہماری عزت کے اسباب مہیا فرمائے کیونکہ ہم نے اپنے رب کی فرماں برداری کی تھی، تمہاری بدسلوکی پر صبر کیا تھا، اپنے والد کی اطاعت اور ان سے حسن سلوک کیا تھا۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ والد گرامی کو ہم سے شدید محبت تھی۔ بات یہ ہے کہ ﴿ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ''جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

انہوں نے کہا: ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا ﴾ ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر برتری دی ہے۔'' یعنی آپ پر فضل کرتے ہوئے آپ کو وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو ہمیں نہیں دیا۔ ﴿ وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴾ ''اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے۔'' اب ہم اس اعتراف کے ساتھ آپ کے سامنے حاضر ہیں۔ لیکن یوسف علیہ السلام ایک پاکباز دل رکھتے تھے جس میں انتقام کی کوئی خواہش موجود نہ تھی۔ آپ نے ان کے جرائم کا ایک عذر بھی خود ہی پیش کر دیا کہ یہ نادانی کے وقت کی باتیں تھیں۔ اس لیے ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾ ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔'' پھر انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ ''اللہ تمہیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو کنعان میں: پھر آپ نے انہیں اپنی قمیص دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے لے جا کر والد صاحب کی آنکھوں پر رکھیں۔ ان کی بصارت جو ختم ہو چکی ہے، اللہ کے حکم سے انہیں دوبارہ مل جائے گی۔ یہ خرق عادت ہے اور آپ کا ایک عظیم معجزہ ہے جو آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

پھر آپ نے انہیں فرمایا کہ تمام اہل وعیال سمیت مصر چلے آئیں اور سب آرام وسکون سے زندگی گزاریں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کے بچھڑے ہوئے افراد کو ملا دیا اور عزت وراحت سے نوازا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

➤ پھر انہوں نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ آخر بادشاہ بنیامین کو مصر بلانے کی اس قدر شدید خواہش کیوں رکھتا تھا کہ یہاں تک دھمکی دے دی کہ اس کے بغیر تمہیں غلہ نہیں ملے گا۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ بنیامین کے سامان سے بادشاہ کا پیالہ ملنا بھی محض اتفاق نہیں تھا۔ اس قسم کے متعدد امور تھے جن کی وجہ سے بھائیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ تخت نشین سوائے یوسف کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

﴿ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تُفَنِّدُونِ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۝ فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ۝ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ ﴾

''اور جب قافلہ (مصر) سے روانہ ہوا تو اُن کے والد کہنے لگے کہ اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ وہ بولے کہ واللہ آپ اسی قدیم غلطی میں (مبتلا) ہیں۔ جب خوشخبری دینے والا آ پہنچا تو اس نے کرتا یعقوب کے منہ پر ڈال دیا اور وہ بینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہنے لگے: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بیٹوں نے کہا کہ ابا جان! ہمارے لیے ہمارے گناہ کی مغفرت مانگیے' بے شک ہم خطا کار تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے پروردگار سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے۔'' (یوسف:12/94-98)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب قافلہ روانہ ہوا تو ایک ہوا چلی جس سے یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچ گئی۔ تب آپ نے فرمایا: ﴿ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ ﴾ ''مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔'' آپ کو تین دن کے فاصلے سے یہ خوشبو محسوس ہو گئی تھی۔ ﴿ لَوْلَا أَن تُفَنِّدُونِ ﴾ ''اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا قرار نہ دو۔'' یعنی ہو سکتا ہے کہ تم سمجھو کہ بڑھاپے کی وجہ سے میری عقل میں فرق آ گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ وہ کہنے لگے:[1] ﴿ تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴾ ''واللہ! آپ اپنے اسی پرانے خبط میں مبتلا ہیں۔'' قتادہ اور سُدّی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ''انہوں نے سخت ناروا لفظ استعمال کیا۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ﴾ ''جب خوش خبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتا ڈالا، اسی وقت وہ پھر سے بینا ہو گئے۔'' یعنی اس نے آتے ہی یعقوب علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر قمیص ڈال دی۔ آپ کی آنکھیں فوراً روشن ہو گئیں۔ اس وقت آپ نے بیٹوں سے فرمایا: ﴿ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ ''کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟'' یعنی مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے یوسف سے ضرور ملائے گا اور مجھے آنکھوں کی ٹھنڈک ضرور نصیب ہو گی اور اس کے ایسے حالات دیکھوں گا جن سے مجھے خوشی حاصل ہو گی۔

اس وقت انہوں نے کہا: ﴿ يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴾ ''ابا جی! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش

---

1. یہ بات کہنے والے یعقوب علیہ السلام کے پوتے تھے کیونکہ بیٹے تو اس وقت مصر میں تھے۔
2. تفسیر ابن کثیر: 350/4، 351' تفسیر سورۂ یوسف' آیت: 94' 95

طلب کیجیے بے شک ہم قصوروار ہیں۔'' انہوں نے درخواست کی کہ انہوں نے آپ سے اور آپ کے بیٹے (یوسف) سے جو بدسلوکی کی تھی اور جو اُن کا برا ارادہ تھا، اللہ سے ان گناہوں کی معافی کی دعا کریں۔ چونکہ یہ غلطی کرنے سے پہلے ان کا ارادہ یہ تھا کہ توبہ کرلیں گے تو اللہ نے انہیں بعد میں توبہ کی توفیق بھی بخش دی۔ ان کے والد محترم نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ ''اچھا! میں جلد ہی تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا' وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور انعامات ربانی پر اظہار تشکر

جب حضرت یعقوب علیہ السلام مع اہل وعیال مصر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے وقت سب نے انہیں سجدہ کیا تو یوسف علیہ السلام کے دیرینہ خواب کی تعبیر سچ ثابت ہوگئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝﴾

''جب (یہ سب لوگ) یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے والدین کو پاس بٹھایا اور کہا مصر میں داخل ہو جائیے۔ اللہ نے چاہا تو خاطر جمع سے رہیے گا۔ اور انھوں نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے۔ (اُس وقت) یوسف نے کہا ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے (بچپن میں) دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اُسے سچ کر دیا۔ اور اس نے مجھ پر (بہت سے) احسان کیے ہیں کہ مجھ کو جیل سے نکالا اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا' آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔ بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے' بلاشبہ وہ بڑا دانا اور نہایت حکمت والا ہے۔ (پھر یوسف نے اللہ سے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اُٹھانا اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا۔'' (یوسف: 12/99-101)

ان آیات میں طویل جدائی کے بعد پیارے والدین اور تمام اولاد کے اکٹھا ہونے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ ﴾ ''جب یہ سارا گھرانا یوسف کے پاس پہنچ گیا تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔'' اوران کے ساتھ الگ سے خصوصی ملاقات کی، جس میں بھائی شامل نہ تھے' اور کہا: ﴿ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴾ ''اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امن وامان کے ساتھ مصر میں داخل ہو جائیں۔''

ایک قول کے مطابق یہ ملاقات مصر سے باہر خیموں میں ہوئی۔ پھر جب وہ شہر کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے یہ بات فرمائی۔ تاہم ﴿ ادْخُلُوْا ﴾ کا مطلب ''رہائش اختیار کرلیں'' کیا جائے تو وہ بھی درست ہے۔

﴿ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ''اور اپنے تخت پر اپنے ماں باپ کو اونچا بٹھایا۔'' تورات کے بیان کے مطابق ان کی والدہ فوت ہو چکی تھیں۔ اس لیے بعض مفسرین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف کی والدہ کو دوبارہ زندہ فرما دیا۔ جبکہ دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ والدہ سے مراد ان کی خالہ اور سوتیلی ماں ''لیّا'' ہیں جو کہ والدہ کے برابر ہوتی ہے۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں: ''قرآن کے الفاظ سے یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ اس وقت تک زندہ تھیں' لہٰذا اس کے خلاف اہل کتاب کے اقوال پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ رائے قوی ہے۔ (واللہ اعلم)

آپ نے والدین کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ ﴿ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ﴾ ''اور سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔'' یعنی آپ کے والد، والدہ اور گیارہ بھائیوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ اس سے آپ کی تعظیم وتکریم مقصود تھی۔ یہ سجدہ ان کی شریعت میں جائز تھا اور تمام شریعتوں میں اس پر عمل ہوتا رہا حتی کہ ہماری شریعت میں اسے حرام کر دیا گیا۔ تب کہا: ﴿ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ﴾ ابا جی! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔'' یعنی میں نے آپ کو جو خواب سنایا تھا کہ مجھے گیارہ ستاروں نے اور سورج اور چاند نے سجدہ کیا ہے اور آپ نے مجھے اس کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا تھا، اس کی یہ تعبیر ظاہر ہوگئی ہے۔ اور ﴿ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ ﴾ ''میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا، اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جب مجھے جیل خانے سے نکالا۔'' یعنی میں وہاں تنگی اور تفکرات میں تھا، اللہ نے مجھے وہاں سے نکال کر مصر کا بااختیار حاکم بنا دیا۔ ﴿ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ ﴾ ''اور آپ لوگوں کو صحرا سے لے آیا۔'' یعنی آپ لوگ دور صحرا میں رہ رہے تھے، اب اللہ کے فضل سے میرے پاس آ گئے۔ ﴿ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ﴾ ''اس اختلاف کے بعد، جو شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا۔'' یعنی وہ واقعات پیش آئے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ﴾ ''میرا رب جو چاہے، اس کے لیے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔'' یعنی وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب بھی مہیا کر دیتا ہے اور اسے ایسے طریقے سے آسان فرما دیتا ہے کہ بندوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ بہترین طریقے سے اپنی عظیم قدرت کے ذریعے سے اسے مقدور فرما دیتا ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾ ''بے شک وہ بہت علم وحکمت والا ہے۔'' یعنی وہ تمام معاملات سے باخبر ہے اور اس کی تخلیق، تشریع اور

تقدیر سب حکمت پر مبنی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا انعامات ربانی پر اظہار تشکر: یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ آپ پر اللہ کی نعمت کی تکمیل ہوگئی ہے اور وہ والدین کے ساتھ اور گھر کے تمام افراد کے ساتھ مل گئے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اس دنیا میں کسی کو دوام حاصل نہیں اور اس جہان کی ہر شے فانی ہے اور تکمیل کے بعد کمی ہی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا فرمائی، جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ اس کے عظیم فضل واحسان کا اعتراف فرمایا اور اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ جب ان کی وفات کا وقت آئے تو وہ اسلام کی حالت میں فوت ہوں اور اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہوں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم دعا کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں: ''یا اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام پر موت دے۔'' یعنی جب بھی ہم فوت ہوں تو اسلام پر قائم ہوں۔[1]

ممکن ہے آپ نے یہ دعا اپنی وفات کے موقع پر فرمائی ہو۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا: [اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى] یعنی آپ کی روح مبارک کو ملأ اعلیٰ اور انبیاء ومرسلین جیسے عظیم ساتھیوں سے ملا دیا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم علیہ السلام کی روح پرواز کر گئی۔[2]

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے صحت وسلامتی کی حالت میں دعا فرمائی ہو کہ اللہ انہیں اسی وقت وفات دے دے کیونکہ ہوسکتا ہے ان کی شریعت میں ایسی تمنا کرنا جائز ہو جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول روایت کیا جاتا ہے: ''یوسف علیہ السلام سے پہلے کسی نبی نے موت کی تمنا نہیں کی تھی۔''

ہماری شریعت میں موت کی دعا کرنا منع ہے' البتہ فتنوں کے وقت جائز ہے جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: [إِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ]

''یا اللہ! جب تو لوگوں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو ہمیں فتنہ میں مبتلا کیے بغیر فوت کر لینا۔''[3]

اور حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا تھا:

﴿ يٰلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ ﴾

''کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور (لوگوں کی یاد سے بھی) بھولی بسری ہوجاتی۔'' (مریم: 23/19)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت موت کی تمنا کی تھی جب معاملات گھمبیر ہو گئے، فتنہ بہت بڑھ گیا، جنگ وجدل میں شدت پیدا ہوگئی اور طرح طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس وقت موت کی تمنا کی تھی جب

---

[1] یہی توجیہ درست ہے۔

[2] مسند أحمد: 200/6' صحيح البخاري' المغازي' باب آخر مايتكلم به النبي صلی اللہ علیہ وسلم' حديث: 4437

[3] جامع الترمذي' تفسير القرآن' باب و من سورة ص' حديث: 3233' مسند أحمد: 368/1

حالات دگرگوں ہو گئے اور آپ کو مخالفین کی طرف سے بہت زیادہ تکالیف پیش آئیں۔

اچھے حالات میں موت کی تمنا کرنا منع ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شخص مصیبت نازل ہونے پر موت کی تمنا ہرگز نہ کرے۔ اگر وہ نیکی کرنے والا ہے تو شاید مزید نیکیاں کر لے اور اگر گناہ گار ہے تو ممکن ہے کہ (آئندہ زندگی میں) باز آ جائے۔ بلکہ اسے یوں کہنا چاہیے: [اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِی مَا كَانَتِ الْحَیَاۃُ خَیْرًا لِّی، وَتَوَفَّنِی إِذَا كَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِّی]

''اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے اس وقت فوت کر جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔''[1] اس حدیث میں مصیبت سے مراد بدنی تکلیف مثلاً بیماری وغیرہ ہے، دینی مصیبت مراد نہیں۔

یوسف علیہ السلام نے مذکورہ بالا دعا یا تو وفات کے وقت کی تھی یا اس دعا کا یہ مطلب تھا کہ جب بھی موت آئے تو اس انداز سے آئے (کہ میں اسلام پر قائم ہوں۔)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹوں کو وصیت اور حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السلام کی وفات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾

''بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے؟ جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اُسی کے حکم بردار ہیں۔'' (البقرۃ: 133/2)

یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اخلاص کی وصیت کی۔ اخلاص سے مراد وہ خالص دین اسلام ہے جسے انبیائے کرام علیہم السلام اللہ کی طرف سے لے کر مبعوث ہوئے۔

اہل کتاب کہتے ہیں: جب حضرت یعقوب علیہ السلام فوت ہوئے تو مصر کے باشندوں نے ستر دن آپ کا سوگ منایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے اطبا نے یعقوب علیہ السلام کی میت کو ایک خاص خوشبو لگائی اس میں چالیس دن تک تازہ رہے

[1] صحیح البخاري، المرضیٰ، باب تمني المریض الموت، حدیث: 5671 و مسند أحمد: 263/2

گئے۔ [1] پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے اجازت طلب کی کہ اپنے والد کی میت کو لے جا کر خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ دفن کریں۔ اس نے اجازت دے دی۔ آپ کے ساتھ مصر کے سردار اور بزرگ بھی روانہ ہوئے۔

انہوں نے حبرون پہنچ کر آپ کو اس غار میں دفن کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عفرون بن صحر حیثی سے خریدا تھا۔ پھر واپس آ گئے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف سے والد کی وفات پر تعزیت کی اور غم کا اظہار کیا۔ آپ نے ان کی عزت افزائی کی اور انہیں اعزاز واکرام سے اپنے ساتھ لائے۔ چنانچہ وہ مصر ہی میں مقیم رہے۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ جب وہ لوگ مصر سے نکلیں تو ان کی میت کو ساتھ لے جا کر آبائے کرام کے ساتھ دفن کریں، چنانچہ انہوں نے آپ کی میت کو حنوط کر کے تابوت میں رکھ لیا۔ بعد میں جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے نکلے تو آپ کی میت کو ساتھ لے گئے اور آپ کو آپ کے آبائے کرام کے قریب دفن کیا، جیسے کہ آئندہ بیان ہوگا۔

اہل کتاب کے قول کے مطابق یوسف علیہ السلام ایک سو دس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

[1] اہل کتاب کی یہ بات محل نظر ہے۔
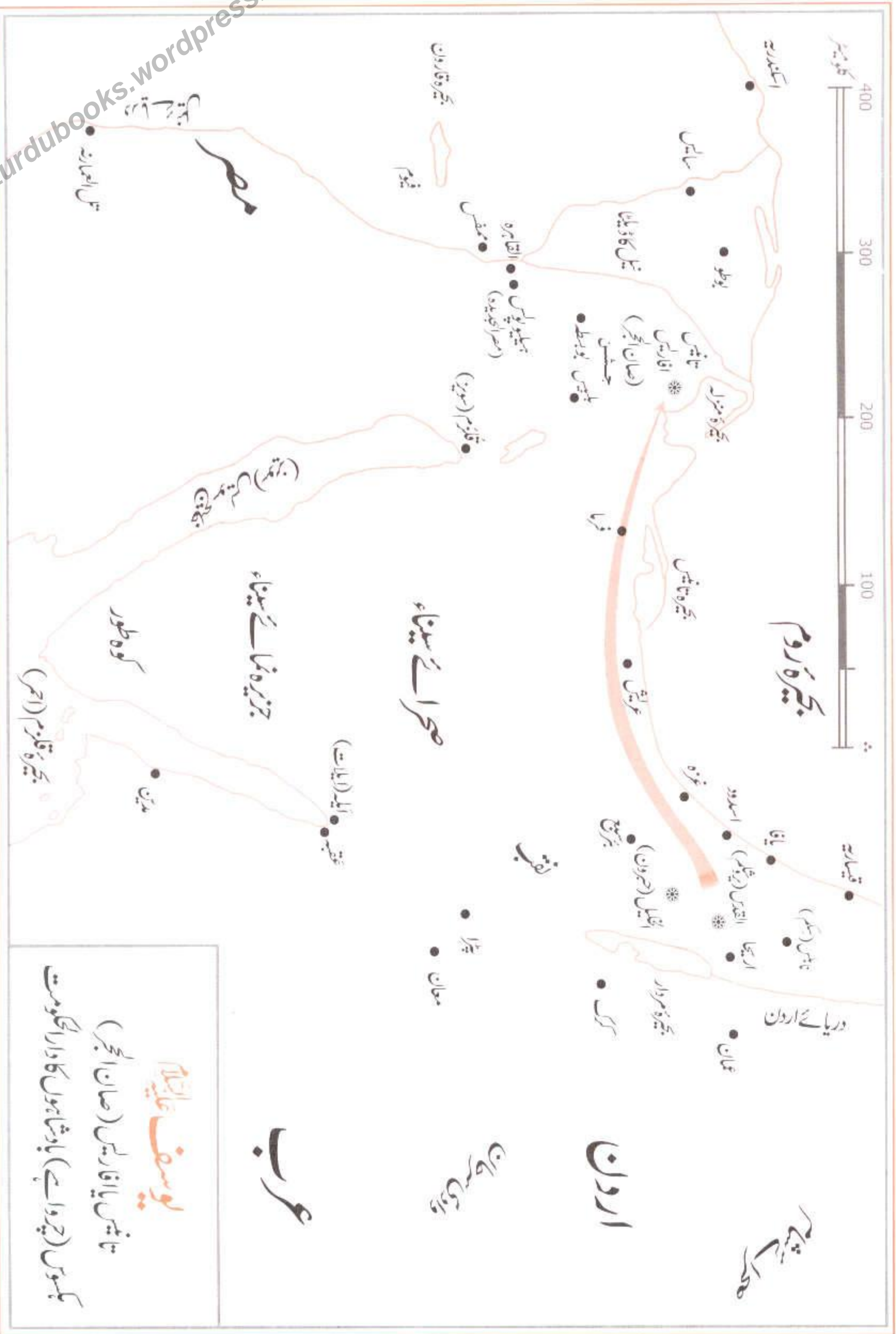
نتائج و فوائد ...... عبرتیں و حکمتیں

ایمان باللہ کے ثمرات وفوائد: حضرت یوسف علیہ السلام کے مبارک قصے سے ہمیں ایمان باللہ کے متعدد فوائد وثمرات ملتے ہیں۔ اگر بندے کا ایمان اللہ تعالیٰ پر کامل و مستحکم ہو اور اسے یقین کامل ہو کہ گنج بخش وہی ذات الٰہی ہے، مصائب و مشکلات میں دستگیر و مشکل کشا بھی وہی ہے اور رنج والم کو دور کرنے والا غوث اعظم بھی وہی ہے، نفع ونقصان کا داتا اور رزق واولاد میں برکت وکمی کا مالک ومختار بھی وہی ہے، تو بندے کو اس مستقیم ومحکم ایمان کی بدولت دو عظیم نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ رنج وغم اور مصائب پر صبر جمیل کی توفیق نصیب ہوتی ہے جبکہ نعمتوں کے حصول پر شکر جزیل کی توفیق ملتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں حضرت یوسف و یعقوب علیہما السلام کی زندگی میں ہر وقت اور ہر موقع پر واضح نظر آتی ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایمان باللہ ہمارے لیے بہترین اسوہ ہے۔ آپ کا لاڈلا، چہیتا اور محبوب بیٹا یوسف جدا ہوتا ہے تو جزع فزع کرنے کی بجائے صبر و شکر کی اعلیٰ مثال بن جاتے ہیں۔ دھوکے باز بیٹوں کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾

"پس صبر ہی بہتر ہے اور تمھاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے۔" (یوسف: 18/12)

اسی صبر وشکر کی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"مومن کے معاملے پر تعجب ہے۔ اس کا سارا معاملہ ہی خیر ہے۔ مومن کے سوا کسی شخص کو یہ سعادت حاصل نہیں۔ اگر اسے خوشی نصیب ہو تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔"[1]

انبیائے کرام کی دعوت کا مرکزی نکتہ، توحید الٰہی: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ توحید ہی تمام انبیاء ورسل کی دعوت وتبلیغ کا بنیادی اور مرکزی نکتہ تھا۔ اسی حقیقت کو بنی نوع انسانی تک پہنچانے اور انہیں سمجھانے کے لیے انبیائے کرام کی جماعت تشریف لائی۔ توحید الٰہی کے اقرار وایمان سے انسان کو یکسوئی اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور در بدر کی ٹھوکروں سے نجات ملتی ہے جبکہ متعدد معبودان کی پوجا انسان کو طرح طرح کی رسومات وخرافات میں الجھا دیتی ہے کیونکہ ہر معبود کے متعلق اعتقادات اور اس کی پوجا کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ انسانوں نے خود ہی ان کے بارے میں بے شمار اوہام واعتقادات گھڑے ہوئے ہیں جن سے انسانی عقل وشعور حیران وسرگرداں ہو جاتا ہے۔

[1] صحیح مسلم، الزھد، باب المؤمن أمره كله خير، حدیث:2999

حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَاءِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَن نُّشْرِكَ بِاللَّهِ مِن شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِن فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۞ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۞ مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾

''میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں، یعنی ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کا۔ ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں۔ ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا کئی ایک متفرق پروردگار بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست طاقت ور؟ اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (یوسف: 12/38-40)

حکیم الامت علامہ محمد اقبال توحید الٰہی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

مرد وزن کے اختلاط کے مفاسد: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ مرد و زن کا آزادانہ اختلاط ہمیشہ سے مفاسد کا باعث بنتا رہا ہے۔ عورت نازک، کمزور اور ضعیف مخلوق ہے مگر اپنے فطری حسن و جمال اور فتنے کے باعث مرد کے لیے ابتلا و امتحان کا باعث بن جاتی ہے اور مرد کی عقل و دانش پر غالب آ جاتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے اس وصف کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے ناقص عقل اور ناقص دین والیوں سے زیادہ، عقل مند شخص کی عقل کو کھونے والا کسی کو نہیں دیکھا۔''[1]

عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کے آزادانہ میل جول کی وجہ سے آپ کے عشق میں مبتلا ہوگئی اور بالآخر گناہ کے ارتکاب پر مصر ہوگئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عصمت و عفت کو محفوظ و مامون رکھا۔ اس واقعے سے موجودہ دور کے نام نہاد دانشوروں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو عورت کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر دفاتر و دکان کی زینت بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور بے ہودہ دلائل سے عورت کی نام نہاد آزادی کا نعرہ لگا کر اپنی لذت آشنائی کا بندوبست کرنا چاہتے ہیں۔

عورت کی کم عقلی اور جلد گمراہ ہو جانے کی وجہ سے اسلام نے اسے خاوند اور محرم کی پابندی سے جکڑ دیا ہے۔ لہٰذا مومن عورت گھر کی چار دیواری سے بغیر خاوند اور محرم کے نہیں نکل سکتی اور نہ گھر کی چار دیواری میں ان کے علاوہ کسی مرد کے ساتھ

[1] مسند أحمد: 2/66-67

خلوت اختیار کر سکتی ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے اس فتنے کا سد باب کرتے ہوئے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص محرم کے بغیر اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ جائے۔'' [1]

نیز فرمایا: ''جب بھی کوئی شخص اجنبی عورت سے خلوت اختیار کرتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔'' [2]

عفت و عصمت کے امام حضرت یوسف علیہ السلام: تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بڑے نامور بادشاہ، عظیم قائد اور طاقتور لشکری جنھوں نے اپنی تلوار اور گفتار سے ایک دنیا فتح کی تھی، عورت کے حسن و جمال اور فطری فتنے کے سامنے ڈھیر ہو گئے۔ جنھیں کوئی فتح نہ کر سکا انھیں ایک کمزور و ناتواں عورت نے اپنے حسن و جمال کے تیر سے آسانی شکار کر لیا۔

نہایت حسن و جمال کی مالک، بھرپور جوانی سے مزین، سلطانی رعب و دبدبہ کی مالک' عزیز مصر کی بیوی گھر کے دروازے بند کر کے جوان رعنا حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ کبھی ترغیب و لالچ دے کر تو کبھی رعب اور ڈراوے سے۔ مگر عفت و عصمت کے امام اس قدر نازک اور خطرناک موقع پر نہایت استقامت و استقلال کے ساتھ یہ جواب دے کر عزیز مصر کی بیوی کو ناکام و نامراد اور ہمیشہ کے لیے حسرت والم کی تصویر بنا دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ﴾

''یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے' مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔'' (یوسف: 23/12)

ایسے موقع پر کامیاب رہنے والوں کے لیے روز قیامت خصوصی شرف و منزلت کا اہتمام ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''سات خوش نصیب ایسے ہیں جنھیں اس روز عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا جس روز کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ جواں مرد ہے جسے حسب و نسب والی خوبصورت جوان عورت گناہ کی طرف بلاتی ہے تو وہ کہتا ہے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔'' [3]

صبر جمیل کی عالی شان جزا: صبر و رضا ایک عظیم الشان خصلت ہے جو نہ صرف برائیوں سے بچاؤ کے لیے بہترین ڈھال ہے بلکہ مومن کے لیے مشکلات و مصائب کے وقت بہترین راہِ عمل بھی ہے۔ انسان کو زندگی کے بے شمار مراحل پر اس خصلت کی اشد ضرورت پڑتی ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے خواہشات نفسانی کے سامنے بند باندھنے کے لیے، احباء کی جدائی اور فراق کو برداشت کرنے کے لیے اور مالی اور جانی نقصانات کا سامنا کرنے کے لیے صبر و رضا مومن کا کامیاب ہتھیار ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں صبر و رضا کا اعلیٰ ترین درس ملتا ہے۔ آپ کو صبر و رضا کا کمال حاصل تھا، آپ کے صبر و رضا کا شاندار مظاہرہ مندرجہ ذیل مواقع پر بخوبی کیا جا سکتا ہے:

---

[1] صحيح البخاري' النكاح' حديث:5233 صحيح مسلم' الحج' حديث:2999

[2] مسند أحمد: 26/1

[3] صحيح مسلم، الزكاة ، باب فضل إخفاء الصدقة ، حديث : 1031

① بھائیوں کی ایذا رسانیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا۔
② کنویں میں ڈالے جانے اور آزاد ہونے کے باوجود غلام بنا کر بیچے جانے پر صبر و رضا کا کامل اظہار۔
③ مشفق اور رحم دل والدین کی جدائی اور ان کے سایۂ شفقت سے محرومی پر صبر۔
④ عزیزِ مصر کی بیوی اور مصری عورتوں کے مکر و فریب اور شیطانی ترغیبات پر صبر۔
⑤ بے گناہ اور مظلوم ہونے کے باوجود قید و بند کی صعوبتوں پر صبر۔

ان تمام مراحل میں اپنے رب کی رحمت کے حصول کی امید پر صبر و رضا کے کامل اظہار پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالی شان جزا عطا فرمائی۔ مصر کی بادشاہت اور زندگی کی ہر نعمت آپ کو عطا کر دی گئی۔ ظلم کرنے والے بھائی نادم و شرمندہ آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے اور طویل فراق کے بعد والدین کی محبت و مودت دوبارہ نصیب ہو گئی۔ اس پر آپ نے برملا اظہارِ شکر فرمایا:

﴿ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴾

''بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (یوسف: 90/12)

عزتِ نفس اور شرفِ انسانی کی حفاظت: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں عزت و ناموس کی حفاظت کا درس ملتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی عزتِ نفس کا یہ عالم تھا کہ برسوں مظلومانہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن جب بادشاہ نے خواب کی تعبیر کے لیے جیل سے آپ کو بلایا تو آپ نے رہائی کے اس حکم پر مسرت و شادمانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس وقت تک جیل سے رہا ہونے سے انکار کر دیا جب تک بادشاہ ان کے معاملے کی تحقیق و تفتیش کرا کے انہیں بے گناہ اور مظلوم قرار نہ دے دے تاکہ آپ کی عزت و شرف اور عفت و عصمت کا اظہار ہو اور مصری عورتوں کے مکر و فریب کا عوام کو پتہ چل سکے۔ لہٰذا جب بادشاہ نے تحقیق کرنے کے بعد آپ کی براءت اور بے گناہی کا اعلان کیا' نیز آپ کے علم و فضل اور پاکدامنی کی بدولت آپ کو اپنا وزیرِ خاص بنانے کا اعلان کیا تو آپ نہایت فرحت و سرور کے ساتھ، نہایت عزت و افتخار کے ساتھ جیل سے باہر تشریف لائے۔

حسد و بغض کا عبرت انگیز انجام: حسد و بغض ایسی اخلاقی بیماریاں ہیں جو حاسد اور بغض کرنے والے کے لیے نہایت مضر ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات محسود کو بھی کچھ دنیوی نقصان ہو جاتا ہے مگر حاسد دنیا و آخرت کے خسارے سے دوچار ہو جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حسد کی آگ میں بری طرح جل بھن گئے۔ والدین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے فطری محبت ان کے دل میں کانٹا بن کر چبھ گئی۔ حسد کی اس بیماری نے انہیں یوسف علیہ السلام کو طرح طرح کی اذیتیں دینے پر آمادہ کیا۔ لیکن ان کی تمام تدابیر کارگر ہونے کے باوجود بالآخر وہ ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے اور یوسف علیہ السلام اگرچہ دکھی اور پریشان ہوئے مگر دنیوی اور اخروی کامیابی و کامرانی ان کا مقدر بنی۔ دکھ دینے والے حاسد بھائی بالآخر نادم و شرمندہ ہو

کر آپ کے دربار میں اقرار جرم کر کے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں:

﴿ قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝ ﴾

''انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے۔''

(یوسف: 91/12)

حسد کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

''پہلی امتوں کی بیماریوں میں سے ایک بیماری تمہارے اندر سرایت کر گئی ہے، اور وہ حسد اور بغض کی بیماری ہے (اور) یہ مونڈ کر رکھ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ بال مونڈتی ہے بلکہ یہ دین کا صفایا کر دیتی ہے...... الحدیث۔''[1]

پاکیزہ فطرت پر پاکیزہ ماحول کا اثر: اگر کسی شخص کی ذاتی سرشت عمدہ اور پاکیزہ ہو اور اس کا ماحول بھی پاکیزہ و مقدس ہو تو ایسے شخص کی زندگی اور کردار و عمل بھی نہایت پاکیزہ اور نمایاں صفات کا حامل بن جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مقدس و مطہر زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاکیزہ نسب کو یوں بیان کیا ہے:

''نہایت معزز شخص، بڑی عزت والے کے بیٹے، بڑے عزت دار کے پوتے، انتہائی معزز کے پڑپوتے یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔''[2]

حضرت یوسف علیہ السلام کی ذاتی نیک نہادی اور پاکیزہ فطرت نے جب لطیف و مقدس ماحول کو پایا تو تمام کمالات و اوصاف حمیدہ چمک اٹھے۔

اس کے برعکس اگر کسی شخص کی سرشت ہی ناپاک ہو یا اسے ماحول ہی پراگندہ اور آلودہ ملے تو پھر اس شخص کی زندگی جرائم پیشہ اور اس کا کردار گھناؤنا بن جاتا ہے۔

جسے اللہ رکھے!! حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے یہ حقیقت بھی خوب روشن ہو جاتی ہے کہ جسے اللہ رکھے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جسے اللہ عزت دے اسے کوئی بے توقیر نہیں کر سکتا۔ جسے اللہ بچانا چاہے اسے کوئی مار نہیں سکتا۔ جسے اللہ بلند و بالا کرنا چاہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے خواہ ساری دنیا وہ نہ چاہے۔ اور جو کام اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا خواہ ساری دنیا وہ کام کرنا چاہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کو کنویں میں پھینک کر آپ سے خلاصی پا گئے تھے مگر درحقیقت وہ آپ کو بام عروج کی پہلی سیڑھی پر کھڑا کر گئے تھے۔ عزیز مصر کی بیوی نے اپنی شیطانی چال کی ناکامی پر آپ کو جیل میں بند کروا دیا مگر فی

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب في فضل المخالطة مع الصبر...... حديث: 2510

[2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3382

الواقع اس نے آپ کو تخت سلطانی تک پہنچنے کا راستہ فراہم کر دیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

''آپ کہہ دیجیے اے میرے معبود! اے تمام جہانوں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے' اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' (آل عمران: 26/3)

رحمت دو عالم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے اسی حقیقت سے روشناس کرایا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''خوب جان لو! اگر پوری امت تمہیں فائدہ دینے کے لیے جمع ہو جائے تو تمہیں کوئی نفع نہیں دے سکتی سوائے اس نفع کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے۔ اور اگر سارے لوگ تمہیں نقصان پہنچانے کے لیے متحد ہو جائیں تو تمہیں تمہارے مقدر میں لکھے ہوئے نقصان کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔'' [1]

اولاد کے درمیان عدل و انصاف: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں اولاد کے معاملے میں عدل و انصاف کا درس ملتا ہے۔ اولاد کے درمیان جہاں مادی وسائل و منافع اور حاجات و ضروریات کی فراہمی میں عدل ضروری ہے وہاں محبت و شفقت میں عدل کرنا بھی لازمی ہے۔ کیونکہ چھوٹا بچہ نہایت حساس، غیور اور حاسد ہوتا ہے۔ والدین کی کسی ایک بچے کو ذرا سی زیادہ اہمیت، یا ذرا سا زیادہ پیار و محبت کا برتاؤ دوسرے بچوں کے دل و دماغ میں منفی اثر چھوڑ جاتا ہے اور وہ اپنے ہی بھائی کے حاسد اور دشمن بن جاتے ہیں' جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان میں آثار نبوت دیکھتے ہوئے انہیں ذرا سی فوقیت دی تو دیگر بھائی یہ اہمیت و قدر برداشت نہ کر سکے، اور آگے چل کر یہی جذبہ حسد اور دشمنی کا باعث بن گیا۔

نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنی امت کو اولاد کے درمیان عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے کا خصوصی حکم دیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے کچھ مال عطا کیا، پھر میری والدہ کی خواہش پر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ ﷺ کو اس پر گواہ بنائیں۔ آپ نے دریافت کیا: ''کیا سارے بیٹوں کو ایسا ہی مال دیا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔'' [2]

لہٰذا حضرت نعمان کے والد نے وہ مال واپس لے لیا۔

کامیاب زندگی' بامقصد زندگی: حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کامیاب زندگی وہی

[1] جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2516، و مسند أحمد: 293/1

[2] صحيح مسلم، الهبات، باب كراهية تفضيل بعض الأولاد في الهبة، حديث: 1623

ہے جو بامقصد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾

''میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔'' (الذاریات: 56/51)

لہٰذا جب انسان اس مقصد حیات کو بخوبی سمجھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی محبت اس کے دل و دماغ میں اثر پذیر ہو جاتی ہے تو پھر وہ قید و بند کی صعوبتوں اور زندگی کی مشکلات و مصائب کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہتا ہے' جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں بھی ساتھیوں کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنی مشکلات کو اس راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے۔

ایسی بامقصد زندگی گزارنے والا شخص صداقت، دیانت، امانت، شرافت، صبر و تحمل، شکر و رضا اور عفو و درگزر جیسی عالی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ جبکہ اس مقصد حیات کو پس پشت ڈال کر جینے والا شخص، جھوٹ، خیانت، جزع و فزع، ناشکری، حسد و بغض اور عداوت و دشمنی جیسی منفی صفات کو اپنا کرنا کام و نامراد ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴾

''اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں جن کے دل ایسے ہیں کہ ان سے وہ سمجھتے نہیں، اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔'' (الأعراف: 179/7)

روحِ تذکرہ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ: حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں عفو و درگزر اور احسان و اکرام کا اعلیٰ ترین درس ملتا ہے۔ بدترین دشمن کو بغیر کسی سزا کے معاف کر دینا اور اس سے کوئی بدلہ نہ لینا، محسنین، صدیقین اور کریمین کی ہمیشہ سے صفت رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کے دربار میں احساس جرم سے مغلوب، نادم و شرمندہ، گردنیں جھکائے، آپ کے فیصلے کے منتظر تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سلطنت و حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ آپ کا ایک حکم زندگی بھر کے دکھوں کا بدلہ چکانے کے لیے کافی تھا۔ مگر آپ نے جو فیصلہ فرمایا وہ تا قیامت آنے والے لوگوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

﴿ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴾

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تمہیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔'' (یوسف: 92/12)

اسی طرح فتح مکہ کے روز قریش، نبی کریم ﷺ کے سامنے شکست خوردہ، سرنگوں کھڑے تھے اور آپ ان سے برسوں کے ظلم وستم کا بدلہ لینے پر پوری طرح قادر تھے۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟'' انہوں نے بیک زبان عرض کیا: آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تو میں تم میں سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی: [لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْم] ''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔'' [1]

خوابوں کی تعبیر: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے تعبیر رؤیا کی اہمیت و افادیت سامنے آتی ہے۔ نیز یہ کہ انبیائے کرام کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خوابوں کی تعبیر ایک عظیم اور اعلیٰ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بطور خاص عطا فرمایا تھا' لہٰذا آپ نے جن خوابوں کی تعبیر بیان کی وہ ویسے ہی وقوع پذیر ہوئے۔ خواب اور ان کی تعبیر کے متعلق چند اسلامی آداب درج ذیل ہیں:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جب تم میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اسے بیان کرے، اور اگر کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے' لہٰذا اس کے شر سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے کیونکہ وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔'' [2]

لہٰذا اچھا خواب نظر آئے تو اسکے تین آداب ہیں: ✧ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ ✧ اس سے فرحت و سرور محسوس کرے۔ ✧ اپنے خیر خواہ اور محبوب شخص کو بتادے۔

برے اور ناپسندیدہ خواب کے سات آداب ہیں: ✧ برے خواب سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔ ✧ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے۔ ✧ اگر بیدار ہو جائے تو بائیں طرف تین بار تھوکے۔ ✧ برا خواب کسی کو نہ بتائے۔ ✧ نماز نفل ادا کرے۔ ✧ جس کروٹ پر لیٹا ہوا سے تبدیل کر لے۔ ✧ آیۃ الکرسی کی تلاوت کرے۔

خواب کی تعبیر کے متعلق آداب: ✧ تعبیر کسی عالم دین، عقل مند اور ذہین شخص سے پوچھی جائے یا دوست اور خیر اندیش شخص سے پوچھی جائے۔ ناپسندیدہ شخصیت، حاسد یا مکروہ شخص کو ہرگز خواب نہ بتائے اور نہ اس سے تعبیر پوچھے۔ ✧ تعبیر کرنے والا حسب استطاعت مثبت اور اچھے امور کے ساتھ تعبیر کرے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباری، کتاب تعبیر الرؤیا)

عہدے اور منصب کی طلب: کسی شخص کا عہدے اور منصب کا طلب کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ بلکہ امارت و ریاست سے بچنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے ابوذر!

---

[1] الرحیق المختوم، ص: 653

[2] صحيح البخاري، تعبير الرؤيا، باب الرؤيا من الله، حديث: 6985 و صحيح مسلم، الرؤيا، حديث: 2261

تم کمزور ہو۔ امارت ایک امانت ہے۔ اور بے شک قیامت کے روز (بہت سے لوگوں کے لیے) باعث رسوائی اور ندامت ہوگی۔ سوائے اس شخص کے جس نے اہلیت کی بنا پر اسے حاصل کیا اور پھر اس کے حقوق پوری طرح ادا کیے۔''[1]

لیکن اگر کوئی فرد اپنی قابلیت، ذہانت اور اہلیت کی بنیاد پر سمجھتا ہے کہ کوئی خاص منصب اس کے شایان شان ہے اور وہ ملک وقوم کی فلاح و بہبود کے لیے دوسروں کی نسبت بہتر اور عمدہ نتائج حاصل کر سکتا ہے تو وہ اپنی خدمات حاکم وقت کو پیش کر سکتا ہے۔ یا جب کسی اہل شخص کو حاکم وقت کسی عہدے کی پیش کش کرے تو وہ اپنی اہلیت و قابلیت کے مطابق میدان عمل کا انتخاب کر سکتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جوہر حق و صداقت اور ملک وقوم کی خیر خواہی کے جذبات کا عزیز مصر کو علم ہوا تو اس نے آپ پر لگائے گئے تمام الزامات کی تردید کے بعد آپ کی عفت و پاکدامنی کا اظہار کیا۔ نیز آپ کو اپنا خصوصی وزیر بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی امانت و دیانت اور خصوصی اہلیت و قابلیت کے پیش نظر ایک مخصوص محکمے کی سربراہی طلب کی جو آپ کو دے دی گئی۔ آنے والے وقت نے آپ کے انتخاب اور اہلیت کو ثابت کر دیا۔

مایوسی گناہ ہے: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں یہ درس بھی ملتا ہے کہ مایوسی گناہ ہے۔ حالات کیسے ہی ناسازگار اور ناموافق کیوں نہ ہوں انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ مشکل وقت میں صبر و رضا کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور پروردگار عالم کی نصرت و تائید کا سوال کرنا چاہیے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی جدائی اور فراق کا زخم کھایا۔ دونوں بیٹوں کے شدید غم میں بھی رحمت ربانی سے آس نہیں توڑی بلکہ بیٹوں کو امید کا دامن تھامنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

''میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔'' (یوسف: 87/12)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ میں ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو بیٹوں کی جدائی یا اولاد کے نہ ہونے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں اور دین و ایمان کے لٹیروں، کالے علم، علم جفر اور لوٹا گھمانے والے شعبدہ بازوں سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں۔ قبر قبر، مزار مزار ٹھوکریں کھاتے' دین و دنیا سے محروم ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم، الإمارة' باب کراهة الإمارة بغير ضرورة' حديث: 1825

وایوب اذ نادی ربہ انی
مسنی الضر وانت ارحم الرحمین
فاستجبنا لہ فکشفنا ما بہ من ضر واتیناہ اھلہ ومثلھم
معھم رحمۃ من عندنا وذکری للعابدین

حضرت ایوب علیہ السلام

نسب نامہ اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ آپ رومی النسل تھے اور آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے: ایوب بن موص بن رازح بن عیص (عیسو) بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام۔ بعض علماء نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے: ایوب بن موص بن رعویل بن عیص (عیسو) بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ نے ایک قول نقل کیا ہے کہ آپ کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی دختر تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے والدان مومنوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لائے جس دن آپ کو آگ میں ڈالا گیا اور آپ معجزانہ طور پر سلامت رہے۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ ہم اس آیت مبارکہ:

﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴾

''اور اس (ابراہیم) کی اولاد میں سے داود اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون ہیں۔'' (الأنعام: 84/6) کی تفسیر کرتے ہوئے وضاحت کر چکے ہیں کہ ﴿ ذُرِّيَّتِهٖ ﴾ سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہے' نوح علیہ السلام کی اولاد مراد نہیں، لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں سے ہیں۔

آپ ان انبیائے کرام علیہم السلام میں شامل ہیں جن کا نام لے کر اُن پر وحی نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِیۡسٰی وَ اَیُّوۡبَ ﴾

”(اے محمد!) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اُن سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب کی طرف وحی بھیجی۔“

(النساء: 163/4)

صحیح یہی ہے کہ آپ عیص (عیسو) بن اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ یعقوب علیہ السلام کی بیٹی ”لیا“ تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ افرائیم کی بیٹی ”رحمت“ تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ منسا کی بیٹی تھیں اور ان کا نام ”لیا“ تھا۔ یہ قول زیادہ مشہور ہے۔

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ ایک صابر اور شاکر نبی کے طور پر ہوا ہے جنھوں نے لمبی مدت تک بیماری، آل اولاد کی ہلاکت اور مال ومتاع کے چھن جانے پر صبر کیا، نیز دوبارہ انعامات ربانی حاصل ہونے پر شکر گزاری کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَیُّوۡبَ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿ۚۖ﴾ فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ فَکَشَفۡنَا مَا بِہٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّ اٰتَیۡنٰہُ اَہۡلَہٗ وَ مِثۡلَہُمۡ مَّعَہُمۡ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ ذِکۡرٰی لِلۡعٰبِدِیۡنَ ﴿۝﴾ ﴾

”اور ایوب (کو یاد کرو) جب انھوں نے اپنے پروردگار سے دُعا کی کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور جو اُن کو تکلیف تھی وہ دور کر دی اور اُن کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے اُن کے ساتھ اتنے ہی اور بخشے اور عبادت کرنے والوں کے لیے (یہ) نصیحت ہے۔“ (الأنبیاء: 84,83/21)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ وَ اذۡکُرۡ عَبۡدَنَاۤ اَیُّوۡبَ ۘ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الشَّیۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّ عَذَابٍ ﴿ؕ﴾ اُرۡکُضۡ بِرِجۡلِکَ ۚ ہٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ﴿۝﴾ وَ وَہَبۡنَا لَہٗۤ اَہۡلَہٗ وَ مِثۡلَہُمۡ مَّعَہُمۡ رَحۡمَۃً مِّنَّا وَ ذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۝﴾ وَ خُذۡ بِیَدِکَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبۡ بِّہٖ وَ لَا تَحۡنَثۡ ؕ اِنَّا وَجَدۡنٰہُ صَابِرًا ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۝﴾ ﴾

”اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (اے اللہ!) شیطان نے مجھ کو ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔ (ہم نے کہا کہ زمین پر) لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں)، اور ہم نے اُن کو اہل (وعیال) اور اُن کے ساتھ اُتنے ہی اور بخشے (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور

عقل والوں کے لیے نصیحت تھی۔ اور اپنے ہاتھ میں جھاڑ ولو‘ پھر اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بیشک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔ وہ بہت خوب بندہ تھا‘ بیشک وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔‘‘ (صٓ:38/41-44)

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور صبر کی انتہا

علمائے تفسیر اور مورخین بیان کرتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام ایک صاحب ثروت انسان تھے۔ آپ کے پاس ہر قسم کا مال موجود تھا، مثلاً: غلام، جانور (گھوڑے وغیرہ) مویشی۔ اور حوران (شام) کے علاقے بثنیہ میں وسیع اراضی کے قطعات بھی تھے۔ اس کے علاوہ آپ کی بیویاں اور بہت سے بچے بھی تھے۔ آپ سے یہ سب کچھ چھن گیا اور آپ کو سخت آزمائش سے دوچار کر دیا گیا۔ آپ نے اس پر بھی اللہ کی رضا کے لیے صبر کیا اور دن رات، صبح شام اللہ کا ذکر کرتے رہے۔

آزمائش کی مدت طویل ہوتی گئی، حتی کہ دوست یار ساتھ چھوڑ گئے اور آپ سے دور دور رہنے لگے۔ آپ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ اس وقت آپ کی خدمت کرنے کے لیے صرف آپ کی زوجہ محترمہ باقی رہ گئیں۔ انہوں نے آپ کے گزشتہ احسانات اور شفقت کو فراموش نہ کیا‘ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور آپ کی ضروریات پوری فرماتیں‘ حتی کہ قضائے حاجت میں بھی مدد دیتیں۔ آہستہ آہستہ ان کا مال ختم ہو گیا۔ وہ آپ کی غذا اور دوا کا بندوبست کرنے کے لیے اُجرت پر دوسروں کے کام کرنے لگیں۔ انہوں نے مال اور اولاد سے محرومی پر بھی صبر کیا اور خاوند پر آنے والی مصیبت کو بڑے صبر سے برداشت کیا۔ کبھی وہ طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال تھیں اور ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا، پھر تنگ دستی آئی اور انہیں لوگوں کی خدمت کرنا پڑی۔ اس کے باوجود وہ ثابت قدم رہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ’’سب سے سخت آزمائش انبیائے کرام علیہم السلام پر آتی ہے، پھر زیادہ نیک لوگوں پر‘ پھر جو اُن سے کم درجے کے ہوں۔‘‘ [1]

مزید ارشاد نبوی ہے: ’’انسان پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ اگر وہ دین میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔‘‘ [2]

اپنے رب سے صحت کی دعا

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش جس قدر شدید ہوتی گئی‘ آپ کے صبر، شکر اور استقامت میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا،

---

[1] المستدرك للحاكم: 343/3 و سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 143، 144

[2] مسند أحمد: 172/1، جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في الصبر على البلاء، حديث: 2398

حتیٰ کہ آپ کا صبر بھی ضرب المثل بن گیا اور آپ کے مصائب بھی۔

- بائبل میں حضرت ایوب علیہ السلام کے مال و اولاد ختم ہو جانے اور جسمانی بیماری میں مبتلا ہونے کا واقعہ بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس میں کس قدر باتیں درست ہیں۔
- حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سب سے پہلے ایوب علیہ السلام چیچک کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے۔ آپ کی آزمائش کتنا عرصہ جاری رہی؟ اس کے بارے میں علماء سے مختلف اقوال مروی ہیں:
  - حضرت وہب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''آپ پورے تین سال اس کیفیت میں رہے نہ کم نہ زیادہ۔''
  - حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ''آپ کی آزمائش کی مدت سات سال چند ماہ تھی۔''
  - حضرت حُمَید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ اٹھارہ سال بیمار رہے۔''
  - سُدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''آپ کے جسم سے گوشت جھڑ گیا تھا، صرف ہڈیاں اور پٹھے باقی رہ گئے تھے۔ آپ کی زوجہ محترمہ راکھ لا کر آپ کے نیچے ڈالتی تھیں۔ جب ایک طویل عرصہ اسی حال میں گزر گیا تو انہوں نے عرض کیا: ''اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ آپ کی مصیبت دور کر دے۔'' آپ نے فرمایا: ''میں نے ستر سال صحت کی حالت میں گزارے ہیں، تو کیا مجھے اللہ کے لیے ستر سال صبر نہیں کرنا چاہیے؟'' زوجہ محترمہ یہ جواب سن کر بہت پریشان ہوئیں کیونکہ وہ لوگوں کی خدمت کر کے اس کی اُجرت سے ایوب علیہ السلام کے کھانے کا بندوبست کرتی تھیں۔''[1]

بہر حال اس طرح دن گزرتے رہے۔ ان کی خدمت گزار اور وفا شعار بیوی کے لیے بھی حالات کٹھن سے کٹھن تر ہوتے جا رہے تھے اور خود حضرت ایوب علیہ السلام کے اپنے خویش و اقارب بھی اُن کی سخت آزمائش اور بیماری وغیرہ کو دیکھ کر ان سے سخت بیگانگی برتنے لگے جو حضرت ایوب علیہ السلام پر بڑی شاق گزرنے لگی بالآخر وہ بارگاہ الٰہی میں خوب گڑگڑائے اور صحت و شفا کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور اس چشمۂ صافی سے غسل کرنے کا حکم دیا جو ان کی ایڑی مارنے سے جاری ہوا تھا۔

شفایابی پر انعامات ربانی کی بارش: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو جنت کا لباس پہنا دیا۔ آپ (صحت مند ہو کر جنتی لباس پہن کر) ایک طرف بیٹھ گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ آئیں تو پہچان نہ سکیں۔ بولیں: ''اللہ کے بندے! یہاں جو بیمار تھا، وہ کہاں گیا؟ کہیں اسے بھیڑیے تو اُٹھا کر نہیں لے گئے؟'' انہوں نے اس طرح کی کئی باتیں کیں تو آپ نے فرمایا: ''تیرا بھلا ہو! میں ہی ایوب ہوں۔'' انہوں نے کہا: ''مجھ سے کیوں ٹھٹھا کرتا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''تیرا بھلا ہو! میں ہی ایوب ہوں۔ اللہ نے مجھے میرا صحیح جسم دوبارہ دے دیا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہی مال اور وہی بچے دوبارہ دے دیے جو لے لیے

---

[1] تفسير ابن كثير: تفسير سورة الأنبياء: آيت: 84

گئے تھے اور اسی قدر مزید بھی عنایت فرمائے۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی: ''میں نے تجھے تیرے اہل اور مال دوبارہ دے دیے ہیں اور ساتھ اتنے ہی اور دے دیے ہیں، اب اس پانی سے غسل کر لے، تجھے شفا ہو جائے گی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی پیش کر اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کر کیونکہ انہوں نے تیرے معاملے میں میری نافرمانی کی ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں اور اہل و عیال عطا کیے اور اس سے ایک گنا زیادہ بھی دیے، جس طرح مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو صحت عطا فرمائی تو آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش کر دی۔ آپ انہیں ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ آپ کو ندا آئی: ''ایوب! کیا سیر نہیں ہوئے؟'' آپ نے عرض کیا: ''یا رب! تیری رحمت سے کون سیر (اور مستغنی) ہو سکتا ہے؟''[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایوب علیہ السلام کپڑے اتار کر غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیوں کا ایک جھنڈ آپ پر آ گرا۔ ایوب علیہ السلام مٹھیاں بھر بھر کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ اللہ عزوجل نے آواز دی: ''ایوب! کیا میں نے تجھے اس سے مستغنی نہیں کر دیا جو تو دیکھ رہا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''جی ہاں! یا رب! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔''[3]

ارشاد باری تعالیٰ: ''اپنا پاؤں مارو'' کا مطلب ہے کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔ ایوب علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا اور حکم دیا کہ اس کا پانی پئیں اور اسی پانی سے غسل کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تکلیف، درد اور جسم کی تمام ظاہری اور باطنی بیماریاں دور فرما دیں اور ظاہری و باطنی تندرستی کے ساتھ ساتھ کامل جمال اور بہت سے مال سے بھی نوازا حتی کہ سونے کی ٹڈیوں کی بارش ہوئی اور دولت اس طرح نازل ہوئی جیسے مینہ برستا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل و عیال بھی عطا فرمائے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ ''اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے، بلکہ ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی۔'' (الأنبياء: 84/21) بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہی فوت شدہ افراد زندہ ہو گئے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فوت شدہ افراد کی جگہ اور اولاد دے دی اور قیامت میں پہلی اور پچھلی سب اولاد جمع ہو کر آپ کو مل جائے گی۔ ﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ ''اپنی خاص مہربانی سے۔'' (الأنبياء: 84/21) یعنی ہم نے آپ کی مصیبت دور کر دی اور آپ کی تکلیف ختم کر دی۔ یہ ہماری خاص مہربانی اور احسان تھا۔ ﴿ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ﴾

---

[1] تفسير ابن كثير: تفسير سورة الأنبياء، آيت: 84

[2] تفسير ابن أبي حاتم: 2461/8

[3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿وأيوب إذ نادى ربه.....﴾ حديث: 3391 و مسند أحمد: 314/2

''تاکہ سچے بندوں کے لیے (سبب) نصیحت ہو۔'' (الانبیاء: 84/21) یعنی جس شخص کو جسم میں یا مال میں یا اولاد میں ابتلا ومصائب پیش آئیں، وہ اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام کی پیروی کرے جنہیں اللہ نے اس سے بڑی آزمائش سے دوچار کیا تھا لیکن انہوں نے صبر کیا اور اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مصائب دور فرما دیے۔

اس کے بعد ایوب علیہ السلام روم کے علاقے میں ستر سال زندہ رہے اور دین ابراہیمی پر قائم رہے۔ آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے دین میں تبدیلیاں کر لیں۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴾ ''اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا لے کر مار دے اور قسم کے خلاف نہ کر۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔'' (صٓ: 44/38) کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کسی بات سے ناراض ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ جب وہ صحیح ہوئے تو اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ اپنی قسم اس طرح پوری کرو کہ ایک سو شاخوں والی ٹہنی لے کر مارو آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔[1]

یہ ایک اور خصوصی رعایت تھی اس بندے کے لیے جو تقویٰ اور اطاعت الٰہی پر پختہ رہا اور اس خاتون کے لیے بھی جو اللہ کی رضا کے لیے نیکی کی راہ پر صبر و استقامت سے قائم رہ کر تمام دکھ جھیلتی رہیں۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رخصت کے بیان کے بعد اس کی وجہ ان الفاظ میں ارشاد فرمائی: ﴿ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴾ ''سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور اللہ کی طرف بڑی ہی رغبت رکھنے والا تھا۔'' (صٓ: 44/38)

امام ابن جریر رحمہ اللہ اور دوسرے مورخین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی عمر ترانوے سال ہوئی۔ بعض حضرات نے آپ کی عمر اس سے زیادہ بیان کی ہے۔[2]

امام لیث رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے ان کا قول روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دولت مندوں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعے سے، غلاموں پر حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعے سے اور مصیبت زدوں پر حضرت ایوب علیہ السلام کے ذریعے سے اتمام حجت فرمائے گا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے جانشین: وفات کے وقت آپ نے اپنے بیٹے حومل کو اور ان کے بعد اپنے دوسرے بیٹے بشر بن ایوب کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ بہت سے لوگ اسی کو ذوالکفل سمجھتے ہیں (واللہ اعلم)۔ آپ کا یہ بیٹا جس کو بعض حضرات نے نبی قرار دیا ہے، پچھتر سال کی عمر میں فوت ہوا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 317/5، تفسیر سورۃ صٓ، آیت: 44
[2] المنتظم في تاريخ الأمم والملوك: 323/1

نتائج و فوائد ...... عبرتیں و حکمتیں

صبر و رضا کے پیکر' حضرت ایوب علیہ السلام: حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے سے اہل ایمان کو صبر و رضا کا درس ملتا ہے۔ ابتلا و شدائد پر جزع فزع کرنے کی بجائے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اس سے شفا مانگنے کا سبق ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر و رضا کی تعریف و ستائش کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝﴾

''سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا ہی صابر پایا، وہ بڑا نیک بندہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔'' (صٓ: 44/38)

حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے اموال، مویشی، چوپائے، غلام اور وسیع و عریض زمین کے علاوہ کثیر اولاد سے نوازا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آ گئی اور یہ سارا مال و اسباب ختم ہو گیا۔ صرف ایک غم گسار بیوی باقی بچی۔ پھر آپ کے جسم کا بھی مرض کی شکل میں امتحان شروع ہو گیا، حتی کہ آپ کو شہر سے باہر ایک ویرانے میں پناہ لینی پڑی۔ یہ دور ابتلا 18 سالوں پر محیط رہا، مگر اس عرصے میں آپ نے کبھی شکوہ و شکایت کو زبان پر نہ آنے دیا، بلکہ صبر و شکر کے پیکر بن کر اپنے رب کی طرف التجا و دعا کرتے۔ بالآخر آپ کی آزمائش ختم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے صبر و شکر پر پہلے سے بھی زیادہ مال و اولاد عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ۝﴾

''ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا اسے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ ویسے ہی اور بھی اپنی خاص مہربانی سے' تا کہ سچے بندوں کے لیے سبب نصیحت ہو۔''

(الأنبياء: 84,83/21)

اس سے معلوم ہوا کہ مشکل کشا، غوث اعظم، گنج بخش اور دستگیر صرف ذاتِ الٰہی ہے۔ مشکلات اور مصائب میں صرف اسے ہی پکارنا چاہیے۔ نیز امتحان و آزمائش میں صبر و رضا کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ صبر و شکر کرنے والوں کو رب العالمین اپنی خصوصی عنایات سے نوازتا ہے۔ رسول مقبول ﷺ صبر و شکر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مومن کو جو بھی جسمانی دکھ، تکلیف، درد، حزن، بیماری یا غم پہنچتا ہے حتی کہ اسے چبھنے والے کانٹے سے بھی اللہ

تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔'' [1]

☆ **علاج کروانا انبیائے کرام کی سنت ہے:** حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے سے بیماری کے علاج اور دوا استعمال کرنے کا درس ملتا ہے۔ علاج کرنا اور دوا استعمال کرنا صبر و رضا کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چشمے کا پانی پینے اور اس سے غسل کرنے کا حکم دیا' حالانکہ وہ مالک اس کے بغیر بھی شفا دینے پر قادر ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شفا کے حصول کے لیے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بھی علاج کی ترغیب ملتی ہے۔ آپ نے دوا استعمال کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''اللہ کے بندو! دوا استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفا بھی رکھی ہے (یا فرمایا) ہر بیماری کی دوا بھی رکھی ہے، سوائے ایک بیماری کے۔'' صحابہ نے عرض کی اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''بڑھاپا۔'' [2]

آپ نے امت کے لیے صحت بخش دوائیں بھی تجویز فرمائی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ علاج کرنا اور کرانا ضروری ہے۔ آپ نے کلونجی کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''سیاہ دانے (کلونجی) کو استعمال کیا کرو کیونکہ اس میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفا ہے۔'' [3]

اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو بے حد پسند کرتے تھے اور بیماریوں کے علاج کے لیے اسے تجویز فرماتے تھے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ ''اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔'' (النحل: 69/16)

لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''شفا تین چیزوں میں ہے: پچھنے لگوانے میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے داغ لگوانے میں لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں۔'' [4]

☆ **بیوی سے حسن سلوک:** حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے سے مومن خاوندوں کو اپنی بیویوں سے حسن سلوک کا درس ملتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام حالت صحت اور مالی فراوانی کے ایام میں نہایت نیک سلوک کرتے تھے۔ پھر حالات نے پانسا پلٹا تو وفا شعار بیوی کے سوا سب لوگ آپ کو چھوڑ گئے۔ صالحہ بیوی نے تنگی ترشی کے ایام میں آپ کی خدمت میں کوئی فروگزاشت نہ کی۔ ایک دن کسی بات پر آپ ناراض ہو گئے اور قسم اٹھائی کہ صحت یاب ہونے پر انہیں سو کوڑے بطور سزا ماریں گے۔ آپ صحت یاب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفا شعار زوجہ محترمہ کے لیے سزا میں خصوصی ذریعے سے تخفیف کرا کے، مومنوں کو ایماندار، وفا شعار، تنگی ترشی کی ساتھی ازواج کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ رسول

[1] صحیح البخاري، المرضی، باب ماجاء في كفارة المرض ...... حدیث: 5641
[2] جامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الدواء والحث عليه، حديث: 2038
[3] جامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الحبة السوداء، حديث: 2041
[4] صحيح البخاري، الطب، باب الشفاء في ثلاث، حديث: 5680

اکرم ﷺ مومنوں کو بیویوں سے حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔''[1]

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ حديث: 3895

وَاسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾

''اور (اے نبی!) اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشبہ وہ سب نیکوکار تھے۔'' (الأنبیاء: 21/85-86)

سورۂ ص میں بھی حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ کے بعد ارشاد ہے:

﴿ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۭ ۝ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝﴾

''اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو قوت اور بصیرت والے تھے۔ ہم نے اُن کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے۔ اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کرو، وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔'' (ص: 38/45-48)

قرآن مجید میں انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ اور تعریفی کلمات کے ساتھ آپ کا ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالکفل نبی تھے اور یہی مشہور ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ نبی نہیں تھے بلکہ ایک نیک آدمی اور انصاف پسند حاکم تھے۔ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے اور کسی پہلو کو ترجیح نہیں دی۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''آپ نبی نہیں تھے، بلکہ نیک آدمی تھے۔ آپ نے اپنی قوم کی رہنمائی کی اور ان میں انصاف کرنے کی ذمہ داری اُٹھائی تھی، اسی لیے وہ ذوالکفل (ذمہ داری اُٹھانے والے) کے نام سے مشہور ہوئے۔''

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یسع علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ''کتنا اچھا ہو کہ میں اپنا ایک نائب مقرر کر دوں، جو میری زندگی میں ان پر حکومت کرے، تا کہ میں دیکھ لوں کہ وہ کیسے کام کرتا ہے۔ (اگر مناسب معلوم ہو تو اسے اپنی وفات کے بعد کے لیے اپنا نائب مقرر کر دوں۔'') آپ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: ''جو شخص میری طرف سے عائد کردہ تین ذمہ داریاں قبول کرے گا، میں اسے اپنا خلیفہ مقرر کروں گا۔ وہ کام یہ ہیں کہ دن کو روزہ رکھے، رات کو قیام کرے اور غصہ نہ کرے۔''

ایک آدمی، جو دیکھنے میں بالکل معمولی سا لگتا تھا، اُٹھا اور بولا: ''میں (ذمہ داریاں قبول کرتا ہوں۔'') فرمایا: ''تو دن کو روزہ رکھا کرے گا، رات کو قیام کیا کرے گا اور غصے میں نہیں آئے گا؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں!'' اس دن آپ نے اسے واپس کر دیا (اور اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا) دوسرے دن آپ نے پھر یہی اعلان فرمایا۔ سب لوگ خاموش رہے۔ اُسی آدمی نے اُٹھ کر کہا: ''میں۔'' آپ نے اسے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔

ابلیس شیطانوں سے کہتا تھا: ''اس شخص کو قابو کرو۔'' لیکن سب شیطان اسے گمراہ کرنے میں اور اس سے وعدہ کے برعکس کوئی کام کرانے میں ناکام ہو گئے۔

ابلیس نے کہا: ''مجھے اس (ذوالکفل) سے نبٹنے دو۔'' وہ ایک انتہائی بوڑھا فقیر بن کر آپ کے پاس اس وقت آیا جب آپ دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ آپ دن رات میں صرف ایک بار اس وقت سویا کرتے تھے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے فرمایا: ''کون ہے؟'' اس نے کہا: ''ایک مظلوم ضعیف بوڑھا ہوں۔'' آپ نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا اور وہ اپنی کہانی سنانے لگا۔ اس نے کہا: ''میرا اپنی قوم کے لوگوں سے جھگڑا چل رہا ہے۔ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور یہ کیا اور یہ کیا ......'' وہ بات کو طول دیتا چلا گیا حتی کہ قیلولے کا وقت گزر گیا اور عدالت میں جانے کا وقت ہو گیا۔ آپ نے (بوڑھے سے) فرمایا: ''جب میں عدالت میں بیٹھوں گا تو تجھے تیرا حق دلوا دوں گا۔''

آپ عدالت میں آ کر اپنے مقام پر بیٹھ گئے۔ آپ نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر بوڑھا کہیں نظر نہ آیا۔ اگلے دن بھی آپ لوگوں کے مقدمات سنتے اور فیصلے کرتے رہے اور اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نظر نہ آیا۔ جب آپ واپس آ کر

بستر پر قیلولے کے لیے لیٹے، تو وہ آ کر دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ آپ نے فرمایا: ''کون ہے؟'' اس نے کہا: ''وہی مظلوم ضعیف بوڑھا ہوں۔'' آپ نے دروازہ کھولا اور کہا: ''میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ جب میں عدالت میں بیٹھوں گا تو میرے پاس آنا؟'' اس نے کہا: ''وہ بڑے خبیث لوگ ہیں، انہیں جب پتہ چلا کہ آپ عدالت میں تشریف لے گئے ہیں تو مجھے کہنے لگے: ہم تجھے تیرا حق دے دیں گے۔ جب آپ نے عدالت برخاست کی، وہ مکر گئے۔'' آپ نے فرمایا: ''اب چلا جا جب میں عدالت میں جاؤں گا، تب آ جانا۔''

اس طرح آپ اس دن بھی قیلولہ نہ کر سکے۔ آپ عدالت میں گئے اور اس کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن وہ نظر نہ آیا۔ آپ کے لیے نیند پر قابو پانا مشکل ہو گیا تو آپ نے گھر والوں سے کہا: ''مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔ تم کسی کو دروازے کے قریب نہ آنے دینا، میں ذرا سو لوں۔''

اس وقت وہ بوڑھا آ گیا۔ دروازے پر موجود آدمی نے کہا: ''پیچھے رہو، پیچھے رہو۔'' اس نے کہا: ''میں کل بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اپنا مسئلہ پیش کیا تھا۔'' آدمی نے کہا: ''ہرگز نہیں، قسم ہے اللہ کی! آپ کا حکم ہے کہ ہم کسی کو قریب نہ آنے دیں۔''

جب اس نے دیکھا کہ اس طرح آپ تک پہنچنا مشکل ہے تو ادھر ادھر دیکھا۔ اسے کمرے میں ایک روشن دان نظر آیا۔ وہ اوپر چڑھ کر اس میں سے کمرے میں داخل ہو گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ آپ کی آنکھ کھل گئی تو (دربان کو) آواز دی: ''اے فلاں! کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا (کہ اسے کچھ عرصہ کے لیے روک لینا۔'')

اس نے کہا: ''یہ شخص میری طرف سے نہیں آیا، آپ ہی دیکھیں کہ کدھر سے آیا ہے؟'' آپ نے اُٹھ کر دروازہ دیکھا تو وہ اندر کی طرف سے اسی طرح بند تھا جس طرح آپ نے بند کیا تھا، اس کے باوجود بوڑھا کمرے میں موجود تھا۔ تب آپ نے پہچان لیا اور فرمایا: ''کیا تو اللہ کا دشمن (شیطان) ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں! آپ نے میری ہر کوشش ناکام بنا دی تھی۔ اس لیے میں نے آپ کو غصہ میں لانے کے لیے یہ سب کچھ کیا۔''

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ''ذوالکفل'' رکھا۔ کیونکہ آپ نے ایک ذمہ داری اُٹھائی اور اسے نبھا کر دکھایا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ ارشاد فرمایا: ''ذوالکفل نبی نہیں تھے، لیکن ایک نیک آدمی تھے جو روزانہ سو نمازیں پڑھا کرتے تھے۔'' [1]

ذوالکفل نے اس (یسع) سے وعدہ کیا کہ اس کی وفات کے بعد وہ یہ سلسلہ جاری رکھیں گے چنانچہ آپ روزانہ سو نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ کا نام ''ذوالکفل'' (ذمہ داری اُٹھانے اور نبھانے والے) مشہور ہو گیا۔ [2]

---

[1] غالباً دو سو رکعت نفل پڑھنا مراد ہے۔ واللہ اعلم

[2] تفسیر ابن جریر الطبري :98/10 و تفسیر ابن کثیر 319/5، تفسیر سورۃ الأنبیاء، آیت:85

عمومی تباہی سے دوچار ہونے والی اقوام

ان سے مراد وہ اقوام ہیں جو تورات کے نزول سے قبل تباہ ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ﴾

''اور ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی۔'' (القصص:43/28)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تورات کے نزول کے بعد کسی قوم کو آسمانی یا زمینی عذاب کے ذریعے سے کلی طور پر تباہ نہیں کیا۔ سوائے ان (بستی والوں) کے جن کی صورتیں تبدیل کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ﴾ ''اور ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قوم بھی عذاب الٰہی کے ذریعے سے مکمل طور پر تباہ کی گئی ہے' وہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی تھی' ان میں اصحاب الرس اور سورۂ یٰسٓ میں مذکور قوم بھی شامل تھی۔

اصحاب الرس

اصحاب الرس کا ذکر قرآن مجید میں ان دو مقامات پر آیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴾

''اور عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اور اُن کے درمیان اور بہت سی جماعتوں کو بھی (ہلاک کر ڈالا) اور سب کے (سمجھانے کے) لیے ہم نے مثالیں بیان کیں اور (نہ ماننے پر) سب کا ستیاناس کر دیا۔'' (الفرقان:39,38/25)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴾

''اِن سے پہلے نوح کی قوم اور اصحاب الرس اور ثمود جھٹلا چکے ہیں اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی اور بَن کے رہنے والے اور تبّع کی قوم (غرض) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہماری وعید (عذاب) بھی پوری ہو کر رہی۔'' (ق:12/50-14)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ملیامیٹ کر دیا گیا تھا۔

عربی زبان میں ''الرس'' اس کنویں کو کہتے ہیں جس کی منڈیر پتھروں سے بنائی گئی ہو۔بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ ایک خاص کنواں تھا جس پر قوم ثمود کا ایک قبیلہ رہتا تھا۔وہی لوگ اصحاب الرس کے نام سے مشہور ہوئے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ مشہور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کو کنویں میں پھینک دیا تھا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول روایت کیا ہے کہ ''اصحاب الرس'' قوم ثمود کی ایک بستی کے باشندے تھے۔''[1]

ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں شہر دمشق کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے ابوالقاسم عبداللہ بن عبداللہ بن جرداد کی تاریخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الرس کی طرف ایک نبی کو مبعوث فرمایا تھا جن کا نام حنظلہ بن صفوان (علیہ السلام) تھا۔انہوں نے آپ پر ایمان لانے سے انکار کیا اور آپ کو شہید کر دیا' چنانچہ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح نے اپنی اولاد سمیت رسّ سے ہجرت کر کے احقاف میں رہائش اختیار کر لی۔بعد میں ان کی اولاد پورے یمن میں پھر پوری دنیا میں پھیل گئی۔پیچھے رسّ والوں کو اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دیا۔حتی کہ عاد بن عوص کی اولاد میں سے جیرون بن سعد بن عاد اس جگہ آبسا

[1] تفسیر ابن کثیر' تفسیر سورۃ الفرقان' آیت:38

جہاں دمشق آباد ہے۔ اس نے شہر بسایا اور اس کا نام ''جیرون'' رکھا۔ اسی کو قرآن مجید میں ﴿ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ ''ستونوں والا ارم'' کہا گیا ہے۔ پتھر کے ستون دمشق سے زیادہ کسی شہر میں نہیں پائے جاتے۔ [1] اللہ تعالیٰ نے اس قوم عاد کی طرف حضرت ہود بن عبداللہ بن رباح بن خالد بن حلود بن عاد کو احقاف کے علاقہ میں نبوت دے کر مبعوث فرمایا۔ وہ لوگ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب الرس کا زمانہ قوم عاد سے صدیوں پہلے کا ہے۔

حضرت ابوبکر محمد بن حسن نقاش رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اصحاب الرس کا ایک کنواں تھا جس سے اُن کے پینے کی اور آب پاشی کی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔ ان کا بادشاہ بہت انصاف پرور اور نیک سیرت تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو لوگوں کو بہت زیادہ غم ہوا۔ ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ شیطان اس (مرحوم بادشاہ) کی صورت میں ان کے پاس آیا اور کہا: ''میں مرا نہیں تھا، میں تو غائب ہو گیا تھا تا کہ دیکھوں تم کیا کرتے ہو'' وہ انتہائی خوش ہوئے۔ اس نے کہا: ''میرے لیے پردہ لگا دو، میں کبھی نہیں مروں گا (لیکن تمہاری نظروں سے اوجھل رہوں گا۔'') بہت سے لوگوں نے شیطان کی بات کو سچ سمجھ لیا اور اس کے فریب میں آ کر اس کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک نبی مبعوث فرمایا، اس نے بتایا کہ پردے کے پیچھے سے بات کرنے والا (بادشاہ نہیں، بلکہ) شیطان ہے۔ اس نبی نے انہیں اس کی عبادت سے منع کیا اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔

امام سہیلی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس نبی پر نیند کی حالت میں وحی نازل ہوتی تھی اور ان کا نام حنظلہ بن صفوان علیہ السلام تھا۔ لوگوں نے آپ پر حملہ کیا اور آپ کو شہید کر کے کنویں میں ڈال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کنویں کا پانی خشک ہو گیا۔ درخت سوکھ گئے، پھل ختم ہو گئے، انہیں پیاس نے آ لیا' چنانچہ ان کے گھر ویران ہو گئے اور وہ ادھر اُدھر بکھر گئے اور آخر کار سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

[1] بعض کے نزدیک ''الرّس'' آذربائیجان کی وادی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الرّس کے علاقے ازان (کوہ قاف) میں ایک ہزار شہر آباد تھے۔ اللہ نے ان کی طرف موسیٰ نامی (موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے علاوہ کوئی) نبی مبعوث کیا' انہوں نے اس کی تکذیب کی تو نبی کی بددعا سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ (معجم البلدان' جلد: 3) یہ بھی کہا گیا ہے کہ الرّس' یمامہ کے علاقے میں ایک بستی تھی جسے فلج کہا جاتا تھا۔ (اطلس القرآن اُردو' ص: 220-222 شائع کردہ دارالسلام)

قازاقستان
تاشقند
بحیرۂ ارال
ماوراء النہر
خوارزم
بخارا
سمرقند
ازبکستان
ترکمانستان
دریائے اترک
مرو
خراسان
جرجان
نیشاپور
رے
روس
یوکرین
کوبان
بحیرۂ اسود
جارجیا
تفلیس
دربند
اران
آرمینیا
باکو
آذر بائیجان
ایشیائے کوچک
تبریز
موصل
حلب
قبرص
دمشق
دریائے فرات
دریائے دجلہ
صحرائے شام
اصفہان
یزد
بحستان
(سیستان)
فارس
کرمان
شیراز
اُبلہ
صحرائے نفود
ایلہ
سیناء
مکران
خلیج عربی (خلیج فارس)
یمامہ
نجد
مدینہ منورہ
(یثرب)
خلیج عمان
مسقط
عمان
مصر
حجاز
مکہ مکرمہ
جدہ
ربع الخالی
عسیر
صحرائے نوبیہ
صلالہ
حضر موت
سودان
مصوع
صنعاء
یمن
مکلا
سقوطرہ
عدن
خلیج عدن
عصب
بحر ہند
حبشہ
بربرہ
قرن افریقہ
(صومالیہ)
200
400
600
800
1000
اصحاب الرّس کا علاقہ
1- فلج، یمامہ کا علاقہ
2- قوم ثمود کے ایک قبیلے کا علاقہ
3- آذر بائیجان یا اران (داغستان) کی ایک وادی
4- حضر موت کی ایک بستی

قومِ یٰسٓ اصحاب القریۃ

اس قوم کا واقعہ سورۂ یٰسٓ میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْــَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْــًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ۝ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝ ﴾

''اور اُن سے بستی والوں کا قصہ بیان کرو جب اُن کے پاس پیغمبر آئے (یعنی) جب ہم نے اُن کی طرف دو پیغمبر بھیجے تو انہوں نے اُن کو جھٹلایا' پھر ہم نے تیسرے سے تقویت دی۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف پیغمبر ہو کر آئے ہیں۔ وہ بولے کہ تم (اور) کچھ نہیں مگر ہماری طرح کے آدمی (ہو) اور اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم محض جھوٹ بولتے ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف (پیغام دے کر) بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس۔ وہ بولے کہ ہم تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تم کو ہم سے دُکھ دینے والا عذاب پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے' کیا اس لیے کہ تم کو نصیحت کی گئی' بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو حد سے تجاوز کر گئے ہو۔ اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا کہ اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو' ایسے لوگوں کا اتباع کرو جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے رستے پر ہیں۔ اور مجھے کیا ہے کہ میں اُس کی پرستش نہ کروں جس

نے مجھے پیدا کیا ہے اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں اس کو چھوڑ کر اَوروں کو معبود بناؤں؟ اگر اللہ میرے حق میں نقصان کرنا چاہے تو اُن کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا ہی سکیں' تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ میں تمہارے (حقیقی) پروردگار پر ایمان لایا ہوں' سو میری بات سنو! حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا! بولا: ''کاش! میری قوم کو خبر ہو کہ اللہ نے مجھے بخش دیا ہے اور عزت والوں میں شامل کیا ہے۔ اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔ وہ تو صرف ایک چنگھاڑ تھی (آتشیں) ناگہاں وہ بجھ کر رہ گئے۔'' (یٰس: 36/13-29)

بہت سے متقدمین اور متاخرین علمائے کرام کی رائے ہے کہ یہ شہر انطاکیہ تھا۔ ان کے بادشاہ کا نام انطیخس بن انطیخس تھا اور وہ بت پرست تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف تین رسول بھیجے۔ ان کے نام صادوق، صدوق اور شلوم تھے۔ لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔

یہ حضرات اللہ کے رسول تھے۔ بعض علماء نے انہیں مسیح علیہ السلام کے رسول یعنی آپ کے بھیجے ہوئے حواری قرار دیا ہے اور ان کے نام شمعون، یوحنا اور پولس بتائے ہیں جو انطاکیہ کی طرف بھیجے گئے تھے۔ یہ قول درست نہیں کیونکہ جب مسیح علیہ السلام نے انطاکیہ کی طرف تین حواری بھیجے تھے تو یہ شہر مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والا پہلا شہر تھا (نہ کہ انکار کر کے تباہ ہونے والا) اسی لیے یہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جہاں عیسائیوں کے بطریق (پیٹریارک' بڑے پادری) ہوتے ہیں۔ وہ شہر یہ ہیں: انطاکیہ، بیت المقدس، سکندریہ، روم، اور بعد میں قسطنطنیہ۔ یہ شہر تباہ نہیں ہوئے، جب کہ قرآن میں مذکور اس شہر کے لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں بیان ہے کہ جب انہوں نے رسولوں کی تصدیق کرنے والے نیک آدمی کو شہید کر دیا تو: ﴿ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴾ ''وہ تو صرف ایک ہولناک چیخ تھی کہ یکا یک وہ سب کے سب بجھ کے رہ گئے۔'' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے پہلے یہ تین رسول انطاکیہ والوں کی طرف بھیجے گئے ہوں' پھر جب ان کی تکذیب کی وجہ سے وہ لوگ تباہ کر دیے گئے تو بعد میں شہر پھر آباد ہو گیا ہو۔ پھر مسیح علیہ السلام کے زمانے میں وہاں کے لوگ آپ کے حواریوں پر ایمان لے آئے ہوں۔ اگر واقعات کی تعبیر اس انداز سے کی جائے تو شاید درست ہو۔ (واللہ اعلم)

قوم کا رسولوں سے مکالمہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ اپنی قوم کے سامنے اس بستی والوں کی مثال بیان کیجیے جب اس بستی میں کئی رسول آئے۔ جب ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا تو ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلا دیا' پھر ہم نے تیسرے سے تائید کی یعنی تیسرے کو بھی بھیج کر رسالت و تبلیغ کے کام میں ان دونوں کی مدد فرمائی' سو ان (تینوں) نے کہا: ﴿ اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴾

''ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔'' قوم نے جواب دیا کہ آپ تو ہم جیسے انسان ہیں اور وہی کچھ کہا جو پہلی کافر قوموں نے اپنے رسولوں سے کہا تھا کیونکہ انہیں یہ بات ناممکن محسوس ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کوئی انسانی رسول مبعوث فرمائے۔ رسولوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم اس کے بھیجے ہوئے ہی تمہارے پاس آئے ہیں (اور) اگر ہم جھوٹی باتیں بنا کر اس کے ذمے لگاتے تو وہ ہمیں سخت سزا دیتا اور ہم سے شدید انتقام لے لیتا۔ اور کہا: ﴿ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ ''اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔'' یعنی ہمارا فرض یہی ہے کہ اللہ نے جو پیغام دے کر ہمیں بھیجا ہے وہ تم تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد اللہ جسے چاہے ہدایت سے نوازے اور جسے چاہے گمراہی میں گرفتار رہنے دے۔ قوم نے کہا: ﴿ اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ﴾ ''ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔'' یعنی تمہارے لائے ہوئے پیغام کو نحوست کا باعث سمجھتے ہیں۔ ﴿ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ ﴾ ''اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے۔'' بعض علماء کی رائے ہے کہ پتھر مارنے سے مراد طعن وتشنیع اور تنقید ومخالفت ہے اور بعض کی رائے ہے کہ واقعی پتھر مارنا مراد ہے۔ پہلے قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ﴿ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''(ہم تمہیں قتل کر دیں گے) اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔''

◈ حبیب نجار کی نصیحت: ''ان (رسولوں) نے کہا: ﴿ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ﴾ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔'' یعنی تمہاری بدشگونی کا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا۔ ''کیا (تم اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ) تم کو نصیحت کی جائے؟'' یعنی ہم نے تمہیں ہدایت کی طرف بلایا اور نصیحت کی ہے اور تم ہمیں قتل اور بدتمیزی کی دھمکی دے رہے ہو اور ہماری نصیحت کو نحوست کا نام دے رہے ہو؟ حقیقت یہ ہے ﴿ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴾ ''تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى ﴾ ''اور ایک شخص اس شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا۔'' یعنی وہ رسولوں کی مدد کے لیے اور ان کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کرنے کے لیے آ گیا۔ کہنے لگا: ﴿ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ ''اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو۔ ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔'' یعنی وہ بلا معاوضہ تمہیں خالص حق کی طرف بلا رہے ہیں۔

پھر اس نے لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے ہوئے دوسرے معبودوں کی پوجا سے منع کیا، جو نہ دنیا میں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ آخرت میں نفع دے سکتے ہیں اور کہا کہ اگر میں اللہ کی عبادت چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کروں، پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں۔

پھر اس نے رسولوں سے مخاطب ہو کر کہا: ﴿ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴾ ''میں تو (سچے دل سے) تم سب کے رب پر ایمان لا چکا، پس میری سنو!'' یعنی میری بات سن لو اور اللہ کے پاس اس کی گواہی دینا۔ یا اس کا یہ مطلب ہے کہ اے میری قوم! اللہ کے رسولوں پر ایمان لانے کا میرا اعلان سن لو۔ یہ بات سن کر لوگوں نے اسے شہید کر دیا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ لوگوں نے اسے پتھر مار مار کر شہید کر دیا۔ بعض کہتے ہیں: دانتوں سے کاٹ کاٹ کر مار دیا۔ بعض کا قول ہے کہ یک بارگی

حملہ کر کے شہید کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''حبیب نجار کو جذام کی بیماری لگ گئی تھی۔ وہ صدقہ بھی بہت زیادہ دیتا تھا۔ اسے قوم نے شہید کر دیا تو (اس سے) کہا گیا: ﴿ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ ﴾ ''جنت میں چلا جا۔'' یعنی جب اسے لوگوں نے شہید کر دیا تو اللہ نے اسے جنت میں داخل فرما دیا۔ جب اس نے وہاں کی نعمتیں اور خوشیاں دیکھیں تو کہنے لگا: ﴿ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾ ''کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا۔'' تاکہ میری طرح وہ بھی ایمان لا کر یہ نعمتیں حاصل کر لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اس نے زندگی میں قوم کی خیر خواہی کرتے ہوئے کہا: ﴿ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ''ان رسولوں کی راہ پر چلو'' اور مرنے کے بعد قوم کے بھلے کی تمنا کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾ ''کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں کر دیا۔''[1]

حضرت قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''آپ مومن کو ہمیشہ دوسروں کا بھلا چاہنے والا ہی پائیں گے، اسے کبھی دھوکا دینے والا نہیں پائیں گے۔ اس نے جب اللہ کی طرف سے اپنی عزت افزائی دیکھی تو کہا: ﴿ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾ ''کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا۔'' اس نے یہ تمنا کی تھی کہ اسے اللہ کی طرف سے جو انعام و اکرام نصیب ہوئے ہیں، اس کی قوم کو ان کا علم ہو جائے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب انہوں نے اس اللہ کے بندے کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زجر و توبیخ نہیں فرمائی بلکہ ارشاد ہوا: ﴿ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴾ ''وہ تو صرف ایک ہولناک چیخ تھی کہ یکایک وہ سب کے سب بجھ کے رہ گئے۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴾ ''اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں۔'' یعنی جب انہوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی اور ہمارے ولی کو شہید کیا تو ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے ہمیں آسمان سے کوئی لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں پڑی (بلکہ) وہ تو صرف ایک ہولناک چیخ تھی کہ یکایک وہ سب کے سب بجھ کے رہ گئے۔''

مفسرین فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا' انہوں نے شہر کے دروازے کی چوکھٹ

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 506/6 تفسیر سورۂ یٰسٓ' آیت: 20-25

[2] تفسیر ابن کثیر' تفسیر سورۂ یٰسٓ' آیت: 26-29

کو پکڑ کر ایک زور کی آواز نکالی تو وہ بجھ کر رہ گئے۔ ان کی آوازیں خاموش ہوگئیں، حس و حرکت ختم ہوگئی اور کوئی ایک آنکھ بھی جھپکنے والی نہ رہی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بستی انطاکیہ نہیں تھی کیونکہ یہ لوگ تو اللہ کے رسولوں کی تکذیب کر کے تباہ ہوگئے تھے۔ اور انطاکیہ والے ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے مسیح علیہ السلام کے بھیجے ہوئے حواریوں کی پیروی کی تھی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والی پہلی بستی انطاکیہ ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم وہ منفرد قوم ہے جس پر عذاب الٰہی نازل ہوا تو اس نے توبہ کر لی، لہٰذا عذاب الٰہی ان سے دور کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۗ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ

''پھر کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اُسے اُس کا ایمان نفع دیتا، سوائے یونس کی قوم کے، جب وہ ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں اُن سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) اُن کو بہرہ مند رکھا۔'' (یونس: 98/10)

حضرت یونس علیہ السلام قوم سے مایوس ہو کر علاقہ چھوڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ اس وقت یونس علیہ السلام نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے نجات کی التجا کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

"اور ذوالنون (مچھلی والے) کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہوکر) غصے کی حالت میں چل دیے اور خیال کیا کہ ہم اُن پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ آخر اندھیرے میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور اُن کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔" (الأنبیاء: 88,87/21)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی پکار کو قبول کیا اور آپ کو قید سے نجات دے دی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ؕ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۙ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۚ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۚ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۙ لَلَبِثَ فِىْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۚ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۚ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۚ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۚ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴾

"اور بیشک یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے۔ سو اُس وقت قرعہ ڈالا گیا تو انہوں نے زک اُٹھائی۔ پھر مچھلی نے اُن کو نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگ گئے۔ پھر اگر وہ (اللہ کی) پاکیزگی بیان نہ کرتے تو اُس روز تک اُسی کے پیٹ میں رہتے جب کہ لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ پھر ہم نے ان کو جب کہ وہ بیمار تھے، فراخ میدان میں ڈال دیا اور اُن پر کدّو کا درخت اُگایا اور ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو وہ ایمان لے آئے، لہٰذا ہم بھی اُن کو (دنیا میں) ایک وقت (مقررہ) تک فائدے دیتے رہے۔" (الصافات: 148-139/37)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ؕ لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۚ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾

"سو آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیجیے اور مچھلی (کا لقمہ ہونے) والے (یونس) کی طرح نہ ہونا کہ انہوں نے (اللہ کو) پکارا اور وہ غم و غصہ میں بھرے ہوئے تھے۔ اگر تمہارے پروردگار کی مہربانی ان کی یاوری نہ کرتی تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا۔ پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے نیکوکاروں میں کر لیا۔" (القلم: 50-48/68)

حضرت یونس علیہ السلام وطن چھوڑتے ہیں

مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو موصل کے علاقے میں نینویٰ والوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ آپ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا۔ انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور کفر وعناد پر اڑے رہے۔ جب اسی طرح ایک طویل مدت گزر گئی تو یونس علیہ السلام بستی سے نکل گئے اور لوگوں کو فرما گئے کہ تین دن کے بعد اُن پر عذاب آ جائے گا۔

متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام باہر تشریف لے گئے تو قوم کو یقین ہو گیا کہ اب عذاب ضرور نازل ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ کی طرف توجہ پیدا فرما دی۔ انہیں اپنے نبی کے ساتھ بدسلوکی پر ندامت محسوس ہوئی، چنانچہ انہوں نے پھٹے پرانے کپڑے پہن لیے' جانوروں کے بچوں کو اُن کی ماؤں سے الگ کر دیا' پھر وہ رو رو کر عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعائیں مانگنے لگے۔ مرد بھی روتے تھے، عورتیں بھی، بچے بھی روتے تھے اور مائیں بھی۔ اونٹ بھی بلبلاتے تھے، ان کے بچے بھی۔ گائیں بھی رانبھتی تھیں، بچھڑے بھی۔ بکریاں بھی منمناتی تھیں اور میمنے بھی۔ یہ بہت رقت آمیز منظر تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت سے ان پر سے وہ عذاب ٹال دیا جو اُن کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ﴾ ''پس کیوں نہ کوئی بستی ایمان لائی کہ اس کا ایمان لانا اس کے لیے نافع ہوتا۔'' (یونس: 98/10)

یعنی گزشتہ اقوام میں کوئی ایسی بستی کیوں نہ پائی گئی جو پوری کی پوری ایمان لے آتی؟ معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ ایسے ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ ''اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو' ہم اس کے قائل نہیں۔'' (سبأ: 34/34) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ ''پھر کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اُسے اُس کا ایمان نفع دیتا' سوائے یونس کی قوم کے، جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک (خاص) وقت تک کے لیے زندگی سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا۔'' (یونس: 98/10) یعنی وہ سب کے سب ایمان لے آئے۔

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اُن کے اس ایمان سے انہیں آخرت میں فائدہ ہوگا یا نہیں؟ اور جس طرح دنیا کے عذاب سے چھوٹ گئے آخرت کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے یا نہیں؟ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ایمان سے انہیں آخرت میں بھی فائدہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَمَّآ اٰمَنُوْا﴾ ''جب وہ ایمان لے آئے۔'' اور فرمایا: ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ ''اور ہم نے اسے ایک لاکھ

یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا۔ پس وہ ایمان لے آئے' لہٰذا ہم نے انہیں ایک زمانہ تک فائدے دیئے۔'' (الصّافات:37/147-148) اس دنیوی فائدہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اخروی عذاب سے نجات حاصل نہ ہو۔ (واللہ اعلم)
اس قوم کی تعداد ایک لاکھ تو یقیناً تھی۔ اس سے زیادہ کتنی تعداد تھی؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔
بہر حال جب یونس علیہ السلام اپنی قوم کی وجہ سے دل برداشتہ ہو کر روانہ ہو گئے تو سمندر میں سفر کرنے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی لہروں میں ڈگمگانے اور ہچکولے کھانے لگی اور قریب تھا کہ ڈوب جائے' چنانچہ مسافروں نے مشورے سے یہ طے کیا کہ قرعہ اندازی کریں اور جس کے نام کا قرعہ نکلے اسے کشتی سے سمندر میں پھینک کر بوجھ کم کریں۔

یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں

جب انہوں نے قرعہ ڈالا تو قرعہ میں اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ لوگ یونس علیہ السلام کے زہد و تقویٰ سے واقف تھے، انہوں نے آپ کو دریا میں پھینکنا پسند نہ کیا۔ انہوں نے دوبارہ قرعہ ڈالا تو پھر آپ کا نام نکل آیا آپ نے چھلانگ لگانے کا ارادہ کیا تو دوسرے مسافروں نے پھر آپ کو منع کر دیا۔ انہوں نے تیسری بار قرعہ ڈالا، تب بھی آپ کا نام نکلا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت یہی تھی۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ۝﴾ ''اور بلاشبہ یونس نبیوں میں سے تھے جب وہ بھاگ کر بھری کشتی میں پہنچے اور پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے سو انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرنے لگ گئے۔''
جب قرعہ میں آپ کا نام نکلا تو آپ کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بحیرۂ روم کی ایک بڑی مچھلی بھیج دی، وہ آپ کو نگل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ وہ آپ کا گوشت نہ کھائے اور ہڈی نہ توڑے کیونکہ آپ علیہ السلام اس مچھلی کا رزق نہیں تھے۔
اس نے آپ کو لے کر تمام سمندروں کا چکر لگایا۔ بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ اس مچھلی کو اس سے بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔
حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی کے پیٹ سے پکار: جب آپ مچھلی کے پیٹ میں پہنچ گئے تو آپ نے سوچا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں لیکن آپ نے اپنے اعضاء کو حرکت دی تو اعضاء نے حرکت کی' تب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ ابھی زندہ ہیں' چنانچہ اللہ کے لیے سجدہ میں گر گئے اور فرمایا: ''یا رب! میں نے ایسی جگہ کو تیرے لیے مسجد بنایا ہے، کہ اس طرح کے مقام پر کسی نے تیری عبادت نہیں کی۔''
مقصود کلام یہ ہے کہ مچھلی آپ کو لے کر گہرے سمندروں میں گھومنے لگی۔ آپ نے مچھلیوں کو رحمان کی تسبیح کرتے سنا اور کنکریوں سے اللہ کی تسبیح سنی۔ اس مقام پر آپ نے زبانِ حال سے اور زبانِ مقال سے فرمایا، جیسے اللہ ذوالجلال نے

بیان فرمایا ہے جو پوشیدہ چیزوں سے باخبر اور مصائب سے نجات دینے والا ہے۔ وہ ہلکی سے ہلکی آواز سنتا ہے اور بڑی سے بڑی دعا قبول کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''اور مچھلی والے کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہوکر) غصے کی حالت میں چل دیے اور خیال کیا کہ ہم اُس پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ آخر اندھیرے میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصور وار ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور اُن کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔'' (الأنبياء:21/87-88)

﴿ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ﴾ ''اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر قابو نہیں پا سکیں گے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے گمان کیا کہ اللہ آپ پر تنگی (اور سختی) نہیں کرے گا۔ ﴿ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ ﴾ ''بالآخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اُٹھا'' (الأنبياء:87) میں اندھیروں سے مراد مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور رات کا اندھیرا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس مچھلی کو ایک اور مچھلی نے نگل لیا تھا۔ اس لیے دو مچھلیوں کا اندھیرا اور سمندر کا اندھیرا مراد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ ''پھر اگر وہ اللہ کی پاکیزگی بیان نہ کرتے تو اُس روز تک اسی کے پیٹ میں رہتے جب کہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔'' (الصافات:37/143-144) کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ وہاں اللہ کی تسبیح نہ کہتے اور اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے توبہ نہ کرتے تو قیامت تک وہیں رہتے اور قیامت کو مچھلی کے پیٹ سے زندہ ہوکر نکلتے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے اللہ کی تسبیح کرنے والے یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والے، نماز پڑھنے والے اور ذکر الٰہی کرنے والے نہ ہوتے تو نجات نہ پاتے۔

اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں' اللہ کا خیال رکھ (اسے یاد رکھ، اس کے احکام کا خیال رکھ)، اللہ تیرا خیال رکھے گا۔ اللہ کا خیال رکھ تو اُسے اپنے سامنے پائے گا۔ راحت کے وقت اللہ کے ہاں معروف ہو یعنی اس سے تعلق جوڑ کر رکھو، وہ مشکل کے وقت تجھے پہچانے گا۔'' [1]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ نے مچھلی کو وحی کی: ''اسے لے لو، لیکن اس

[1] مسند أحمد:1/293

کا گوشت زخمی نہ کرنا اور ہڈی نہ توڑنا۔'' مچھلی نے یونس علیہ السلام کو اٹھا کر سمندروں کا چکر لگایا' یونس علیہ السلام نے سمجھا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں' پھر اپنا سر ہلایا تو محسوس کیا کہ وہ زندہ ہیں' پھر انہوں نے اپنے رب سے دعا کی۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور جب مچھلی سمندر کی تہ تک پہنچی تو یونس کو ایک آواز سنائی دی۔ آپ نے دل میں کہا: ''یہ کیا ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: ''یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح کرنے کی آواز ہے۔'' مچھلی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو ساحل پر لا ڈالا اور جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴾ ''وہ اس وقت بیمار تھے۔''[1]

اور مچھلی نے یونس علیہ السلام کو اُگل دیا

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ''یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کا خیال آیا: ﴿ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴾ ''(اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بیشک میں قصور وار ہوں۔'' یہ دعا عرش کے نیچے جا پہنچی تو فرشتوں نے کہا: ''یا رب! ایک کمزور سی جانی پہچانی آواز کسی اجنبی مقام سے آ رہی ہے۔'' فرمایا: ''تم نے پہچانا نہیں؟'' بولے: ''نہیں اے رب! وہ کون ہے؟'' فرمایا: ''میرا بندہ یونس۔'' فرشتوں نے کہا: ''تیرا بندہ یونس، جس کے مقبول عمل اور مقبول دعائیں آسمانوں پر آتی رہتی ہیں۔ یا اللہ! وہ راحت کے ایام میں نیکی کرتا تھا، کیا تو اس پر رحم کر کے مصیبت سے نجات نہیں دے گا؟'' اللہ نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔'' پھر مچھلی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو چٹیل میدان میں پھینک دیا۔[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَنَبَذْنَٰهُ ﴾ یعنی ہم نے اسے ڈال دیا۔ ﴿ بِٱلْعَرَآءِ ﴾ بنجر مقام پر جس میں کوئی درخت نہ تھا۔ ﴿ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴾ اور آپ بیمار یعنی کمزور تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''وہ نوزائیدہ بچے کی طرح تھے۔ ﴿ وَأَنۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّن يَقْطِينٍ ﴾ ''ہم نے اس پر ایک بیل دار درخت اُگا دیا۔'' متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم بیان کرتے ہیں کہ ''یہ کدو کی بیل تھی۔''[3]

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کدو اُگانے میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ اس کے پتے انتہائی ملائم، تعداد میں زیادہ اور سایہ مہیا کرنے والے ہوتے ہیں۔ مکھی اس کے قریب نہیں آتی۔ اس کا پھل شروع سے آخر تک کھایا جاتا ہے۔ اس کے چھلکے اور بیج سے بھی فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ یہ دماغ کو قوت دیتا ہے اور بہت سے فوائد کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک جنگلی

---

1. تفسیر الطبري: 107/10' تفسیر سورة الأنبیاء' آیت: 88,87
2. تفسیر ابن ابي حاتم: 3228/10
3. تفسیر الطبري' 122/12

ہرنی صبح شام آ کر آپ کو دودھ پلاتی تھی۔ یہ آپ پر اللہ کی رحمت اور اس کا احسان تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''پھر ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور اُن کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔''

(الأنبياء:88/21) یعنی ہم سے جو کوئی دعا کرے اور ہماری پناہ کا طالب ہو، ہم اس کے ساتھ اسی طرح احسان کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کی فرمودہ عظیم دعا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: میں مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا اور سلام کہا۔ آپ نے میری طرف دیکھا لیکن سلام کا جواب نہ دیا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''کیا اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا ہوگئی ہے؟'' انہوں نے کہا: ''نہیں، کیا ہوا؟''

میں نے کہا: ''میں ابھی ابھی مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تھا، میں نے سلام کہا، انہوں نے میری طرف دیکھا، لیکن سلام کا جواب نہیں دیا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا: ''آپ نے اپنے بھائی کو سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟'' انہوں نے کہا: ''میں نے تو ایسا نہیں کیا۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا ہے۔'' انہوں نے قسم کھالی (کہ ایسے نہیں ہوا) انہوں نے بھی قسم کھالی (کہ ایسے ہوا ہے)۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کچھ یاد آیا۔ فرمایا: ''اللہ مجھے معاف کرے! آپ میرے پاس سے گزرے تھے تو میں رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان دل میں دہرا رہا تھا۔ مجھے جب بھی وہ فرمان یاد آتا ہے' میرے دل اور آنکھوں پر پردہ آ جاتا ہے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں آپ کو اس کے بارے میں بتاتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پہلی بار دعا کے بارے میں بیان فرمانا شروع کیا' پھر ایک بدو آ گیا اور آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ (اس سے بات مکمل کر کے) اُٹھ کھڑے ہوئے (اور گھر کی طرف چل پڑے) میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا حتیٰ کہ جب مجھے محسوس ہوا کہ اب آپ (میری طرف متوجہ ہوئے بغیر) گھر میں داخل ہو جائیں گے تو میں نے زمین پر پاؤں مارا (اور قدموں کی آواز پیدا کی) نبی ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کون ہے؟ ابواسحاق ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ! فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: قسم ہے اللہ کی! اور تو کوئی بات نہیں، لیکن آپ نے ایک دعا کا ذکر کیا تھا۔ پھر وہ بدو آ گیا اور آپ اس کے ساتھ (بات کرنے میں) مشغول ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ ذوالنون (یونس علیہ السلام) کی دعا ہے جو آپ نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

''(اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں۔''

جو مسلمان کسی بھی معاملے میں اپنے رب سے ان الفاظ کے ساتھ دعا کرتا ہے، اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔''[1]

حضرت یونس علیہ السلام کے فضائل و مناقب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ (الصّافات: 139/37) ''اور بلاشبہ یونس نبیوں میں سے تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ آپ کا ذکر فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بندے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مسلمان کا ایک یہودی کو تھپڑ مارنے کا واقعہ مروی ہے۔ یہودی نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو جہان والوں پر فضیلت دی۔ مسلمان کو غصہ آیا کہ یہودی اشارتاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دے رہا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ''میں نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن متّٰی سے افضل ہے۔'' اس روایت سے مذکورہ بالا حدیث (کسی بندے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔) کے مفہوم کے بارے میں ایک قول کی تائید ہوتی ہے، یعنی کسی کو نہیں چاہیے کہ اپنے آپ کو یونس علیہ السلام سے بہتر خیال کرے۔

دوسرے قول کے مطابق حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نہیں چاہیے کہ مجھے یونس بن متّٰی سے افضل قرار دے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں آیا ہے: ''مجھے نبیوں پر افضلیت نہ دو، نہ یونس بن متّٰی پر فضیلت دو۔''[3]

آپ کا یہ ارشاد کسرِ نفسی اور تواضع کے طور پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام نازل ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اور اللہ کے تمام انبیائے کرام اور رسولوں پر۔

---

1. جامع الترمذي، الدعوات، باب في دعوة ذي النون.....، حديث: 3505 ومسند أحمد: 170/1 واللفظ له
2. صحيح البخاري، التوحيد، باب ذكر النبي صلى الله عليه وسلم وروايته عن ربه، حديث: 7539 ومسند أحمد: 468/2
3. صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ ﴿وإن يونس لمن المرسلين﴾، 3415 والبداية والنهاية: 237/1
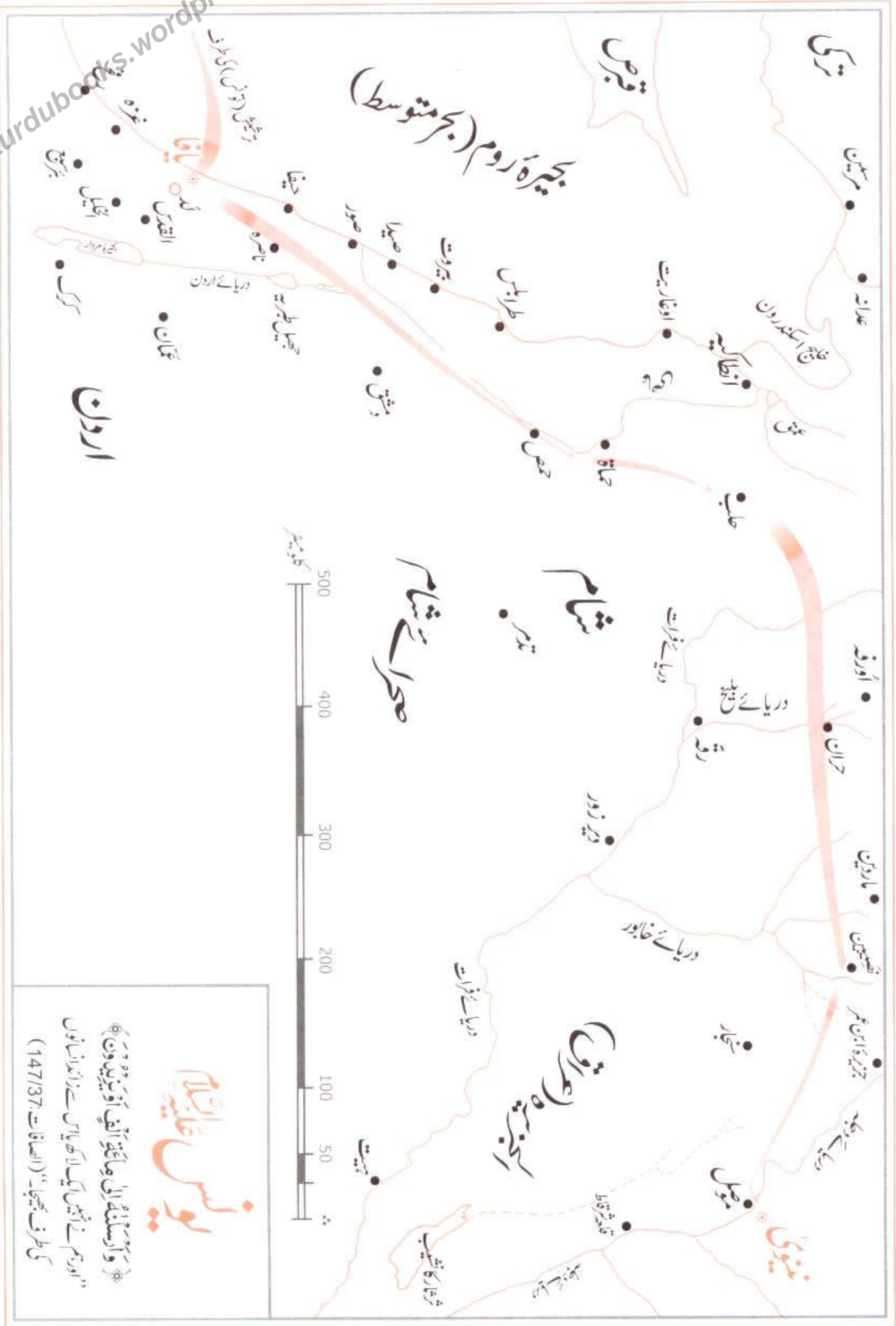
یونس علیہ السلام

﴿ وَاَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ یَزِیۡدُوۡنَ ﴾

”اور ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زائد انسانوں کی طرف بھیجا۔“ (الصافات 147/37)

نتائج و فوائد ...... عبرتیں و حکمتیں

ایمان باللہ اور توبہ مصائب سے نجات کی کنجی ہے: حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس سے اپنے گناہوں کی توبہ و بخشش طلب کرنا، ہر قسم کے مصائب و محن سے نجات کی کنجی ہے، لہٰذا ہر تکلیف، دکھ، پریشانی اور مصیبت میں غوث اعظم' رب العالمین ہی کو پکارنا اور اسی سے التجا و گریہ زاری کرنی چاہیے۔

حضرت یونس علیہ السلام اہلِ عراق کے ایمان سے مایوس ہو کر، انہیں عذاب الٰہی کی دھمکی دے کر علاقے سے نکلے تو اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے مشکل کا شکار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا اجازت علاقۂ دعوت چھوڑنے پر مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ اس وقت جبکہ آپ مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے، سمندر کی تہ اور رات کی تاریکی میں مبتلائے مصیبت تھے۔ آپ نے اپنے پروردگار کو ان الفاظ میں پکارا:

﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

''الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں ہو گیا۔'' (الأنبياء: 87/21)

ادھر آپ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اپنے رب کو مدد کے لیے پکارا' ادھر ارحم الراحمین نے اپنے بندے کی گریہ زاری کو قبول فرما کر نجات کا بندوبست فرما دیا۔ ارشاد ہے:

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''تو ہم نے اس کی پکار سن لی، اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں۔''
(الأنبياء: 88/21)

دوسری طرف قوم نے عذاب الٰہی کو حسب وعدہ آتے دیکھا تو ساری قوم، بچوں، عورتوں، ضعیفوں اور مویشیوں سمیت کھلے میدان میں جمع ہو گئی۔ سب نے مل کر اپنے گناہوں کی رو رو کر معافی مانگی، خوب گریہ زاری کی اور اپنے رب سے نہایت عجز و انکسار کا اظہار کیا۔ اس پر ارحم الراحمین نے بھی ان سے عذاب کو ٹال دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴾

''چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کے لیے نافع ہوتا سوائے یونس کی قوم کے، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت (خاص) تک کے لیے

زندگی سے فائدہ اٹھانے (کا موقع) دیا۔'' (یونس: 98/10)

آج مسلمان بحیثیت ایک قوم کے جن مصائب، شدائد، دکھوں اور کفار کے شکنجۂ ظلم میں آئے ہوئے ہیں ان سے نجات کے لیے سب کو مل کر اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہیے۔ اپنے رب سے توبہ واستغفار کرکے، اس سے اپنے تعلق کو مضبوط بنانا چاہیے' نیز رسول اکرم ﷺ کے درج ذیل فرمان پر ساری امت کو اجتماعی طور پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو، ذلت ورسوائی سے نجات دے اور عزت وشرف سے نوازے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو شخص: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ کے ساتھ اپنے کسی معاملے (مصیبت یا دکھ سے نجات) کے لیے دعا مانگے گا' اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔''[1]

صبر وعزیمت کا درس: حضرت یونس علیہ السلام کے قصے سے داعیان الی اللہ کو صبر وثبات اور عزم وحوصلے کا درس ملتا ہے۔ داعیان توحید ورسالت کو یہ درس ملتا ہے کہ انہیں ہمیشہ ثابت قدم رہتے ہوئے اپنا مشن جاری رکھنا چاہیے۔ جلد بازی اور عجلت سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ اگر وقتی طور پر لوگ دعوت توحید کو قبول نہ کریں، ایمان باللہ کی طرف راغب نہ ہوں یا داعیان کے ساتھ تعاون اور اُن کی تائید نہ کریں تو انہیں دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے نہ انہیں میدان دعوت سے فرار کا سوچنا چاہیے' بلکہ اس مشن کے لیے ہر قسم کی تکلیف کو باعث اجر سمجھتے ہوئے قبول کرنا چاہیے۔ اللہ رب العزت اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ﴾

''پس (اے پیغمبر) تم ایسا صبر کرو جیسا عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لیے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کرو۔'' (الأحقاف: 35/46)

یعنی آپ اہل مکہ کی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں اور ان کے لیے عذاب الٰہی کا سوال نہ کریں۔ اس میں اہل ایمان اور داعیان کے لیے بھی صبر وتحمل اور ہمت وبرداشت کا درس ہے کہ وہ بھی میدان دعوت میں اسی اسوۂ حسنہ سے رہنمائی لیں۔

[1] جامع الترمذي، الدعوات، باب في دعوة ذي النون ......، حديث: 3505

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا

حضرت موسیٰ علیہ السلام

نام ونسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

آپ کا نسب یوں ہے: موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ ﴾

”اس قرآن میں موسیٰ کا ذکر بھی کر، جو چنا ہوا اور رسول اور نبی تھا۔ ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے پکارا اور سرگوشی کرتے ہوئے اسے قریب کرلیا اور اپنی خاص مہربانی سے اسکے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا۔“ (مریم: 19/51-53)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر آپ کا ذکر فرمایا ہے بعض مقامات پر اختصار کے ساتھ اور بعض مقامات پر تفصیل کے ساتھ۔ ہم نے ان سب آیات پر تفسیر میں اپنے اپنے مقام پر بات کی ہے۔ یہاں ہم قرآن وحدیث اور بنی اسرائیل سے منقول روایات کی روشنی میں موسیٰ علیہ السلام کی سیرت طیبہ کو شروع سے آخر تک بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ!

اللہ تعالیٰ نے فرعون کو راہ ہدایت دکھانے اور ظلم وستم سے روکنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝ ﴾

''طٰسٓمّٓ۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کا صحیح صحیح واقعہ بیان کرتے ہیں' ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اور ان میں سے ایک جماعت کو کمزور کر رکھا تھا۔ ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا' بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔ پھر ہم نے چاہا کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم انہی کو پیشوا اور (زمین کا) وارث بنائیں اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیار دیں اور ہم فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ (منظر) دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔'' (القصص : 28/1-6)

اللہ تعالیٰ نے واقعہ کو پہلے مختصر طور پر بیان فرمایا' پھر اس کی تفصیل بیان کی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ اپنے نبی کے سامنے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ صحیح صحیح بیان فرمائے گا' یعنی اس قدر صحیح کہ سننے والا تمام واقعات کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ ﴾ ''یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کی تھی'' کا مطلب یہ ہے کہ فرعون نے ظلم وطغیان اور بغاوت وعصیان کا راستہ اختیار کیا' دنیا کی زندگی کو اہمیت دی اور رب عظیم و برتر کی اطاعت سے سرتابی کی اور ﴿ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا ﴾ ''وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا۔'' یعنی اپنی رعیت کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ﴿ يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ﴾ ''ان میں ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا۔'' اس سے مراد بنی اسرائیل کی قوم ہیں جو اللہ کے نبی یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی اولاد میں سے تھے اور اس زمانے میں پوری دنیا میں سب سے افضل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس ستم گر ظالم اور بدکردار کافر کو مسلط کر دیا جس نے انہیں غلام بنا لیا اور وہ ان سے ادنیٰ ترین پیشوں کا ذلیل ترین کام لیتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ﴿ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ''وہ ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور فرعون کا خواب

فرعون بنی اسرائیل سے اس قدر برا سلوک اس لیے کرتا تھا کہ بنی اسرائیل اپنی الہامی کتابوں کی روشنی میں آپس میں ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمان ذکر کرتے تھے کہ آپ کی اولاد میں سے ایک لڑکا پیدا ہوگا، جس کے ہاتھوں مصر کی سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ آپ نے یہ بات غالباً اس وقت فرمائی تھی جب مصر کے بادشاہ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی عزت پامال کرنے کی کوشش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت کو داغ دار ہونے سے محفوظ رکھا۔ (واللہ اعلم)

بنی اسرائیل میں یہ بشارت مشہور تھی۔ ان سے سن کر قبطی بھی اس کا ذکر کرتے تھے، حتیٰ کہ یہ خبر فرعون تک بھی پہنچ گئی۔ جب رات کے وقت بادشاہ کی محفل جمی ہوتی تھی تو کسی درباری نے اسے یہ بات بھی سنا دی۔ اس نے اس لڑکے کی پیدائش کے خوف سے بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کے قتل کا حکم جاری کر دیا لیکن تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی۔

امام سُدّی رحمہ اللہ نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی اور مصر کے تمام قبطیوں کے گھر جلا گئی لیکن بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس خواب سے خوف زدہ تھا۔ اس نے اپنے کاہنوں، عالموں اور جادوگروں کو جمع کیا اور ان سے اس کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے کہا: یہ لڑکا انہی میں پیدا ہوگا اور اس کے ہاتھوں اہل مصر تباہ ہو جائیں گے' اس لیے اس نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑنے کا حکم جاری کر دیا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''پھر ہم نے چاہا کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا۔'' اور وہ بنو اسرائیل تھے۔ ﴿ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴾ ''اور ہم ان کو پیشوا اور (زمین کا) وارث بنائیں۔'' یعنی آخر کار مصر کی حکومت اور سرزمین انہیں مل جائے۔ اور یہ بھی کہ ﴿ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴾ ''اور ہم انہیں زمین میں قدرت واختیار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ (منظر) دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے۔'' یعنی ہم کمزوروں کو طاقتور، مغلوب کو غالب اور ذلیل کو عزت والا بنائیں گے' چنانچہ بنی اسرائیل کو یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ﴾

''اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے، اس سرزمین کے مشرق ومغرب کا مالک بنا دیا جس میں

ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔''
(الأعراف: 137/7)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾

''بالآخر ہم نے انہیں باغات سے، چشموں سے، خزانوں سے اور اچھے اچھے مقامات سے نکال باہر کیا۔ اسی طرح ہوا، اور ہم نے ان (تمام) چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔'' (الشعراء: 26/57-59) اس کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی حفاظت

فرعون بنی اسرائیل کو ملنے والی بشارت اور اپنے خواب کی وجہ سے بے حد خوفزدہ ہوا، لہٰذا اس نے ہر طرح کی احتیاطی تدابیر اختیار کیں، تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہی نہ ہو حتی کہ اس نے کچھ مردوں اور دایہ عورتوں کو اس کام کے لیے مقرر کر دیا تھا کہ جو عورتیں امید سے ہوں، ان کے پاس جائیں اور ان کے ہاں پیدائش کے اوقات کا علم رکھیں، چنانچہ جب بھی کسی عورت کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا تھا، وہ جلاد اسی وقت اسے ذبح کر دیتے تھے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ وہ لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیتا تھا کہ بنی اسرائیل کی طاقت نہ بڑھ جائے اور کسی لڑائی کے موقع پر وہ غالب نہ آ جائیں۔[1]

یہ بات محل نظر ہے، بلکہ واضح طور پر غلط ہے۔ یہ بات بچوں کے قتل کے اس حکم کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کے بعد جاری کیا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ ﴾

''پس جب ان کے پاس (موسیٰ) ہماری طرف سے (دین) حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں، ان کے لڑکوں کو تو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو۔'' (المؤمن: 25/40)

اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے کہا تھا:

﴿ اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ ﴾

''ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔''

[1] کتاب ''خروج'' باب: 1 فقرہ 10

(الأعراف: 129/7)

اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ فرعون نے بچوں کے قتل کا پہلا حکم موسیٰ علیہ السلام کے وجود میں آنے کے ڈر سے جاری کیا تھا۔

اِدھر فرعون کی یہ تدبیریں تھیں، اُدھر تقدیر اس پر ہنس رہی تھی اور کہہ رہی تھی: اے ظالم بادشاہ! جسے اپنی افواج کی کثرت پر، اپنے اقتدار کی طاقت پر اور وسیع سلطنت پر غرور ہے، اس عظیم خالق کی طرف سے جس کی تقدیر کا کوئی توڑ نہیں اور جس کے فیصلوں کو رد کرنے کی کسی کو مجال نہیں، یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ جس بچے سے تو خوف زدہ ہے، جس کی وجہ سے تو نے بے شمار معصوم بچوں کو قتل کیا ہے، وہ تیرے ہی گھر میں پرورش پائے گا اور تیرے ہی گھر میں کھائے پیئے گا، تو خود اُسے بیٹا بنا کر پالے گا اور رب کے بھیدوں کو نہیں جانے گا، پھر تیری دنیا اور آخرت کی تباہی اسی کے ہاتھوں ہوگی کیونکہ تو اس کے لائے ہوئے واضح حق کو جھٹلائے گا اور اس پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان نہ لائے گا' اور اس لیے بھی کہ تجھے بلکہ تمام مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ آسمانوں اور زمین کے مالک ہی کی یہ شان ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہی قدرت وقوت والا ہے، اسی کی مشیت ہر حال میں پوری ہو کر رہتی ہے۔

متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے کہ قبطیوں نے فرعون سے شکایت کی کہ بنی اسرائیل کے لڑکے قتل کرنے کی وجہ سے ان کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے اور خطرہ ہے کہ ان کے بڑے مرتے جائیں گے اور بچے قتل ہوتے جائیں گے تو ایک وقت آئے گا جب ہمیں وہ کام خود کرنے پڑیں گے جو بنی اسرائیل کرتے ہیں۔ تب فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال بچے قتل کیے جائیں اور ایک سال رہنے دیے جائیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل نہیں کیے جا رہے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل کیے جا رہے تھے۔ آپ کی والدہ فکر مند ہوئیں اور انہوں نے حمل کے ابتدائی ایام ہی سے احتیاط کی۔ ان سے حمل کی علامات بھی ظاہر نہ ہوئیں (جس کی وجہ سے دوسروں کو حمل کا علم نہ ہو سکا۔)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈال دیا کہ ان کے لیے ایک صندوق بنا لیں۔ آپ کا گھر نیل کے کنارے پر تھا۔ آپ نے صندوق کو ایک رسی سے باندھ دیا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلاتیں اور جب خطرہ محسوس کرتیں تو آپ کو صندوق میں ڈال کر دریا میں چھوڑ دیتیں۔ خود رسی کا سرا پکڑے رکھتیں۔ جب خطرہ دور ہو جاتا تو رسی کے ذریعے سے صندوق کھینچ کر بچے کو نکال لیتیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِــِٕيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی ڈر خوف یا رنج وغم نہ کرنا۔ ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے پیغمبروں میں سے بنانے والے ہیں۔ سو فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اُٹھا لیا' آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا۔ کچھ شک نہیں کہ فرعون، ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا: یہ تو میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں' اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔'' [1] (القصص: 28/7-9)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف جو وحی کی گئی اس وحی سے مراد الہام اور رہنمائی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۙ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ ﴾

''آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اونچی اونچی پردہ والی جگہوں میں اپنے گھر (چھتے) بنا' پھر ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی آسان راہوں پر چلتی پھرتی رہ۔'' (النحل: 16/68-69)

امام سُہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ''ایارخا'' یا ''ایاذخت'' تھا۔ ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ خوف وغم نہ کر' اگر یہ بچہ تیرے پاس سے چلا گیا تو اللہ تعالیٰ اسے تیرے پاس واپس لائے گا، اسے نبوت عطا فرمائے گا اور دنیا وآخرت میں اس کی شان بڑھائے گا' چنانچہ انہوں نے الہام کے ذریعے سے ملنے والے حکم کی تعمیل کی۔ ایک دن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو دریا میں ڈالا، لیکن اس کی رسی باندھنا بھول گئیں۔ صندوق دریائے نیل کے پانی میں بہتا چلا گیا، حتی کہ فرعون کے محل کے پاس سے گزرا تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اُٹھا لیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـــِٕيْنَ ﴾ ''آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا۔ کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ''لونڈیوں نے دریا میں بہتا ہوا صندوق نکال لیا لیکن اسے کھولنے کی جرأت نہ کی۔ بلکہ اسے فرعون کی ملکہ ''آسیہ'' کے سامنے پیش کر دیا۔ آسیہ (علیہا السلام) کا نسب یوں ہے: آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن

[1] تفسیر ابن کثیر' تفسیر سورة القصص' آیت: 1- 13

ولید۔ یہ ریان بن ولید وہی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ آسیہ علیہا السلام بنی اسرائیل ہی سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبیلے میں سے تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ آپ کی پھوپھی تھیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت آسیہ علیہا السلام کی عظمت ومقام کے بارے میں روایات حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ میں ذکر کی جائیں گی کیونکہ یہ دونوں خواتین جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی۔

حضرت آسیہ علیہا السلام نے جب صندوق کھولا اور کپڑا اٹھایا تو موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ انوارِ نبوت سے روشن نظر آیا۔ جب ان کی نظر آپ کے چہرہ اقدس پر پڑی تو ان کے دل میں آپ کی شدید محبت پیدا ہوگئی۔ جب فرعون آیا تو بولا: ''یہ کیا ہے؟'' اور اسے ذبح کر دینے کا حکم دے دیا۔ حضرت آسیہ علیہا السلام نے مزاحمت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ﴾ ''یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔'' فرعون نے کہا: ''تیرے لیے تو ہے، میرے لیے نہیں۔'' زبان کی کہی ہوئی بات حقیقت بن جایا کرتی ہے۔

آسیہ علیہا السلام نے کہا تھا: ﴿عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا﴾ ''بہت ممکن ہے یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے۔'' اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ فائدہ عطا فرما دیا جس کی انہوں نے امید ظاہر کی تھی۔ دنیا میں یہ فائدہ کہ انہیں آپ کی وجہ سے ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں یہ کہ آپ کی وجہ سے انہیں جنت میں ٹھکانا مل گیا۔ انہوں نے فرعون سے کہا: ﴿أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا﴾ ''یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔'' انہوں نے آپ کو اس لیے منہ بولا بیٹا بنالیا کہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ''اور وہ لوگ (انجام سے) بے خبر تھے۔'' انہیں معلوم نہ تھا کہ اللہ نے ان کے ہاتھوں موسیٰ علیہ السلام کو پانی سے نکلوا کر فرعون اور اس کی افواج کو تباہ کرنے کا بندوبست کر دیا ہے۔ [1]

اہل کتاب کے بیان کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے نکالنے والی فرعون کی بیٹی ''دربتہ'' تھی۔ ان کے ہاں فرعون کی بیوی کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ ان سے اللہ کی کتاب (تورات) میں غلطی ہوئی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو والدہ کی طرف لوٹانے کی الٰہی تدبیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں چلے گئے۔ ادھر ان کی والدہ محترمہ بیٹے کی جدائی اور فراق میں سخت غمگین ہوگئیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو تسلی دی اور آپ کا بیٹا نہایت خوبصورت تدبیر سے لوٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ

[1] حوالہ سابق

﴿الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَتْ لِأُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اور موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا۔ اگر ہم اُن کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا کہ وہ اس (قصے) کو ظاہر کر دیں (اور اس سے) غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں' اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا لہٰذا وہ اُسے دور سے دیکھتی رہی اور ان (لوگوں) کو کچھ خبر نہ تھی۔ اور ہم نے پہلے ہی سے اس پر (دائیوں کے) دودھ حرام کر دیے تھے' سو موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں کہ تمہارے لیے اس (بچے) کو پالیں اور اس کی خیر خواہی سے پرورش کریں۔ پس ہم نے اس طریق سے اُن (موسیٰ) کو اُن کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور معلوم کر لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اُن کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے۔'' (القصص: 28/10-13)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے فرمایا: ﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا﴾ ''موسیٰ کی والدہ کا دل خالی ہو گیا۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ کے سوا دنیا کے ہر کام اور خیال سے خالی ہو گیا (یعنی دل بہت بے قرار ہو گیا) ﴿كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ﴾ ''قریب تھا کہ اس واقعہ کو ظاہر کر دیتیں۔'' یعنی سب کے سامنے آپ کے بارے میں پوچھنے لگتیں ﴿لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا﴾ ''اگر ہم اس کے دل کو ڈھارس نہ دے دیتے۔'' یعنی صبر و ثبات سے نہ نوازتے۔ ﴿لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَقَالَتْ لِأُخْتِهٖ﴾ ''تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے۔ اور اس (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ) نے آپ کی بہن سے کہا۔'' یعنی اپنی بڑی بیٹی سے فرمایا: ﴿قُصِّيْهِ﴾ ''تو اس کے پیچھے پیچھے جا۔'' اور اس کے حالات معلوم کر کے مجھے بتا۔ ﴿فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ﴾ ''لہٰذا وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی۔'' قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی وہ انہیں اس انداز سے دیکھتی رہیں گویا مقصود ان کا خیال رکھنا نہیں (بلکہ اپنے کسی کام سے جا رہی ہیں) اس لیے فرمایا: ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ''اور ان (فرعونیوں) کو اس کا علم بھی نہ ہوا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے محل میں پہنچ گئے تو ان لوگوں نے آپ کو کچھ کھلانا پلانا چاہا۔ لیکن آپ نے نہ کسی عورت کا دودھ پیا اور نہ کوئی اور چیز قبول کی۔ وہ لوگ بہت پریشان ہوئے' آپ کو ہر طرح غذا دینے کی کوشش کی، لیکن آپ نے کچھ نہ کھایا پیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''ان کے پہنچنے سے پہلے ہم نے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔''

انہوں نے آپ کو عورتوں کے ہاتھ بازار بھیجا کہ شاید کوئی ایسی عورت مل جائے جو آپ کو دودھ پلا سکے۔ وہ لوگ وہاں کھڑے تھے اور عورتیں جمع تھیں کہ آپ کی ہمشیرہ نے آپ کو دیکھ لیا۔ انہوں نے یہ ظاہر نہ کیا کہ وہ آپ کو جانتی ہیں بلکہ کہا: ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾ ''کیا میں تمہیں ایسا گھرانا بتاؤں جو تمہارے

لیے اس بچے کی پرورش کرے اور ہوں بھی وہ اس بچے کے خیر خواہ؟'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے یہ بات کہی تو ان لوگوں نے کہا: ''تجھے کیا معلوم کہ وہ اس کے خیر خواہ ہوں گے اور اس پر شفقت کریں گے؟'' وہ بولیں: ''وہ بادشاہ کو خوش کرنا چاہیں گے اور اس سے فائدہ کی امید رکھیں گے۔''

تب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ ان کے گھر گئے۔ آپ کی والدہ نے آپ کو اُٹھالیا اور آپ کو دودھ پلانا چاہا تو آپ فوراً دودھ پینے لگے۔ وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ ایک آدمی نے جا کر فوراً آسیہ علیہا السلام کو خوشخبری دی۔ آسیہ علیہا السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو محل میں بلالیا اور انہیں وہیں رہنے کی پیشکش کی اور کہا کہ ان پر (ملکہ کی) نظر عنایت ہوگی۔

انہوں نے یہ پیشکش قبول کرنے سے معذرت کر لی اور عرض کی کہ میں بال بچوں والی عورت ہوں اور میرا خاوند بھی موجود ہے (اس لیے خاوند کی خدمت اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے مجھے اپنے گھر میں رہنا پڑے گا) میں تو دودھ پلانے کی خدمت اسی صورت میں انجام دے سکتی ہوں کہ آپ بچے کو میرے ساتھ ہی (میرے گھر) رہنے دیں۔ آسیہ علیہا السلام نے اجازت دے دی اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی تنخواہ مقرر کر دی۔ اس کے علاوہ انعام وخلعت سے نوازا۔ آپ بچے کو لے کر گھر آ گئیں اور اللہ نے بیٹے کو ماں سے ملا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ ''پھر ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ آزردہ خاطر نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔'' یعنی اللہ نے آپ کو واپس پہنچانے کا اور رسول بنانے کا وعدہ فرمایا تھا' تو اب واپس پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی رسالت کی خوشخبری بھی سچ ہے (جو ضرور پوری ہوگی) ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر انعامات ربانی

جس رات موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احسانات یاد دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى ۝ اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى ۝ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَیْنِیْ﴾

''ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی بڑا احسان کیا ہے۔ جب ہم نے تیری ماں کو وہ الہام کیا جس کا ذکر اب کیا جا رہا ہے

[1] تفسیر ابن کثیر' تفسیر سورۃ القصص' آیت: 13

کہ تو اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے، پس دریا اسے کنارے لا ڈالے گا اور میرا اور خود اس کا دشمن اسے لے لے گا' اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی تا کہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔'' (طٰہٰ:20/37-39)

یعنی تجھے آرام و آسائش کے ساتھ بہترین غذا اور بہترین لباس ملے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ تجھے میری خصوصی حفاظت حاصل ہے کیونکہ میں نے تجھ پر احسانات فرمائے اور تیرے لیے وہ کچھ مقدر فرمایا جس کی قدرت میرے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴾

'' (یاد کر) جب تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر تم کہو تو میں تمہیں بتاؤں جو اس کی کفالت کرے (اس تدبیر سے) ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچایا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا، اس پر بھی ہم نے تجھے غم سے بچالیا۔ غرض ہم نے تجھے اچھی طرح آزمالیا۔'' (طٰہٰ:20/40)

ان آزمائشوں کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کی اتفاقی ہلاکت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَ دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۗ۫ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ ۗ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴾

''اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا۔ نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور موسیٰ ایک ایسے وقت میں شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے تو یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں

سے' اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا، اس (موسیٰ) سے فریاد کی، جس پر موسیٰ نے اسے ایک ضرب لگائی، جس سے وہ مر گیا۔ موسیٰ کہنے لگے: یہ تو شیطانی کام ہے، یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے۔ (پھر دعا کرنے اور) کہنے لگے: اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما دے' سو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا۔ وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔ (موسیٰ) کہنے لگے: اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا، میں بھی اب ہرگز کسی گناہ گار کا مددگار نہ بنوں گا۔'' (القصص: 28/14-17)

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے آپ کی والدہ پر احسان فرمایا کہ آپ کو ان کے پاس واپس پہنچا دیا۔ اب یہ بیان ہو رہا ہے کہ جب آپ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے' یعنی جسمانی اور اخلاقی طور پر کمال کے درجہ تک پہنچ گئے' اکثر علماء کے نزدیک اس سے چالیس سال کی عمر مراد ہے' تب اللہ نے آپ کو حکمت اور علم یعنی نبوت و رسالت کا منصب عطا فرمایا جس کی بشارت آپ کی والدہ کو اس فرمان میں دی گئی تھی: ﴿ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ''ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے پیغمبر بنانے والے ہیں۔'' (القصص: 28/7)

قبطی کی موت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پشیمانی: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے نکل کر مدین کے علاقے میں پہنچنے کا باعث بنا۔ آپ وہیں قیام پذیر رہے حتی کہ مقررہ مدت ختم ہو گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے ہم کلام ہو کر آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا جیسے کہ آئندہ بیان ہو گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور موسیٰ ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔'' اس میں ''وقت'' کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ اور سُدّی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ''یہ دوپہر کا وقت تھا۔''[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم: ﴿ فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ﴾ ''یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا۔'' یعنی وہ آپس میں مار کٹائی کر رہے تھے۔ ﴿ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ ﴾ ''یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا۔'' یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا۔ ﴿ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ﴾ ''اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے'' یعنی قبطی تھا۔ ﴿ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ﴾ ''اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا، موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔'' اس کی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو مصر کے ملک میں ایک باوقار مقام حاصل تھا کیونکہ آپ کا فرعون سے ایک اہم تعلق قائم ہو چکا تھا جس نے آپ کو بیٹا بنایا تھا اور آپ نے اس کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل کو بھی عزت نصیب ہوئی تھی اور وہ سر اُٹھا کر چلنے لگے تھے کیونکہ وہ دودھ کے رشتہ سے خود کو آپ کے ننھیالی رشتہ دار سمجھتے تھے۔ جب اس اسرائیلی نے اس قبطی کے

[1] تفسیر ابن کثیر: 202/6 تفسیر سورۃ القصص' آیت: 15

خلاف موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تو آپ اس کی طرف مڑے اور ﴿ فَوَكَزَهٗ ﴾ ''اسے ایک ضرب لگائی۔'' یعنی مکا مارا یا ڈنڈا مارا۔ ﴿ فَقَضٰى عَلَيْهِ ﴾ ''جس سے وہ مر گیا۔''

وہ قبطی کافر تھا، اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا تھا۔ ویسے بھی موسیٰ علیہ السلام اسے قتل نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اسے تنبیہ کرنا اور روکنا چاہتے تھے۔ اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾ ''یہ تو شیطانی کام ہے۔ یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے۔ (پھر) کہنے لگے: اے میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، تو مجھے معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔ (موسیٰ) کہنے لگے: ﴿ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ ﴾ ''اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر کرم فرمایا۔'' یعنی قوت اور شان عطا فرمائی ہے ﴿ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴾ ''میں بھی اب ہرگز کسی گناہ گار کا مددگار نہ بنوں گا۔''

اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ؗ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ﴾

''موسیٰ صبح ہی صبح ڈرتے' اندیشہ کی حالت میں خبریں لینے کو شہر میں گئے کہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی' ان سے فریاد کر رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا: اس میں شک نہیں تو تو صریح گمراہ ہے۔ پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا چاہا تو وہ (فریادی) کہنے لگا: موسیٰ! کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا، مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تو تو ملک میں ظالم و سرکش ہونا چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا: موسیٰ! (یہاں کے) سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں پس تو (فوراً) چلا جا۔ میں یقیناً تیرا خیر خواہ ہوں۔'' (القصص: 28/18-20)

اس دن جب صبح کے وقت آپ شہر میں چل رہے تھے، تو کیفیت یہ تھی کہ آپ خوف محسوس کر رہے تھے اور ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ اچانک وہی اسرائیلی مل گیا جس نے کل آپ سے مدد چاہی تھی اور آپ سے فریاد کرنے لگا اور ایک اور آدمی کے خلاف آپ سے مدد مانگنے لگا، جس سے اس کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی بار بار کی شرارتوں کی بنا پر اسے ملامت کی اور اسے فرمایا: ﴿ اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ ''اس میں شک نہیں کہ تو تو صریح گمراہ ہے۔'' پھر آپ نے اس قبطی پر

ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کا بھی دشمن تھا اور اسرائیلی کا بھی، تا کہ اسے منع کریں اور اسرائیلی کو اس سے چھڑا لیں۔ جب آپ اس ارادے سے قبطی کی طرف بڑھے تو اس نے کہا: ﴿ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴾ ''موسیٰ! کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا، مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تو تو ملک میں ظالم و سرکش ہونا چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔''

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ بات اس اسرائیلی نے کہی تھی جس نے موسیٰ علیہ السلام کا گزشتہ روز کا واقعہ دیکھا تھا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس نے جب موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کی طرف بڑھتے دیکھا تو یہ سمجھا کہ وہ خود اس (اسرائیلی) کو سزا دینا چاہتے ہیں، کیونکہ آپ اسے فرما چکے تھے: ﴿ اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ ''تو تو صریح گمراہ ہے۔'' اس لیے اس شخص نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات کہہ کر کل والا راز فاش کر دیا اور قبطی نے فوراً فرعون کے پاس جا کر موسیٰ کی شکایت کر دی۔

اکثر علمائے کرام نے یہی تشریح بیان کی ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کلام قبطی کا ہو۔ اس نے جب آپ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ڈر گیا۔ اس نے اندازے سے یہ بات کہہ دی کہ ممکن ہے کل والے مقتول کو موسیٰ علیہ السلام ہی نے قتل کیا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسرائیلی نے فریاد کرتے وقت ایسے الفاظ استعمال کیے ہوں جس سے قبطی کو حقیقت کا علم ہو گیا ہو۔ (واللہ اعلم)

الغرض فرعون کو معلوم ہو گیا کہ وہ شخص موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے آپ کی گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے۔ لیکن ایک وفادار آدمی ان سے پہلے قریب کے راستے سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔ جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ ''شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا اور کہنے لگا اے موسیٰ! سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں پس تو اس شہر سے چلا جا، میں یقیناً تیرا خیرخواہ ہوں۔'' اس لیے یہ بات بتا رہا ہوں۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین تشریف لے جاتے ہیں

جب موسیٰ علیہ السلام کے اتفاقی قتل کی خبر بادشاہ تک پہنچ گئی اور اس نے آپ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو آپ خوفزدہ ہو کر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۧ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۞ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۡ وَ

[1] تفسیر ابن کثیر، سورۃ القصص، آیت: 18-21

وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۖ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝

''پس موسیٰ وہاں سے خوف زدہ ہو کر دیکھتے بھالتے نکل کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: اے پروردگار! مجھے ظالموں کے گروہ سے بچا لے۔ اور جب مدین کا رُخ کیا تو کہنے لگے: مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا۔ جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں الگ کھڑی (اپنے جانوروں کو) روک رہی ہیں۔ پوچھا: تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ بولیں: جب تک یہ چرواہے واپس نہ چلے جائیں، ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔ پس آپ نے خود ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا' پھر سائے کی طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے: اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں۔'' (القصص: 28/21-24)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول اور اپنے کلیم کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ وہ مصر سے نکلے تو اِدھر اُدھر دیکھتے بھالتے نکلے۔ آپ خوف محسوس کر رہے تھے کہ فرعون کی قوم کا کوئی شخص آپ تک پہنچ جائے۔ آپ کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کس طرف رخ کریں اور کون سی راہ اختیار کریں کیونکہ اس سے پہلے کبھی مصر سے باہر نہیں گئے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ﴾ ''اور جب مدین کا رُخ کیا۔'' یعنی ایک راہ پر چل دیئے' تو کہنے لگے: ﴿عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ ''مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا۔'' یعنی امید ہے کہ اس راہ سے وہ منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے اور ایسے ہی ہوا۔ انہیں منزل مل گئی اور کتنی عظیم منزل مل گئی! ﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ﴾ ''جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے۔'' یعنی اس کنویں پر جا پہنچے جس سے لوگ جانوروں کو پانی پلاتے تھے۔ مدین وہی شہر ہے جس میں اصحاب الایکہ اللہ کے عذاب کی وجہ سے تباہ ہوئے۔ یہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھے۔ ایک قول کے مطابق ان کی ہلاکت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے پہلے ہو چکی تھی۔

جب آپ اس کنویں پر پہنچے تو: ﴿وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۡ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ﴾ ''دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں الگ کھڑی (اپنے جانوروں کو) روک رہی ہیں۔'' یعنی اپنی بکریوں کو روک رہی ہیں کہ لوگوں کی بکریوں میں نہ مل جائیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ وہ سات لڑکیاں تھیں لیکن یہ غلط ہے۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ شعیب علیہ السلام کی سات لڑکیاں ہوں، لیکن جانوروں کو پانی پلانے کا کام دو ہی کرتی تھیں۔ یہ توجیہ ممکن ہے بشرطیکہ سات کی روایت قابل اعتماد ہو ورنہ قرآن کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو ہی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ﴿مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۖ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ﴾ ''تمہارا کیا

معاملہ ہے؟ وہ بولیں: جب تک چرواہے واپس نہ چلے جائیں' ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔'' یعنی ہم کمزور عورتیں ہونے کی وجہ سے بکریوں کو اس وقت پانی نہیں پلاسکتیں جب تک چرواہے پانی پلانے سے فارغ نہ ہو جائیں اور ہمیں خود بکریاں چرانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ ابا جان بوڑھے اور کمزور ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَسَقٰی لَهُمَا ﴾ ''پس آپ نے خود ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔'' ﴿ ثُمَّ تَوَلّٰۤی اِلَی الظِّلِّ ﴾ ''پھر سائے کی طرف ہٹ آئے۔'' مفسرین کہتے ہیں یہ کیکر کے درخت کا سایہ تھا۔ اس وقت آپ نے دعا کی: ﴿ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴾ ''اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں۔''[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محفوظ مقام میسر آ گیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام طویل سفر کے بعد تھکے ہارے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی جو فوری قبول ہوگئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٙ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ○ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ○ ﴾

''اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی۔ کہنے لگی: میرے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں۔ جب (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے: اب نہ ڈرو! تم نے ظالم قوم سے نجات پائی۔ ان دونوں میں سے ایک نے کہا: اباجی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجیے کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں، ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو۔ اس بزرگ نے کہا: میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں۔ ہاں! اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے (بطور احسان) ہے، میں یہ ہرگز نہیں چاہتا

[1] تفسیر ابن کثیر' تفسیر سورۃ القصص' آیت: 21-24

کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں، اللہ کو منظور ہے تو آگے چل کر آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے۔ موسیٰ نے کہا: خیر! تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہوگئی۔ میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، اس پر اللہ (گواہ اور) کارساز ہے۔'' (القصص: 28/25-28)

جب موسیٰ علیہ السلام سائے میں بیٹھے اور فرمایا: ﴿رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ﴾ ''اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں۔'' تو ان خواتین نے یہ بات سن لی۔ جب وہ والد کے پاس پہنچیں تو انہیں اتنی جلدی واپس آ جانے پر تعجب ہوا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیش آمدہ واقعہ بیان کیا۔ والد نے ایک کو حکم دیا کہ جا کر ان کو بلا لائے۔ ﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ﴾ ''تو ان دونوں عورتوں میں سے ایک' شریف زادیوں کی طرح' شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی۔ کہنے لگی: ﴿اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا﴾ ''میرے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے، اس کی اجرت دیں۔''

اس نے واضح طور پر وجہ بیان کر دی تاکہ اس کی بات سے کوئی غلط فہمی یا شک وشبہ پیدا نہ ہو۔ یہ بھی اس خاتون کی حیا اور پاک دامنی کا مظہر ہے۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ﴾ ''جب (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا۔'' اور بتایا کہ مصر کے بادشاہ فرعون کے ڈر سے اپنا وطن، مصر، چھوڑ کر نکلے ہیں۔ تو وہ بزرگ کہنے لگے: ﴿لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ''اب نہ ڈر! تو نے ظالم قوم سے نجات پائی۔'' یعنی اب ان کے دائرہ اختیار سے باہر آ گئے ہیں کیونکہ اب آپ ان کی سلطنت کی حدود میں نہیں۔

بزرگ نے آپ کی مہمان نوازی کی اور عزت واحترام سے رکھا اور آپ کا واقعہ سن کر خوش خبری دی کہ آپ ان سے نجات پا چکے ہیں۔ تب ایک لڑکی نے اپنے والد سے کہا: ﴿یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ﴾ ''ابا جی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجیے۔'' تاکہ وہ آپ کی بکریاں چرائیں۔ پھر آپ کی یہ خوبی بیان کی کہ وہ طاقتور اور دیانت دار ہیں۔

حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور دیگر علماء سے روایت ہے کہ جب اس نے یہ بات کہی تو اس کے والد نے پوچھا: ''تجھے اس کی قوت وامانت کی کیا خبر؟'' اس نے کہا: ''جو بھاری پتھر دس آدمی اُٹھاتے ہیں، انہوں نے اکیلے ہی اُٹھا لیا (اس سے مجھے ان کی طاقت کا اندازہ ہوا) اور جب میں انہیں لے کر آ رہی تھی تو میں آگے چل رہی تھی۔ انہوں نے کہا: ''میرے پیچھے چلو، جب راستہ مڑنا ہو تو مجھے راستہ بتانے کے لیے اس طرف کنکری پھینک دینا۔''[1]

جب موسیٰ علیہ السلام ان کے گھر پہنچے تو اس بزرگ نے کہا: ﴿اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ۭ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ ''میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج

[1] تفسیر ابن کثیر: 206/6 تفسیر سورۃ القصص' آیت: 25-28

کریں۔ ہاں اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے (بطور احسان) ہے، میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں۔ اللہ کو منظور ہے تو آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے۔''

بعض علماء نے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ روٹی کپڑے پر مزدوری کرنا درست ہے جیسے کہ معروف رواج ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴾ ''موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہوگئی۔ میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ (گواہ اور) کارساز ہے۔'' یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سسر سے فرمایا: آپ نے جو بات کہی وہ درست ہے۔ میں جونسی مدت پوری کروں، مجھے اس کا حق ہوگا۔ اس سلسلے میں مجھ پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ ہماری مفاہمت پر اللہ گواہ ہے جو سب کچھ سن رہا ہے۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ مدت پوری کی، یعنی پورے دس سال ان کی خدمت کی۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: مجھ سے حیرہ کے ایک یہودی نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کونسی مدت پوری کی تھی؟ میں نے کہا: ''مجھے تو معلوم نہیں' البتہ میں عرب کے بڑے عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے دریافت کروں گا۔'' تو میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا: ''آپ نے زیادہ اور بہتر مدت مکمل کی تھی۔ اللہ کا رسول جب کوئی بات کہہ دے تو اسے پوری کرتا ہے۔''[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے پاس مقررہ مدت پوری کی اور پھر اپنی زوجہ محترمہ کو ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں کلیم اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ

[1] صحيح البخاري' الشهادات' باب' حديث: 2684

الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىِٕهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴾

''جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے: ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارا لاؤں تا کہ تم سینک لو۔ پس جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے انہیں آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں، سارے جہانوں کا پروردگار۔ اور یہ (بھی آواز آئی) کہ اپنا عصا پھینک دے۔ پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھنپھنا رہا ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑ کر رخ بھی نہ کیا۔ (ہم نے کہا:) اے موسیٰ! آگے آ، ڈر مت، یقیناً تو (ہر طرح) امن والا ہے۔ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال، وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے بالکل سفید (چمکتا ہوا) نکلے گا۔ اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے پس یہ دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں، فرعون اور اس کی جماعت کی طرف' یقیناً وہ سب کے سب نافرمان لوگ ہیں۔'' (القصص: 28/29-32)

جب موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری کر لی تو اپنے گھر والوں سمیت واپس مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں رات ہو گئی' رات تاریک اور سرد تھی' وہ راستہ بھول کر معروف راہ سے ہٹ گئے۔ ان حالات میں آپ کو طور کے دامن میں آگ روشن نظر آئی۔ آپ اپنے گھر والوں سے کہنے لگے: ﴿ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ﴾ ''ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے۔'' معلوم ہوتا ہے کہ یہ آگ صرف آپ کو نظر آئی تھی' آپ کے اہل کو نہیں' کیونکہ یہ اصل میں نور تھا جسے ہر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ﴿ لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ ﴾ ''بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں۔'' یعنی وہاں مجھے جو کوئی ملے، اس سے راستہ پوچھ لوں یا آگ کا کوئی انگارا لاؤں تا کہ تم سینک لو۔'' معلوم ہوا کہ وہ رات سرد اور تاریک تھی' جیسے سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہے:

﴿ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى ۘ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴾

''کیا آپ کو موسیٰ کا قصہ معلوم ہے؟ جب اس نے آگ دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا: تم ذرا سی دیر ٹھہر جاؤ۔ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں اس کا کوئی انگارا تمہارے پاس لاؤں یا آگ کے پاس رہنمائی میسر ہو۔'' (طٰہٰ: 20/9-10)

اس سے معلوم ہوا کہ وہاں اندھیرا تھا اور وہ راستہ بھول گئے تھے۔ سورۂ نمل میں بھی ان سب باتوں کا ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ

﴿ تَصْطَلُوْنَ ۝ ﴾
''جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں سے کوئی خبر لے کر یا آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارا لے کر جلد تمہارے پاس آ جاؤں گا تاکہ تم تاپ سکو۔'' (النمل: 7/27)

وہ واقعی ایک خبر لے کر آئے، وہ کتنی عظیم خبر تھی! انہیں رہنمائی بھی ملی اور کتنی عظیم الشان تھی وہ رہنمائی! انہوں نے وہاں سے ایک بے مثال روشنی حاصل کی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''پس جب وہ وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے انہیں آواز دی گئی: اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں، سارے جہانوں کا پروردگار۔'' (القصص: 30/28)

سورۂ نمل میں ارشاد ہے:

﴿ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو اس (آگ) میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اس کے آس پاس ہے اور پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔'' (النمل: 8/27)

یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو فیصلے چاہتا ہے نافذ فرماتا ہے۔ اے موسیٰ! (سن!) ﴿ اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ ''بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ' غالب' حکمت والا ہوں۔'' (النمل: 9/27) سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہے:

﴿ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝ ﴾

''جب وہ وہاں پہنچے تو انہیں آواز دی گئی: اے موسیٰ! یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں، تو اپنی جوتیاں اتار دے کیونکہ تو پاک میدان طویٰ میں ہے اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے، اب جو وحی کی جائے اسے کان لگا کر سن! بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو۔ پس تجھے اس (کے یقین) سے کوئی ایسا شخص روک نہ دے، جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی

خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہو، ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔" (طٰہٰ : 20/11-16)

مفسرین فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کی طرف چلے جو انہیں نظر آئی تھی۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک کانٹے دار درخت میں آگ کے شعلے نظر آ رہے ہیں، لیکن درخت زیادہ سے زیادہ سرسبز ہوتا جا رہا ہے۔ آپ تعجب سے وہیں ٹھہر گئے۔ وہ درخت آپ کی دائیں طرف پہاڑ کے مغربی پہلو میں تھا۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴾

"اور طور کے مغربی جانب، جبکہ ہم نے موسیٰ کو احکام کی وحی پہنچائی تھی، نہ تو موجود تھا اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا۔" (القصص: 28/44)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وادی میں تھے، اس کا نام طویٰ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ قبلہ (یعنی جنوب) کی طرف تھا۔ وہ درخت آپ کے دائیں طرف مغرب کی سمت تھا۔ اس مقدس وادی طویٰ میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام کیا۔ پہلے جوتے اتارنے کا حکم دیا، اس کا مقصد اس مقدس مقام کا احترام تھا۔ بالخصوص اس مبارک رات میں تو اس مقام کو مزید تقدس اور برکت حاصل ہو گئی تھی۔ [1]

بائبل میں لکھا ہے کہ روشنی اس قدر شدید تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نظر ختم ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا، چنانچہ آپ نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور معجزات

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ یہ دنیا فانی ہے' دائمی گھر قیامت کو ملے گا جو یقیناً قائم ہونے والی ہے۔ ﴿ لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴾ "تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو۔" یعنی نیکی اور بدی کا بدلہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دن کے لیے عمل کرنے کی ترغیب دی اور ایسے لوگوں سے الگ رہنے کی ہدایت فرمائی جو اپنے مالک کی نافرمانی کرتے ہیں اور اپنے دل کی خواہش کے پیچھے چلتے ہیں۔ پھر اپنی قدرت کے اظہار کے لیے اور اپنی [كُنْ فَيَكُونُ] کی شان دکھانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ﴾ (طٰہٰ: 20/17) "اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں یہ کیا ہے؟" کیا یہ وہی لاٹھی نہیں جو تیری دیکھی بھالی ہے جب سے تجھے ملی ہے؟ جواب دیا: ﴿ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴾ (طٰہٰ: 20/18) "یہ میری لاٹھی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑ لیا کرتا ہوں' اس میں مجھے اور بھی بہت فائدے ہیں۔"

[1] تفسیر ابن کثیر' تفسیر سورۃ القصص' آیت: 31-32

یعنی یہ وہی لاٹھی ہے جسے میں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ فرمایا: ﴿اَلْقِهَا یٰمُوْسٰى ۞ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰى﴾ ''اے موسیٰ! اسے نیچے ڈال دے' چنانچہ ان کے ڈالتے ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی۔'' (طٰہٰ: 20/19-20) یہ ایک عظیم معجزہ تھا اور اس بات کی قاطع دلیل تھی کہ آپ سے کلام کرنے والا وہی اللہ ہے جو اپنے امر ''کُنْ'' سے ہر چیز کو پیدا کرتا ہے اور اسے ہر کام کی طاقت حاصل ہے۔

بائبل میں مذکور ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ آپ کو ایسی واضح نشانی عطا فرمائی جائے جس سے اہل مصر کے سامنے آپ کی صداقت واضح ہو جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟'' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ میری لاٹھی ہے۔'' فرمایا: ''اسے زمین پر پھینک دیں۔'' آپ نے لاٹھی زمین پر پھینک دی تو وہ دوڑنے بھاگنے والا سانپ بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر بھاگے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہاتھ بڑھا کر اس کی دم پکڑ لیں۔ جب آپ نے اسے اچھی طرح پکڑ لیا تو وہ آپ کے ہاتھ میں پھر لاٹھی بن گئی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ۭ﴾ ''اور یہ کہ اپنا عصا پھینک دے۔ پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھنپھنا رہا ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑ کر رخ بھی نہ کیا۔'' (القصص: 28/31) یعنی وہ ایک بہت بڑا سانپ بن گئی، جس کی جسامت بہت بڑی تھی اور بڑے بڑے دانت تھے۔ اس کے باوجود اس کی حرکت تیز رفتار پتلے سانپ کی طرح تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگے، کیونکہ انسانی فطرت کا یہی تقاضا تھا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دے کر فرمایا: ﴿یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ﴾ ''اے موسیٰ! آگے آ، ڈر مت، یقیناً تو (ہر طرح) امن والا ہے۔''

جب آپ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۣ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ ''بے خوف ہو کر اسے پکڑ لے، ہم اسے اس کی پہلی صورت میں دوبارہ لے آئیں گے۔'' (طٰہٰ: 20/21) کہتے ہیں: آپ کو سخت خوف محسوس ہوا۔ آپ نے اپنا ہاتھ قمیص کی آستین میں ڈالا اور کپڑے میں لپیٹ کر اس کے منہ کے درمیان رکھا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ نے اس کی دم پکڑ لی۔ جب اسے اچھی طرح پکڑ لیا، تو وہ پہلے کی طرح دو شاخوں والا عصا بن گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالیں' جب نکالا تو وہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ یہ سفیدی پھلبہری وغیرہ کے مرض کی وجہ سے نہیں تھی۔[2] اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ

---

[1] خروج، باب: 4، فقرہ: 2، 3، 4

[2] بائبل کے الفاظ یہ ہیں: ''پھر خداوند نے اس سے یہ بھی کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر ڈھانک لے۔ اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر اسے ڈھانک لیا اور جب اسے نکال کر دیکھا تو اس کا ہاتھ کوڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔'' (خروج، باب: 4، فقرہ: 6، یہ بائبل کے مصنفین کی غلطی ہے)

﴿ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ ﴾ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ''اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال۔ وہ سفید چمکیلا نکلے گا بغیر کسی عیب کے۔ اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے۔'' (القصص: 32/28) کہا جاتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تجھے خوف محسوس ہو تو اپنے دل پر ہاتھ رکھ لے، تجھے تسکین ہو جائے گی۔

سورۂ نمل میں فرمایا:

﴿ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴾

''اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال۔ وہ سفید چمکیلا نکلے گا بغیر کسی عیب کے' یہ نو نشانیوں میں سے ہے' (ان کے ساتھ) فرعون اور اس کی قوم کی طرف جا۔ یقیناً وہ نافرمانوں کا گروہ ہے۔'' (النمل: 12/27)

عصا اور ہاتھ کے معجزے کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: ﴿ فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ﴾ ''پس یہ دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں، فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف۔'' (القصص: 32/28) ان کے ساتھ سات نشانیاں اور تھیں۔ یہ وہ نو نشانیاں ہیں، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ فَاسْأَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا ﴾

''اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں۔ سو بنی اسرائیل سے دریافت کر لو۔ جب وہ اُن کے پاس آئے تو فرعون نے اُن سے کہا کہ اے موسیٰ! میں خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا ان کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو۔ اور اے فرعون! میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔'' (بنی إسرائيل: 17/101-102)

سورۂ اعراف میں ان کی تفصیل اس طرح مذکور ہے:

﴿ وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴾

''اور ہم نے فرعونیوں کو قحطوں اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا تا کہ نصیحت حاصل کریں۔ سو جب اُن کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔ دیکھو اُن کی بدشگونی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے لیکن اُن میں اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی بھی نشانی لے آ ؤ تا کہ اس سے ہم پر جادو کرو' مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ سو ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون' کتنی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی مجرم۔''

(الأعراف: 7/130-133)

یہ نو نشانیاں دس احکام سے مختلف ہیں۔ بعض لوگوں نے ان دونوں معاملات کو خلط ملط کر دیا ہے جبکہ یہ الگ الگ ہیں۔

فرعون کو دعوت کا حکم اور موسیٰ علیہ السلام کی التجا: بہر حال جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۡ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾

''اے پروردگار! اُن میں سے ایک شخص میرے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے' سو مجھے خوف ہے کہ وہ (کہیں) مجھ کو مار نہ ڈالیں اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) اُس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے' لہٰذا اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے، مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔ (اللہ نے) فرمایا ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔ سو ہماری نشانیوں کے سبب وہ تم تک پہنچ نہ سکیں گے (اور) تم اور جنہوں نے تمہاری پیروی کی' غالب رہو گے۔'' (القصص: 28/33-35)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے جب ایک قبطی قتل ہو گیا تو آپ فرعون کے ظلم سے بچنے کے لیے مصر سے نکل گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی دشمن کے پاس جانے کا حکم دیا تو آپ نے فرمایا: ﴿رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۡ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ﴾ ''پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا، اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر ڈالیں۔ اور میرا بھائی ہارون مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے، تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے۔ مجھے تو خوف ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے۔'' یعنی اسے میرا مددگار اور وزیر مقرر فرما دے تا کہ تیرا پیغام ان لوگوں تک پہنچانے میں وہ میری مدد کرے' اس لیے کہ وہ میری نسبت زیادہ فصاحت و بلاغت سے بات کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا﴾ ''ہم

تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔ فرعونی تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے (بسبب ہماری نشانیوں کے۔'') یعنی چونکہ تم ہماری آیات پر عمل کرتے ہو اس لیے وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ہماری آیات کی برکت سے ﴿ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴾ ''تم دونوں اور تمہاری اتباع کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔''

سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۔ وَيَسِّرْ لِيْۤ اَمْرِيْ ۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۔ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴾

''تم فرعون کے پاس جاؤ (کہ) وہ سرکش ہو رہا ہے۔ کہا: میرے پروردگار! (اس کام کے لیے) میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ وہ میری بات سمجھ لیں۔'' (طٰہٰ :20/24-28)

آپ کی زبان میں کچھ لکنت رہ گئی تھی۔ اسی وجہ سے فرعون نے بزعم خویش حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عیب کا ذکر کیا تھا: ﴿ وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴾ ''اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔'' (الزخرف :43/52) یعنی اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کر سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید التجا کی:

﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۔ هٰرُوْنَ اَخِي ۔ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِيْ ۔ وَاَشْرِكْهُ فِيْۤ اَمْرِيْ ۔ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۔ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۔ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۔ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴾

''میرا وزیر (معاون) میرے کنبے میں سے کر دے یعنی میرے بھائی ہارون کو۔ اس کے ذریعے میری قوت بڑھا دے اور اسے میرا شریک کار کر دے تا کہ ہم دونوں بکثرت تیری تسبیح بیان کریں اور بکثرت تجھے یاد کریں۔ بے شک تو ہمیں دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! تیرے تمام سوالات پورے کر دیے گئے۔'' (طٰہٰ :20/29-36)

یعنی ہم نے آپ کی ساری دعائیں قبول کر لیں اور جو جو کچھ آپ نے مانگا، ہم نے دے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ نے اپنے بھائی کے حق میں نبوت کی دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرما دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴾ ''اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔'' (الأحزاب: 33/69) اور فرمایا: ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴾ ''اور اپنی خاص مہربانی سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا فرمایا۔'' (مریم :19/53)

کچھ لوگ حج کی ادائیگی کے لیے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ ایک آدمی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا ہے: ''کون سے بھائی نے اپنے بھائی پر سب سے بڑا احسان کیا؟'' وہ لوگ خاموش رہے۔ (جواب نہ دے سکے) ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اپنے محمل کے قریب کے افراد کو (اس سوال کا جواب بتاتے ہوئے) فرمایا: ''وہ

موسیٰ بن عمران تھے جنھوں نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے حق میں دعا کی تو اُن کی طرف بھی وحی نازل ہونے لگی۔[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴾ ''ہم نے اپنی خاص مہربانی سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا فرما دیا۔''

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون کے دربار میں پہنچ کر اسے دعوت توحید دیتے ہیں اور بنی اسرائیل پر ظلم وستم بند کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جبکہ فرعون حقارت سے یہ بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۙ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ؕ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۚ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ؕ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۙ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ ظالم قوم کے پاس جا' قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ پرہیز گاری اختیار نہ کریں گے؟ موسیٰ نے کہا: میرے پروردگار! مجھے تو خوف ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے، میری زبان چل نہیں رہی، پس تو ہارون کی طرف بھی (وحی) بھیج' اور میرے ذمے ان کا ایک قصور بھی ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار نہ ڈالیں۔ باری تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز ایسا نہ ہوگا! تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، ہم خود سننے والے ہیں' تمہارے ساتھ ہیں۔ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو: ''ہم بلاشبہ رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے۔ فرعون نے کہا: کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟ اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟ پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔'' (الشعراء: 26/10-19)

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر اسے توحید کا پیغام دیں کہ وہ صرف اکیلے اللہ کی عبادت کرے جس کا کوئی شریک نہیں اور بنی اسرائیل کو اپنے قبضے اور تسلط سے آزاد کرے۔ وہ جہاں چاہیں جا کر اپنے رب کی عبادت کریں اور اس کی توحید پر کاربند رہتے ہوئے اس سے دعا والتجا میں مشغول ہو

[1] تفسیر ابن کثیر' تفسیر سورة طه' آیت: 29-32

جائیں۔ فرعون پر فخر و تکبر کے جذبات غالب آ گئے۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا: ''کیا تو وہی نہیں جسے ہم نے اپنے گھر میں پالا اور طویل عرصہ تک تجھ سے حسن سلوک کرتے ہوئے انعامات کی بارش کیے رکھی؟''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس فرعون کے پاس سے آپ فرار ہوئے تھے، اسی کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اس کے برعکس اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ جس فرعون کے دور میں مصر سے نکل کر مدین تشریف لے گئے تھے، وہ آپ کے مدین میں مقیم ہونے کے دوران میں مر گیا تھا۔ اور نبوت ملنے کے بعد جس کے پاس گئے وہ اور فرعون تھا۔[1]

﴿ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِىْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔'' یعنی تو نے قبطی آدمی کو قتل کیا اور ہمارے پاس سے بھاگ گیا اور ہمارے احسانات کا منکر ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾ ''میں نے یہ کام اس وقت کیا تھا جب میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔'' (الشعراء: 20/26) یعنی اس وقت مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ ﴿ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِىْ رَبِّىْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِىْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ''پھر تم سے خوف کھا کر میں تم میں سے بھاگ گیا۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم (وعلم) عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں میں سے کر دیا۔'' (الشعراء: 21/26)

پھر فرعون نے آپ پر پرورش اور حسن سلوک کا جو احسان جتلایا تھا، اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

﴿ وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''مجھ پر تیرا کیا یہی وہ احسان ہے جسے تو جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟'' (الشعراء: 22/26) یعنی تو نے مجھ ایک فرد پر جو احسان کیا ہے، کیا تو اپنے اس ظلم کے مقابلے میں اس کا ذکر کر سکتا ہے کہ تو نے ایک پوری قوم کو غلام بنا کر اپنی خدمت میں لگا رکھا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء کی مندرجہ ذیل آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ بیان فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِىْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

''فرعون نے کہا: رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ فرعون نے اپنے اردگرد والوں سے کہا: کیا تم سن نہیں رہے؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ فرعون نے کہا: (لوگو!) تمہارا یہ رسول

[1] بائبل کی کتاب خروج، باب: 2، فقرہ: 23 میں اس فرعون کے مرنے کا ذکر ہے جس کے دور حکومت میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور باب: 3 میں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کا ذکر ہے۔

جوتمہاری طرف بھیجا گیا ہے، یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: وہی مشرق ومغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔" (الشعراء: 26/23-28)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہونے والا مکالمہ اور مناظرہ بیان فرمایا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی عقلی اور حسی دلیل کا ذکر کیا ہے جو آپ نے فرعون کو پیش کی۔

فرعون اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود کا انکار کرتا تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ وہ خود معبود ہے' چنانچہ اس نے سب کو جمع کر کے اعلان کیا۔ ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ "تم سب کا سب سے بلند وبالا رب میں ہی ہوں۔" (النازعات: 79/24) دوسرے مقام پر اس طرح سے اس اعلان کو بیان کیا: ﴿ يٰاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ﴾ "اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔" (القصص: 28/38)

وہ محض ہٹ دھرمی کی بنیاد پر یہ بات کہہ رہا تھا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ وہ ایک بندہ ہے، جو کسی اور کے سایۂ ربوبیت میں ہے اور اللہ ہی خالق اور سچا معبود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾

"انہوں نے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کر دیا' حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔ پس دیکھ لیجیے ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟" (النمل: 27/14)

اسی وجہ سے اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے اور یہ اظہار کرنے کے لیے کہ آپ کو مبعوث فرمانے والے کسی رب کا کوئی وجود نہیں، یہ کہا: ﴿ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ "رب العالمین کیا ہوتا ہے؟" کیونکہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے فرمایا تھا: ﴿ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ "ہم بلاشبہ رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔" گویا وہ کہہ رہا تھا کہ وہ رب العالمین کون ہے جس کے بارے میں تمہارا دعویٰ ہے کہ اس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا: ﴿ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴾ "وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔" یعنی جہانوں کا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، جو تمہاری نظروں کے سامنے ہیں' اور ان کے درمیان بہت سی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ مثلاً: بادل، ہوائیں، بارش، نباتات اور حیوانات جن کے بارے میں ہر یقین رکھنے والا جانتا ہے کہ یہ خود بخود وجود میں نہیں آ گئے، لازماً کوئی انہیں وجود بخشنے والا اور پیدا کرنے والا ہے اور وہ اللہ رب العالمین ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

فرعون نے اپنے وزیروں، امیروں اور درباریوں سے کہا: ﴿ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴾ "کیا تم سن نہیں رہے؟" یعنی موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: کیا تم اس کی بات سن رہے ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ "وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔" مطلب یہ ہے

کہ اسی نے تمہیں اور تم سے پہلے تمہارے آباء واجداد کو پیدا کیا تھا۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ فرعون نے اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا، نہ ماں باپ کو پیدا کیا، نہ وہ کسی پیدا کرنے والے کے بغیر وجود میں آ گیا۔ بلکہ اسے اللہ نے پیدا کیا ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ انہیں دو نکتوں کی طرف اس فرمان میں توجہ دلائی گئی ہے: ﴿ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ ''عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی، یہاں تک کہ اُن پر کھل جائے کہ حق یہی ہے۔'' (حم السجدة: 53/41)

اس کے باوجود فرعون اپنی مدہوشی سے ہوش میں نہ آیا اور گمراہی کو ترک نہ کیا بلکہ سرکشی، عناد اور کفر پر اڑا رہا۔ اس نے کہا: ﴿ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴾ ''(لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ ''وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔'' یعنی یہ چمکتے ستارے، یہ گردش کرتے آسمان اسی کے حکم کے پابند ہیں، وہ نور و ظلمت کا خالق ہے، زمین و آسمان کا مالک ہے' وہ پہلوں، پچھلوں کا رب ہے، سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کا پیدا کرنے والا ہے' اسی نے رات کو اور اس کے اندھیرے کو پیدا کیا، اسی نے دن کو اور اس کے اجالے کو بھی پیدا کیا۔ سب اسی کے حکم سے، اسی کے قانون کے مطابق چل رہے ہیں' اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں، اپنے اپنے وقت پر طلوع اور غروب ہو رہے ہیں' وہی خالق و مالک ہے جو اپنی مخلوقات میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

فرعون کی موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی: فرعون جب دلائل کے میدان میں شکست کھا گیا، اس کے شبہات کا واضح جواب مل گیا اور اس کے پاس عناد اور ضد کے سوا انکار کی کوئی بنیاد نہ رہی تو اس نے اپنی بادشاہت، اقتدار اور اختیارات کا رعب ڈالنا چاہا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ۝ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ۝ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ۝ ﴾

''فرعون کہنے لگا: (سن لے!) اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کروں گا۔ موسیٰ نے کہا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی کھلی چیز لے آؤں تو بھی؟ فرعون نے کہا: اگر تو سچوں میں ہے تو اسے پیش کر۔ آپ نے اسی وقت اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی، جو اچانک زبردست اژدہا بن گئی اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اس وقت دیکھنے والوں کو سفید چمکیلا نظر آنے لگا۔'' (الشعراء: 26/29-33)

یہ وہ دو معجزے ہیں، جن کے ساتھ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی' یعنی عصا اور ید بیضا۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایسی خرقِ عادت اشیا ظاہر فرمائیں جن کو دیکھ کر عقلیں ششدر رہ گئیں اور آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ جب آپ نے اپنی لاٹھی

زمین پر پھینکی تو وہ بہت بڑا خوفناک سانپ بن گئی۔ یہ منظر اتنا دہشت زدہ کرنے والا تھا کہ ایک قول کے مطابق یہ معجزہ دیکھ کر فرعون شدید خوف زدہ ہو گیا۔

اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چاند کے ٹکڑے کی طرح چمک رہا تھا اور اس کے نور سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ جب آپ نے دوبارہ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ عام حالت میں واپس آ چکا تھا۔

ان سب دلائل سے بھی فرعون کو کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ وہ اپنے کفر پر اڑا رہا۔ اس نے ان معجزات کو جادو قرار دیا اور اس کا مقابلہ جادو کے ذریعے سے کرنا چاہا۔ اس نے اپنے ملک کے ان تمام جادوگروں کو جمع کرنے کے لیے آدمی بھیج دیے جو اس کی رعیت میں شامل تھے لیکن اس کے نتیجے میں حق کی حقانیت مزید واضح اور پختہ ہوگئی جیسے کہ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

فرعون کو دلائل و معجزات کے ساتھ دعوت توحید: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا کہ اسے نرمی اور دلائل کے ساتھ دعوت حق پہنچائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے احسن انداز میں اسے تبلیغ کی مگر وہ متکبر کسی طور پر نہ سمجھا بلکہ اپنی ہٹ دھرمی اور دشمنی پر ڈٹا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰي ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝﴾

"پھر تو کئی سال مدین کے لوگوں میں ٹھہرا رہا۔ پھر اے موسیٰ! تو تقدیر الٰہی کے مطابق تو آیا اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند فرما لیا۔ اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لیے ہوئے جا اور (خبردار!) میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ! اس نے بڑی سرکشی کی ہے، سو اسے نرمی سے سمجھاؤ، شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے۔ جواب ملا: تم (کسی قسم کا) خوف نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا دیکھتا رہوں گا۔"

(طٰہٰ: 46-40/20)

اللہ تعالیٰ نے جس رات موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور نبوت کا منصب عطا فرمایا، اس وقت کلام کرتے ہوئے فرمایا: جب تو فرعون کے گھر میں رہتا تھا، میں اس وقت بھی تیری دیکھ بھال، حفاظت کرتا تھا اور تجھے میری عنایت حاصل تھی، پھر میں نے تجھے مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا۔ اس میں میری مشیت، قدرت اور تدبیر ہی کارفرما تھی۔ تو سالوں وہاں رہائش پذیر رہا۔ ﴿ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ﴾ "پھر تو تقدیر کے مطابق آیا۔" یہ بھی میرا ہی فیصلہ تھا۔ ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ﴾ "اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند فرما لیا۔" تاکہ تجھے اپنا کلام عطا فرما کر رسول بنا دوں۔

﴿ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ ﴾ ''اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لیے ہوئے جا۔'' اور جب تم دونوں فرعون کے پاس پہنچ جاؤ تو ﴿ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴾ ''میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔'' اس کی برکت سے تمہیں فرعون سے بات کرنے میں، نصیحت کرنے میں اور دلائل پیش کرنے میں مدد حاصل ہوگی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۞ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ ''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ! اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ۔ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔'' اس سے اللہ تعالیٰ کا حلم و کرم اور مخلوق پر اس کی رافت و رحمت ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو فرعون کا کفر، عناد اور تکبر معلوم تھا۔ وہ اس دور کا بدترین انسان تھا اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف زمانے کے افضل ترین انسانوں کو بھیج رہا تھا' پھر بھی انہیں یہی حکم دیا کہ اسے اچھے طریقے سے اور نرمی سے تبلیغ کریں اور اس سے اس طرح پیش آئیں جس طرح اس شخص سے بات کی جاتی ہے جس کے بارے میں نصیحت قبول کرنے کی اور خدا خوفی کی امید ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔'' (النحل: 125/16)

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾

''اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرو، مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو۔'' (العنکبوت: 46/29)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے کہا: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴾ ''اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے۔'' اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون سرکش، جبار اور مردود شیطان تھا۔ ملک مصر کے طول و عرض میں اس کی حکومت تھی۔ وہ بڑے لشکروں پر حکم چلانے والا اور جاہ و جلال کا مالک تھا۔ اس لیے بشریت کے تقاضے سے انہیں خوف محسوس ہوا کہیں وہ شروع ہی سے ظلم و زیادتی کا رویہ اختیار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴾ ''تم مطلقاً خوف نہ کرو' میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا دیکھتا رہوں گا۔'' جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴾ (الشعراء: 15/26)

''ہم خود سننے والے تمہارے ساتھ ہیں۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۞ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴾

''تم اس کے پاس جا کر کہو: ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں۔ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ ان کو سزائیں موقوف کر۔ ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے، اس کے لیے عذاب ہے۔'' (طٰہٰ: 48'47/20)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس آ کر اسے اللہ کی طرف بلائیں اور اسے توحید کی دعوت دیں کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرے اور بنی اسرائیل کو قید و بند سے آزاد کر کے ان کے ساتھ بھیج دے اور انہیں عذاب میں مبتلا نہ رکھے۔ ﴿قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ''ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے دلیل لے کر آئے ہیں۔'' وہ عظیم دلیل عصا اور ید بیضا کے معجزات ہیں۔ ﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾ ''اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔'' یہ ایک بلیغ، عظیم اور مفید نکتہ ہے۔ پھر دونوں حضرات نے فرعون کو تکذیب کے برے نتیجے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ ''ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے، اس کے لیے عذاب ہے۔'' یعنی دل سے تکذیب کرے اور بدن کے ساتھ عمل سے پہلوتہی کرے۔

فرعون پر اتمام حجت

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کئی دلائل سے دعوت دی مگر اس کافر نے سب کا انکار کر کے آپ کو جادوگر قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝﴾

''فرعون نے پوچھا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خاص شکل و صورت عطا فرمائی، پھر راہ سجھا دی۔ اس نے کہا: (اچھا! یہ تو بتاؤ!) اگلے زمانے والوں کا کیا حال ہونا ہے؟ جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے۔ میرا رب نہ تو غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے اور اس میں تمہارے چلنے کے لیے راستے بنائے ہیں اور آسمان سے پانی بھی وہی برساتا ہے

پھر اسی برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم (اللہ) ہی پیدا کرتے ہیں۔ تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ!، کچھ شک نہیں کہ اس میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔'' (طٰہٰ: 20/49-55)

اللہ تعالیٰ فرعون کے بارے میں بیان فرماتا ہے کہ اس نے خالق کا انکار کرتے ہوئے کہا: ﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ ''اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟'' موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ''ہمارا رب وہ ہے، جس نے ہر چیز کو اس کی خاص شکل و صورت عطا فرمائی' پھر راہ سمجھا دی۔'' یعنی وہی ہے جس نے مخلوقات کو پیدا فرمایا، ان کے اعمال، رزق اور عمر کا فیصلہ فرمایا اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج کر لیا۔ پھر ہر مخلوق کو وہ راستہ سمجھایا جس کے لیے اسے پیدا کیا تھا' چنانچہ اس کے اعمال اسی انداز سے ظاہر ہوئے جو اللہ کی تقدیر اور اس کے علم کے مطابق تھا اور یہ اس کے علم کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى﴾

''اپنے بلند مرتبہ مالک کے نام کی پاکیزگی بیان کر جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا' اور جس نے (ٹھیک ٹھیک) اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی۔'' (الأعلیٰ: 87/1-3)

اس نے کہا: ﴿فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى﴾ ''اگلے زمانے والوں کا کیا حال ہے؟'' یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اگر تیرا رب ہی پیدا کرنے والا، تقدیر بنانے والا اور اس کے مطابق لوگوں کو راہ سمجھانے والا ہے اور اس کی یہ شان ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، پھر سابقہ دور کے لوگوں نے غیر اللہ کی پوجا کیوں کی؟ اور اس کے ساتھ ستاروں اور باطل معبودوں کو کیوں شریک کرتے رہے؟ گزشتہ زمانوں کے لوگوں کو اس بات کی سمجھ کیوں نہ آئی جو تو ہمیں بتا رہا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾ ''ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے۔ میرا رب نہ تو غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔'' یعنی اگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پوجا کی ہے، تو یہ بات تیرے حق میں دلیل نہیں بنتی اور نہ اس سے میری بات غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگ بھی تیری طرح جاہل تھے۔ ان کے تمام چھوٹے بڑے اعمال ان کے ریکارڈ میں درج ہیں' میرا رب ان کا صحیح بدلہ دے گا۔ وہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا کیونکہ بندوں کے تمام اعمال اس کے پاس کتاب میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ میرا رب ان میں سے کوئی چیز نہیں بھولتا، نہ غلطی کرتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے اللہ کی عظمت بیان فرمائی کہ وہ تمام اشیا پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس نے زمین کو بچھونا اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے۔ انسانوں، مویشیوں اور دوسرے جانوروں کے رزق کے لیے بادلوں اور بارشوں کو مسخر کر رکھا ہے۔ وہ فرماتا ہے: ﴿كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى﴾ ''تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں

کو بھی چراؤ۔ اس میں عقل مندوں کے لیے یقیناً نشانیاں موجود ہیں۔'' جو عقل سلیم اور فطرت سلیم کے مالک ہیں، وہ سمجھ لیتے ہیں کہ اللہ ہی رازق ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا' یہی تمہارا بچاؤ ہے، جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ (خبردار!) جاننے کے باوجود اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔'' (البقرۃ: 22'21/2)

جب یہ ذکر ہوا کہ بارش سے زمین زندہ ہو جاتی ہے اور اس کی نباتات اُگ کر لہلہانے لگتی ہے، تب اس سے آخرت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴾ ''اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا، اسی میں لوٹائیں گے اور اسی میں سے دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔'' جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴾ ''تم کو اللہ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا، اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔'' (الأعراف: 29/7) اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ﴾

''وہی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان بہت بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔'' (الروم: 27/30)

فرعون کا جادوگروں کے ذریعے مقابلے کا چیلنج

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰى ۝ فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ ﴾

''ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھا دیں' پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔ کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا تو اسی لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے باہر نکال دے۔ (اچھا) ہم بھی تیرے مقابلے میں

اسی جیسا جادو ضرور لائیں گے، پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کر لے کہ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں اور نہ تو، صاف میدان میں مقابلہ ہو۔ موسیٰ نے جواب دیا: زینت اور جشن کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع ہو جائیں۔'' (طٰہٰ: 59-56/20)

اللہ تعالیٰ فرعون کی بدنصیبی، جہالت اور حماقت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور تکبر کی وجہ سے ان کو ماننے سے انکار کیا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا: تو نے جو معجزے پیش کیے ہیں یہ جادو کے ہتھکنڈے ہیں۔ ایسے شعبدوں کے ساتھ ہم بھی تیرا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ ایک دن مقابلے کا وقت مقرر کر لیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام خود بھی یہی چاہتے تھے کہ سب لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات، معجزات اور دلائل و براہین ظاہر کریں' اس لیے آپ نے فرمایا: ﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ﴾ ''زینت اور جشن کے دن کا وعدہ ہے۔'' یہ ان کے ایک تہوار کا دن تھا جس میں وہ جمع ہوتے (میلہ لگاتے اور خوشی مناتے) تھے۔ ﴿وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ ''اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع ہو جائیں۔'' ضحیٰ سے مراد دن کے شروع کا وہ وقت ہے جب دھوپ خوب نکل آئے۔ آپ نے یہ وقت اس لیے پسند فرمایا کہ حق خوب واضح اور ظاہر ہو جائے۔ آپ نے رات کے اندھیرے کا وقت منتخب نہیں فرمایا بلکہ یہ مطالبہ فرمایا کہ مقابلہ دن دہاڑے سرعام ہونا چاہیے کیونکہ آپ کو رب کی طرف سے علم و بصیرت کی بنیاد پر یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو اور حق کو سربلند کرے گا، خواہ قبطی کافر ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں۔

۞ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگر آمنے سامنے: فرعون نے ملک بھر سے جادوگر جمع کیے' انہیں انعامات کا لالچ دیا اور مقررہ دن موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں لے آیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝﴾

''پھر فرعون لوٹ گیا اور اپنے ہتھکنڈے جمع کیے' پھر آ گیا۔ موسیٰ نے ان سے کہا: تمہاری شامت آ چکی، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا نہ باندھو کہ وہ تمہیں کسی عذاب سے ملیامیٹ کر دے۔ (یاد رکھو!) وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا، جس نے جھوٹی بات گھڑی۔ پس یہ لوگ آپس کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے اور چھپ کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔ اور کہنے لگے: یہ دونوں محض جادوگر ہیں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کریں۔ تم بھی اپنا کوئی داؤ اُٹھا نہ رکھو، پھر صف بندی کر کے آؤ، جو آج غالب آ گیا وہی بازی لے گیا۔'' (طٰہٰ: 64-60/20)

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرعون نے ملک کے تمام جادوگروں کو جمع کر لیا۔ اس زمانے میں مصر میں بے شمار ایسے جادوگر موجود تھے جو اپنے فن میں بے مثال مہارت رکھتے تھے، چنانچہ ہر شہر سے اور ہر جگہ سے جادوگروں کو بلایا گیا تو جادوگروں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔

فرعون، اس کے وزیر، ملک کے عہدیدار اور شہر کے تمام کے تمام افراد حاضر ہو گئے کیونکہ فرعون نے اعلان کروا دیا تھا کہ اس اہم موقع پر سب حاضر ہوں۔ وہ یہ کہتے ہوئے جمع ہوئے: ﴿لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ ''اگر جادوگر غالب آ جائیں تو شاید ہم ان ہی کی پیروی کریں۔'' (الشعراء: 40/26)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کی طرف بڑھے، انہیں وعظ و نصیحت فرمائی۔ انہیں جادو کے جھوٹے عمل سے منع فرمایا، جس کو اللہ کی آیات اور براہین کے مقابلے میں پیش کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ﴿وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ملیامیٹ کر دے۔ (یاد رکھو!) وہ کبھی کامیاب نہ ہو گا، جس نے جھوٹی بات گھڑی۔ پس وہ لوگ آپس کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے'' (طٰہٰ: 62-61/20) یعنی ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ کسی نے کہا: یہ تو نبی کا کلام ہے اور موسیٰ جادوگر نہیں۔ کسی نے کہا: بلکہ وہ جادوگر دہیں۔ (واللہ اعلم)

بہرحال انہوں نے چپکے چپکے اس طرح کی باتیں کیں اور کہا: ﴿اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا﴾ ''یہ دونوں محض جادوگر ہیں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں۔'' (طٰہٰ: 63/20) یعنی موسیٰ اور ہارون بہت بڑے ماہر جادوگر ہیں' ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ ان کے ساتھ مل جائیں اور وہ لوگ بادشاہ اور درباریوں پر حملہ کر کے ملک پر قبضہ کر لیں اور تمہیں ختم کر دیں۔ اسی لیے ﴿فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى﴾ ''تم بھی اپنا کوئی داؤ اُٹھا نہ رکھو، پھر صف بندی کر کے آؤ۔ جو آج غالب آ گیا، وہی بازی لے گیا۔'' (طٰہٰ: 64/20) انہوں نے پہلی بات اس لیے کہی تھی کہ غور و فکر کر کے متفقہ طور پر اپنے تمام مکر و فریب سے کام لے کر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن ان کے سب منصوبے ناکام ہو گئے۔ بھلا جادو اور بہتان سے معجزات کا مقابلہ کیسے ممکن ہے؟ وہ تو اللہ ذوالجلال نے اپنے بندے اور رسول کلیم اللہ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر کیے تھے اور آپ کو ایسی برہان عطا فرمائی تھی جس سے آنکھیں خیرہ ہو جائیں اور ذہن و فکر تھک کر رہ جائیں۔

انہوں نے کہا: ﴿فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا﴾ ''تم بھی اپنا کوئی داؤ اُٹھا نہ رکھو، پھر صف بندی کر کے آؤ۔'' یعنی سب اکٹھے ہو کر مقابلہ کرو۔ انہوں نے ایک دوسرے کو پیش قدمی کی تلقین کی اور ایک دوسرے کی ہمت بڑھائی کیونکہ فرعون نے ان سے بڑے بڑے وعدے کر رکھے تھے۔ لیکن شیطانی وعدے تو دھوکا اور فریب ہی ہوتے ہیں۔

❁ **جادوگروں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی:** جادوگروں نے مقابلے کی ابتدا کی اور لوگوں کی نظر بند کر دی، لہٰذا

لوگوں کو جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتے ہوئے سانپ نظر آنے لگیں' اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ ﴾

''کہنے لگے: اے موسیٰ! یا تو تو پہلے ڈال یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں۔ جواب دیا کہ نہیں، تم ہی پہلے ڈالو۔ اچانک موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں دوڑ بھاگ رہی ہیں' لہٰذا موسیٰ نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا: کچھ خوف نہ کر، یقیناً تو ہی غالب اور برتر رہے گا۔ اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے کہ وہ ان کی تمام کاری گری کو نگل جائے۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے، یہ صرف جادوگروں کے کرتب ہیں اور جادوگر کہیں سے بھی آئے، کامیاب نہیں ہوتا۔'' (طٰہٰ: 20/65-69)

جب جادوگر صف بنا کر کھڑے ہو گئے اور ان کے سامنے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کھڑے ہوئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''آپ پہلے اپنا کام دکھائیں گے یا ہم دکھائیں؟'' موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ بَلْ اَلْقُوْا ﴾ ''تم ہی پہل کرو۔'' انہوں نے رسیوں اور لاٹھیوں میں پارہ وغیرہ بھر رکھا تھا، یا اس قسم کا کوئی اور انتظام کر رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ رسیاں اور لاٹھیاں حرکت کرتی تھیں اور دیکھنے والے کو یوں محسوس ہوتا تھا گویا وہ خود بخود حرکت کرتی ہیں۔ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں کو مسحور کر کے انہیں خوف زدہ کر دیا۔ جب انہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو کہا: ﴿ بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ ''فرعون کے جاہ وجلال کی قسم! ہم یقیناً غالب رہیں گے۔'' (الشعراء: 26/44)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَاۗءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾

''جب انہوں نے (جادو) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھایا۔'' (الأعراف: 7/116)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ ﴾ ''اچانک موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں دوڑ بھاگ رہی ہیں۔ لہٰذا موسیٰ نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا۔'' (طٰہٰ: 20/66) یعنی عصا پھینکنے سے پہلے انہیں یہ خوف محسوس ہوا کہ لوگ ان کے جادو سے متاثر ہو جائیں گے جبکہ آپ حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ اس نازک وقت میں اللہ نے

وحی فرمائی: ﴿ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ ﴾ ''کچھ خوف نہ کر، یقیناً تو ہی غالب رہے گا' اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے کہ وہ ان کی تمام کاری گری کو نگل جائے۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے، یہ سب جادوگروں کے کرتب ہیں اور جادوگر کہیں سے بھی آئے، کامیاب نہیں ہوتا۔'' (طٰہٰ: 20/68-69) اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا اور فرمایا:

﴿ مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ﴾

''یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ اس کو ابھی درہم برہم کر دے گا۔ اللہ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ حق کو اپنے فرمان سے ثابت کر دیتا ہے گو مجرم کیسا ہی ناگوار جانیں۔'' (یونس: 10/81'82)

جادوگروں کی شکست اور قبول اسلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو اس نے زبردست اژدھے کی شکل اختیار کر لی اور جادوگروں کی تمام رسیاں نگل گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر جادوگر فوراً مسلمان ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۚ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ اپنا عصا ڈال دیجیے۔ اچانک اس نے ان کے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کر دیا۔ یوں حق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا تھا سب جاتا رہا۔ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر پھرے اور وہ جو ساحر تھے سجدے میں گر گئے۔ کہنے لگے: ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔'' (الأعراف: 7/117-122)

متعدد علمائے کرام نے ذکر کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو وہ ایک بہت بڑا سانپ بن گیا جس کے پاؤں بھی تھے، بہت بڑی گردن اور خوفناک شکل تھی۔ لوگ اسے دیکھ کر پیچھے ہٹنے اور بھاگنے لگے۔ وہ ان کی پھینکی ہوئی رسیوں اور لاٹھیوں کی طرف آیا اور بہت تیزی سے ایک ایک کر کے انہیں نگلنے لگا۔ لوگ دیکھ دیکھ کر تعجب کر رہے تھے۔ رہے جادوگر، تو وہ یہ صورت حال دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ان کے سامنے ایک ایسی حقیقت آ گئی تھی جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ چیز اُن کے مکروفن سے ماوراتھی' تب وہ اپنے علم کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ جادو یا شعبدہ نہیں، نہ وہم وخیال ہے بلکہ یہ حق ہے جو صرف حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے غفلت کا پردہ ہٹا دیا اور انہیں ہدایت کی روشنی سے منور کر دیا۔ ان کے دلوں کی سختی دور ہو کر اللہ کی طرف توجہ حاصل ہو گئی، چنانچہ وہ سجدے میں گر گئے۔ انہوں نے کسی سزا یا آزمائش کا خوف نہ رکھتے ہوئے سب کے سامنے موسیٰ وہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لانے کا

اعلان کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ۝ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ۝ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۝ وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ ﴾

''جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔ (فرعون) بولا: پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے۔ بیشک وہ تمہارا بڑا (استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے' سو میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کٹوا دوں گا اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھا دوں گا۔ اس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر تک رہنے والا ہے۔ انہوں نے کہا: جو دلائل ہمارے پاس آ گئے ہیں، اُن پر اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے' سو تجھے جو حکم دینا ہے، دے دے اور تو جو حکم دے سکتا ہے وہ دنیا ہی کی زندگی میں (دے سکتا) ہے۔ بے شک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور (اُسے بھی) جو تو نے ہم سے زبردستی جادو کروایا اور اللہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گناہ گار ہو کر آئے گا تو اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا اور جو اس کے رُوبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور اس نے عمل بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لیے اونچے اونچے درجے ہیں (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اُس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔'' (طٰہٰ: 20/70-76)

مفسرین فرماتے ہیں: جب جادوگروں نے سجدہ کیا تو انہیں جنت کے محلات نظر آئے جو ان کے لیے مزین کیے اور سجائے سنوارے جا رہے تھے، اس لیے ان پر فرعون کی دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔

جب فرعون نے دیکھا کہ یہ جادوگر مسلمان ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے عوام کی نظروں میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی قدر و منزلت میں بیش بہا اضافہ ہو گیا ہے تو وہ گھبرا گیا' اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا' چنانچہ اس نے اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے مکر و فریب کا سہارا لیا اور لوگوں کے سامنے جادوگروں کو مخاطب کر کے کہا: ﴿ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ﴾ ''کیا میری

اجازت سے پہلے ہی تم اس پر ایمان لے آئے؟" تم نے میری رعیت کے سامنے اتنے بھیانک جرم کا ارتکاب کیا اور مجھ سے پوچھا بھی نہیں۔ پھر وہ بہت گرجا، برسا، بہت دھمکیاں دیں اور سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا: ﴿ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ﴾ "یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے۔"

جیسے دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اس نے کہا:

﴿ إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴾

"بے شک یہ سازش تھی جس پر تم نے اس شہر میں عمل کیا ہے تاکہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو اب تم کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔" (الأعراف: 123/7)

اس کی یہ بات سراسر بہتان ہے اور ہر عقل مند پر واضح ہے کہ اس میں جھوٹ اور ہذیان ہے۔ اس پر تو وہ بھی یقین نہیں کر سکتا جو بالکل نادان ہے کیونکہ اس کے ملک کے لوگ بلکہ دوسرے بھی جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں کی زندگی میں ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی، تو آپ ان کو جادو سکھانے والے کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو جمع نہیں کیا نہ آپ کو ان کے جمع ہونے کی خبر تھی بلکہ فرعون نے انہیں خود بلایا تھا اور انہیں دور نزدیک سے، مصر کے اطراف و اکناف سے، شہروں سے اور دیہات سے حاضر کرایا تھا۔

جادوگروں کو فرعون کی دھمکیاں: سارے عوام کے سامنے فرعون کو زبردست ہزیمت کا مزہ چکھنا پڑا جبکہ اس کے بلائے ہوئے جادوگر مسلمان ہو گئے تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا اور مسلمانوں کو شدید سزا کی دھمکیاں دینے لگا۔ سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَن لَّا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ۝ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۝ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ۝ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَن تُلْقِيَ وَإِمَّا أَن نَّكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ۝ قَالَ أَلْقُوا ۖ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ۝ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۝ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۚ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝

’’پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ کو نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کے پاس بھیجا تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا‘ سو دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ اور موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون! میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ مجھ پر واجب ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں‘ لہٰذا بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دو۔ فرعون نے کہا کہ تم جو نشانی لے کر آئے ہو اگر سچے ہو تو لاؤ (دکھاؤ) وہ نشانی۔ موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی‘ وہ اسی وقت صریح اژدہا (بن گئی) اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کی نگاہوں میں سفید براق (تھا) پھر قوم فرعون میں جو سردار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اس کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ بھلا تمہاری کیا صلاح ہے؟ انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو نظرانداز کیجیے اور شہروں میں نقیب روانہ کر دیجیے کہ تمام ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے اور کہنے لگے اگر ہم جیت گئے تو کیا ہمیں صلہ عطا کیا جائے گا؟ (فرعون نے) کہا: ہاں (ضرور!) اور (اس کے علاوہ) تم مقربوں میں داخل کر لیے جاؤ گے (جب فریقین روز مقرر پر جمع ہوئے تو) جادوگروں نے کہا کہ موسیٰ! یا تو تم (جادو کی چیز) ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں (موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو۔ جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر) انہیں ڈرا دیا اور بڑا بھاری جادو دکھایا۔ (اس وقت) ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو‘ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کر کے) نگل جائے گی۔ تو (پھر) حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ فرعونی کرتے تھے باطل ہو گیا اور وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم جہان کے پروردگار پر ایمان لائے (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔ فرعون نے کہا کہ پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں‘ تم اس پر ایمان لے آئے؟ بیشک یہ فریب ہے جو تم نے شہر میں دکھایا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو‘ سو عنقریب (اس کا نتیجہ) معلوم کر لو گے۔ میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوا دوں گا‘ پھر تم سب کو سولی پر

چڑھا دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور اس کے سوا تجھ کو ہماری کون سی بات بری لگی ہے کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آ گئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے۔ اے پروردگار! ہم پر صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں مارنا تو بطور مسلمان مارنا۔'' (الأعراف : 126-103/7)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ﴾

''پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ گناہ گار لوگ تھے۔ سو جب اُن کے پاس ہمارے ہاں سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تم حق کے بارے میں جبکہ وہ تمہارے پاس آیا ہے یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پاتے۔ وہ بولے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ جس (راہ) پر ہم اپنے باپ دادا کو پاتے رہے اُن سے ہم کو پھیر دو اور اس ملک میں تم دونوں ہی کی سرداری ہو جائے؟ اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ اور فرعون نے کہا کہ سب ماہر و کامل جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ! جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے اُن سے کہا کہ جو تم ڈالنا چاہتے ہو ڈال دو۔ جب انہوں نے (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈالیں تو موسیٰ نے کہا کہ جو چیزیں تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے' اللہ اس کو ابھی نیست و نابود کر دے گا۔ اللہ شریروں کے کام سنوارا نہیں کرتا اور اللہ اپنے حکم سے سچ کو سچ ہی کر دکھائے گا اگرچہ گناہ گار برا ہی مانیں۔'' (یونس :10/75-82)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۝ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۙ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ۙ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ۝ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۝ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۙ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۙ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قَالُوا لَا ضَيْرَ ۖ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ۝ إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَن كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

''(فرعون نے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔ (موسیٰ نے) کہا: خواہ میں آپ کے پاس روشن چیز یعنی معجزہ لاؤں تو بھی؟ فرعون نے کہا: اگر سچے ہو تو اسے لاؤ! (دکھاؤ!) پس انہوں نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اسی وقت صریح اژدہا بن گئی اور اپنا ہاتھ گریبان سے نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کو سفید (براق نظر آنے) لگا۔ فرعون نے اپنے اردگرد سرداروں سے کہا کہ یہ کامل فن جادوگر ہے۔ چاہتا ہے کہ تم کو اپنے جادو (کے زور) سے تمہارے ملک سے نکال دے۔ سو تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ اُسے اور اُس کے بھائی (کے بارے) میں کچھ توقف کیجیے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجیے کہ تمام ماہر جادوگروں کو (جمع کر کے) آپ کے پاس لے آئیں۔ سو جادوگر ایک مقرر دن کی میعاد پر جمع ہو گئے اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ تم (سب) کو اکٹھے ہو کر جانا چاہیے تاکہ اگر جادوگر غالب رہیں تو ہم اُن کے پیرو ہو جائیں۔ جب جادوگر آ گئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں صلہ بھی ملے گا؟ فرعون نے کہا: ہاں اور تم مقربوں میں داخل کر لیے جاؤ گے۔ موسیٰ نے اُن سے کہا کہ جو چیز ڈالنا چاہتے ہو ڈالو۔ سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم! ہم ضرور غالب ہوں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اُن چیزوں کو جو جادوگروں نے بنائی تھیں، یکایک نگلنے لگی۔ تب جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم تمام جہان کے مالک پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا: کیا اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں، تم اس پر ایمان لے آئے؟ بے شک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے لہٰذا عنقریب تم (اس کا انجام) معلوم کر لو گے کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں اطراف مخالف سے کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ انہوں نے کہا: کچھ نقصان (کی بات) نہیں، ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ بخش دے گا۔ اسی لیے ہم اوّل ایمان لانے والوں میں ہیں۔'' (الشعراء: 26/29-51)

الغرض فرعون نے جھوٹ اور کفر کا ارتکاب کرتے ہوئے کہا: ﴿ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ﴾ "یہی وہ تمہارا بڑا بزرگ ہے، جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔" اور ایسا بہتان لگایا، جس کو سب جہان والے جانتے تھے کہ یہ بہتان ہے پھر اس نے دھمکاتے ہوئے کہا: ﴿ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ "میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔" (الشعراء: 49/26) تاکہ رعیت کا کوئی اور فرد اور اس کے مذہب کا کوئی اور شخص ایسی جرأت نہ کرے۔ اسی لیے اس نے کہا: ﴿ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِىْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ﴾ "میں تم سب کو کھجور کے تنوں میں سولی پر لٹکوا دوں گا۔" (طٰہٰ: 71/20) کیونکہ وہ زیادہ اونچے ہوتے ہیں اور دور سے نظر آتے ہیں۔ ﴿ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴾ "اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔" (طٰہٰ: 71/20)

انہوں نے کہا ﴿ لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ ﴾ "یہ ناممکن ہے کہ ہم تجھے ان دلیلوں پر ترجیح دیں جو ہمارے سامنے آ چکیں۔" (طٰہٰ: 72/20) یعنی ہم ہرگز تیری بات نہیں مانیں گے اور ہمارے دلوں میں جو واضح دلائل گھر کر چکے ہیں، انہیں ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اور اللہ پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے' تجھے ترجیح نہیں دیں گے یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے کہا: ﴿ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا ﴾ "قسم ہے اللہ کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔" ﴿ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ﴾ "اب تو جو کچھ کرنے والا ہے کر گزر۔" (طٰہٰ: 72/20) یعنی جو کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے کر لے۔ ﴿ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴾ "تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے، وہ اسی دنیوی زندگی ہی میں ہے۔" (طٰہٰ: 73/20) یعنی جب ہم اس دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی زندگی میں پہنچ جائیں گے تو وہاں ہم پر تیرا حکم نہیں چلے گا۔ بلکہ وہاں اسی کی فرماں روائی ہوگی جس کے لیے ہم اسلام لائے ہیں اور جس کے لیے رسولوں کی پیروی اختیار کی ہے۔ ﴿ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴾ "ہم (اس امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں کہ وہ ہماری خطائیں معاف کر دے اور (خاص کر) جادوگری (کا گناہ) جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے۔ اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔" (طٰہٰ: 73/20) یعنی اس کا ثواب بہتر ہے ان انعامات اور عہدوں سے جن کا تو ہمیں لالچ دیتا ہے۔ اس کے انعامات اس فانی جہان کے مقابلے میں بہت باقی رہنے والے ہیں۔

انہوں نے کہا: ﴿ لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ "کوئی حرج نہیں، ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اسی بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں، ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطائیں معاف فرما دے گا۔" (الشعراء: 26/50-51) اور انہوں نے کہا: ﴿ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ﴾ "تو نے ہم میں کون سا عیب دیکھا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کی آیات پر ایمان لے آئے، جب وہ ہمارے پاس آئیں۔" یعنی ہمارا جرم یہی ہے کہ ہم رسول کے لائے ہوئے دین پر ایمان

لائے ہیں اور رب کے احکام کو تسلیم کیا ہے۔ ﴿ رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما!'' یہ سرکش، ظالم، یہ سنگ دل حاکم، بلکہ لعنتی شیطان ہمیں جن مصائب میں مبتلا کر رہا ہے، ہمیں ان میں ثابت قدمی عطا فرما۔ ﴿ وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ﴾ ''اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔'' (الأعراف: 126/7)

ان لوگوں نے فرعون کو نصیحت کرتے ہوئے اور رب کے عذاب سے ڈراتے ہوئے کہا: ﴿ اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ﴾ ''بات یہی ہے کہ جو بھی گناہ گار بن کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا، اس کے لیے دوزخ ہے، جہاں نہ موت ہوگی، نہ زندگی۔'' (طٰہٰ: 74/20) اس لیے ایسے لوگوں میں شامل نہ ہو۔ لیکن وہ انہی میں سے ہو کر رہا۔ ﴿ وَمَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰى ۙ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَذٰ لِكَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَكّٰى ﴾ ''اور جو بھی اس کے پاس ایمان دار ہو کر حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے اس کے لیے بلند و بالا درجے ہیں اور ابدی جنتیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' (طٰہٰ: 75/20، 76) کوشش کر کہ تو بھی ایسے لوگوں میں شامل ہو جائے۔ لیکن اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ طے ہو چکا تھا کہ فرعون جہنمی ہے جسے جہنم کے سب عذاب بھگتنے ہیں۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون نے ان مومنوں کو سزائیں دیں اور سولی پر لٹکایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: ''صبح کے وقت وہ جادوگر تھے، شام ہوئی تو اولیاء و شہداء میں شامل ہو چکے تھے۔''[1] اس کی تائید ان کی اس دعا سے بھی ہوتی ہے: ﴿ رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔'' (الأعراف: 125/7)

درباریوں کا کفر و عناد: جب یہ عظیم واقعہ پیش آیا جو فرعونیوں کے لیے ایک ناقابل برداشت حادثہ تھا کیونکہ قبطی موسیٰ علیہ السلام سے شکست کھا گئے اور جن جادوگروں کو وہ اپنی مدد کے لیے لائے تھے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر آپ کے ساتھی بن گئے تو اس سے فرعونیوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ کفر و عناد میں مزید سخت ہو کر حق سے اور بھی دور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں فرمایا:

﴿ وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰى وَقَوۡمَهٗ لِيُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَنَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ ۚ وَاِنَّا فَوۡقَهُمۡ قٰهِرُوۡنَ ۞ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهِ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا ۚ اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ ۙ يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۞ قَالُوۡۤا اُوۡذِيۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِيَنَا وَمِنۡۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّهۡلِكَ عَدُوَّكُمۡ وَيَسۡتَخۡلِفَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ۞ ﴾

[1] تفسیر ابن کثیر: 413/3 تفسیر سورۃ الأعراف، آیت: 125، 126

''اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا: کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کیے رہیں؟ فرعون نے کہا: ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر ہر طرح کا زور حاصل ہے۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو۔ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بنا دے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ قوم کے لوگ کہنے لگے: ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ موسیٰ نے فرمایا: بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنا دے گا، پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا۔'' (الأعراف : 7/127-129)

اللہ تعالیٰ فرعون کی قوم کے سرداروں کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے کہ انہوں نے فرعون کو اس بات کی ترغیب دی کہ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیفیں دے اور آپ کی لائی ہوئی سچی شریعت کا انکار اور اس کی تردید کرے۔

انہوں نے کہا: ﴿ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ﴾ ''کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں؟'' اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کیے رہیں! ان کا مطلب یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کرتے ہیں، قبطی ملعونوں کے خیال میں یہ فساد تھا۔ اس لفظ کی ایک قراءت یوں ہے: (وَيَذَرَكَ وَإِلَاهَتَكَ) ''یعنی وہ تجھے اور تیری عبادت کو چھوڑے رہیں۔'' اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ تیرے مذہب کو چھوڑے رہیں۔ دوسرا یہ کہ تیری عبادت نہ کریں کیونکہ وہ خود معبود ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔

فرعون نے کہا: ﴿ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ﴾ ''ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے۔'' تاکہ ان میں جنگ کے قابل مردوں کی تعداد زیادہ نہ ہو جائے ﴿ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴾ ''اور ہم ان پر غالب ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: ﴿ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ﴾ ''اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو۔'' یعنی جب وہ تمہیں تکلیفیں دیں تو رب سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ ﴿ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ ''زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وہ مالک بنا دے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔'' یعنی تم متقی بن جاؤ تو تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا قَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ ۝ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ ﴾

''اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو، اگر تم مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کی: ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا' اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالموں کا فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ان کافر لوگوں سے ہمیں نجات دے۔'' (یونس :10/84-86)

انہوں نے کہا: ﴿ اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ﴾ ''ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی ہمارے بچے قتل کیے جاتے تھے اور اب بھی یہی صورت حال ہے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنا دے گا۔ پھر تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا۔''

سورۂ مؤمن میں ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾

''ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا' فرعون، ہامان اور قارون کی طرف' سو انہوں نے کہا یہ تو جادوگر اور بہت جھوٹا ہے۔'' (المؤمن : 40/23-24)

فرعون بادشاہ تھا اور ہامان اس کا وزیر۔ قارون بنی اسرائیل میں سے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا لیکن وہ فرعون اور اس کے درباریوں کا ہم مذہب تھا اور اس کے پاس بہت زیادہ مال و دولت تھا۔ اس کا واقعہ بعد میں بیان ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَیْدُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴾

''پس جب ان کے پاس (موسیٰ) ہماری طرف سے (دین) حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا: اس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں، ان کے لڑکوں کو تو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو اور کافروں کی جو حیلہ سازی ہے، وہ غلطی ہی میں ہے۔'' (المؤمن : 40/25)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد لڑکوں کو قتل کرنے کا یہ حکم بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ اور یہ مقصد بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو طاقت حاصل نہ ہو جائے جس کی بنا پر وہ اپنا دفاع کر سکیں اور قبطیوں پر حملہ آور ہوں۔ قبطیوں کو جس چیز کا خطرہ تھا، اس تدبیر سے اس کا کچھ بچاؤ نہ ہو سکا اور اللہ کی تقدیر واقع ہو کر رہی کیونکہ اللہ جب کسی چیز کی بابت کہتا ہے کہ ہو جا' تو وہ ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝﴾

''اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو مار ڈالوں اور اسے چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی (بہت بڑا) فساد برپا نہ کردے۔'' (المؤمن : 26/40)

اسی لیے تو لوگ مذاق اڑاتے ہوئے (ضرب المثل کے طور پر) کہتے ہیں: ''فرعون بھی واعظ بن گیا۔'' جب موسیٰ علیہ السلام کو اس کی یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝﴾

''موسیٰ نے کہا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس تکبر کرنے والے شخص (کی برائی) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔'' (المؤمن : 27/40)

یعنی میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ فرعون مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، ہر متکبر سے جو ظلم سے باز نہیں آتا اور اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ آخرت پر یا جزا و سزا پر یقین نہیں رکھتا۔

قوم فرعون کے ایک مومن کا اعلان حق

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو دردناک سزائیں دینے کا اعلان کیا تو فرعون کی قوم میں سے ایک مومن نے انہیں نصیحت کرنے کا حق ادا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝﴾

''اور ایک مومن شخص نے، جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا: کیا تم ایک شخص کو محض اسی بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے؟ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے، وہ کچھ نہ کچھ

تو تم پر آ پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو۔ اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون بولا: میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں۔''

(المؤمن: 40/28-29)

یہ شخص فرعون کا چچا زاد تھا۔ وہ اپنی قوم کے ڈر سے اپنے ایمان کو خفیہ رکھتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا لیکن یہ بات درست نہیں، کلام کا سیاق وسباق اپنے الفاظ کے لحاظ سے بھی اور معنوی طور پر بھی اس کی تردید کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ شخص اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھا۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے درباریوں سے اس بارے میں مشورہ کیا تو اس مومن کو خطرہ محسوس ہوا کہ موسیٰ کو تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ اس نے حکمت کا انداز اختیار کرتے ہوئے فرعون کے خلاف ایسے انداز میں بات کی، جس میں ترغیب اور ترہیب دونوں پہلو موجود تھے۔ اس نے مشورہ اور رائے کے انداز سے بات کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''سب سے افضل جہاد، ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے۔''[1] یہ شخص اس مقام کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھا۔ فرعون سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور اس مومن کی بات سے بڑھ کر حق وانصاف والی کوئی بات نہیں کیونکہ اس سے نبی کے معصوم ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کلام کے ذریعے سے اس نے اپنا پوشیدہ ایمان ظاہر کر دیا۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اس نے کہا: ﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ﴾ ''کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: ''میرا رب اللہ ہے؟'' یعنی اس بات کا یہ ردعمل تو نہیں ہونا چاہیے کہ تم اسے قتل کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ بلکہ اس کے جواب میں تو احترام اور برداشت کا مظاہرہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے۔'' یعنی اس نے معجزات ظاہر کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھیجنے والے کی طرف سے جو پیغام لایا ہے، وہ حق اور سچ ہے، اس لیے اگر تم اس سے تعرض نہ کرو تو سلامت رہو گے کیونکہ ﴿اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ﴾ ''اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے۔'' اس سے تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا۔ ﴿وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا﴾ ''اور اگر وہ سچا ہے۔'' پھر بھی تم نے اسے تنگ کیا تو: ﴿يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ﴾ جس عذاب کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے، وہ کچھ نہ کچھ تو تم پر آ ہی پڑے گا۔'' یعنی تمہارے لیے تو یہ بات بھی خوف کا باعث ہے کہ جس عذاب سے وہ ڈراتا ہے اس کا معمولی سا حصہ بھی تم پر آ جائے۔ تو اگر وہ عذاب پورے کا پورا آ گیا پھر تمہارا کیا بنے گا؟ اس موقع پر یہ کلام انتہائی دور اندیشی، احتیاط اور عقل مندی کا مظہر ہے۔

---

[1] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث: 4344

اس نے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے' اس سرزمین میں تم غالب ہو۔'' اس نے انہیں وہ پیارا ملک اور حکومت چھن جانے سے ڈرایا کیونکہ جو سلطنت دین کے مقابل آ کھڑی ہوتی ہے، ان لوگوں کی حکومت بھی چھن جاتی ہے اور وہ بے عزت اور ذلیل بھی ہوتے ہیں۔

فرعون کی قوم کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا رہے اور مخالفت کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ملک، املاک، مکانات، محلات، نعمتوں اور عشرتوں سے نکال کر سمندر میں ذلت کے ساتھ غرق کر دیا۔ اس بلندی سے ان کی روحیں جہنم کی عمیق گہرائیوں میں جا پہنچیں۔

وہ مومن، سچا، نیک، متبع حق، قوم کا خیر خواہ، انتہائی دانش مند شخص اسی لیے تو کہتا تھا: ﴿ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے' اس سرزمین میں تم غالب ہو۔'' لوگوں پر تمہارا حکم چلتا ہے۔ ﴿ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ﴾ ''لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا، تو کون ہماری مدد کرے گا؟'' یعنی اگر تمہاری تعداد، تمہارا اسلحہ اور ساز وسامان، تمہاری طاقت اور قوت موجودہ حالات سے کئی گنا زیادہ بھی ہو، تو اس مالک الملک کے عذاب سے بچانے کے لیے وہ ذرہ برابر بھی مفید نہیں ہوگی۔

ان سب باتوں کے جواب میں فرعون بولا: ﴿ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى ﴾ ''میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں، جو خود دیکھ رہا ہوں۔'' یعنی میں اپنی سمجھ کے مطابق اسی بات کو درست سمجھتا ہوں۔ ﴿ وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴾ ''اور میں تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں۔''

حقیقت میں فرعون کی یہ دونوں باتیں جھوٹ تھیں کیونکہ وہ اپنے دل میں یہ جانتا اور سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اور وہ جو کچھ لائے ہیں وہ یقیناً اللہ کی طرف سے ہے لیکن کفر، تکبر، ظلم اور زیادتی کی بنیاد پر اس کے برعکس خیالات کا اظہار کرتا تھا۔

فرعون کی ایک بودی دلیل: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۙ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝ ﴾

''موسیٰ نے جواب دیا: یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان اور زمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے دکھانے اور سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں۔ اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو تباہ و برباد اور ہلاک کیا گیا ہے۔ آخر فرعون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں زمین ہی سے اکھیڑ دے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرما دیا کہ اس سرزمین پر تم رہو سہو، ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا، ہم تم سب کو سمیٹ اور

لپیٹ کر لے آئیں گے۔'' (بني إسرائيل: 17/102-104)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾

''پس جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والے ہمارے معجزے پہنچے تو وہ کہنے لگے: یہ تو صریح جادو ہے۔ اور انہوں نے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔ پس دیکھ لیجیے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟'' (النمل: 27/13'14)

اس نے جو کہا تھا: ﴿ وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴾ ''اور میں تمہیں بھلائی کی راہ بتلا رہا ہوں۔'' تو یہ بھی جھوٹ تھا۔ وہ خود ہدایت پر نہیں تھا بلکہ حماقت، ضلالت اور توہمات میں گھرا ہوا تھا۔ پہلے وہ بتوں کا پجاری تھا۔ پھر اپنی گمراہ اور جاہل قوم کو بلایا تو اس نے بھی اس کے کفر و کذب کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی پیروی کی اور اسے رب مان لیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۚ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۞ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۞ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۞ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴾

''اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے (محلوں کے) نیچے سے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں؟) کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا۔ اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے۔ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی اور انہوں نے اس کی بات مان لی۔ بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔ جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور اُن سب کو ڈبو چھوڑا اور اُن کو گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے (عبرتناک) مثال بنا دیا۔'' (الزخرف: 43/51-56)

نیز ارشاد ہے:

﴿ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۞ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۞ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۞ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۞ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۞ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴾

''انہوں نے اس کو بڑی نشانی دکھائی' اس نے جھٹلایا اور نہ مانا۔ پھر لوٹ گیا اور تدبیریں کرنے لگا اور (لوگوں کو) اکٹھا کیا اور پکارا۔ کہنے لگا کہ تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔ تو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔ جو شخص (اللہ سے) ڈر رکھتا ہے اُس کیلئے اس (قصے) میں عبرت ہے۔'' (النازعات: 79/20-26)

اور مزید فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝ ﴾

''اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر بھیجا (یعنی) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف تو وہ فرعون ہی کے حکم پر چلے اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا۔ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا اُتارے گا اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہ برا ہے۔ اور اس جہان میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی) جو انعام ان کو ملا ہے، وہ برا ہے۔'' (ھود: 11/96-99)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فرعون کی دونوں باتیں جھوٹ تھیں۔ یہ بھی کہ: ﴿ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى ﴾ ''میں تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں، جسے خود درست رائے سمجھتا ہوں۔'' اور یہ بھی کہ: ﴿ وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴾ ''میں تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں۔''

قبطی مومن کا اتمام حجت: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۙ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَاۗءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ ﴾

''اور جو مومن تھا وہ کہنے لگا کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت خوف ہے (مبادا) تم پر اور امتوں کی طرح کے دن کا عذاب آجائے (یعنی) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوئے ہیں، اُن کے حال کی طرح (تمہارا حال ہو جائے) اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور اے میری قوم! مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی

قیامت) کا خوف ہے۔ جس دن تم پیٹھ پھیر کر (قیامت کے دن سے) بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی (عذاب) اللہ سے بچانے والا نہیں ہوگا اور جس شخص کو اللہ گمراہ کرے اُس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے (اور) جو وہ لائے تھے تم اس کے متعلق ہمیشہ شک ہی میں رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ اللہ اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو۔ جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو، اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک (ان کا) یہ جھگڑا نہایت ناپسند ہے۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر، سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔'' (المؤمن: 40/30-35)

اللہ کے ولی نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کریں گے تو ان پر اسی طرح عذاب آ سکتے ہیں جس طرح گزشتہ اقوام پر آئے تھے، یعنی نوح علیہ السلام کی قوم، عاد، ثمود اور ان کے بعد کی اقوام جو اُن کے زمانے تک ہوئیں اور جن کے حالات انہیں معلوم اور ان کے ہاں مشہور تھے۔ ان کے ذریعے سے تمام اہل زمین پر حجت قائم ہوگئی کہ انبیائے کرام علیہم السلام جو کچھ بتاتے ہیں وہ بالکل سچ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے مخالفین پر عذاب نازل کیے اور مومنین کو ان سے نجات دی۔ انہیں قیامت کے دن بھی کوئی خوف نہیں ہوگا۔ جس دن لوگ ایک دوسرے کو آوازیں دیں گے اور چاہیں گے کہ واپسی کی کوئی راہ انہیں ملے۔ لیکن ایسا ہونا ممکن نہیں ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۝﴾

''اس دن انسان کہے گا: آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ نہیں نہیں، کوئی پناہ گاہ نہیں۔ آج تو تیرے پروردگار کی طرف ہی قرار گاہ ہے۔'' (القیامۃ: 75/10-12)

﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ ''ہانک پکار کا دن۔'' اس لفظ کی ایک قراءت دال کی تشدید کے ساتھ [يَوْمَ التَّنَادِّ] ''بھاگنے کا دن'' بھی ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن بھی ہوسکتا ہے اور اور عذاب کا دن بھی۔ جب وہ راہ فرار اختیار کرنا چاہیں گے لیکن کوئی پناہ گاہ میسر نہ ہوگی۔

پھر اسی مومن نے مصر میں یوسف علیہ السلام کی نبوت اور ان سے لوگوں کو حاصل ہونے والے دنیوی اور اخروی فوائد کا ذکر کیا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی انہی کی آل میں سے مبعوث ہو کر توحید کی دعوت دی اور شرک سے منع فرمایا۔ اس مومن نے اپنے زمانے کے اہل مصر کے بارے میں کہا کہ حق کا انکار اور رسولوں کی مخالفت ان کی عادت بن چکی ہے۔ اس لیے کہا: ﴿فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُم بِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِن بَعْدِهِ رَسُولًا﴾ ''پھر تم ان (یوسف) کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک وشبہ ہی کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو کہنے لگے: ان کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں۔'' (المؤمن: 40/34) اور تمہاری یہ بات بھی سراسر غلط تھی۔ پھر اس مومن نے کہا: ﴿كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ "اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا شک وشبہ کرنے والا ہو۔ جو لوگ بغیر کسی سند کے، جو ان کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔" (المؤمن: 40/34-35) یعنی وہ توحید کے دلائل و براہین بلا دلیل رد کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ عمل انتہائی ناپسند ہے اور جو لوگ یہ کام کرتے ہیں، وہ اللہ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ "اللہ تعالیٰ اسی طرح مغرور، سرکش آدمی کے پورے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔" (المؤمن: 40/35) یہ حق کی مخالفت کی سزا ہوتی ہے۔

محل تعمیر کرنے کا فرعونی مذاق

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ

"اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک محل بنوا تا کہ میں (اس پر چڑھ کر) رستوں پر پہنچ جاؤں (یعنی) آسمانوں کے رستوں پر، پھر موسیٰ کے الٰہ کو دیکھ لوں اور میں تو اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اور اسی طرح فرعون کو اس کے اعمال بد اچھے معلوم ہوتے تھے، اسے راستے سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کی تدبیر تو بے کار تھی۔" (المؤمن: 40/36'37)

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوائے رسالت کو تسلیم نہ کیا اور خود بہت بڑا جھوٹ بولتے ہوئے کہا:

مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ

"میں تمہارا اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا۔ سو اے ہامان! میرے لیے مٹی (کی اینٹیں) آگ سے پکا دو، پھر ایک (اونچا) محل بنوا دو تا کہ میں موسیٰ کے الٰہ کی طرف چڑھ جاؤں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔" (القصص: 28/38)

اور یہاں (سورۂ مؤمن میں) کہا: لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا "شاید میں آسمان کے جو دروازے ہیں، ان دروازوں تک پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں اور بے شک میں سمجھتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔" اس جملے کے دو معنی ممکن ہیں: ایک یہ کہ میں موسیٰ کی اس بات کو جھوٹ سمجھتا ہوں کہ میرے سوا بھی جہان کا کوئی رب ہے۔ دوسرا یہ کہ میں موسیٰ کی اس بات کو جھوٹ سمجھتا ہوں کہ اسے اللہ نے بھیجا ہے۔

فرعون کے حالات اور خالق کے انکار سے، پہلے معنی کی مناسبت زیادہ ہے اور الفاظ سے دوسرے معنی کی مناسبت زیادہ

ہے کیونکہ اس نے کہا تھا: ﴿فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ﴾ ''میں موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں۔'' اور اس سے پوچھ لوں کہ کیا اس نے موسیٰ کو بھیجا ہے؟ اس کلام سے فرعون کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق سے روکے اور تکذیب پر آمادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ﴾ ''اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اسے بھلی دکھائی گئیں اور اسے راہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی (ہر) حیلہ سازی تباہ کن ثابت ہوئی۔'' یعنی اسے اس کا مقصود ذرا بھی حاصل نہ ہو سکا کیونکہ انسان کے لیے تو پہلے آسمان تک پہنچنا بھی کسی طرح ممکن نہیں۔ بعد والے آسمانوں کا تو کیا ذکر! اور ان کے اوپر کی بلندیاں تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ہامان نے یہ محل جو بنوایا تھا، وہ اتنا بلند تھا کہ اس سے پہلے اتنی بلند کوئی عمارت نہیں بنی تھی اور وہ آگ میں پکی ہوئی اینٹوں سے بنا تھا۔ کیونکہ فرعون نے کہا تھا: ﴿فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحًا﴾ ''اے ہامان! تو میرے لیے مٹی کو آگ سے پکوا، پھر میرے لیے ایک محل تعمیر کر۔''

مرد مومن نے بھلائی کا راستہ دکھایا

اب ہم دوبارہ مرد مومن کے وعظ و نصیحت اور دلائل کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُونِ أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝ يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

''اور وہ شخص جو مومن تھا اس نے کہا کہ بھائیو! میرے پیچھے چلو میں تمہیں بھلائی کا راستہ دکھاؤں۔ بھائیو! یہ دنیا کی زندگی (چندروز) فائدہ اُٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ جو برے کام کرے گا اس کو بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا، مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا تو ایسے ہی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔ وہاں اُن کو بے شمار رزق ملے گا۔'' (المؤمن: 40/38-40)

اس تقریر میں مرد مومن لوگوں کو راہ حق کی نشاندہی کر رہا ہے، یعنی انہیں چاہیے کہ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتباع کریں اور اس فانی دنیا سے محبت نہ رکھیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کریں جو کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا، ہر چیز کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے، جو تھوڑے عمل پر بہت زیادہ انعام دیتا ہے اور گناہ کی سزا اس سے زیادہ نہیں دیتا۔

اس نے بتایا کہ آخرت ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔ جو شخص نیک اعمال کر کے وہاں پہنچے گا، اسے بلند درجات حاصل ہوں گے جہاں اونچے محلات، اعلیٰ ترین نعمتیں، انواع و اقسام کی غذائیں اور ہر قسم کی بیش از بیش آسائشیں ہوں گی۔

پھر اس نے ان کے غلط عقائد کی تردید کر کے انہیں ان کے خوفناک انجام سے ڈراتے ہوئے کہا:

﴿وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ؕ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَاجَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝﴾

''اور اے قوم! میرا کیا (حال) ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے اس لیے بلاتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اُس چیز کو اس کا شریک ٹھہراؤں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں اور میں تم کو (الہٰ) غالب (اور) بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جن کی طرف تم مجھے بلاتے ہو وہ دنیا اور آخرت میں پکارے جانے کے قابل نہیں اور ہم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔ جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اُسے آگے چل کر یاد کرو گے اور میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں' بیشک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ غرض اللہ نے موسیٰ کو ان کی تدبیروں کی برائیوں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو برے عذاب نے آ گھیرا یعنی آتش (جہنم) کہ صبح وشام اُس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کر دو۔''

(المؤمن: 40/41-46)

وہ انہیں اسی اللہ کی عبادت کی دعوت دے رہا تھا جو آسمان وزمین کا مالک ہے اور جس کی شان ﴿کُنْ فَیَکُوْن﴾ ہے اور وہ لوگ اسے فرعون کی عبادت کی طرف بلاتے تھے جو جاہل، گمراہ اور ملعون تھا، اس لیے اس نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا: ﴿وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ﴾ ''اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو؟ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمہیں غالب بخشنے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔''

پھر اس نے واضح کیا کہ وہ اللہ کے سوا جن معبودان باطلہ کو پوجتے ہیں، ان کے ہاتھ میں نفع نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ اس لیے ان کا عقیدہ سراسر باطل ہے۔ اس نے کہا: ﴿لَاجَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ ''یہ یقینی امر ہے کہ تم مجھے جن کی طرف دعوت دے

رہے ہو، وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہیں نہ آخرت میں اور ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور حد سے گزر جانے والے ہی یقیناً اہل دوزخ ہیں۔" یعنی جن کو اس دنیا میں کوئی اختیار اور تصرف کی طاقت حاصل نہیں، انہیں قیامت کو کیا اختیار حاصل ہوگا؟ ان کے برعکس اللہ تعالیٰ نیکوں اور بدوں سب کا خالق اور رازق ہے، اسی نے بندوں کو زندگی دی ہے، پھر موت دے گا، پھر دوبارہ زندہ کر کے اطاعت گزاروں کو جنت اور نافرمانوں کو جہنم میں داخل کر دے گا۔

پھر اس نے انہیں مخالفت پر قائم رہنے کی صورت میں حاصل ہونے والے انجام بد سے خبردار کرتے ہوئے کہا: ﴿فَسَتَذْكُرُونَ مَآ أَقُولُ لَكُمْ ۚ وَأُفَوِّضُ أَمْرِىٓ إِلَى ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَصِيرٌۢ بِٱلْعِبَادِ﴾ "پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے۔ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے۔" لہٰذا ﴿فَوَقَىٰهُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِ مَا مَكَرُوا۟﴾ "اسے اللہ تعالیٰ نے تمام بدیوں سے محفوظ رکھا جو انہوں نے سوچ رکھی تھیں۔" یعنی ان کی تردید کی وجہ سے وہ اس عذاب سے بچ گیا جو انہیں کفر و عناد اور گمراہ کن عقائد و خیالات کی وجہ سے برداشت کرنا پڑا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحَاقَ بِـَٔالِ فِرْعَوْنَ سُوٓءُ ٱلْعَذَابِ ۝ ٱلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا﴾ "اور فرعون والوں کو بری طرح کے عذاب نے گھیر لیا۔ آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح و شام لائے جاتے ہیں۔" یعنی برزخ میں ان کی روحوں کو صبح و شام جہنم کا عذاب ہوتا ہے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی فرمان ہوگا: ﴿أَدْخِلُوٓا۟ ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ ٱلْعَذَابِ﴾ "فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔" اس آیت سے عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت ہم نے تفسیر میں کی ہے۔

فرعونیوں پر گونا گوں عذاب: خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کرنے سے پہلے اتمام حجت کر دیا تھا۔ اپنا رسول ان کی طرف بھیجا، ان کے شبہات کا ازالہ کیا اور ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے دلائل واضح کر دیے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ بِٱلسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ فَإِذَا جَآءَتْهُمُ ٱلْحَسَنَةُ قَالُوا۟ لَنَا هَٰذِهِۦ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا۟ بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓ ۗ أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمْ عِندَ ٱللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَقَالُوا۟ مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِۦ مِنْ ءَايَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ ٱلطُّوفَانَ وَٱلْجَرَادَ وَٱلْقُمَّلَ وَٱلضَّفَادِعَ وَٱلدَّمَ ءَايَٰتٍ مُّفَصَّلَٰتٍ فَٱسْتَكْبَرُوا۟ وَكَانُوا۟ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ﴾

"اور ہم نے فرعونیوں کو قحطوں اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ پھر جب اُن کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔ دیکھو! اُن کی بدشگونی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے لیکن اُن میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی بھی نشانی لاؤ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ سو ہم نے اُن پر

طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کتنی کھلی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار۔" (الأعراف: 7/130-133)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے فرعون کی قوم کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا۔ "انہیں قحط سالی میں مبتلا کیا۔" جب نہ کھیتی باڑی ہو سکتی تھی، نہ دودھ دینے والے جانوروں سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اور درختوں پر پھل کم ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا: ﴿ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾ "تاکہ وہ نصیحت قبول کریں" لیکن وہ باز نہ آئے بلکہ کفر و عناد اور سرکشی پر قائم رہے۔ لہٰذا جب ان پر خوش حالی آ جاتی، زمین پیداوار دینے لگتی اور دوسری نعمتیں حاصل ہوتیں تو کہتے: ﴿ لَنَا هٰذِهٖ ﴾ "یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہیے۔" یعنی یہ ہمارا حق ہے، ہمیں ایسی نعمتیں ملنی ہی چاہییں۔ ﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ﴾ "اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے۔" نعمت کو تو ان کی برکت اور نیکی کا نتیجہ قرار نہیں دیتے تھے، مگر مصیبت آتی تو کہتے ان کی نحوست کی وجہ سے آئی ہے۔ دراصل ان کے دلوں میں تکبر تھا جس کی وجہ سے وہ حق سے متنفر تھے۔ مصیبت کو حق سے منسوب کرتے اور نعمت کو اپنا حق قرار دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ "ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ انہیں پوری سزا دے گا۔ ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ "لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اور یوں کہتے تھے: ﴿ مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ "تم کیسی ہی بات (نشانی) ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعے سے ہم پر جادو چلاؤ، پھر بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔" یعنی آپ جیسے بھی معجزے دکھاتے رہیں، ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ آپ کی اطاعت کریں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾

"یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے، گو اُن کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں، جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔" (یونس: 10/96'97)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴾ "پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون۔ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے، پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار۔"

طوفان کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد بارش کی کثرت ہے جس کی وجہ سے کھیتیاں اور فصلیں ڈوب گئیں اور پھل تباہ ہو گئے۔

ٹڈی دل معروف چیز ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مروی ہے: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سات جنگیں لڑیں (جن میں) ہم ٹڈی کھاتے تھے۔''[1] اس موضوع پر احادیث کے بارے میں ہم نے تفسیر میں مفصل کلام کیا ہے۔ الغرض ٹڈی دل نے ان کا تمام سبزہ چٹ کر ڈالا، نہ کوئی کھیتی بچی، نہ پھل، سب کو ختم کر دیا۔

''قمل'' کا مطلب گندم کو لگ جانے والا کیڑا ابھی بیان کیا گیا ہے اور ٹڈی دل کے بچے بھی، جن کے ابھی پر نہ اگے ہوں۔ بعض مفسرین نے کھٹمل، بعض نے چیچڑیاں اور بعض نے جوئیں مراد لی ہیں۔ بستروں اور گھروں میں ان کے گھس جانے کی وجہ سے لوگوں کا سکون غارت ہو گیا اور نیند حرام ہو گئی۔

مینڈک ایک معروف جانور ہے۔ یہ ان کے لیے اس طرح عذاب بن گئے کہ گھروں میں کثرت سے آ گئے حتی کہ ان کے کھانے میں اور برتنوں میں جا گھستے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آدمی کچھ کھانے یا پینے کے لیے منہ کھولتا تو اس کے منہ میں مینڈک داخل ہو جاتا۔

خون کا عذاب اس انداز سے آیا کہ ان کا سارا پانی خون آلود ہو گیا۔ وہ دریائے نیل سے برتن میں پانی بھرتے، یا کسی نہر یا چشمے یا کنویں سے بھرتے تو وہ فوراً تازہ خون بن جاتا۔

یہ سارے عذاب صرف فرعون کی قوم پر آئے۔ بنی اسرائیل ان سے مکمل طور پر محفوظ رہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ معجزہ ایک دوٹوک دلیل تھا کہ یہ سب کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہو رہا تھا اور قوم فرعون کے ہر فرد کو متاثر کرتا تھا جبکہ بنی اسرائیل کا کوئی فرد اس سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ پختہ ترین دلیل تھی۔

پے در پے عذاب اور قوم فرعون کی وعدہ شکنیاں

جادوگروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آنا فرعون کی زبردست شکست کے مترادف تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ کفر اور سرکشی کی راہ پر گامزن رہا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں پے در پے عذابوں کی صورت میں ظاہر کرنا شروع کر دیں۔ پہلے قحط واقع ہوا، پھر طوفان آ گیا، پھر ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک، خون کے عذاب آئے۔ یہ سب الگ الگ نشانیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کا طوفان بھیجا۔ پانی پورے علاقے پر پھیل گیا' پھر وہیں رک گیا۔ اب وہ نہ کاشتکاری کر سکتے تھے نہ کوئی اور کام حتی کہ وہ سخت بھوک کا شکار ہو گئے۔

جب یہ عذاب ان کے لیے برداشت سے باہر ہو گیا تو کہنے لگے:

---

[1] صحيح البخاري' الذبائح و الصيد' باب أكل الجراد' حديث: 5495 و صحيح مسلم' الصيد و الذبائح' باب إباحة الجراد' حديث: 1952

﴿ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾

''اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجیے، جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو عذاب ختم ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی دل کا عذاب بھیج دیا جس نے تمام درخت اور پودے کھا لیے۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوبارہ وعدہ کیا تو آپ کی دعا سے عذاب ٹل گیا۔ انہوں نے پھر وعدہ توڑ دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ریت کے ایک بڑے ٹیلے پر عصا ماریں۔ انہوں نے عصا مارا تو وہاں سے جوئیں نکل کر گھروں میں داخل ہو گئیں اور لوگوں کے لیے کھانا پینا اور سونا یا آرام کرنا دشوار ہو گیا۔

جب وہ جوؤں سے تنگ آ گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کی طرح درخواست کی۔ ان کی دعا سے عذاب ختم ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے مینڈک بھیج دیے۔ گھروں میں، کھانے پینے کی چیزوں میں اور برتنوں میں مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے۔ کوئی شخص کپڑا اُٹھاتا تو نیچے سے مینڈک نکل آتے۔ کھانے کا برتن کھولتا تو مینڈک پھدک کر اس میں جا پڑتے۔

جب وہ مینڈکوں سے تنگ آ گئے تو پھر وہی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب ختم ہو گیا تو انہوں نے پھر اپنا وعدہ پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ان پر خون کا عذاب آ گیا۔ فرعونیوں کا سارا پانی خون میں تبدیل ہو گیا۔ وہ کسی کنویں سے پانی نکالتے یا دریا سے پانی لیتے یا پانی کے برتن سے چلو بھرتے، ان کے ہاتھ میں پہنچتے ہی خون بن جاتا۔ بعض علماء نے خون کے عذاب سے نکسیر کی بیماری مراد لی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۞ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴾

''جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجیے، جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ان سے، اس

عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا، ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لے لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا۔ اسی سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے۔'' (الأعراف : 7/134-136)

یہ ان لوگوں کے تکبر اور گمراہی کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو اہمیت نہ دی جو آپ اللہ کی طرف سے لائے تھے۔ ان پر جب بھی معجزانہ آزمائش آتی تھی وہ وعدہ کرتے تھے کہ وہ اپنا رویہ تبدیل کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ لیکن وہ اصلاح کی بجائے عہد شکنی کرتے رہے اور پھر ان پر ہر بار پہلے سے بڑا عذاب آتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بار بار مہلت دی لیکن وہ باز نہ آئے۔ آخر کار ان پر اللہ کی گرفت آ گئی۔ وہ دوسروں کے لیے ایک عبرت کی کہانی بن کر رہ گئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۚ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ۝ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ۬ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ۝ فَلَوْلَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ۝ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۙ۝ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ۝﴾

''اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں۔ جب وہ اُن کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان نشانیوں کی ہنسی اڑانے لگے۔ اور جو بھی نشانی ہم اُن کو دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے اُن کو عذاب میں پکڑ لیا تا کہ وہ باز آئیں۔ اور وہ کہنے لگے: اے جادوگر! اُس عہد کے مطابق جو تیرے پروردگار نے تجھ سے کر رکھا ہے اُس سے دعا کر، بیشک ہم ہدایت یاب ہو جائیں گے۔ سو جب ہم نے اُن سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ عہد شکنی کرنے لگے اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے (محلوں کے) نیچے سے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں؟) کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں اُس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا۔ اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے۔ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی اور انہوں نے اس کی بات مان لی۔

بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔ جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور اُن کو گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے عبرت بنا دیا۔'' (الزخرف 43:46-56)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے معجزات آپ کی حقانیت کی واضح دلیل تھے۔ لیکن ان لوگوں نے آپ کا اور آپ کے معجزات کا مذاق اڑایا۔ انہوں نے خود بھی آپ کی تکذیب کی اور دوسروں کو بھی کفر پر آمادہ کیا۔ ان کے سامنے یکے بعد دیگرے اللہ کے نشان آئے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوا يَٰٓأَيُّهَ ٱلسَّاحِرُ ٱدْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴾

''اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ بے شک ہم ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔''

ان کے زمانے میں ''جادوگر'' کا لفظ عیب یا نقص کا پہلو نہیں رکھتا تھا کیونکہ اس معاشرے میں جادوگر ہی ''علماء'' کا مقام رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتے وقت آپ کو ''جادوگر'' کے لفظ سے مخاطب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ ٱلْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴾ ''پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا لیا، انہوں نے اسی وقت اپنا قول و قرار توڑ دیا۔''

فرعون نے اس بات پر فخر کیا کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے جس میں دریا بہتے ہیں، وہ سونے چاندی کے زیور پہنے ہوئے ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کمتر ثابت کرنے کے لیے کہا کہ آپ تو درست طور پر بات بھی نہیں کر سکتے۔

فرعون کی یہ تنقید بے جا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں میں کنگن نہیں۔ یہ تو عورتوں کا زیور ہے جو مردوں کی شان کے لائق نہیں تو رسولوں کے شایان شان کس طرح ہو سکتا تھا جو علم و عقل میں اکمل اور ہمت و جرأت میں اعلیٰ تھے اور جنہیں دنیا سے محبت نہیں تھی کیونکہ وہ آخرت کی نعمتوں سے خوب واقف تھے۔

فرعون نے کہا: ﴿ أَوْ جَآءَ مَعَهُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴾ ''یا اس کے ساتھ پرا باندھ کر فرشتے ہی آ جاتے۔'' تو یہ بات بھی نبوت کے لیے لازمی نہیں۔ فرشتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت کم درجہ کے افراد کا بھی احترام کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی ہے: ''فرشتے طالب علم کے لیے، اس کے عمل پر خوش ہو کر، اپنے پر جھکا دیتے ہیں۔''[1]

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر کے لیے ان کے احترام اور تواضع کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ مقصد ہے کہ فرشتے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کے لیے ظاہر ہوتے تو اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جو معجزات اور دلائل آپ کو دیے گئے تھے وہ کسی بھی سمجھ دار آدمی کے لیے ہدایت تک پہنچنے کے لیے کافی تھے۔

---

[1] سنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث: 3641 وجامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، حديث: 2682

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ''اس نے اپنی قوم کی عقل کھودی۔ حتیٰ کہ انہوں نے اسے رب بھی مان لیا'' جو انتہائی احمقانہ بات ہے مگر انہوں نے اسکی بات مان لی۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ''یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔'' یعنی ان سے عزت چھین کر انہیں ذلیل کر دیا، سمندر میں غرق کر دیا اور دنیا کے عیش کے بعد جہنم کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا ''پس ہم نے انہیں گیا گزرا کر دیا اور پچھلوں کے لیے مثال بنا دیا۔''

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿﴾

''اور جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے جو اس نے بنا کھڑا کیا ہے اور یہ (باتیں) ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو (کبھی) سنی نہیں۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا پروردگار اُس شخص کو خوب جانتا ہے جو اُس کی طرف سے حق لے کر آیا ہے اور جس کے لیے عاقبت کا گھر (یعنی بہشت) ہے۔ بیشک ظالم نجات نہیں پائیں گے۔ اور فرعون نے کہا: اے اہل دربار! میں اپنے سوا کسی کو تمہارا الٰہ نہیں جانتا' سوائے ہامان! میرے لیے گارے کی اینٹیں پکوا دو۔ پھر ایک (اونچا) محل بنوا دو تاکہ میں موسیٰ کے الٰہ کی طرف جھانک دیکھوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اور وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق مغرور ہو رہے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور انہیں دریا میں غرق کر دیا۔ سو دیکھ لو کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا اور ہم نے اُن کو پیشوا بنایا تھا۔ وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن اُن کی مدد نہیں کی جائے گی اور اس دنیا میں ہم نے اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اور وہ قیامت کے روز بھی بدحالوں میں ہوں گے۔'' (القصص: 28/36-42)

جب انہوں نے تکبر کرتے ہوئے حق کی پیروی سے انکار کیا اور اپنے جھوٹے بادشاہ کے دعویٰ کی تائید اور اس کے احکام کی تعمیل کی تو ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور اس نے ان سے شدید ترین انتقام لیا۔ اللہ نے فرعون اور اس کے تمام

لشکروں کو یک بیک سمندر میں غرق کر دیا' کوئی ایک بھی بچ نہ سکا' بلکہ سب کے سب جہنم رسید ہوئے۔ دنیا میں ان پر لعنتیں برسیں اور قیامت کو بھی ان کا حال برا ہو گا۔

فرعون اور اس کی فوجوں کی تباہی و بربادی

فرعون اور آل فرعون کے تمرد میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ توحید کے دلائل اور پیغمبرانہ معجزات سے بھی فیض یاب نہ ہو سکے تو ان کی سزا کا وقت آ پہنچا۔ اہل مصر میں سے صرف چند افراد ایمان لائے جن کی تعداد ایک قول کے مطابق صرف تین ہے۔ فرعون کی بیوی، قوم فرعون کا وہ مومن، جس کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے، اور وہ شخص جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں کے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لیے شہر کے دوسرے کنارے سے بھاگا آیا تھا اور اس نے کہا تھا:

﴿ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾

''موسیٰ! (یہاں کے) سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ پس تو یہاں سے چلا جا! مجھے اپنا خیر خواہ مان۔''

(القصص: 20/28)

ایک قول کے مطابق فرعون کی قوم یعنی قبطیوں میں سے بھی متعدد افراد ایمان لے آئے تھے اور جادوگر تو سب کے سب مومن ہو چکے تھے اور بنی اسرائیل کی پوری قوم بھی مومنین میں شامل تھی، اس کی تائید اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے:

﴿ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾

''پس موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف چند نوجوان آدمی ایمان لائے' وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف پہنچائیں اور حقیقت میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا اور یہ بات بھی تھی کہ وہ حد سے گزر نے والا تھا۔'' (یونس: 83/10)

﴿ ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ﴾ اس کی قوم سے مراد فرعون کی قوم ہے جیسے کلام کے سیاق سے ظاہر ہے۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ وہ فرعون کے خوف سے اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وہ توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان کا اظہار کرتے تو انہیں طرح طرح کی آزمائشوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿ يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

''اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو، اگر تم مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کیا: ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالموں کے لیے فتنہ نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ ان کافر لوگوں سے نجات دے۔'' (یونس: 86-84/10)

انہوں نے اللہ پر توکل کیا، اسی سے مدد مانگی تو اللہ نے انہیں ان مشکل حالات سے نجات دے دی۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لیے مصر میں چند مکان مہیا کرو اور تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو اور نماز کے پابند رہو اور آپ مومنوں کو بشارت دے دیں۔'' (یونس: 87/10)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ اپنی قوم کے افراد کی رہائش فرعونیوں سے الگ کر لیں تاکہ جونہی ہجرت کا حکم ملے، سفر کے لیے تیار ہوں۔ ﴿ وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ﴾ ''اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو۔'' یعنی کثرت سے نمازیں پڑھو۔ یہ ان مصائب اور مشکلات سے نجات کے لیے اللہ سے مدد مانگنے کا طریقہ بھی تھا، جیسے اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ﴾ ''صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔'' (البقرۃ: 45)
رسول اللہ ﷺ کو بھی جب کوئی پریشانی پیش آتی تھی تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ وہ اس وقت اپنے عبادت خانوں میں اجتماعی طور پر علانیہ عبادت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انہیں گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پہلا قول قوی معلوم ہوتا ہے' تاہم اس سے دوسرے قول کی تردید نہیں ہوتی۔ (واللہ اعلم)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کی قوم کے لیے بددعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی حد سے بڑھتی ہوئی سرکشی دیکھی تو اپنے رب سے یوں دعا مانگی:

﴿ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

''اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیے۔ اے ہمارے رب! (کیا اس واسطے دیے ہیں) کہ وہ تیری راہ سے گمراہ کر دیں؟ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سو تم ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔'' (یونس: 89'88/10)

یہ ایک عظیم دعا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے دشمن فرعون کے خلاف کی۔ آپ کو اللہ کی محبت کی بنا پر فرعون پر غصہ تھا کیونکہ اس نے تکبر کرتے ہوئے حق کو قبول کرنے سے انکار کیا، اللہ کی راہ سے روکا، سرکشی اور تکبر کا راستہ اختیار کیا۔ حسی اور معنوی طور پر واضح ہو جانے والے حق اور دوٹوک دلائل کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ﴾ ''اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو۔'' یعنی اس کی قوم قبطیوں کو اور اس کے ہم مذہبوں کو: ﴿زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ﴾ ''سامان زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیے۔ اے ہمارے رب! (کیا اس واسطے دیے ہیں) کہ وہ تیری راہ سے گمراہ کریں؟'' یعنی دنیا کو اہمیت دینے والے اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ ایسے جاہل ان کی دنیاوی شان دیکھ کر انہیں حق پر سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن یہ مال، یہ فاخرانہ لباس، یہ خوبصورت سواریاں، یہ شاندار محلات، یہ لذیذ کھانے، یہ دل خوش کن مناظر، یہ شاہانہ جاہ و جلال سب کا سب دنیاوی عظمت ہے، دینی نہیں۔ ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ﴾ ''اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے۔'' بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان چیزوں کو پتھروں میں تبدیل کر دے، جبکہ ان کی ظاہری شکل وصورت ویسی ہی رہے، جیسے تھی۔ ﴿وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ ''اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔ سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ بددعا قبول کر لی جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا ان کی قوم کے بارے میں قبول فرمائی تھی جب نوح علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ ''اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑے گا تو (یقیناً) یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور یہ فاجر اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔'' (نوح: 27`26/71) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کے خلاف بددعا کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی' لہٰذا وہ بھی دعا کرنے والے شمار ہوئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ''تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سو تم ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔''

فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں

مفسرین اور اہل کتاب کہتے ہیں: بنی اسرائیل نے فرعون سے اپنی ایک عید منانے کے لیے شہر سے باہر نکلنے کی اجازت مانگی۔ وہ پسند تو نہ کرتا تھا تاہم اس نے اجازت دے دی۔ چنانچہ انہوں نے نکلنے کی تیاری کی تو وہ اصل میں مصر سے ہمیشہ کے لیے چلے جانے کی تیاری تھی۔ یہ پروگرام ہجرت کے لیے بنایا گیا تھا۔ بائبل میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ کے حکم کے مطابق مصریوں سے سونے چاندی کے زیورات مانگے اور انہوں نے دے دیے۔[1] بنی اسرائیل فوراً شام کے ملک کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب فرعون کو ان کے چلے جانے کی اطلاع ملی تو وہ انتہائی غضب ناک ہوا اور فوج کے سرداروں کو حکم دیا کہ فوراً ان کا تعاقب کر کے انہیں گرفتار کریں اور سزا دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۝ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ۝ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۝ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ۝ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ۝ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴾

’’اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو رات کو لے نکلو کہ (فرعونیوں کی طرف سے) تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ لہٰذا فرعون نے شہروں میں نقیب روانہ کیے (اور کہا) کہ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے اور یہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں اور ہم سب باساز و سامان ہیں۔ تو ہم نے اُن کو باغوں اور چشموں سے نکالا' اور خزانوں اور نفیس مکانات سے (ان کے ساتھ ہم نے) اسی طرح کیا اور ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا تو انہوں نے سورج نکلتے (یعنی صبح کو) ان کا تعاقب کیا۔ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑ لیے گئے۔ موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں! میرا پروردگار میرے ساتھ ہے' وہ مجھے راستہ بتائے گا۔ اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو تو سمندر پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا (یوں) ہو گیا (کہ) گویا بڑا پہاڑ (ہے) اور ہم دوسروں کو وہاں قریب لے آئے' اور موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کو تو بچا لیا'

[1] خروج، باب:12

تاہم دوسروں کو ڈبو دیا۔ بیشک اس قصے میں نشانی ہے لیکن یہ اکثر ایمان لانے والے نہیں اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔'' (الشعراء : 52/26-68)

مفسرین فرماتے ہیں: جب فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں روانہ ہوا تو ایک بہت بڑا لشکر اس کے ہمراہ تھا۔ کہتے ہیں اس کی گھوڑ سوار فوج میں ایک لاکھ سیاہ گھوڑے تھے اور اس کے لشکر کی تعداد سولہ لاکھ سے زیادہ تھی۔ (واللہ اعلم) ایک قول کے مطابق بنی اسرائیل میں بچوں وغیرہ کو چھوڑ کر صرف جنگجو مردوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ [1] حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر میں آنے سے لے کر موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر سے نکلنے تک چار سو چھبیس شمسی سال کی مدت ہے۔ [2]

بہر حال فرعون اپنے لشکر سمیت بنی اسرائیل تک پہنچ گیا۔ اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا۔ دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب حملہ ہونے ہی والا ہے تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ ''ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے۔''

ظاہری حالات کے مطابق بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سامنے سمندر تھا اور پیچھے فرعون کی فوجیں۔ دائیں بائیں اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ جب انہوں نے یہ نازک صورت حال دیکھی تو موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ وہ انتہائی خوف زدہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ ''ہرگز نہیں! یقیناً میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔'' آپ اپنی جماعت کے پچھلے حصے میں تھے، وہاں سے آگے آ گئے۔ دیکھا کہ سمندر کی لہریں تلاطم خیز ہیں، آپ نے فرمایا: ''مجھے یہیں سے گزرنے کا حکم ہوا ہے۔''

آپ کے ساتھ آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بھی تھے، جو اس وقت ایک اہم قائد اور عالم تھے، انہیں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ ان کے حالات اگلے صفحات میں بیان ہوں گے (ان شاء اللہ) قوم فرعون میں سے ایمان لانے والا مومن بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے کئی بار گھوڑا سمندر میں داخل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: ''اے اللہ کے نبی! آپ کو یہیں سے گزرنے کا حکم

---

[1] یہ بیان بائبل کے مطابق ہے۔ جنگجو مردوں سے مراد یہ ہے کہ اس تعداد میں عورتیں اور بیس سال سے کم عمر کے بچے شامل نہیں۔ علاوہ ازیں یہ تعداد صرف گیارہ قبیلوں کی ہے۔ بنو لاوی کے جنگجو مرد اس میں شامل نہیں کیونکہ وہ صرف مذہبی فرائض انجام دیتے تھے۔ (دیکھیے گنتی: باب: 1، فقرہ: 45 تا 47) لیکن بائبل کی بیان کردہ یہ تعداد درست نہیں۔ علامہ رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ نے مسیحی علماء کے اقوال اور دیگر دلائل سے ثابت کیا ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں صرف دو سو پندرہ سال ٹھہرے ہیں۔ (اظہار الحق 414/2، 415) اس مدت میں اسی سال کا وہ عرصہ بھی شامل ہے، جس میں بنی اسرائیل کے لڑکے ذبح کیے جاتے رہے ہیں۔ باقی ایک سو پینتیس سال کی مدت میں یعقوب علیہ السلام کے گیارہ بیٹوں کی اولاد اس تعداد کو نہیں پہنچ سکتی۔ مزید دلائل کے لیے دیکھیے: (اظہار الحق 122/1 تا 128، مطبوعہ ریاض، سعودی عرب، طبع 1410ھ بمطابق 1989ء)

[2] خروج، باب: 12، فقرہ: 40، 41- صحیح مدت دو سو پندرہ سال ہے۔

ہوا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!''

✿ سمندر حکم الٰہی سے پھٹ گیا: جب معاملہ انتہائی نازک صورت اختیار کر گیا اور فرعون پورے لاؤ لشکر سمیت قریب پہنچ گیا تو مومن انتہائی پریشان ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ سمندر پر اپنا عصا ماریے۔ آپ نے عصا مارتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کے حکم سے پھٹ جا!'' فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴾ ''ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ سمندر پر اپنی لاٹھی مار، پس اسی وقت سمندر پھٹ گیا اور (پانی کا) ہر ایک حصہ بڑے سارے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔'' ایک روایت کے مطابق اس میں بارہ راستے بن گئے تھے یعنی ہر قبیلہ کے لیے الگ راستہ بن گیا۔

اسی طرح پانی پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ اسے اللہ کی عظیم قدرت نے روک رکھا تھا۔ وہ تو جس کام کو [کُـــنْ] کہتا ہے، وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ نے ہوا کو حکم دیا تو اُس نے سمندر کے کیچڑ کو خشک کر دیا۔ اس طرح گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے سم دھنسنے سے محفوظ ہو گئے۔

مومنوں کی نجات اور فرعونیوں کی غرقابی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ڏ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۭ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ ﴾

''ہم نے موسیٰ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل! اور ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا لے، پھر نہ تجھے کسی کے آ پکڑنے کا خطرہ ہو گا نہ ڈر۔ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا پھر تو سمندر ان سب پر چھا گیا، جیسا کہ چھا جانے والا تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا۔'' (طٰہٰ: 20/77-79)

جب اللہ عزوجل کے حکم سے سمندر کی یہ کیفیت ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وہاں سے گزرنے کا حکم دے دیا۔ وہ خوش ہو کر جلدی جلدی ان راستوں میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے ایسا عظیم واقعہ دیکھا تھا جس کو دیکھ کر ہر شخص حیران رہ جائے اور مومنوں کو ہدایت نصیب ہو۔ جب وہ سب پار اتر گئے اور ان کا آخری فرد بھی سمندر سے باہر آ چکا، عین اس وقت فرعون کا لشکر سمندر میں بنے ہوئے ان راستوں میں داخل ہو رہا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۙ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ﴿۱۸﴾ وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۚ﴿۱۹﴾ وَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۫﴿۲۰﴾ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۙ﴿۲۳﴾ وَ اتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۙ﴿۲۵﴾ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ۙ﴿۲۶﴾ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ۙ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَ لَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ۙ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِیًا مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۳۲﴾ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ﴿۳۳﴾ ﴾

''اور ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی اور اُن کے پاس ایک عالی قدر پیغمبر آئے۔ (جنہوں نے) یہ (کہا) کہ اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں اور اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں اور میں اس (بات) سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ تب موسیٰ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔ (اللہ نے فرمایا کہ) میرے بندوں کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ اور (فرعونی) ضرور تمہارا تعاقب کریں گے۔ اور دریا سے (کہ) خشک (ہو رہا ہوگا) پار ہو جاؤ (تمہارے بعد) اُن کا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا۔ وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور نفیس مکان اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح (ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو اُن چیزوں کا مالک بنا دیا۔ پھر اُن پر نہ تو آسمان اور زمین کو رونا آیا اور نہ اُن کو مہلت دی گئی اور ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی یعنی فرعون سے۔ بیشک وہ سرکش اور حد سے نکلا ہوا تھا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو اہل عالم سے دانستہ منتخب کیا تھا اور اُن کو ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں صریح آزمائش تھی۔'' (الدخان: 44/17-33)

جب آپ نے سمندر کو اسی طرح رہنے دیا تو فرعون بھی وہاں پہنچ گیا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ اس اللہ کا کام ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ رک جائے اور دل میں شرمندہ ہو رہا تھا لیکن اس نے اپنی قوم کے سامنے جرأت کا مظاہرہ کیا اور اپنے بیوقوف پیروکاروں سے بولا: ''دیکھو! کس طرح سمندر نے مجھے راستہ دے دیا ہے کہ میں اپنے مفرور اور باغی بندوں کو گرفتار کر لوں۔'' لیکن دل میں وہ تذبذب کا شکار تھا کہ آگے بڑھے یا نہ بڑھے۔

آخر کار اس نے اپنا گھوڑا سمندر میں داخل کر دیا۔ جب فوجیوں نے اسے سمندر میں داخل ہوتے دیکھا تو وہ بھی اس کے پیچھے سمندر میں داخل ہو گئے۔ جب فوج کا اگلا حصہ سمندر سے نکلنے کے قریب تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ سمندر پر عصا مار دیں۔ فوراً سمندر اسی طرح رواں ہو گیا، جیسے پہلے ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ سب کا فر غرق ہو گئے۔ ایک بھی نجات نہ پا سکا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۚ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۠

''ہم نے موسیٰ اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی' پھر سب دوسروں کو ڈبو دیا۔ یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان والے نہیں اور بے شک آپ کا رب بڑا ہی غالب و مہربان ہے۔'' (الشعراء: 26/65-67)

یعنی اللہ نے اپنے بندوں کو نجات دی۔ ان میں سے کوئی بھی غرق نہ ہوا اور اللہ کے دشمن سب کے سب غرق ہو گئے۔ ان میں سے ایک بھی نجات نہ پا سکا۔ یہ ایک واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عظیم قدرت و طاقت والا ہے اور اس کا رسول جو شریعت لے کر آیا، وہ برحق ہے۔

فرعون کی آخری لمحے ایمان لانے کی ناکام کوشش

سرکش' باغی' ظالم اور مغرور و متکبر فرعون نے جب موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو جھٹ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب کو تسلیم کر لیا لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۠

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کرا دیا' پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے چلا، یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا: میں ایمان لاتا ہوں کہ اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (جواب دیا گیا) کیا اب (ایمان لاتا ہے)؟ اور تو پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں شامل رہا۔ سو آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تا کہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔''

(یونس : 10/90-92)

اللہ تعالیٰ نے کافر قبطیوں کے سردار یعنی فرعون کے ڈوبنے کی کیفیت بیان کی ہے۔ جب وہ پانی کی لہروں میں کبھی ڈوب رہا تھا اور کبھی ابھر رہا تھا اور بنی اسرائیل اس پر اور اس کی فوجوں پر نازل ہونے والا اللہ کا عذاب دیکھ رہے تھے تاکہ ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں۔ جب فرعون نے دیکھا کہ موت اس کے سر پر کھڑی ہے اور اس کی جان نکلنے لگی تو اس نے توبہ کی لیکن اس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾

”یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے، گو ان کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں، جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔“ (یونس : 10/96'97)

﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

”ہمارا عذاب دیکھتے ہی کہنے لگے: ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن جن کو ہم ان کا شریک بناتے رہے، ہم نے ان سب کا انکار کیا۔ لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد کے ایمان نے انہیں فائدہ نہ دیا۔ اللہ نے اپنا معمول یہی مقرر کر رکھا ہے جو اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے۔ اور اس جگہ کافر خراب و خستہ ہوئے۔“ (المؤمن: 40/84'85)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تھی کہ فرعون اور اس کے سرداروں کے اموال تباہ ہو جائیں اور ان کے دل سخت ہو جائیں، انہیں دردناک عذاب میں مبتلا ہونے تک ایمان نصیب نہ ہو۔ اس لیے انہیں مرتے وقت کے ایمان سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور حسرت و افسوس کی حالت میں مرے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: ﴿ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا ﴾ ”تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔“ اب اس قبولیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب فرعون نے کہا: میں ایمان لاتا ہوں کہ اس (اِلٰہ) کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں (اس وقت کے بارے میں) جبریل علیہ السلام نے مجھے فرمایا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کاش آپ دیکھتے جب میں نے سمندر کی کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونس دی تھی، اس ڈر سے کہ اس پر اللہ کی رحمت نہ ہو جائے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ”کیا اب (ایمان لاتا ہے) اور تو پہلے

[1] مسند أحمد : 240/1 وجامع الترمذي، التفسير، باب ومن سورة يونس، حديث : 3107

سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں شامل رہا۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ایمان قبول نہیں ہوا کیونکہ اگر اسے مزید مہلت دی جاتی تو وہ دوبارہ گزشتہ اطوار ہی اختیار کرتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ جہنم کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو کہیں گے: ﴿ يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''ہائے! کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیے جائیں، اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔'' (الأنعام: 27/6)

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: ﴿ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ ''بلکہ جس چیز کو اس سے قبل دبایا کرتے تھے، وہ ان کے سامنے آ گئی ہے اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھیج دیے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔'' (الأنعام: 28/6)

* **فرعون کی نعش نشان عبرت ہے:** اللہ تعالیٰ نے اس مغرور و متکبر کی نعش کو تا قیامت آنے والی نسلوں کے لیے نشان عبرت بنا دیا تا کہ آیندہ بھی خدائی دعویٰ کرنے والے اپنا انجام بغور ملاحظہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ﴾

''سو آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تا کہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔'' (یونس: 92/10)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کا یقین نہ آیا۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ مر ہی نہیں سکتا۔ تب سمندر نے اللہ کے حکم سے اس کی لاش پانی کی سطح پر یا ایک ٹیلے پر اچھال دی اور اس کی وہ قمیص اس کے جسم پر تھی جسے لوگ پہچانتے تھے تا کہ انہیں اس کی ہلاکت کا یقین ہو جائے اور وہ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کر لیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ ﴾ ''آج ہم تجھے تیرے بدن کے ساتھ نجات دیں گے۔'' یعنی تیری معروف قمیص کے ساتھ تیرے بدن کو بچا لیں گے۔ ﴿ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ﴾ ''تا کہ تو اُن کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں۔'' یعنی بنی اسرائیل کے لیے یہ اللہ کی قدرت کی دلیل ہو گی جس نے تجھے تباہ کیا۔

فرعون اور اس کی افواج کی تباہی کا واقعہ عاشوراء کے دن (محرم کی دس تاریخ کو) پیش آیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودی عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ دن کیا (اہمیت رکھتا) ہے، جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟'' انہوں نے کہا: اس دن موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ نصیب ہوا تھا۔ نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام پر تمہارا حق ان (یہود) سے زیادہ ہے، اس لیے (عاشوراء کا) روزہ رکھا کرو۔''[1]

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم عاشوراء، حديث: 2004 وصحيح مسلم، الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، حديث: 1130

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کے حالات

فرعون اور اس کی کافر قوم کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو بے شمار نعمتوں سے نوازا خصوصاً غلامی سے نجات اور امن کی نعمت سے سرفراز کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

''پھر ہم نے ان (قوم فرعون) سے بدلہ لے لیا، یعنی ان کو سمندر میں غرق کر دیا۔ اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے، سب کو درہم برہم کر دیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجیے جیسے ان کے معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا: واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔ فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کر دوں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے بچالیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔'' (الأعراف: 7/136-141)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی افواج کے غرق ہونے کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس

نے کس طرح انہیں ان کی عزت اور مال سے محروم کر کے ہلاک کر دیا اور ان کے تمام مالوں اور ملکیتی اشیا کے مالک بنی اسرائیل بن گئے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴾

''اسی طرح ہوا اور ہم نے ان (تمام) چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔'' (الشعراء: 59/26)

اور مزید فرمایا:

﴿ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَي الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴾

''پھر ہم نے چاہا کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم انہی کو پیشوا اور (زمین کا) وارث بنائیں۔'' (القصص: 5/28)

اور یہاں فرمایا: ﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴾ ''اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے، سب کو درہم برہم کر دیا۔'' یعنی ان سب کو تباہ کر دیا اور دنیا کی شوکت و عظمت ان سے چھین لی۔ بادشاہ، اس کے درباری، اس کے حاکم، اس کے لشکر سب تباہ ہو گئے، صرف مصر کے عوام اور رعیت کے افراد باقی رہ گئے۔

☆ **قوم کی خواہشِ بت پرستی:** اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم و برتر کتاب میں قوم موسیٰ کی ایک غلط خواہش کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجیے جیسے ان کے معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا: واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔'' (الأعراف: 139,138/7)

انہوں نے جہالت اور گمراہی کی یہ بات کہہ دی، حالانکہ وہ اللہ کی قدرت کی ایسی نشانیاں دیکھ چکے تھے جن سے عظیم رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت بالکل واضح ہو چکی تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ان کا گزر ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو بت

پرست تھی۔ کہتے ہیں وہ بت گائے کی شکل کے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پوچھا ہوگا کہ وہ ان کی پوجا کیوں کرتے ہیں؟ جواب یہ ملا ہوگا کہ ان سے نفع حاصل ہوتا ہے اور حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ ان جاہلوں نے ان کی بات کو سچ سمجھ لیا اور اپنے نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کر ڈالا: ﴿اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ ''جیسے ان کے معبود ہیں، ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجیے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی حماقت واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔''

بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار اور دشت نوردی: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے تو ان کا سامنا حیثانی، فزاری اور کنعانی اقوام کے زبردست لوگوں سے ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ ان کافر قوموں کے خلاف جہاد کریں اور انہیں بیت المقدس کی سرزمین سے نکال دیں، جس کے بارے میں اللہ نے حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی زبانی ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو ملے گی۔ انہوں نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خوف مسلط کر دیا اور انہیں چالیس سال کی طویل مدت کے لیے میدان تیہ میں بھٹکنے دیا۔ وہ چلتے رہے، سفر کرتے رہے، ادھر اُدھر آتے جاتے رہے حتیٰ کہ چالیس سال بیت گئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾

''اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کا احسان یاد کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا۔ اے میری قوم والو! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا

پڑو۔انہوں نے جواب دیا: اے موسیٰ! وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر ہم (بخوشی) چلے جائیں گے۔ دو شخصوں نے جو اللہ سے خوف کھانے والوں میں سے تھے، جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا، کہا: تم ان کے مقابلے میں دروازے میں تو پہنچ جاؤ۔ دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے۔تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔قوم نے جواب دیا: اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں، تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، اس لیے تم اور تمہارا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو۔ ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے: الٰہی! مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں، پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی ڈال دے۔ ارشاد ہوا: اب یہ (زمین) ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے۔ یہ (خانہ بدوشوں کی طرح) ادھر ادھر سرگرداں رہیں گے۔ اس لیے تم ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔'' (المآئدۃ: 5/20-26)

اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احسان اور دینی و دنیاوی نعمتیں یاد دلاتے ہوئے انہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ﴿ اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ ﴾ ''اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو۔'' یعنی دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے سے جی نہ چراؤ۔ ﴿ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴾ ''کہ پھر نقصان میں جا پڑو۔'' یعنی ایسا نہ ہو کہ نفع کے بعد خسارے کا اور کمال کے بعد تنزل اور نقص کا شکار ہو جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا: ﴿ یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ﴾ اے موسیٰ! وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں۔'' یعنی وہ بہت زبردست، فسادی اور کافر ہیں۔ ﴿ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا ﴾ ''اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم تو ہرگز نہ جائیں گے۔'' وہ ان جبارین سے ڈر گئے، حالانکہ فرعون کی ہلاکت ان کی آنکھوں کے سامنے ہوئی تھی، جو اُن سے کہیں زیادہ زبردست، زیادہ ظالم اور زیادہ فوجوں والا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ بات قابل ملامت ہے کہ وہ دشمنوں اور ظالموں کے مقابلہ سے پہلو تہی کر رہے تھے۔

بعض مفسرین نے ﴿ جَبَّارِیْنَ ﴾ کے بارے میں بے سروپا قصے نقل کر دیے ہیں جس میں ان کی غیر معمولی جسامت کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے ایک آدمی عوج بن عنق کا قد تین ہزار تین سو تینتیس ہاتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ سب بے ثبوت باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ﴾ ''دو شخصوں نے جو اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اور جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔'' میں اس فضل و انعام سے اسلام، ایمان، اطاعت گزاری اور شجاعت مراد ہے۔انہوں نے کہا: ﴿ اُدْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾

''تم ان کے مقابلے میں دروازے میں تو پہنچ جاؤ! دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے۔ تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔'' یعنی اگر تم اللہ پر بھروسا رکھو گے، اس سے مدد مانگو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں دشمنوں پر فتح دے گا۔ قوم نے جواب دیا: ﴿ يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ ''اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں، تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے۔ اس لیے تم اور تمہارا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو، ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔'' ان کے سرداروں نے جہاد نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور بزدلی کا اظہار کیا۔ کہتے ہیں کہ یوشع اور کالب نے یہ بات سن کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی یہ بات سن کر بہت ناراض ہوئے اور اللہ کے خوف سے سجدہ کیا۔ انہیں خوف محسوس ہوا کہ اس کی وجہ سے اللہ کا عذاب نہ آ جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ''الٰہی! مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں۔ پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی ڈال دے۔ ارشاد ہوا: ﴿ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ اب یہ (زمین) ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے۔ یہ ادھر ادھر سرگرداں رہیں گے۔ اس لیے تم ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔'' جہاد سے انکار کی وجہ سے انہیں یہ سزا دی گئی کہ وہ دن رات، صبح شام بے مقصد گھومتے رہیں۔ کہتے ہیں کہ جو لوگ میدان تیہ میں داخل ہوئے تھے، وہ سب کے سب اس چالیس سالہ دور میں مرکھپ گئے۔ صرف یوشع اور کالب علیہما السلام باقی بچے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ اطاعت: اس کے برعکس سیدنا محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ایک روشن مثال ہے۔ جب نبی ﷺ نے غزوۂ بدر کے لیے مدینہ سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بات کی اور بہت عمدہ بات کی۔ دوسرے مہاجرین نے بھی آپ ﷺ کی رائے کی تائید کی۔ آپ نے پھر بھی فرمایا: ''مجھے مشورہ دو!'' حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ کا اشارہ غالباً ہم انصار کی طرف ہے۔ قسم ہے اس ذات کی، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں اس سمندر میں گھسنے کا حکم دیں گے تو ہم اس میں بھی گھس جائیں گے۔ ہم میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہمیں یہ بالکل ناپسند نہیں کہ آپ ہمیں دشمن کے مقابلے میں کھڑا کر دیں، ہم لوگ ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے، جم کر لڑنے والے ہیں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی (جنگ) کرنے کی توفیق دے گا جس کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ آپ اللہ کی برکت کے ساتھ ہمیں لے چلیے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سن کر نبی اکرم ﷺ انتہائی خوش ہوئے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے مقداد رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا عمل دیکھا ہے کہ اگر

[1] تفسیر ابن کثیر: 7،6/8 والرحیق المختوم، ص: 343

وہ مجھے نصیب ہوتا تو مجھے اس جیسے دوسرے تمام اعمال سے زیادہ پیارا ہوتا۔ آپ (مقداد رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ مشرکین کو بددعائیں دے رہے تھے۔ (حاضر ہو کر) فرمایا: ''اللہ کے رسول ﷺ! قسم ہے اللہ کی! ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ ''جایئے! آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کیجیے! ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔'' بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے لڑیں گے۔'' میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اتنے خوش ہوئے کہ آپ کا چہرہ مبارک چمک اُٹھا۔ [1]

بنی اسرائیل میدان تیہ میں

بنی اسرائیل نے جب اس قوم کے خلاف جہاد کرنے سے انکار کر دیا جنہیں وہ زور آور سمجھتے تھے۔ اس کی سزا کے طور پر وہ صحرا میں بھٹکتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ وہ چالیس سال تک یہاں سے نکل نہیں سکیں گے۔ بائبل میں یہ واقعہ مذکور نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۝ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ۝ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾

''اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے کوہ طور کی دائیں طرف کا وعدہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا۔ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے، وہ یقیناً تباہ ہوا۔ ہاں! بے شک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں۔'' (طٰہٰ: 20/80-82)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے احسانات بیان فرمائے ہیں۔ اس نے انہیں دشمنوں سے نجات دی، تنگی اور مصیبتوں والی زندگی سے رہائی دی اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ اپنے نبی کے ساتھ طور کی اس طرف آ جائیں جو اُن سے دائیں طرف ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسے عظیم احکام نازل فرمائے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کے فوائد ہیں۔ اللہ نے ان پر بنجر و بے آب و گیاہ زمین میں سفر کے دوران میں، ان کی مشکلات اور ضروریات کے موقع پر آسمان سے من نازل فرمایا، جب صبح ہوتی تو گھروں کے درمیان مل جاتا وہ اس میں سے کل تک کی ضرورت کے مطابق لے لیتے۔ اگر کوئی شخص

[1] مسند أحمد: 1/458 وصحيح البخاري، المغازي، باب قول الله تعالى ﴿إذ تستغيثون ربكم......﴾، حديث: 3952

زیادہ مدت کے لیے جمع کرتا تو وہ خراب ہو جاتا۔ اگر کوئی تھوڑا لیتا تو وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا۔ اگر کوئی (بلا ارادہ) زیادہ لے لیتا تو وہ خرچ ہو جاتا، کچھ نہ بچتا۔ وہ انتہائی شیریں اور انتہائی سفید تھا۔ وہ لوگ اسے روٹیوں کی طرح بنا لیتے تھے۔ جب شام ہوتی تو بہت سے سلویٰ پرندے (بٹیر) ان کے پاس آ کر جمع ہو جاتے۔ وہ بڑی آسانی سے حسب ضرورت پکڑ لیتے جو اُن کے رات کے کھانے کے لیے کافی ہو جاتے۔

جب گرمی کا موسم آتا تو اللہ تعالیٰ ان پر بادلوں کا سایہ کر دیتا جس سے وہ سورج کی تیز دھوپ اور شدید گرمی سے محفوظ رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۞ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۞ ﴾

"اے بنی اسرائیل! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے تھے اور اُس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا، میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمد ﷺ پر) نازل کی ہے جو تمہاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کے منکر اوّل نہ بنو، اور میری آیتوں میں (تحریف کر کے) اُن کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل نہ کرو اور مجھ ہی سے خوف رکھو۔" (البقرۃ : 41'40/2)

بنی اسرائیل پر انعامات ربانی کی بارش

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے پے درپے انعامات واحسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۞ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۞ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۞ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۞ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۞ ثُمَّ

بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

''اور (ہمارے اُن احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے نجات بخشی۔ وہ (لوگ) تم کو بڑا دکھ دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔ اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تو تم کو تو نجات دی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے اُن کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) مقرر کر لیا اور تم ظلم کر رہے تھے۔ پھر اُس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا تا کہ تم شکر کرو۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے' سو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر اُس نے تمہارا قصور معاف کر دیا' وہ بیشک معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے۔ اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا: اے موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ الہٰذا تم کو بجلی نے آ گھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر موت آ جانے کے بعد ہم نے تم کو از سرِ نو زندہ کر دیا تا کہ احسان مانو۔ اور بادل کا تم پر سایہ کیے رکھا اور تمہارے لیے من اور سلویٰ اتارتے رہے کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں، اُن کو کھاؤ (پیو مگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ جانی) اور وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے تھے۔'' (البقرۃ: 2/49-57)

اس کے بعد فرمایا:

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ؕ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے (اللہ سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (انہوں نے لاٹھی ماری) تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر (کے پانی پی) لیا (ہم نے حکم دیا کہ) اللہ کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی کھاؤ اور پیو مگر زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا۔ اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم

سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہوسکتا' سو آپ اپنے پروردگار سے دعا کیجیے کہ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اُگتی ہیں، ہمارے لیے پیدا کر دے۔ انہوں (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ کیا عمدہ چیزیں چھوڑ کر اُن کے عوض ناقص چیزیں چاہتے ہو (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو، وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا۔ اور (آخر کار) ذلت (ورسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) اُن سے چمٹا دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گئے' یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے' اور یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کیے جاتے تھے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔" (البقرۃ: 2/60'61)

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا یہ احسان بیان فرمایا ہے کہ اس نے انہیں من وسلویٰ مہیا فرمایا۔ یہ دونوں دل پسند کھانے تھے جو انہیں بلا مشقت حاصل ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ صبح کے وقت ان پر من نازل فرماتا تھا اور شام کے وقت بٹیروں کے جھنڈ بھیج دیتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پتھر پر عصا مارنے سے ان کے لیے اللہ کی قدرت سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، ہر قبیلے کے لیے ایک چشمہ تھا، جس میں پہلے تھوڑا تھوڑا پانی جاری ہوتا، پھر وہ میٹھا پانی تیزی سے بہنے لگتا۔ وہ خود بھی پیتے، جانوروں کو بھی پلاتے اور ضرورت کے مطابق ذخیرہ بھی کر لیتے۔ گرمی سے بچاؤ کے لیے انہیں بادلوں کا سایہ میسر تھا۔

یہ اللہ کی عظیم نعمتیں اور عطیات تھے۔ ان لوگوں نے ان کا کما حقہ خیال نہ رکھا، نہ ان کا شکر کرتے ہوئے کما حقہ عبادت کی۔ بلکہ بعد میں ان میں سے بہت سے افراد ان نعمتوں سے تنگ آ گئے اور ان کے بدلے زمین سے اُگنے والی ترکاریاں اور پیاز وغیرہ مانگنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سختی سے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ﴾ "بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو؟ اچھا شہر میں جاؤ، وہاں تمہیں پسند کی سب چیزیں ملیں گی۔" یعنی موجودہ بے مثال نعمتوں کے بدلے جن چیزوں کا تم مطالبہ کر رہے ہو، وہ تو ہر چھوٹی بڑی بستی والوں کو حاصل ہیں۔ جب تم وہاں جاؤ تو یہ ادنیٰ چیزیں تمہیں مل سکتی ہیں لیکن یہاں میں تمہارا مطالبہ پورا نہیں کروں گا۔

ان لوگوں کی مذکورہ بالا تمام حرکتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں جن کاموں سے منع کیا گیا تھا، وہ ان سے باز نہیں آئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ لَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبِیْ ۚ وَ مَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰى ﴾ "اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے، وہ یقیناً تباہ ہوا۔"

(طٰہٰ: 20/81)

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس شدید وعید کے ساتھ ان لوگوں کے لیے رحمت اور امید کا دروازہ کھلا رکھا جو توبہ کر کے اللہ کی طرف آ جائیں اور مردود شیطان کے راستے پر نہ چلتے رہیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴾ "بے شک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی

رہیں۔" (طٰہٰ:82/20)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدارِ الٰہی کی خواہش

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خصوصی ملاقات کا شرف اور احکامات شریعت دینے کے لیے کوہ طور پر چالیس دنوں کے لیے بلالیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پر دیدارِ ربانی کی خواہش کا اظہار کیا جسے اللہ تعالیٰ نے درج ذیل پیرائے میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ ۖ٘ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

"اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی اور دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورے (چالیس) کر دیا' پھر اس کے پروردگار کی چالیس رات کی میعاد پوری ہوگئی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے (کوہ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو جاؤ! (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے رستے پر نہ چلنا۔ اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) پہنچے اور اُن کے پروردگار نے اُن سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) کروں۔ پروردگار نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھ کو دیکھ سکو گے۔ جب اُن کا پروردگار پہاڑ پر پر جلوہ نما ہوا تو (تجلی انوارِ ربانی نے) اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں اُن سب سے اول ہوں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: موسیٰ! میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام کے ذریعے سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے لہٰذا جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے لے لو اور (میرا) شکر بجا لاؤ۔ اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔ پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (درج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا۔ جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں، اُن کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔ اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں' تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر راستی کا رستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنالیں۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلہ ملے گا۔'' (الأعراف: 7/142-147)

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ ''تیس راتوں'' سے مراد ذوالقعدہ کا پورا مہینہ ہے اور ذوالحجہ کے دس دنوں کے ساتھ ''چالیس رات'' کی مدت مکمل ہوئی۔ [1] اس روایت کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا یہ شرف عید قربان کے دن حاصل ہوا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تکمیل بھی اسی تاریخ کو ہوئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن کی مدت مکمل کر لی۔ اس دوران میں آپ نے روزے رکھے۔ کہتے ہیں اس دوران میں آپ نے بالکل کھانا نہ کھایا۔ جب ایک مہینہ مکمل ہو گیا تو آپ نے کسی درخت کی چھال چبالی تا کہ منہ کی ناگوار بو ختم ہو جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے مزید دس دن روزے رکھنے کا حکم دیا۔ اس طرح کل مدت چالیس دن ہو گئی۔ [2]

جب آپ نے طور کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر فرما دیا۔ وہ آپ کے سگے بھائی بھی تھے اور تبلیغ کے فرائض کی ادائیگی میں معاون بھی۔ آپ نے انہیں کچھ نصیحتیں فرمائیں، کچھ احکام دیے۔ اور یہ چیز حضرت ہارون علیہ السلام کے بلند مقام اور شرف نبوت کے منافی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا﴾ ''اور جب موسیٰ ہمارے وقت مقررہ پر آئے۔'' یعنی جس وقت آنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ ﴿وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾ ''اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں۔'' یعنی اللہ نے آپ سے پردے کے پیچھے سے کلام کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی آواز سنی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام کیا اور قرب بخشا۔ جب آپ کو یہ بلند مقام حاصل ہوا اور ہم کلامی کے شرف سے مشرف ہوئے تو آپ نے درخواست کی کہ پردہ اُٹھا کر دیدار

---

[1] تفسیر الطبري' 63/6

[2] تفسیر ابن کثیر' تفسیر سورۃ الأعراف' آیت :142

کا شرف عطا فرمایا جائے۔ آپ نے عرض کی: ﴿ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ ﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ آپ اللہ عزوجل کی تجلی برداشت نہیں کر سکتے بلکہ انسان سے زیادہ مضبوط اور بڑی مخلوق یعنی پہاڑ بھی اس قابل نہیں کہ خالق کی تجلی کے سامنے ٹھہر سکے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ﴾ ''لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو! وہ اگر اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔''

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا حجاب بھی نور ہے۔ اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کے چہرہ اقدس کے انوار سے وہ تمام مخلوق جل جائے جس تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔''[1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''پس جب ان کے رب نے اس (پہاڑ) پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا: بے شک آپ کی ذات منزہ ہے، میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے (اس پر) ایمان لانے والا ہوں۔''

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ﴾ ''لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔'' وہ آپ سے بڑا اور زیادہ سخت ہے۔ ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ ﴾ ''پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی۔'' اور آپ نے پہاڑ کو دیکھا کہ وہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی اس کیفیت کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا ﴾ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھنگلی کی بالائی پور پر انگوٹھا رکھ کر اشارہ فرمایا (کہ اس قدر تجلی فرمائی) تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف چھنگلیا کے برابر اپنی عظمت کی تجلی فرمائی تو پہاڑ مٹی بن گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔[2]

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ صَعِقًا ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ فوت ہو کر گر گئے۔ لیکن پہلا قول درست ہے کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کیونکہ اس کے بعد یہ ارشاد ہے: ﴿ فَلَمَّآ اَفَاقَ ﴾ ''جب ہوش میں آئے۔'' (ہوش میں آنا غشی ہی سے ہوتا ہے۔ اسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا کہا جاتا ہے۔) تو عرض کیا: ﴿ سُبْحٰنَكَ ﴾ ''بیشک آپ کی ذات منزہ ہے۔'' اس لفظ میں

[1] (صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قوله علیه السلام: إن الله لا ینام ...... الخ، حدیث: 179) انسان کا یہ دنیاوی وجود اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ قیامت کے دن اور جنت میں اللہ کے مومن بندوں کو یہ طاقت دی جائے گی کہ وہ دیدار الٰہی سے مشرف ہوں، جیسے کہ صحیح احادیث میں مذکور ہے۔

[2] تفسیر الطبری: 6/70-72 تفسیر سورۃ الأعراف، آیت: 143

اللہ کی پاکیزگی اور عظمت کا اظہار ہے کہ اس کی عظمت کی وجہ سے کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا۔ ﴿ تُبْتُ اِلَيْكَ ﴾ ”میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں۔“ یعنی آیندہ کبھی دیدار کی درخواست نہیں کروں گا۔ ﴿ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ”اور میں سب سے پہلے (اس پر) ایمان لانے والا ہوں۔“ کہ تیری تجلی نہ کوئی زندہ برداشت کرتا ہے نہ بے جان مخلوق۔ جاندار فوراً ہلاک ہو جائے گا اور بے جان ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انبیائے کرام علیہم السلام میں سے مجھے دوسروں پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ اس وقت میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں انہیں مجھ سے پہلے ہوش آ گیا ہوگا یا طور کی بے ہوشی کا بدلہ (یہ) ملے گا (کہ وہ اس وقت بے ہوش نہیں ہوں گے۔)“ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ”مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔“ یا تو تواضع اور کسرِ نفسی کا اظہار ہے یا یہ مطلب ہے کہ تعصب اور غصے کے انداز سے یہ بات نہ کہو یا یہ مطلب ہے کہ افضل قرار دینا تمہارا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کے درجات ایک دوسرے سے بلند کرتا ہے۔ اس میں رائے کو دخل نہیں بلکہ اللہ کے بتانے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں ہی میں نہیں بلکہ تمام مخلوقات میں افضل ترین فرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو مومنوں کو بھی فرمایا ہے: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ ”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔“ (آل عمران: 110/3) امت کو یہ فضیلت ان کے نبی کے مقام کی وجہ ہی سے ملی ہے۔ علاوہ ازیں وہ حدیث متواتر ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور (مجھے اس پر) کوئی فخر نہیں۔“ [2]

علاوہ ازیں مقامِ محمود بھی نبی کریم علیہ السلام ہی کے لیے مخصوص ہے اور یہ ایسا مقام ہے جس پر اولین و آخرین ہی نہیں بلکہ عظیم ترین رسول یعنی اولوالعزم پیغمبر بھی آپ پر رشک کریں گے۔ اولوالعزم پیغمبروں میں حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام شامل ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ”سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں انہیں مجھ سے پہلے ہوش آ گیا ہوگا یا طور کی بے ہوشی کا یہ بدلہ ہوگا (کہ وہ اس دفعہ بے ہوش نہیں ہوں گے۔)“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مخلوقات کی یہ بے ہوشی اسی وقت ہوگی جب اللہ عزوجل بندوں کے فیصلے کرنے کے لیے تجلی فرمائے گا تو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور عظمت وجلال کی وجہ سے بے ہوش ہو جائیں گے۔ سب سے

[1] صحيح البخاري، الخصومات، باب مايذكر في الأشخاص ...... الخ، حديث: 2412 وصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسى عليه السلام، حديث: 2373

[2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله عزو جل ﴿ولقد أرسلنا......﴾، حديث: 3340 وصحيح مسلم، الفضائل، باب تفضيل نبينا صلى الله عليه وسلم على جميع الخلائق، حديث: 2278 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3148 و اللفظ له

پہلے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہوش میں آئیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے دیکھیں گے۔ یہ ان کی بے ہوشی ہلکی ہوگی کیونکہ دنیا میں بھی وہ تجلیٔ الٰہی کی وجہ سے بے ہوش ہوئے تھے یا طور کی بے ہوشی کا بدلہ یہ ملے گا کہ وہ اس موقع پر بالکل بے ہوش نہیں ہوں گے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک عظیم شرف ہے۔ تاہم اس سے آپ کا نبی کریم ﷺ سے مجموعی طور پر افضل ہونا لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ﴾ ''اے موسیٰ! میں نے پیغمبری اور اپنی ہم کلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔'' سے مراد اس دور کے انسانوں پر افضلیت ہے، پہلے اور پچھلے زمانے کے تمام انسانوں پر افضلیت مراد نہیں کیونکہ آپ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام گزر چکے ہیں جو آپ سے افضل تھے اور آپ کے بعد حضرت محمد ﷺ تشریف لائے وہ بھی آپ سے افضل تھے۔ شب معراج میں نبی کریم علیہ السلام کا تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور رسل عظام سے افضل ہونا ظاہر ہوا اور قیامت کو بھی ظاہر ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: ''میں ایسے مقام پر فائز ہوں گا کہ ساری مخلوق حتی کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف رغبت فرمائیں گے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ ''جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے، اس کو لو اور شکر کرو۔'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو رسالت اور ہم کلامی کا جو شرف ملا ہے وہ لیجیے اور اس سے زیادہ کچھ نہ طلب کیجیے بلکہ اس پر شکر کیجیے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ﴾ ''اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل انہیں لکھ کر دی۔'' یہ تختیاں کسی نفیس جوہر کی بنی ہوئی تھیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ''اللہ نے تورات اپنے ہاتھ سے لکھی۔''[2] اس میں گناہوں سے بچنے کی نصیحتیں اور حلال وحرام کے تفصیلی احکام درج تھے۔ ﴿ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ ﴾ ''تم ان کو مضبوطی سے پکڑلو۔'' یعنی پختہ عزم کے ساتھ لے لو۔ ﴿ وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ﴾ ''اور اپنی قوم کو حکم دو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں۔'' یہ مطلب بھی ہے کہ کلام سے بہترین مفہوم اخذ کریں۔ ﴿ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ''اب بہت جلد تم کو ان نافرمانوں کا مقام دکھلاتا ہوں۔'' جو میرے رسولوں کی تکذیب اور احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔ ﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ ﴾ ''میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ رکھوں گا۔'' وہ اسے نہ سمجھیں گے نہ ان پر غور کریں گے نہ اس مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جو اس کلام سے مقصود ہے۔ ﴿ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ﴾ ''جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں۔ اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں، تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں۔'' یعنی خرق عادت معجزات دیکھ کر بھی احکام الٰہی کا اتباع

---

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف، حديث: 820 ومسند أحمد: 127/5

[2] مسند أحمد: 268/2 وسنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث: 4701 واللفظ له

اختیار نہیں کرتے۔ ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

''اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا، ان کے سب کام رائیگاں گئے، ان کو اسی کی سزا دی جائے گی جو کچھ (اعمال) یہ کرتے تھے۔''

بچھڑے کی پوجا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سخت سرزنش

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے اور قوم شیطان کے بہکاوے میں آکر بچھڑے کو پوجنا شروع ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی اس حماقت کا علم ہوا تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام اور قوم پر سخت ناراض ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ڮ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝ ﴾

''اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنا لیا (وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی۔ ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ اُن سے بات کر سکتا ہے اور نہ اُن کو رستہ دکھا سکتا ہے اُس کو انہوں نے (معبود) بنا لیا اور (اپنے حق میں) ظلم کیا اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہم کو معاف نہیں فرمائے گا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم

میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے تو کہنے لگے کہ تم میرے بہت برے جانشین ثابت ہوئے۔ کیا تم نے اپنے رب کے حکم (پہنچنے) سے (پہلے) جلدی کی؟ (یہ کہا) اور (شدت غضب سے تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی جان! لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں۔ سو ایسا کام نہ کیجیے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملائیے۔ تب انہوں نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر، تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنا لیا تھا اُن پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم افترا پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے برے کام کیے، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اس کے بعد (بخش دے گا کہ وہ) بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو (ختم) ہوا تو انہوں نے (تورات کی) تختیاں اُٹھا لیں اور جو کچھ ان میں لکھا تھا وہ اُن لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت تھی جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔" (الأعراف: 7/148-154)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ۝ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ۝ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۥ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

''اور اے موسیٰ! تم نے اپنی قوم سے (آگے چلے آنے میں) جلدی کیوں کی؟ کہا: وہ میرے پیچھے (آ رہے) ہیں' اور اے پروردگار میں نے تیری طرف (آنے کی) جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو۔ فرمایا کہ ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے اُن کو بہکا دیا ہے۔ اور موسیٰ غم اور غصے کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے (اور) کہنے لگے کہ اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ (کیا میری جدائی کی) مدت تمہیں دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو؟ اور (اس لیے) تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا (اس کے) خلاف کیا؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلافی نہیں کی بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے اُن کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔ تو اُس نے اُن کے لیے ایک بچھڑا بنا دیا (یعنی اس کا قالب) جس کی آواز گائے کی سی تھی۔ تب لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے مگر وہ بھول گئے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ اور ہارون نے اُن سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو! اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور تمہارا پروردگار تو اللہ ہے' سو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اسی (کی پوجا) پر قائم رہیں گے۔ (پھر موسیٰ نے ہارون سے) کہا کہ ہارون! جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو تم کو اس بات سے کس چیز نے روکا کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف (کیوں) کیا؟ کہنے لگے کہ بھائی میری ڈاڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے' میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔ (پھر سامری سے) کہنے لگے کہ سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ اُس نے کہا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اَوروں نے نہ دیکھی۔ پس میں نے فرشتے کے نقش پا سے (مٹی کی) ایک مٹھی بھری' پھر اس کو (بچھڑے کے قالب میں) ڈال دیا اور مجھے میرے جی نے (اس کام کو) اچھا ظاہر کیا۔ (موسیٰ نے کہا) جا تجھ کو دنیا کی زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ کہتا رہے کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لیے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا اور جس معبود کی پوجا پر تو معتکف تھا، اُس کو دیکھ ہم اسے جلا دیں گے' پھر اس کی راکھ کو اڑا کر دریا میں بکھیر دیں گے۔ تمہارا معبود اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔'' (طٰه : 98-83/20)

ان مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس وقت کے حالات بیان کیے ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے بہت سے امور کے

متعلق دریافت فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوالات کے جواب دیے۔

اس دوران میں ایک شخص نے، جس کا نام ہارون سامری تھا، بنی اسرائیل کے وہ زیور لے لیے جو انہوں نے فرعونیوں سے عاریتاً لیے تھے۔ اس نے انہیں ڈھال کر ایک بچھڑا بنایا اور اس میں مٹھی بھر مٹی ڈال دی۔ جو اس نے فرعون کے غرق ہونے کے وقت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے نقش قدم سے اُٹھائی تھی۔ اس نے وہ مٹی اس مجسمے میں ڈال دی تو وہ اس طرح رانبھنے لگا جس طرح سچ مچ کا بچھڑا رانبھتا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ واقعی گوشت پوست کا زندہ بچھڑا بن گیا تھا، اس لیے گائے کی طرح آواز نکالتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہوا اس کی دبر میں داخل ہو کر اس کے منہ سے نکلتی تھی تو اسی قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی جیسے زندہ بچھڑے کی آواز ہوتی ہے۔ اس پر وہ لوگ خوش ہو کر اس کے اردگرد ناچنے لگتے تھے۔ وہ کہنے لگے: ﴿ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَ اِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ﴾ ''یہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی لیکن موسیٰ بھول گیا ہے۔'' یعنی موسیٰ کو یاد نہیں رہا کہ معبود تو ہمارے پاس ہے، وہ اسے کہیں اور ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ان فضول باتوں سے بہت بلند و برتر ہے، وہ مقدس اسماء وصفات سے متصف ہے اور اس کی نعمتیں بے شمار اور بے حد وحساب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توہم پرستی کی تردید فرماتے ہوئے اور ایک بے زبان جانور یا ایک شیطانی شعبدے کو معبود قرار دینے کی حماقت کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ ''کیا یہ (گمراہ) لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھلے کا اختیار رکھتا ہے؟'' (طٰهٰ:20/89) اور مزید فرمایا: ﴿ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴾ ''کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا؟ انہوں نے اس کو معبود قرار دیا اور بڑی بے انصافی کا کام کیا۔'' (الأعراف: 7/148) یعنی یہ حیوانی مجسمہ نہ بات چیت کر سکتا تھا نہ کسی نفع نقصان کا اختیار رکھتا تھا نہ کسی معاملے میں ان کی رہنمائی کر سکتا تھا۔ اس کی پوجا اپنی جان پر ظلم کے مترادف تھی جب کہ انہیں معلوم تھا کہ جہالت اور گمراہی کا یہ کام بالکل غلط ہے۔ ''اور جب وہ نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ وہ لوگ واقعی گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے: ﴿ لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارے گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے ہو جائیں گے۔'' (الأعراف: 7/149)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپس آ کر انہیں بچھڑے کی پوجا میں مشغول دیکھا تو وہ تختیاں نیچے پھینک دیں جن پر تورات لکھی ہوئی تھی۔ بائبل میں لکھا ہے کہ ''موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں آ کر وہ تختیاں زمین پر پٹخ کر توڑ ڈالیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے اور تختیاں دیں۔''[1] قرآن کے الفاظ سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

[1] (کتاب خروج، باب: 32، 34)

موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں زمین پر ڈال دی تھیں۔

بائبل میں ہے کہ "یہ تختیاں صرف دو تھیں۔"[1] قرآن مجید کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی تختیاں تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ قوم نے بچھڑا پوجنا شروع کر دیا ہے تو آپ کو اتنا غصہ نہیں آیا، جتنا اس وقت آیا جب آنکھوں سے دیکھ لیا۔ حدیث نبوی ہے: "(سنی ہوئی) خبر، آنکھوں سے دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی۔"[2]

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں زجر و توبیخ کی۔ انہوں نے ایک عذر پیش کیا جو درست نہیں تھا۔ کہنے لگے: ﴿حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ﴾ "ہم پر قوم کے زیورات کے جو بوجھ لاد دیے گئے تھے، انہیں ہم نے ڈال دیا۔ اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا۔" (طٰہٰ: 87/20) انہوں نے فرعونیوں کے زیوروں کو اپنے قبضے میں رکھنے میں حرج محسوس کیا، حالانکہ وہ دشمنوں سے حاصل ہونے والا مال تھا جسے لینے کا حکم انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا تھا لیکن جہالت اور بے عقلی کی وجہ سے انہیں بچھڑے کا مجسمہ پوجنے میں کوئی حرج محسوس نہ ہوا جو محض ایک بے روح جسم تھا، لیکن اس میں سے رانبھنے کی آواز آتی تھی۔

پھر آپ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ﴿يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ﴾ "اے ہارون! انہیں گمراہ ہوتے دیکھتے ہوئے تجھے کس چیز نے روکا تھا کہ تو میرے پیچھے نہ آیا۔" یعنی آپ کو چاہیے تھا کہ میرے پاس (طور پر) آ کر ان کی اس غلط روی کی اطلاع دیتے۔ انہوں نے عرض کی: ﴿اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ "مجھے تو صرف یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔" (طٰہٰ: 95/20) یعنی آپ انہیں چھوڑ کر میرے پاس آ گئے ہیں، حالانکہ میں آپ کو اپنا نائب بنا کر آیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ "اے میرے رب! میری اور میرے بھائی کی خطا معاف فرما اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔" (الأعراف: 151/7) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی دعا میں شامل کیا کیونکہ انہوں نے لوگوں کو اس جرم عظیم سے سختی کے ساتھ منع کیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ "اور ہارون نے اس سے پہلے ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔" (طٰہٰ: 90/20) یعنی اللہ کی تقدیر سے یہ واقعہ پیش آیا ہے اور تمہیں آزمانے کو اس نے اس بچھڑے میں آواز پیدا کر دی ہے۔ ﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ "تمہارا حقیقی پروردگار تو رحمٰن ہی ہے۔" یہ بچھڑا نہیں، لہٰذا میری بات سن کر: ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ﴾ "تم سب میری پیروی کرو اور میری بات مانتے چلے جاؤ۔" انہوں نے جواب

---

[1] (خروج، باب: 31، فقرہ: 18)

[2] مسند أحمد: 215/1۔ فارسی میں بھی ضرب المثل ہے: "شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔"

دیا: ﴿لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى﴾ ''موسیٰ کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کے حق میں گواہی دی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو بچھڑے کی پوجا سے منع کیا تھا لیکن لوگوں نے آپ کی بات نہیں مانی۔ [1]

سامری کا بچھڑا نذر آتش کر دیا گیا

پھر موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ﴿فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ﴾ ''سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟'' (طٰہٰ:98/20) تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا: ﴿بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ﴾ ''مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انہیں دکھائی نہیں دی۔'' یعنی مجھے جبریل علیہ السلام نظر آ گئے جب کہ وہ گھوڑی پر سوار تھے۔ ﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ ''تو میں نے فرستادۂ الٰہی کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی۔'' یعنی جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے نقش قدم سے مٹی لے لی۔ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ سامری نے دیکھا کہ گھوڑی جہاں قدم رکھتی ہے وہاں گھاس اُگ آتی ہے۔ اس نے وہاں سے مٹی لے لی، پھر جب وہ سونے کے بچھڑے میں ڈالی تو مذکورہ واقعہ پیش آیا، اس لیے اس نے کہا: ﴿فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۞ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ﴾ ''میں نے اسے اس میں ڈال دیا۔ اسی طرح میرے دل نے یہ بات مجھے سمجھا دی۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: اچھا! جا! دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کہتا رہے، مجھے نہ چھونا۔'' (طٰہٰ:96/20-97) سامری کو یہ بددعا دی گئی کہ اسے کوئی نہ چھوئے کیونکہ اس نے وہ چیز چھوئی تھی، جسے چھونا اس کے لیے جائز نہ تھا۔ اسے دنیا میں اس جرم کی یہ سزا ملی اور آخرت میں بھی عذاب ہوگا جیسے فرمایا: ﴿وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ﴾ ''ایک اور وعدہ بھی تیرے ساتھ ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا۔'' (طٰہٰ:97/20) پھر فرمایا: ﴿وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾ ''اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ لینا، جس کا اعتکاف کیے ہوئے تھا' ہم اسے جلا کر، سمندر میں ریزہ ریزہ اُڑا دیں گے۔'' (طٰہٰ:97/20) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو آگ میں جلا دیا۔ بائبل میں بھی یہی لکھا ہے کہ اسے سمندر میں بکھیر دیا اور بنی اسرائیل کو اسے پینے کا حکم دیا۔ جس نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، اس کے ہونٹوں پر اس کی راکھ چپک گئی۔ [2] بعض کہتے ہیں کہ ان کے رنگ زرد ہو گئے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام

---

[1] موجودہ بائبل بچھڑا بنانے اور پوجنے کا گناہ حضرت ہارون علیہ السلام کے ذمے لگاتی ہے۔ بائبل کی کتاب خروج، باب:32 میں مذکور ہے کہ ''ہارون علیہ السلام نے بچھڑا بنایا اور اس نئے معبود کے لیے قربان گاہ بنائی اور اعلان کیا کہ کل اس کے لیے عید ہوگی۔ چنانچہ اگلے دن سب لوگوں نے اس نئے خدا کے لیے قربانیاں کیں۔'' (خروج،32:1-6)

[2] بائبل میں لکھا ہے: ''اور اس نے (یعنی موسیٰ نے) اس بچھڑے کو جسے انہوں نے بنایا تھا، لیا اور اسے آگ میں جلایا اور اسے باریک پیس کر پانی پر چھڑکا اور اسی میں سے بنی اسرائیل کو پلوایا۔'' (خروج،32:20) یہاں راکھ چپکنے کا ذکر نہیں۔ شاید گزشتہ دور کے نسخوں میں یہ

نے انہیں فرمایا: ﴿ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾ "اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ اسی کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔" (طٰہٰ: 97/20)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴾ "بے شک جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے، ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔" (الأعراف: 152/7) چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ بعض علمائے کرام بیان کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴾ "ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔" قیامت تک آنے والے ہر بدعتی کے لیے اللہ کا قانون ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم اور مخلوق پر رحم اور احسان کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ جو بندہ توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ "اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے، پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ معاف کر دینے والا، رحم کرنے والا ہے۔" (الأعراف: 153/7)

لیکن اللہ تعالیٰ نے بچھڑا پوجنے والوں کی توبہ قبول نہیں کی، جب تک انہیں (سزا کے طور پر) قتل نہیں کیا گیا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰی بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴾ "جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو، اپنے کو آپس میں قتل کرو، تمہاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے۔ پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔" (البقرۃ: 54/2) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک دن، جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی، انہوں نے (اللہ کے حکم سے) ہاتھوں میں تلواریں لے لیں۔ اللہ نے ان پر دھند بھیج دی تاکہ قریبی رشتہ دار اپنے رشتہ دار کو نہ پہچان سکے۔ پھر انہوں نے حملہ کر کے ان سب کو قتل کر دیا۔ کہتے ہیں: انہوں نے اس صبح ستر ہزار افراد قتل کیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖۚ وَ فِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴾ "اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لیے، جو اپنے رب سے ڈرتے تھے، ہدایت اور رحمت تھیں۔" (الأعراف: 153/7) بعض لوگوں نے ﴿ وَ فِیْ نُسْخَتِهَا ﴾ "اس کے مضامین میں۔" کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ تختیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ لیکن یہ استدلال محل نظر ہے۔ آیت کے الفاظ سے ان کے

⊂ بات مذکور ہو کیونکہ بائبل میں ہر دور میں حذف و اضافہ ہوتا رہا ہے۔

ٹوٹنے کا اشارہ نہیں ملتا۔ (واللہ اعلم)

ستر علمائے بنی اسرائیل کوہ طور پر: موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ستر علماء کے ساتھ کوہ طور پر قوم کی گوسالہ پرستی سے توبہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں جہاں وہ ایک اور آزمائش کا سامنا کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۞ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ؗ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

''اور موسیٰ نے اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کر کے کوہ طور پر حاضر) کیے۔ جب اُن کو زلزلے نے پکڑا تو موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار! اگر تو چاہتا تو اُن کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو اسی فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کرے گا؟ یہ تو تیری (طرف سے) آزمائش ہے۔ اس سے تو جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت بخشے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی، ہم تیری طرف رجوع کر چکے۔ فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اُسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز پر محیط ہے، میں اُس کو اُن لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ جو ایسے رسول نبی امی (محمد) کا اتباع کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر جو بوجھ اور طوق تھے وہ اتارتے ہیں۔ سو جو لوگ اُن پر ایمان لائے اور اُن کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اُس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں۔''

(الأعراف: 7/155-157)

امام محمد بن اسحاق ؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ستر افضل ترین افراد کا انتخاب کیا اور انہیں فرمایا: ''اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر توبہ کرو اور اپنی پوری قوم کے لیے معافی کی دعا کرو، روزہ رکھو، غسل کرو اور اپنے کپڑے پاک کرو۔''[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے مقرر کیے ہوئے وقت پر انہیں لے کر طور سیناء پر تشریف لے گئے۔ آپ اللہ کے حکم اور اجازت ہی سے وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ان ستر افراد نے اللہ کا کلام سننے کی خواہش ظاہر کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''ایسا ہی ہو گا۔'' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب پہنچے تو بادل نے پورے پہاڑ کو چھپا لیا۔ موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور بادل کے اندر داخل ہو گئے اور دوسروں سے فرمایا: ''قریب آجاؤ!''

دیدار الٰہی کی ضد اور کڑک کا عذاب: جب موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا تھا تو آپ کے چہرہ مبارک پر اس قدر روشن نور آجاتا تھا کہ کوئی انسان آپ کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھ نہیں سکتا تھا، چنانچہ آپ کے اور ان افراد کے درمیان ایک پردہ حائل ہو گیا۔ جب یہ حضرات بادل میں داخل ہوئے تو سربسجود ہو گئے۔ انہوں نے سنا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہیں کہ یوں کریں، یوں نہ کریں۔ جب اللہ تعالیٰ احکامات دے چکا تو موسیٰ علیہ السلام پر سے بادل ہٹ گیا۔ تب ان لوگوں نے کہا: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ ''جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں، آپ پر یقین نہ کریں گے۔'' (البقرة: 55/2) اس پر ایک کڑک کی آواز آئی اور ان کی جانیں جسموں سے نکل گئیں۔ وہ مر گئے تو موسیٰ علیہ السلام عجز و نیاز کے ساتھ دعا کرنے لگے۔ آپ نے عرض کیا: ﴿ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ﴾ ''اے میرے پروردگار! اگر تجھ کو یہ منظور ہوتا تو اس سے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟'' (الأعراف: 155/7) یعنی ہم میں سے جن بے وقوفوں نے بچھڑے کی پوجا کی ہے، ان کی وجہ سے ہمیں نہ پکڑنا کیونکہ ہم ان کے عمل سے لاتعلق اور بے زار ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ان پر زلزلے اور کڑک کا عذاب اس لیے آیا کہ انہوں نے اپنی قوم کو بچھڑا پوجنے سے منع نہیں کیا تھا۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ﴾ ''یہ واقعہ تیری طرف سے ایک امتحان ہے۔'' (الأعراف: 155/7) کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! تیری قضا و قدر کے فیصلے کے مطابق وہ واقعہ پیش آیا جس کے ذریعے سے تو نے ان کی آزمائش کی، جس طرح ہارون علیہ السلام نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا: ﴿ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ﴾ ''اے میری قوم اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔'' (طٰہٰ: 90/20)

---

1. تفسیر الطبري: 99/6
2. تفسیر الطبري: 101/6 تفسیر سورة الأعراف، آیت: 155

یہاں بھی [فِتْنَةٌ] کا لفظ امتحان اور آزمائش کے معنی میں آیا ہے۔ اسی لیے کہا گیا: ﴿ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ﴾ ''ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔'' تیرا فیصلہ اور تیری مرضی غالب ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا، نہ پلٹ سکتا ہے۔ ﴿ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ﴾ ''تو ہی ہمارا خبر گیر ہے۔ پس ہم پر مغفرت اور رحم فرما اور تو سب معافی دینے والوں سے اچھا ہے۔ ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔'' یعنی ہم توبہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ ''میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیا پر محیط ہے۔'' جیسے صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر لیا تو ایک تحریر لکھی، وہ اس کے پاس عرش پر رکھی ہوئی ہے: (وہ تحریر یہ ہے:) ''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوگی۔''[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''میں وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' یعنی ان صفات کے حامل افراد کو میری رحمت ضرور حاصل ہوگی۔ ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ﴾ ''جو لوگ ایسے رسول، نبی امی کا اتباع کرتے ہیں، جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کچھ بتایا تھا، اس میں یہ خبر بھی شامل ہے۔ اس کی وضاحت تفسیر کی کتاب میں تفصیل سے کی گئی ہے۔

جب بنی اسرائیل پر پہاڑ اٹھایا گیا: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی بہانہ ساز قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾

''اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور کوہ طور کو تم پر اُٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اُسکو مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اُس میں لکھا ہے اُسے یاد رکھو تا کہ (عذاب سے) محفوظ رہو۔ تو تم اسکے بعد (عہد سے) پھر گئے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اسکی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔'' (البقرة: 64'63/2) اور مزید فرمایا:

﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

[1] صحيح البخاري' التوحيد' باب و كان عرشه على الماء ......الخ' حديث : 7422

''اور جب ہم نے اُن (کے سروں) پر پہاڑ اُٹھا کھڑا کیا گویا کہ وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ اُن پر گرا چاہتا ہے تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے اُس پر عمل کرو تا کہ بچ جاؤ!'' (الأعراف: 171/7)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر علماء بیان کرتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام تورات کی تختیاں لے کر آئے تو بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اسے قبول کریں اور پختہ عزم کے ساتھ اس پر عمل کریں۔ انہوں نے کہا: تختیاں ہمیں دکھایئے؟ اگر وہ احکام آسان ہوئے تو ہم مان لیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تمام کو قبول کرو۔ دونوں طرف سے کئی بار یہ بات کہی گئی، تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے پہاڑ کو اُٹھا کر ان لوگوں کے سروں پر اس طرح معلق کر دیا گویا وہ بادل ہو اور ان سے کہا گیا: ''اگر قبول نہیں کرو گے تو یہ پہاڑ تم پر گر پڑے گا۔'' تب انہوں نے قبول کیا۔ انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اس طرح سجدہ کیا کہ کنکھیوں سے پہاڑ کی طرف بھی دیکھ رہے تھے۔ یہودیوں میں اب تک اسی طرح سجدہ کرنے کا رواج باقی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کوئی سجدہ اس سجدے سے عظیم نہیں ہوسکتا جس کے ذریعے سے ہم سے عذاب ٹل گیا۔''

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ﴾ ''تم اس کے بعد بھی پھر گئے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ اتنا عظیم معاہدہ ہو جانے کے بعد بھی تم نے اپنے وعدے توڑ دیے۔ ﴿فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ﴾ ''پھر اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی۔'' کہ اللہ نے تمہاری طرف رسول بھیجے اور تم پر کتابیں نازل کیں۔ ﴿لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ''تو تم نقصان اٹھانے والے ہو جاتے۔'' (البقرۃ: 64/2)

گائے ذبح کرنے کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے چند اوباش اپنے چچا کی جائیداد پر قبضہ جمانا چاہتے تھے چنانچہ ان میں سے ایک نے چپکے سے اسے قتل کر دیا اور پھر اس کی نعش پر مگرمچھ کے آنسو بہانے لگا اور قصاص کا مطالبہ کرنے لگا جبکہ قاتل وہ خود ہی تھا، لہٰذا قاتل کی تلاش کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک اور معجزہ عطا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا

ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿﴾ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿﴾

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ بولے: کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔ انہوں نے کہا: اپنے پروردگار سے التجا کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کس طرح کی ہو؟ (موسیٰ نے) کہا: پروردگار فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو بوڑھی ہو اور نہ بچھڑا بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو، سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو! انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے درخواست کیجیے کہ ہم کو یہ بھی بتا دے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں (کے دل) کو خوش کر دیتا ہو۔ انہوں نے کہا: اپنے پروردگار سے پھر درخواست کیجیے کہ وہ ہم کو بتا دے کہ وہ اور کس کس طرح کی ہو کیونکہ بہت سی گائیں ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں (پھر) اللہ نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔ موسیٰ نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے کام میں لگی ہوئی نہ ہو، نہ تو زمین جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، اس میں کسی قسم کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے: اب تم نے سب باتیں درست بتا دیں۔ غرض (بڑی مشکل سے) انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو اُس میں باہم جھگڑنے لگے لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ اُس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ تو ہم نے کہا کہ اس گائے کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔'' (البقرۃ 2/67-73)

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک دولت مند بوڑھا آدمی تھا۔ اس کے بھتیجوں کی یہ خواہش تھی کہ وہ فوت ہو جائے تو اس کا ترکہ انہیں مل جائے۔ آخر ان میں سے ایک نے اسے رات کو قتل کر کے اس کی لاش چوراہے میں پھینک دی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک شخص کے دروازے پر پھینک دی۔

صبح ہوئی تو لوگوں میں اس بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ مقتول کا بھتیجا روتا پیٹتا آ گیا۔ لوگوں نے کہا: تم لوگ آپس میں کیوں جھگڑتے ہو؟ اللہ کے نبی کی خدمت میں کیوں حاضر نہیں ہوتے؟ چنانچہ بھتیجے نے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں اپنے چچا کا مقدمہ پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جس کسی کو بھی اس مقتول کے واقعے کے متعلق کوئی بات معلوم ہو، وہ ضرور ہمیں اطلاع دے۔'' لیکن کوئی نہ آیا۔ انہوں نے کہا: اس معاملے میں اپنے رب سے دریافت کیجیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ ''اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا

حکم دیتا ہے تو انھوں نے کہا: ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟'' ہم آپ سے مقتول کے بارے میں پوچھتے ہیں اور آپ یہ حکم دے رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ ''میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں۔''[1] میں تو وہی بات کہہ سکتا ہوں جو مجھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم نے مجھ سے جس معاملہ کے بارے میں کہا تھا کہ اللہ سے سوال کروں، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں: ''اگر وہ لوگ کوئی سی گائے لے کر ذبح کر دیتے تو مقصود حاصل ہو جاتا۔ لیکن انھوں نے سختی کی تو ان پر سختی کر دی گئی۔''[2] انھوں نے اس کی شرطیں پوچھیں، رنگ پوچھا، عمر پوچھی، ان سوالات کے جوابات تو مل گئے لیکن گائے کو تلاش کرنا مشکل ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ انھیں ایک جوان عمر کی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا جو نہ بوڑھی ہو نہ بالکل بچھیا ہو۔ پھر انھوں نے رنگ پوچھا تو حکم دیا گیا کہ زرد گائے ہو لیکن سرخی مائل ہو، جسے دیکھ کر دل خوش ہو جائے اور یہ رنگ بہت نادر ہے۔ پھر انھوں نے اپنے آپ کو مزید مشکل میں ڈالتے ہوئے کہا: ﴿ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ﴾ ''اپنے رب سے اور دعا کیجیے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے؟ اس قسم کی گائیں تو بہت ہیں، ہمیں پتہ نہیں چلتا، اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے۔''

آپ نے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ''اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی، زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہ ہو، وہ تندرست اور بے داغ ہو۔ انھوں نے کہا: اب آپ نے حق واضح کر دیا۔ غرض انھوں نے وہ گائے ذبح کی' اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔'' یہ شرائط پہلے سے بھی سخت تھیں کیونکہ انھیں ایسی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا جو کام کرنے کی عادی نہ ہو۔ کاشت کاری اور آب پاشی کے لیے استعمال نہ کی جاتی ہو۔ بے عیب اور یک رنگ ہو۔ اس کے رنگ میں دوسرا رنگ شامل نہ ہو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے ان صفات کے ساتھ مخصوص کر دیا تب انھوں نے کہا: ﴿ الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ﴾ ''اب آپ نے حق واضح کر دیا۔''

مفسرین فرماتے ہیں: انھوں نے نہایت مہنگے داموں ایک گائے خریدی۔ اور اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ گائے ذبح کی جائے۔ تب انھوں نے اسے ذبح کیا اگرچہ وہ حکم بجالانے کو تیار نہ تھے' یعنی تذبذب کا شکار تھے۔ اللہ نے حکم دیا کہ مقتول کو گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مارا جائے۔ جونہی اسے یہ ٹکڑا مارا گیا، وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو گیا۔ وہ اُٹھا تو اس کی رگوں سے خون جاری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: ''تجھے کس نے قتل کیا؟'' اس نے کہا: ''مجھے میرے بھتیجے

[1] تفسير الطبري :1/480 تفسير سورة البقرة' آيت : 67
[2] تفسير الطبري : 1/493' تفسير سورة البقرة' آيت : 70

نے قتل کیا ہے؟'' یہ کہتے ہی وہ پھر مردہ ہو گیا۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقل مندی کے لیے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔'' یعنی جس طرح اللہ نے انہیں یہ مقتول زندہ کر کے دکھا دیا، اسی طرح وہ تمام مردوں کو جب چاہے ایک گھڑی میں زندہ کر سکتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ ''تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک نفس کا۔'' (لقمان: 28/31)

موسیٰ و خضر علیہما السلام کے سفر میں پُر اسرار واقعات

حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسل میں سے ایک بلند مرتبہ اور صاحب قدر و منزلت رسول ہیں۔ ایک دفعہ وہ مجمع عام میں خود کو سب سے بڑا عالم کہہ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا اور انہیں ان سے بڑے عالم کی خبر دی اور پھر ان سے حصول علم کی خبر دی اور پھر ان سے حصول علم کی خواہش موسیٰ علیہ السلام کو ایک طویل صبر آزما اور علمی سفر پر روانہ کر دیتی ہے۔ اس واقعہ میں علم، حصول علم اور معلم و متعلم کے بے شمار فضائل و مناقب پنہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں اس واقعے کی تفصیلات ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَاۗءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ڰ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ڰ فَارْتَدَّا عَلٰٓي اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓي اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰي مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔــلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓي اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۪ حَتّٰٓي اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَـيْـــًٔـا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۪ حَتّٰٓي اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ

[1] تفسير الطبري: 509/1 تفسير سورة البقرة، آيت: 73

جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَاۗءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ڰ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

''اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں، چلتا ہی رہوں گا خواہ برسوں چلتا رہوں۔ جب اُن کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے اور اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنا لیا۔ جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارا کھانا لاؤ' اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے۔ (اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنا لیا۔ موسیٰ نے کہا: یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے' پھر وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔ (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔ موسیٰ نے اُن سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (اللہ کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔ (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں، اُس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔ (خضر نے) کہا: اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے کہ) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں۔ وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو توڑ ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا: کیا آپ نے اس کو اس لیے توڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی۔ (خضر نے) کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟ (موسیٰ

نے) کہا کہ جو بھول مجھ سے ہوئی ہے اس پر مؤاخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ ڈالیے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اُسے مار ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا (یہ تو) آپ نے بری بات کی! (خضر نے) کہا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے کی انتہا) کو پہنچ گئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے اُن کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا ہی چاہتی تھی۔ خضر نے اُس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اُن سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تا کہ کھانے کا اہتمام ہوتا) خضر نے کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی ہے مگر جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکے میں اُن کا تمہیں بھید بتائے دیتا ہوں۔ وہ کشتی غریب لوگوں کی تھی، جو دریا میں محنت کرتے تھے یعنی کشتیاں چلا کر گزارہ کرتے اور اُن کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں (تا کہ وہ اُسے غصب نہ کر سکے) اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے ہمیں خطرہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر) اُن کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔ ہم نے چاہا کہ اُن کا پروردگار اس کی جگہ اُن کو اور بچہ عطا کرے جو پاک طینت اور محبت میں اس سے بہتر ہو۔ اور وہ جو دیوار تھی وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ نیک بخت آدمی تھا' لہٰذا تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور پھر خزانہ نکالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ اُن باتوں کی حقیقت ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے۔" (الکھف:18/60-82)

بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کے پاس جانے والے موسیٰ، وہ معروف پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ ایک اور صاحب تھے، جن کا نسب یوں ہے: موسیٰ بن منسا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام

بعض علماء نے ان کتابوں سے اخذ کر کے یہی قول اختیار کیا ہے جن میں نوف بن فضالہ بکالی بھی ہیں، ان کی والدہ کعب احبار کے نکاح میں تھیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

صحیحین میں واقعۂ خضر و موسیٰ علیہما السلام: قرآن مجید سے اور صحیحین کی صریح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہی تھے جو خضر علیہ السلام کے پاس گئے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: نوف بکالی کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھی موسیٰ وہ نہیں تھے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کا دشمن غلط کہتا ہے۔ ہمیں حضرت ابی بن

کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے۔'' آپ سے پوچھا گیا: سب سے بڑا عالم کون ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''میں۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی کیونکہ آپ نے علم کی نسبت اللہ کی طرف نہیں فرمائی تھی۔ (یعنی یوں نہیں فرمایا تھا کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔) اللہ نے آپ کی طرف وحی کی: ''دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔'' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ''یارب! میں اس سے کیسے مل سکتا ہوں؟'' رب تعالیٰ نے فرمایا: ''ٹوکری میں ایک مچھلی رکھ کر ساتھ لے لیں۔ جہاں وہ گم ہو جائے گی، وہاں وہ ملے گا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی لے کر ٹوکری میں رکھ لی اور (سفر پر) روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے خادم یوشع بن نون علیہ السلام بھی روانہ ہوئے۔ (چلتے چلتے) وہ ایک چٹان تک پہنچے' وہاں وہ سر رکھ کر سو گئے (اس دوران میں) ٹوکری میں مچھلی تڑپی اور ٹوکری سے نکل کر سمندر میں جا گری۔ سمندر میں اس کا راستہ ایک سرنگ کی طرح بن گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی (کی گزرگاہ) سے پانی کی روانی روک دی اور وہ ایک طاق سا بن گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع بن نون انہیں مچھلی کے بارے میں بتانا بھول گئے۔ چنانچہ وہ دن کا باقی حصہ بھی چلتے رہے اور پھر رات بھر بھی چلتے رہے۔ اگلے دن موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا: ﴿ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴾ ''لا ہمارا ناشتہ دے۔ ہمیں تو اس سفر سے سخت تکلیف اُٹھانی پڑی۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی حتی کہ اس جگہ سے آگے چل پڑے جہاں پہنچنے کا انہیں اللہ نے حکم دیا تھا۔'' تب آپ کے خادم نے آپ سے عرض کی: ﴿ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ ۡ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ۖ عَجَبًا ﴾ ''کیا آپ نے دیکھا بھی؟ جبکہ ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے، وہیں میں مچھلی بھول گیا تھا۔ دراصل شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔ اس مچھلی نے ایک انوکھے طور پر دریا میں اپنا رستہ بنا لیا۔'' فرمایا: ''مچھلی کے لیے سرنگ بن گئی!'' اور یہ چیز موسیٰ اور آپ کے خادم کے لیے تعجب کا باعث ہو گئی۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ ''یہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے، چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے لوٹے۔''

وہ دونوں اپنے نشانات قدم دیکھتے دیکھتے چٹان تک جا پہنچے۔ دیکھا کہ ایک آدمی کپڑا اوڑھے موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کہا۔ خضر علیہ السلام نے کہا: ''اس سرزمین میں سلام کہاں سے آ گیا؟'' آپ نے فرمایا: ''میں موسیٰ ہوں۔'' انہوں نے کہا: ''بنی اسرائیل کے موسیٰ؟'' فرمایا: ''جی ہاں! میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو جو علم عطا ہوا ہے، مجھے بھی سکھا دیں۔'' انہوں نے کہا: ﴿ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴾ ''آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔'' اے موسیٰ! میرے پاس اللہ کی طرف سے ایک علم ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے، وہ آپ کو حاصل نہیں اور آپ کو

اللہ کی طرف سے ایک علم ملا ہے جو اس نے آپ کو سکھایا ہے، وہ مجھے حاصل نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴾ ''ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔'' حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے فرمایا: ﴿ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْــَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴾ ''اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو (یاد رہے) کسی چیز کی نسبت مجھ سے نہ پوچھنا، جب تک میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں۔''

پھر وہ دونوں چلے۔ ساحل پر پیدل چل رہے تھے کہ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری۔ انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انہیں سوار کرلیں۔ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان کر بغیر کرائے کے سوار کرلیا۔ جب وہ کشتی میں سوار تھے، آپ نے اچانک دیکھا کہ خضر نے بسولے کے ساتھ کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا، آپ نے ان کی کشتی توڑ دی کہ کشتی والوں کو ڈبو دیں۔ یہ تو آپ نے بڑی (خطرناک) بات کر دی؟'' خضر علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴾ ''میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴾ ''میری بھول پر مجھے نہ پکڑیے اور مجھے میرے معاملے میں تنگی میں نہ ڈالیے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پہلا سوال موسیٰ علیہ السلام سے بھول کر ہوا۔ اس دوران میں ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور سمندر سے چونچ بھر لی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''میرا اور تیرا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہی (معمولی اور قلیل) ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں چڑیا کی چونچ میں جانے والا پانی۔''

پھر (دریائی سفر مکمل ہونے پر) وہ کشتی سے نکلے۔ جب وہ کنارے پر چلے جا رہے تھے' اچانک خضر علیہ السلام کو ایک لڑکا نظر آیا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کا سر پکڑا اور ہاتھ کے ساتھ اس کا سر جسم سے جدا کر دیا۔ اس طرح اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَیْــًٔا نُّكْرًا ﴾ ''کیا آپ نے ایک بے گناہ شخص کو ناحق بغیر قصاص کے مار ڈالا؟ بے شک آپ نے تو بڑی ناپسندیدہ حرکت کی۔''

وہ کہنے لگے: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴾ ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ہمراہ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔'' یہ واقعہ پہلے سے زیادہ سخت تھا۔ موسیٰ نے جواب دیا: ﴿ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ِاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ ﴾ ''اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ یقیناً آپ میری طرف سے حد عذر کو پہنچ چکے۔ پھر دونوں چلے۔ ایک گاؤں والوں کے پاس آ کر ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی مہمان داری سے صاف انکار کر دیا۔ دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی

تھی۔'' یعنی جھکی ہوئی تھی۔ خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اسے ٹھیک اور درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: '' ہم نے ان لوگوں سے کھانا مانگا تھا، انھوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا ﴿ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾ ''اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔'' خضر علیہ السلام نے کہا: ﴿ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴾ ''بس! یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان! اب میں تجھے ان باتوں کی اصلیت بتاؤں گا جس پر تجھ سے صبر نہ ہو سکا۔''

اس کے بعد پورا واقعہ بیان فرمایا (جو سورۂ کہف کی آیت: ۸۲ تک ذکر ہوا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جی چاہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی اور باتیں بھی بیان فرماتا۔''[1]

۵ کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں: خضر علیہ السلام کے بارے میں متعدد آراء پائی جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ آج بھی زندہ ہیں اور بعض نام نہاد عوامی رہنمائی کے دعویدار آج بھی ان سے کسب فیض کے مدعی ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید پر زور دلائل سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾

''جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمھیں کتاب وحکمت دوں، پھر تمھارے پاس وہ رسول آئے جو تمھارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمھارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ فرمایا: تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا ذمہ لیتے ہو؟ سب نے کہا: ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا: تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں ہوں!'' (آل عمران: 81/3)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے وعدہ لیا ہے کہ وہ اپنے بعد آنے والے ہر نبی پر ایمان لائے گا اور اس کی مدد بھی کرے گا' چنانچہ یہ وعدہ حضرت محمد ﷺ کے لیے ہر نبی سے لیا گیا ہے کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔ لہٰذا جو نبی آپ کا زمانہ پائے اس کا فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کرے تو اگر حضرت خضر علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں زندہ ہوتے تو وہ ضرور آپ کا اتباع کرتے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی پوری پوری مدد کرتے۔

اگر ایسا ہوتا تو حضرت خضر علیہ السلام غزوۂ بدر کے موقع پر ضرور نبی کریم ﷺ کی فوج میں شامل ہوتے جس طرح جبریل علیہ السلام اور دوسرے معزز فرشتے نبی ﷺ کے جھنڈے تلے جہاد میں شریک تھے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ یا تو نبی تھے...... اور یہی بات درست ہے...... یا رسول تھے

[1] صحيح البخاري' التفسير' باب قوله: وإذ قال موسىٰ لفتٰه......' حديث: 4725

جیسے بعض علماء نے فرمایا ہے یا فرشتے تھے جیسے کہ بعض حضرات کا خیال ہے۔ جس قول کو بھی صحیح تسلیم کیا جائے بہرحال جبریل جو فرشتوں کے سردار ہیں اور موسیٰ علیہ السلام جو ایک عظیم رسول ہیں، دونوں حضرت خضر علیہ السلام سے افضل ہیں۔ جب ان دونوں کے لیے نبی علیہ السلام کی مدد کرنا فرض تھا تو خضر علیہ السلام پر بھی ان کے زندہ ہونے کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور مدد کرنا فرض ہوتا اور اگر وہ ولی تھے جیسے کہ بہت سے علماء کی رائے ہے تو پھر کیوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ فرماتے؟ کسی حسن بلکہ ضعیف حدیث میں بھی یہ ذکر نہیں آیا کہ خضر علیہ السلام ایک دن کے لیے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں یا نبی کریم علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوئی ہو۔ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت خضر علیہ السلام کے اظہار افسوس کی ایک حدیث آتی ہے۔ اسے اگرچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے تاہم وہ ضعیف ہے۔ (واللہ اعلم)

دولت کے پجاری قارون کا واقعہ

تکبر ایک ایسی صفت ہے جو صرف خالق کائنات کی شان کے لائق ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس صفت کا اہل نہیں جس نے بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کسی نعمت کی وجہ سے تکبر وغرور کو اپنایا، اللہ تعالیٰ نے اسے نشان عبرت بنا کر رکھ دیا۔ قارون کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا جس نے دولت کی بنا پر گھمنڈ اور تکبر میں مبتلا ہو کر عبرت ناک سزا پائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۗ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝

''قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر تعدی وظلم کرتا تھا اور ہم نے اُس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ اُن کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو اُٹھانی مشکل ہوتیں۔ جب اُس سے اُس کی قوم نے کہا کہ اِتراؤ مت کیونکہ اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو (مال) تم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت (کی بھلائی) طلب کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلا اور جیسی اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے (ویسی) تو بھی (لوگوں سے) بھلائی کر اور ملک میں طالب فساد نہ بن کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ وہ بولا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور) سے ملا ہے۔ کیا اُس کو معلوم نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر ڈالیں جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں اور گناہ گاروں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا؟ پھر (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا۔ جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال ومتاع) قارون کو ملا ہے، کاش! ہمیں بھی (ایسا ہی) ملے' وہ تو بڑا ہی صاحب نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس! مومنوں اور نیکو کاروں کے لیے (جو) ثواب اللہ (کے ہاں تیار ہے وہ) کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔ پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہو سکی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔ اور وہ لوگ جو کل اس کے رتبے کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے ہائے شامت! اللہ ہی تو اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ ہائے خرابی! کافر نجات نہیں پا سکتے۔ وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے اُن لوگوں کے لیے (تیار) کر رکھا ہے جو زمین میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور (نیک) انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔'' (القصص 28/76-83)

قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد تھا۔ وہ بہت خوش الحانی سے تورات کی تلاوت کرتا تھا۔ اس لیے اسے مُنَوَّر کہتے تھے۔ لیکن یہ اللہ کا دشمن منافق بن گیا، جیسے سامری نے منافقت اختیار کی تھی' اور اسے اپنی دولت پر گھمنڈ نے تباہ کر دیا۔ بعض علماء نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا قرار دیا ہے' تاہم اکثر علماء نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

شہر بن حوشب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے اپنی قوم پر برتری کے اظہار کے لیے معمول سے ایک بالشت زیادہ لمبے کپڑے پہننا شروع کر دیے تھے۔[1]

''اس کے پاس بہت زیادہ خزانے تھے حتی کہ ان کی چابیاں قوی ہیکل مردوں کی ایک جماعت بمشکل اُٹھاتی تھی۔ اس کی قوم میں سے اس کے خیر خواہ افراد نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا: ﴿لَا تَفْرَحْ﴾ ''اترا مت!'' یعنی اللہ نے تجھے جو

[1] تفسیر الطبری: 11/129 تفسیر سورۃ القصص' آیت: 76

دولت دی ہے، اس پر فخر نہ کر اور دوسروں کی تحقیر کرتے ہوئے برتری کا اظہار نہ کر! ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ ''اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے، اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ!'' یعنی تجھے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ آخرت کا ثواب حاصل کرے ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ ''اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول!'' یعنی اپنے مال کے ذریعے سے حلال اشیا حاصل کر اور پاک حلال اشیا سے لطف اندوز ہو۔ ﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ ''اور جیسے اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کر!'' یعنی جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی اللہ کی مخلوق پر احسان کر! ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ﴾ ''اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو!'' یعنی لوگوں سے بدسلوکی نہ کر اور اللہ کی نافرمانی نہ کر ورنہ وہ تجھے سزا دے گا اور جو کچھ تجھے دیا ہے تجھ سے چھین لے گا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ ''یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند کرتا ہے۔''

اس واضح اور درست نصیحت کے جواب میں قارون نے کہا: ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ﴾ ''یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا ہی پر دیا گیا ہے۔'' یعنی مجھے تمہاری بات سننے اور تمہاری نصیحت سننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اللہ نے اتنی دولت اس لیے دی ہے کہ اسے معلوم ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں۔ اگر میں اللہ کی نظر میں پیارا نہ ہوتا تو وہ مجھے یہ سب کچھ نہ دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝﴾ ''کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سی اُمتیں غارت کر دیں، جو اس سے بہت زیادہ قوت والی اور بہت بڑی جمع پونجی والی تھیں' اور گناہ گاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس نہیں کی جاتی؟'' مطلب یہ ہے کہ گزشتہ اقوام میں ہم نے ایسے لوگوں کو بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے تباہ کر دیا تھا جو قارون سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مال دار اور زیادہ اولاد والے تھے۔ اگر قارون کی بات درست ہوتی تو ہم اس سے زیادہ مال رکھنے والوں کو سزا نہ دیتے۔ اس لیے اس کا مالدار ہونا ہمارا پیارا ہونے کی دلیل نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِىْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَزَاۗءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝﴾

''اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے قریب کر دیں' سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔'' (سبأ: 37/34)

نیز ارشاد ہے:

﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾

''کیا یہ (یوں) سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال واولاد بڑھا رہے ہیں، وہ ہم ان کی بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔'' (المؤمنون: 56'55/23)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا۔'' آرائش سے مراد یہ ہے کہ وہ عمدہ لباس پہن کر، عمدہ سواری پر نوکروں چاکروں کے ساتھ نکلا۔ دنیا کی چمک دمک کو اہمیت دینے والے لوگ اسے دیکھ کر رشک کرنے لگے اور تمنا کرنے لگے کہ انہیں بھی اس طرح کی شان وشوکت حاصل ہو۔ لیکن صحیح سوچ کے حامل عقل مند افراد ان کی یہ بات سن کر بولے: ﴿وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ''افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔'' یعنی ان کو آخرت میں ملنے والے انعامات بہتر، عظیم، اعلیٰ اور باقی رہنے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴾ ''یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر والے ہوں۔'' یعنی اس حقیر دنیا کی ظاہری چمک دمک دیکھنے کے بعد اس نصیحت کو وہی شخص قبول کر سکتا ہے اور آخرت کے بلند مقامات کے حصول کی ہمت وہی کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازے، اس کے دل کو قوت بخشے، اسے صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اسے منزل مقصود تک پہنچائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ﴾ ''ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی، نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے فخر وتکبر اور قوم کے سامنے اس کے ٹھاٹھ باٹھ کے اظہار کا بیان کر کے فرمایا: ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ ''ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا۔'' جیسے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ایک آدمی اپنا تہبند (زمین تک لٹکا کر) کھینچتا ہوا چل رہا تھا کہ اچانک اسے دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں حرکت کرتا (نیچے سے نیچے جاتا) رہے گا۔''[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قارون نے ایک فاحشہ کو مال دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام سے کہے: ''آپ نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے۔'' اس عورت نے اسی طرح کہہ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے خوف سے کانپ گئے چنانچہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر عورت سے قسم دے کر پوچھا کہ اس نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ اس نے توبہ واستغفار کرتے ہوئے کہا: ''مجھے قارون نے اس حرکت پر آمادہ کیا تھا۔''

اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے سجدہ میں گر کر قارون کے خلاف بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے سے فرمایا کہ میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے محلات کو نگل

[1] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، حدیث: 3485

جائے۔ [1] چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ (واللہ اعلم)

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قارون پوری سج دھج کے ساتھ قوم کے سامنے آیا۔ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ قوم کو اللہ کے ایام (اور سچے تاریخی واقعات) سنا کر نصیحت فرما رہے تھے۔ لوگوں نے اسے دیکھا تو بہت سے افراد ادھر ہی دیکھتے رہ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے بلا کر فرمایا: ''تو نے یہ کام کیوں کیا؟'' اس نے کہا: ''موسیٰ! اگر آپ کو مجھ پر نبوت کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے تو میں مال کی وجہ سے آپ سے افضل ہوں۔ آپ پسند کریں تو ہم دونوں ایک دوسرے کے خلاف بددعا کریں۔'' موسیٰ علیہ السلام میدان میں نکلے۔ قارون اپنے لوگوں کے ساتھ نکلا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''تم دعا کرو گے یا میں دعا کروں؟'' اس نے کہا: ''میں دعا کروں گا۔'' قارون نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کی لیکن اس کی دعا قبول نہ ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اب میں دعا کروں؟'' اس نے کہا: ''کیجیے!'' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''یا اللہ! زمین کو حکم دے کہ آج میری اطاعت کرے۔'' اللہ نے وحی کی کہ میں نے زمین کو یہ حکم دے دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اے زمین! انہیں پکڑ لے!'' زمین نے ان سب (قارون اور اس کے ساتھیوں) کو قدموں تک پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا: ''انہیں پکڑ لے!'' زمین نے انہیں گھٹنوں تک پکڑ لیا۔ اس کے بعد وہ کندھوں تک دھنس گئے۔ پھر فرمایا: ''ان کے خزانوں اور مال و دولت کو بھی لے آ!'' دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ حاضر ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: ''بنو لاوی! (زمین کے اندر) چلے جاؤ!'' چنانچہ وہ سب نظروں سے اوجھل ہو گئے اور اوپر سے زمین ہموار ہو گئی۔ [2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوْنَهُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ﴾ ''اللہ کے مقابلے میں کوئی جماعت اس کی مدد نہ کر سکی نہ وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا۔'' یعنی نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا، نہ کوئی اور اس کی مدد کے لیے کچھ کر سکا۔ جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ﴾ ''لہٰذا نہ ہو گا (قیامت کے دن) اس کے پاس کچھ زور اور نہ کوئی مددگار۔'' (الطارق 10:86)

جب وہ زمین میں غرق ہو گیا، اس کے محلات اور مال و دولت سب ختم ہو گئے، تب اس جیسی دولت کی تمنا کرنے والے شرمندہ ہوئے اور انہوں نے اللہ کا شکر کیا جو اپنے بندوں کے لیے اچھے فیصلے کرتا ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا: ﴿لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آخرت کی زندگی دائمی زندگی ہے۔ جسے اس جہان میں خوشی نصیب ہوئی، وہی قابل رشک ہے اور جو وہاں محروم رہا وہی قابل صد افسوس ہے لیکن یہ نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں: ﴿لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ

[1] تفسير الطبري: 11/141-144

[2] تفسير الطبري: 11/143

﴿ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ ''جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے، نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیز گاروں کے لیے نہایت عمدہ انجام ہے۔''

یہ واقعہ غالباً اس دور میں پیش آیا جب بنی اسرائیل ابھی مصر سے نہیں نکلے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ ﴾ ''ہم نے اسے اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا'' اور گھر سے بظاہر عمارت ہی مراد ہے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ میدان تیہ میں پیش آیا ہو۔ اس صورت میں گھر سے مراد وہ جگہ ہوگی جہاں اس کے خیمے لگے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر قارون کی مذمت کی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ۝ ﴾

''اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا: یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے۔'' (المؤمن: 40/23'24)

سورۂ عنکبوت میں عاد اور ثمود کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ۝ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ﴾

''اور قارون، فرعون اور ہامان کو بھی (ہم نے تباہ کر دیا) ان کے پاس حضرت موسیٰ کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن (ہم سے) آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے۔ پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا۔ ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا اور ان میں سے بعض کو زور دار سخت آواز نے دبوچ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔'' (العنکبوت: 29/39'40)

زمین میں دھنسایا جانے والا تو قارون تھا اور غرق ہونے والے فرعون، ہامان اور ان کا لشکر تھے۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''جو شخص اس کی محافظت کرے گا، یہ قیامت کے دن اُس کے لیے نور، دلیل اور باعث نجات بن جائے گی اور جس نے اس کی محافظت نہ کی یہ قیامت کے دن اس کے لیے نہ نور بنے گی نہ دلیل نہ نجات کا باعث۔ وہ شخص قیامت کے دن قارون،

فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔‘‘ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان وعظمت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے شمار معجزات سے نوازا اور انہیں نہایت بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے فرامین میں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے' آپ کے ان فرامین میں اسلام کے اوصاف حمیدہ کا روشن اظہار ہے۔ بخلاف آج کے یہود ونصاریٰ کے جو تعصب اور کینہ میں مبتلا اور انبیائے کرام کی توہین کے مرتکب ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ ﴾

’’اس قرآن میں موسیٰ کا ذکر کیجیے جو چنا ہوا اور رسول اور نبی تھا۔ ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور راز گوئی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا۔‘‘

(مریم: 53-51/19)

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴾

’’اے موسیٰ! میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام کے ذریعے لوگوں سے ممتاز کیا ہے' لہٰذا جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے پکڑو اور (میرا) شکر بجالاؤ۔‘‘ (الأعراف: 144/7)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ حدیث پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے پاؤں گا۔ معلوم نہیں وہ بھی بے ہوش ہوں گے لیکن مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے یا انہیں طور کی بے ہوشی کا بدلہ دیا جائے گا (کہ قیامت کے دن بے ہوش نہیں ہوں گے۔)‘‘ [2]

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد تواضع اور کسر نفسی کی بنیاد پر فرمایا ہے ورنہ نبی ﷺ کا خاتم

---

[1] مسند أحمد: 169/2

[2] صحیح البخاري' الخصومات' باب مایذکر في الأشخاص......' حدیث: 2411 و صحیح مسلم' الفضائل' باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام' حدیث: 2373

النبیین اور تمام اولادِ آدم کا سردار ہونا قطعی اور یقینی ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔
اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:
﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ ﴾
اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔" (النساء: 164/4)
مزید ارشادِ ربانی ہے:
﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝ ﴾
"اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی۔ پس جو بات انہوں نے کہی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بری فرمادیا اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔" (الأحزاب: 69/33)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے حیا دار اور جسم کو پوری طرح ڈھانپنے والے شخص تھے۔ ان کی شرم و حیا کے سبب کوئی ان کا بدن نہیں دیکھ سکتا تھا۔ انہیں ایذا پہنچانے کے لیے بنی اسرائیل کے کچھ افراد نے کہا: آپ اپنے بدن کا اس قدر پردہ کسی عیب یا جلدی بیماری مثلاً برص یا فتق کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کا بے عیب ہونا ظاہر ہو جائے تو ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے تنہائی میں جا کر اپنے کپڑے اتارے اور ایک پتھر پر رکھ دیے، پھر نہانے لگے، فارغ ہو کر اپنے کپڑے لینے کے لیے آگے بڑھے تو پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ اُٹھا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا لے کر پتھر کے پیچھے دوڑے اور فرمانے لگے: اے پتھر! میرے کپڑے دے دے! اے پتھر! میرے کپڑے دے دے! حتی کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ تک جا پہنچے جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا بے لباس جسم انتہائی خوبصورت اور بے عیب دیکھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لگائے ہوئے الزام سے بری فرمادیا۔ اس وقت پتھر ٹھہر گیا۔ آپ نے اپنے کپڑے پہنے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارنے لگے۔ قسم ہے اللہ کی! موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشان پڑ گئے۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا: ﴿ فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴾ "پس جو بات انہوں نے کہی تھی، اللہ نے آپ کو اس سے بری فرمادیا اور آپ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔" [1]
بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام و مرتبہ کی عظمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے حق میں دعا فرمائی کہ وہ آپ کے وزیر ہوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست قبول فرما کر ہارون علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز فرمادیا۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴾ "اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا۔" (مریم: 53/19)

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3404

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے کوئی چیز (صحابہ رضی اللہ عنہم میں) تقسیم فرمائی۔ ایک شخص نے کہا: اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں تھی، یعنی اس نے نبی ﷺ پر بے انصافی کا الزام لگایا۔ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات عرض کی تو آپ کو غصہ آ گیا حتی کہ میں نے نبی ﷺ کے چہرۂ اقدس پر خفگی کے آثار دیکھے۔ پھر آپ ﷺ نے (غصہ ضبط کرتے ہوئے) فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے! انہیں اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی، تو انہوں نے صبر کیا تھا۔''[1]

معراج کی حدیث میں مذکور ہے کہ ''سفر معراج کے دوران میں نبی اکرم ﷺ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو آپ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔''[2]

صحیحین میں ہے کہ معراج کی رات چھٹے آسمان پر نبی کریم ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: ''یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کہیے!''

نبی علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے انہیں سلام کہا تو انہوں نے فرمایا: ''نیک نبی اور نیک بھائی کو خوش آمدید!'' جب میں ان کے پاس سے گزر کر آگے بڑھا تو وہ آبدیدہ ہو گئے۔ ان سے کہا گیا: آپ کیوں اشکبار ہو گئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ''میں روتا ہوں کہ میرے بعد آنے والے ایک جوان کی امت سے اتنے افراد جنت میں داخل ہوں گے جو میری امت کے جنتیوں سے زیادہ ہوں گے۔''[3]

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں تو رسول اللہ ﷺ (واپسی کے دوران میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے۔ انہوں نے فرمایا: ''اپنے رب کے پاس دوبارہ تشریف لے جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کیجیے! مجھے بنی اسرائیل کی وجہ سے سخت پریشانی پیش آئی تھی اور آپ کی امت کے کان، آنکھیں اور دل زیادہ کمزور ہیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے اللہ عزوجل کے دربار میں اور پھر واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس کئی بار تشریف لے گئے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: ''یہ (ادائیگی میں) پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس ہیں۔''[4] اللہ تعالیٰ محمد مصطفی ﷺ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور موسیٰ علیہ السلام کو جزائے خیر عطا فرمائے!

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (گھر سے) باہر ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''مجھے (انبیائے کرام کی) امتیں دکھائی گئیں۔ میں نے ایک بڑی جماعت دیکھی جس

---

[1] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، حدیث: 3405

[2] صحیح مسلم، الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم و المسیح الدجال، حدیث: 172 و مسند أحمد: 148/3

[3] صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰہ ﷺ إلی السموات و فرض الصلوات، حدیث: 164

[4] صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰہ ﷺ إلی السموات و فرض الصلوات، حدیث: 163

سے افق بھر گیا تھا۔ مجھے بتایا گیا: یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم یعنی امت کے افراد ہیں۔"[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے امتیں دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ ایک گروہ ہے، کسی نبی کے ساتھ ایک یا دو افراد ہیں اور کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہیں۔ اچانک مجھے ایک بڑی جماعت نظر آئی۔ میں نے کہا: یہ میری امت ہے؟ کہا گیا: یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے لیکن افق کی طرف دیکھیے! میں نے دیکھا کہ بہت بڑا انبوہ ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا: اس طرف دیکھیے! دیکھا تو وہاں بھی بہت بڑا انبوہ تھا۔ مجھ سے کہا گیا: یہ (سب) آپ کی امت ہے۔ ان میں ستر ہزار ایسے افراد ہیں جو بغیر حساب کے اور بغیر کوئی سزا بھگتے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ حاضرین اس بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ انہوں نے کہا: یہ کون لوگ ہیں جو بغیر سزا کے اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے؟ کچھ حضرات نے کہا: شاید وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کرنے والے افراد ہیں۔ کچھ حضرات نے کہا: شاید وہ ایسے لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور جنہوں نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا۔ اور اس طرح کی آراء ظاہر کیں۔ (اتنے میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے۔ فرمایا: "کس بارے میں بات چیت کر رہے ہو؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی کہی ہوئی باتیں بتائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ (حساب کے بغیر جنت میں جانے والے) افراد وہ ہیں جو داغ نہیں لگواتے، جھاڑ پھونک نہیں کرواتے، بدشگونی نہیں لیتے، صرف اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔" حضرت عکاشہ بن محصن اَسدی رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر عرض کی: اللہ کے رسول! دعا کیجیے اللہ مجھے بھی ان میں سے بنا دے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "تو اُن میں شامل ہے۔" پھر ایک اور صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان میں شامل ہوں؟ فرمایا: "اس شرف میں عکاشہ رضی اللہ عنہ تجھ پر سبقت لے گیا۔"[2]

❀ **موسیٰ علیہ السلام کا مقام و مرتبہ قرآن مجید میں:** اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بہت زیادہ فرمایا ہے۔ کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار کے ساتھ آپ کی بہت زیادہ تعریف فرمائی ہے۔ بہت سے مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور آپ کی کتاب کا ذکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی کتاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ﴾

"جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے

---

1. صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء باب وفاة موسىٰ وذكره بعد، حديث: 3410
2. صحيح البخاري، الرقاق، باب يدخل الجنة سبعون ألفاً بغير حساب، حديث: 6541

اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا جانتے ہی نہ تھے۔" (البقرة: 101/2)

اور فرمایا:

﴿ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ ﴾

"اللہ (جو معبود برحق ہے) اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں (وہ) زندہ (اور) ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اُس نے (اے محمد!) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُسی نے تورات اور انجیل نازل کیں (یعنی) لوگوں کی ہدایت کے لیے پہلے (تورات و انجیل اتاریں) اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا ہے نازل کیا۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اُن کو سخت عذاب ہوگا اور اللہ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے۔" (آل عمران: 3/2-4)

اور ایک مقام پر فرمایا:

﴿ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ ﴾

"اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر جیسی جاننی چاہیے تھی نہ جانی جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہو کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اُسے کس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے۔ اُن کے کچھ حصے کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو اور تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دو (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا تھا)' پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بیہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں اور (ویسی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ (ایسی) بابرکت جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لیے (نازل کی گئی ہے) کہ تم مکے اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دو اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی (پوری) خبر رکھتے ہیں۔" (الأنعام: 92'91/6)

اس مقام پر پہلے تورات کی تعریف فرمائی پھر قرآن مجید کی عظیم توصیف فرمائی۔ مزید فرمایا:

﴿ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾

''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی تا کہ ان لوگوں پر جو نیکوکار ہیں' نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تا کہ (ان کی امت کے) لوگ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں اور (اے کفر کرنے والو!) یہ بابرکت کتاب بھی ہم ہی نے اتاری ہے، سو اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تا کہ تم پر مہربانی کی جائے۔'' (الأنعام: 155'154/6)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾

''بیشک ہم ہی نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے۔) سو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔'' (المائدۃ: 44/5)

مزید فرمایا:

﴿وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾

''اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق حکم دیا کریں اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُن سب کی محافظ ہے۔'' (المائدۃ: 5/47-48)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو دوسری کتب سماویہ کے بارے میں فیصلہ دینے والا بتایا ہے۔ ان کتابوں میں جو باتیں درست ہیں، قرآن مجید ان کی تصدیق اور وضاحت کرتا ہے اور اُن میں جو تحریفات ہوئی

ہیں ان کی نشاندہی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو ان کتابوں کی حفاظت کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔ وہ انہیں نہ یاد رکھ سکے نہ کمی بیشی سے محفوظ رکھ سکے، چنانچہ ان میں بہت سی تبدیلیاں ہو گئیں۔ اس کے علاوہ ان کی غلط فہمیوں اور کوتاہ علمی کی وجہ سے بھی کتب مقدسہ میں غلطیاں آ گئیں۔ کچھ انہوں نے بدنیتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے میں خیانت کرتے ہوئے دنیوی مفادات کے لیے تحریفات کر لیں، اس لیے ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور اس کے رسولوں کے بارے میں کثیر تعداد میں واضح طور پر غلط بیانیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت و گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور (سرتاپا) روشنی اور نصیحت (کی کتاب) عطا کی۔ اور وہ پرہیزگاروں کے لیے یاددہانی ہے جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا خوف بھی رکھتے ہیں اور یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔ تو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو؟''

(الأنبياء: 21/48-50)

سورۂ قصص میں ارشاد ہے:

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا ۟ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾

''پھر جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے کہ جیسی (نشانیاں) موسیٰ کو ملی تھیں، ویسی اس کو کیوں نہیں ملیں؟ کیا جو (نشانیاں) پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں، انہوں نے اُن کا انکار نہیں کیا؟ کہنے لگے کہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق۔ اور بولے کہ ہم سب کے منکر ہیں۔ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو تاکہ میں بھی اس کی پیروی کروں۔''

(القصص: 28/48'49)

یعنی اللہ تعالیٰ نے دونوں کتابوں (تورات اور قرآن مجید) کی بھی تعریف کی ہے اور دونوں رسولوں (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ) کی بھی تعریف کی ہے۔ جنوں نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا:

﴿ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى ﴾

''ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔'' (الأحقاف: 46/30)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ایک عظیم شریعت تھی اور آپ کی امت ایک کثیر تعداد پر مشتمل تھی جس میں بہت سے انبیاء، علماء، عابد، زاہد، دانشمند، بادشاہ، وزیر، سردار اور بڑے لوگ پیدا ہوئے۔ لیکن وہ لوگ بعد میں اس شرف ومنزلت کے حامل نہ رہے۔ جب انہوں نے اپنی شریعت میں تبدیلیاں کرلیں تو اللہ نے ان کی صورتیں تبدیل کر کے انہیں بندروں اور خنزیروں کی شکل دے دی۔ ان پر اور بھی بے شمار مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوئیں جن کی تفصیل طوالت کا باعث ہے۔ ہم ان کے اہم واقعات اختصار سے بیان کریں گے۔ [اِنْ شَآءَ اللّٰہ]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ مبارک اور ان کا حج کعبہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادئ ازرق سے گزرے تو فرمایا: ”یہ کون سی وادی ہے؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: وادئ ازرق ہے۔ فرمایا: ”(میری نظروں کے سامنے وہ منظر آ گیا ہے) گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ گھاٹی سے نیچے اُتر رہے ہیں اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے بلند آواز سے [لَبَّيْك] پکار رہے ہیں۔“ (پھر آپ چلتے رہے) حتی کہ جب ہرشاء کی گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا: ”یہ کون سی گھاٹی ہے؟“ عرض کیا گیا: ہرشاء کی گھاٹی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”گویا میں یونس بن متّی علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، وہ ایک سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، اون کا جبہ زیب تن ہے، ان کی اونٹنی کی مہار کھجور کے پتوں (سے بنی ہوئی رسی) کی ہے اور [لَبَّيْك] پکار رہے ہیں۔“ [1]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں تھے کہ دجال کی بات چل نکلی کہ اس کی پیشانی پر [ك، ف، ر] لکھا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟“ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: ”کہتے ہیں کہ اس کی پیشانی پر [ك، ف، ر] لکھا ہوا ہے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”میں نے یہ بات تو نبی علیہ السلام سے نہیں سنی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا: ”ابراہیم علیہ السلام کی شکل وشباہت معلوم کرنا چاہو تو اپنے ساتھی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لو۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے، گھنگھریالے بالوں والے تھے۔ وہ ایک اونٹ پر سوار تھے جس کی نکیل کھجور کے پتوں کی تھی۔ گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ [لَبَّيْك] پکارتے ہوئے وادی سے اتر رہے ہیں۔“ [2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس رات مجھے معراج ہوئی، میں نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا، وہ لمبے قد کے، گھنگریالے بالوں والے تھے جیسے کہ شَنُوءَہ قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں۔ میں نے

---

[1] صحيح مسلم' الإيمان' باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى السموات و فرض الصلوات' حديث: 166 و مسند أحمد' 215/1 و صحيح ابن حبان: 35/8' حديث: 6186

[2] مسند أحمد: 277/1 و صحيح مسلم' الإيمان' باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم...... الخ حديث: 166

عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھی دیکھا، وہ درمیانے قد کے، قدرے سرخ وسفید رنگت والے تھے، ان کے بال سیدھے تھے۔''[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف (ان کی روح قبض کرنے کے لیے) بھیجا گیا۔ جب وہ آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تھپڑ مار دیا۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس گئے اور عرض کی: ''تو نے مجھے جس بندے کی طرف بھیجا ہے، وہ مرنا نہیں چاہتا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''دوبارہ ان کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ کسی بیل کی پشت پر ہاتھ رکھیں' اُن کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، اتنے سال عمر (مزید) مل جائے گی۔'' (ملک الموت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا یہ پیغام پہنچایا۔) آپ نے فرمایا: ''یارب! اس کے بعد کیا ہوگا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پھر موت آجائے گی۔'' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''تب ابھی (وفات کا حکم قبول ہے۔'')

اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ آپ کو ارض مقدس کے اتنا قریب کر دے جتنی دور پتھر جا سکتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور ارض مقدس کے قریب وفات دی۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو آپ کی قبر مبارک دکھا دیتا جو راستے کے کنارے سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔''[2]

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موت کا فرشتہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس روح قبض کرنے آیا اور آپ سے کہا: ''اپنے رب کے پاس چلیے!'' موسیٰ علیہ السلام نے تھپڑ مار کر موت کے فرشتے کی آنکھ پھوڑ دی۔''[3] اس کے بعد اسی طرح پوری حدیث بیان کی جیسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بعض واقعات پیش آنے کی امید تھی اور آپ کی خواہش تھی کہ (قوم کو) وہ واقعات آپ کی زندگی میں پیش آجائیں، مثلاً: میدان تیہ سے نکل کر ارض مقدس میں پہنچنا لیکن اللہ کی تقدیر کا یہ فیصلہ تھا کہ آپ کی وفات حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد میدان تیہ ہی میں ہو۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل کو میدان تیہ سے نکال کر ارض مقدس میں لے جانے والے خود حضرت موسیٰ

---

1. مسند أحمد: 259/1 و صحيح مسلم' الإيمان' باب الإسراء برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ' حديث: 165
2. صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' باب وفاة موسىٰ و ذكره بعد' حديث: 3407
3. صحيح ابن حبان: 38/8' حديث: 6190

علیہ السلام ہی تھے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ اہل کتاب اور اکثر علمائے اسلام کی رائے اس کے برعکس ہے۔

جمہور علماء کے موقف کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وفات سے پہلے فرمایا: ''یارب! مجھے ارض مقدس سے اتنا قریب کر دے، جتنی دور پتھر پھینکا جا سکتا ہے۔'' اگر آپ اپنی زندگی میں ارض مقدس میں داخل ہو چکے ہوتے تو وفات کے وقت یہ دعا نہ کرتے۔ لیکن آپ چونکہ اپنی قوم کے ساتھ ہی میدان تیہ میں تھے، اس لیے آپ نے وفات کے وقت یہ خواہش ظاہر کی کہ جس سرزمین کی طرف آپ ہجرت کر کے جا رہے ہیں اور اپنی قوم کو ترغیب دیتے رہے ہیں، اس زمین کے قریب فوت ہوں کیونکہ تقدیر نے اس زمین تک پہنچنے نہیں دیا۔ اسی لیے سید البشر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو آپ کی قبر مبارک دکھا دیتا جو راستے کے کنارے سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔''[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مجھے (معراج کی) رات کو (مکہ سے بیت المقدس تک) لے جایا گیا، تو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔''[2]

---

[1] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب وفاة موسیٰ.....، حدیث: 3407

[2] مسند أحمد: 148/3 و صحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام، حدیث: 2375

بحیرۂ روم (بحر متوسط)
اسکندریہ
بوطو
سائیس (صا الحجر)
نیل کا ڈیلٹا
تانیس
افاریس (صان الحجر)
بحیرۂ تانیس
فرما
عریش
بوبسطہ
بحیرات مرہ
ہیلیو پولس
ممفس
عین الشمس
قلزم (سویز)
عیون موسیٰ
مصر
دریائے نیل
طیبہ سے
تیہ
سیناء
طور
(حورب)
جبل ہور
عقبہ
ایلہ
مدین
بحیرۂ قلزم (احمر)
عرب
فلسطین
قیساریہ
بیسان
یافا
اسدود
القدس
اریحا
غزہ
الخلیل
بئر سبع
سدوم
کرک
موآب
بحیرۂ لوط
عمان
جلعاد
دریائے اردن
اردن
صحرائے نقب
بتراء (پٹرا)
معان
موسیٰ علیہ السلام
مصر تا مدین اور مدین تا مصر
عبور بحیرہ، تیہ، طور، موآب
0
100
200
300
400
کلومیٹر

نتائج و فوائد ...... عبرتیں و حکمتیں

✿ موسیٰ: وجہ تسمیہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام کے متعلق دو آراء ہیں:

① موسیٰ: قدیم مصری زبان کا لفظ ہے جو دو کلمات (مو+شا) کا مرکب ہے۔ (مو) کا معنی ''پانی'' ہے جبکہ (شا) کا مطلب ''شجر'' یعنی درخت ہے۔ آپ کو موسیٰ اس لیے کہا گیا کیونکہ آپ کی والدہ محترمہ نے فرعون کے خوف سے آپ کو دریا پر واقع درختوں کے جھنڈ میں ڈال دیا تھا۔ اس طرح آپ صندوق میں بند فرعون کے محل میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو نکال لیا اور آپ کو ''موسیٰ'' یعنی ''پانی سے نکالا ہوا'' کہا جانے لگا۔

② دوسری رائے یہ ہے کہ ''موسیٰ'' مصری لفظ (مس) سے ماخوذ ہے جس کا معنی طِفلُ یعنی ''بچہ'' ہے۔

✿ اصلاح امت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہمیں اصلاح امت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلسل غلامی اور حکمرانوں کے ظلم و ستم سہنے والی اقوام کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی سوچ، فکر اور عزت نفس برباد ہو جاتی ہے۔ عزت و وقار کی جگہ ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے اور بہادری و شجاعت کی جگہ بزدلی اور خوف ان کی زندگی کا لازمی جز ٹھہرتا ہے۔ لہٰذا ہر جابر و ظالم حکمران کی اطاعت ان کا نصب العین بن جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی حالت بھی یہی تھی۔ اس تکلیف دہ اور رسوا کن حالت سے نجات کے لیے آپ نے انہیں جہاد کا حکم دیا تو وہ فطری بزدلی اور خوف کی وجہ سے یہ فریضہ ادا نہ کر سکے' لہٰذا ان کی اصلاح اور تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس ان پر چالیس برسوں تک حرام قرار دے دی۔ اس عرصے میں وہ صحراؤں اور ریگستانوں میں بھٹکتے رہے۔ بالآخر انہیں غلامی کی جگہ آزادی کی تربیت ملی، انہوں نے ذلت و رسوائی کی جگہ عزت و آبرو سے جینا سیکھا اور شریعت الٰہی کے مطابق زندگی گزارنے کا ہنر انہیں مل گیا۔ نیز اس عرصے میں بزدل نسل ختم ہوگئی اور نئی نوجوان نسل، غیرت مند، آزاد منش اور عزت سے جینا سیکھ کر میدان جہاد میں فرعونیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگئی۔ اس پورے تربیتی نظام سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب بھی امت کی اصلاح درکار ہو تو اس کے لیے ایک نسل کی' شریعت کے مطابق' تربیت کرنا ضروری ہوگا جو غیور، آزادی کے متوالے، عزت نفس سے لیس اور قربانی و ایثار کے خوگر ہوں۔

✿ انسانی تباہی کا سبب' کفر و شرک: تاریخ انسانی کا سرسری جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان متعدد بار عذاب الٰہی سے دوچار ہو کر تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ کبھی یہ تباہی زلزلوں کی صورت میں آتی ہے تو کبھی طوفان و سیلاب کی شکل میں۔ کبھی جنگیں انسانوں کو تاخت و تاراج کرتی ہیں تو کبھی سمندری طوفان بستیوں کو ویران کر دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں ان بربادیوں کا ایک اہم سبب معلوم ہوتا ہے۔ وہ سبب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک اور مخلوق خدا پر ظلم و ستم ہے، لہٰذا جب یہ ظلم و ستم اور شرک و کفر حد سے بڑھ جاتا ہے تو عذاب الٰہی انسانوں کو سبق سکھانے کے لیے وارد ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

''اس نے اور اس کے لشکروں نے ملک میں ناحق تکبر کیا اور سمجھ لیا کہ وہ ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جائیں گے۔ بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا برد کر دیا۔ اب دیکھ لے کہ ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟'' (القصص: 40'39/28)

اس سے معلوم ہوا کہ کفر و طغیان، ظلم و ستم، اور گناہوں کا ارتکاب، نیز مخلوق خدا کو تنگ کرنا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محرومی اور اس کے عذاب کا اہم ترین سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کے عبرتناک انجام کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۟ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝ ﴾

''وہ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے، اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا۔ سو ان پر نہ تو آسمان و زمین روئے اور نہ انہیں مہلت ملی۔'' (الدخان: 44/25-29)

عقیدۂ توحید' مضبوط ترین سہارا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید انسان کا مضبوط ترین سہارا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان راسخ اور قوی ہو تو پھر کسی قسم کی ترغیب' لالچ' ڈر یا خوف انسان کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا انسان کے لیے آسان ہو جاتا ہے اور ناز و نعم کے حصول پر شکر گزاری کی توفیق ملتی ہے کیونکہ ایمان باللہ کی تقویت انسان کو ہر حال میں اجر و ثواب کی بھرپور امید دلاتی ہے۔ اسی لیے جب فرعون نے جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر قتل کرنے اور صلیب پر چڑھا دینے کی دھمکی دی تو انہوں نے نہایت اطمینان اور وقار کے ساتھ جواب دیا:

﴿ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾

''ہم (مر کر) اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے۔ اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا' سوائے اس کے کہ ہم اپنے

رب کے احکام پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس آئے؟ اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔'' (الأعراف: 126'125/7)

جبکہ عقیدہ توحید سے محروم شخص یا سطحی اور کمزور ایمان والا مشکلات پر جزع فزع کر کے اجر وثواب سے محروم ہو جاتا ہے اور مسرتوں کے حصول پر شکر کرنے کی بجائے شیطانی راہوں پر چل کر گناہ گار ہوتا ہے۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِۨطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِۨنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کنارے پر (کھڑے ہوکر) اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آ گئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں۔ انہوں نے دونوں جہانوں کا نقصان اٹھالیا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔'' (الحج: 11/22)

حق ہمیشہ غالب آتا ہے: اس واقعے سے ہمیں یہ درس بھی ملتا ہے کہ حق اور اہل حق ہمیشہ غالب اور کامیاب رہتے ہیں' خواہ باطل کے پاس کیسی ہی مادی قوتیں، توانائیاں اور وسائل و آلات کیوں نہ جمع ہوں۔ فرعون ملک بھر سے جادوگروں کے بہت بڑے گروہ کو مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے لایا۔ بظاہر جادوگروں کی فتح نظر آ رہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے انہی جادوگروں کے ذریعے اہل حق اور اہل ایمان کو فتح و نصرت سے نوازا اور فرعون اپنے لشکر سمیت ناکام و نامراد لوٹا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق اور سچ کا جادو ہمیشہ سر چڑھ کر بولتا ہے اور اپنا لوہا منوا کر رہتا ہے۔

آزادی' ایک فطری حق: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ آزادی ہر شخص اور ہر قوم کا فطری اور پیدائشی حق ہے' لہٰذا کسی بھی طاقتور، ظالم یا جابر و قاہر کے لیے دیگر لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت نہیں۔ لیکن اگر کوئی ظالم و سرکش حکمران کسی کمزور اور ناتواں قوم پر ظلم و ستم کے ذریعے سے قابض ہو جاتا ہے اور انہیں غلامی کی ذلت و رسوائی سے دوچار کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ضعیف و مسکین قوم کی نصرت و تائید فرماتا ہے' چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی کمزور قوم نے اپنے اس فطری حق کے حصول کے لیے کوشش کی ہے انہیں نصرت الٰہی حاصل ہوئی ہے اور ظالموں کا انجام نہایت عبرتناک ہوا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنی قوت کے بل بوتے پر غلام بنایا ہوا تھا اور ان سے مختلف کام کرواتا تھا اور انہیں اپنے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کمزور و مظلوم قوم کی دادرسی کا ارادہ فرمایا اور انہیں فرعون کے پنجۂ استبداد سے نجات دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴾

''پھر ہم نے چاہا کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا' اور ہم انہی کو پیشوا اور (زمین) کا وارث بنائیں' اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے۔'' (القصص: 6'5/28)

✧ **صبر و تحمل اور استقامت کا درس:** فرعون کے ظلم و ستم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو صبر و تحمل کی نصیحت میں داعیان توحید و رسالت کے لیے استقامت و استقلال کا درس ہے۔ داعیان دعوت توحید کو ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رکھنا چاہیے جیسا کہ بنی اسرائیل نے کیا تھا۔ فرعون کی قتل و غارت گری اور طرح طرح کے عذابوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو درج ذیل تسلی دی تھی جو ہر داعی حق کے لیے تا قیامت تشفی کا باعث ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾

''اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو، یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے مالک بنا دے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔'' (الأعراف: 128/7)

لہٰذا کاروان حق کو مسلسل رواں دواں رہنا چاہیے۔ ان کی جدو جہد مسلسل اور عمل پیہم ہونا چاہیے۔ ان کی راہ میں وقتی تکالیف و مشکلات آئیں تو انہیں صبر و رضا سے برداشت کرنا چاہیے کیونکہ کامیابی بالآخر انہی کو ملتی ہے اور کفر و طغیان، ظلم و ستم اور سرکش و مغرور لوگ عبرتناک انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔

✧ **نرمیٔ گفتار کا درس:** حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے داعیان الی اللہ کو یہ درس ملتا ہے کہ وہ دعوت توحید دیتے وقت نیز امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے وقت سامعین کے ساتھ نرم اور شائستہ انداز گفتگو اختیار کریں کیونکہ نرمیٔ گفتار سے لوگ متاثر ہوتے ہیں اور حق کو قبول کرنے میں جلدی کرتے ہیں جبکہ سختی اور درشتی سے لوگ متنفر ہوتے ہیں اور دعوت حق سے دور ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے رب العالمین نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فرمایا تھا:

﴿اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۚ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے، اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔'' (طٰہٰ: 44'43/20)

✧ **قدیم مصری عقائد و نظریات کا رد:** فرعون اور اس کی قوم بت پرست، مظاہر پرست اور انسانوں کی پوجا کرتی تھی۔ نہ صرف زندہ انسانوں کو معبود مانتے تھے بلکہ مردہ انسانوں کی عبادت بھی زور و شور سے کی جاتی تھی۔ یہ بت اور زندہ و مردہ الٰہ ان کے گنج بخش' کرنی والے' غوث و دستگیر اور حاجت روا و مشکل کشا تھے۔ آسمانوں کے الٰہ کا نام ''نوت'' (Nout) تھا جس کی تصویر قوس نما عورت کی تھی۔ زمین کا الٰہ ''نوت'' کا خاوند غب (GHEB) تھا جبکہ زمین و آسمان کے درمیان فضا کا الٰہ ''شو'' (CHOU) کہلاتا تھا۔ سورج اور چاند بھی ان کے عظیم الٰہ تھے' اسی طرح فرعون خود بھی الٰہ تھا۔ اس کے علاوہ مردہ

معبودوں میں سکر، سقارہ اور ''ابجو'' قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ہر علاقے اور ہر ملک کا الگ الٰہ تھا جن میں ''آمن، نوبیس، اونورلیس، زیریلس، باست، حورس اور ''عنقت'' شامل تھے۔ ان تمام کی عبادت کی جاتی تھی اور ان کے متعلق عقائد وافکار کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید نے یہ سارے عقائد وافکار پاش پاش کر دیے اور صرف رب العالمین کی عبادت کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہونے والا درج ذیل مناظرہ ان تمام معبودان باطلہ کا زبردست رد کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

''فرعون نے کہا: رب العالمین کیا (چیز) ہے؟ موسیٰ نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ فرعون نے اپنے اردگرد والوں سے کہا کہ کیا تم سن نہیں رہے؟ موسیٰ نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار ہے۔ فرعون نے کہا (لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے فرمایا: وہی مشرق ومغرب اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔'' (الشعراء: 28-23/26)

باری تعالیٰ کی تقدیس و پاکیزگی: مختلف ادیان و مذاہب میں خالق کا تصور مختلف ہے۔ ہر مذہب والے اپنے خالق و مالک کا ایک الگ تصور ذہن نشین کرتے ہیں، اس مقصد کے لیے وہ مختلف نقوش وتصاویر کا سہارا لیتے ہیں۔ لہٰذا کسی کا الٰہ سانپ کی شکل کا ہے تو کسی کا گائے اور بندر کی شکل کا۔ کچھ لوگوں کا الٰہ نسوانی خدوخال کا مالک ہے، تو کچھ کا حیواناتی شکل و صورت رکھتا ہے۔ ان تمام تصورات نے الٰہ کے تصور کو ہمیشہ ناقص، عیب دار اور مخلوق سے مشابہ قرار دیا ہے جبکہ قرآن مجید نے ذات باری تعالیٰ کو تمام عیوب ونقائص سے منزہ واعلیٰ قرار دیا ہے، لہٰذا فرمایا: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ ''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔'' (الشوریٰ: 11/42) نیز فرمایا: ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴾ ''مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہوسکتا۔'' (طٰہٰ: 110/20)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ورفعت اور اس کی ذات کو تمام عیوب ونقائص سے منزہ قرار دینے کے لیے نہایت دقیق اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار عالم کو دیکھنے کی خواہش کی تو جواب ملا:

﴿ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو

گے۔ پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کرنے لگے: بے شک آپ کی ذات منزہ ہے، میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔'' (الأعراف: 143/7) یعنی اے میرے پروردگار! میں تیری عظمت و جلال پر اور اس بات پر ایمان لانے والا سب سے پہلا مومن ہوں کہ میں تیرا عاجز بندہ دنیا میں تیرے دیدار کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

☆ **عورت کا اصلی حسن و جمال، حیاء:** حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرم و حیا اور عفت و عصمت کا تصور قدیم زمانے سے شرفاء کی خاص علامت رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آنے والی لڑکی کی شرم و حیا کا قرآن مجید نے بطور خاص ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے کہ عورت کا اصل حسن و جمال اور اس کا زیور حیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ﴾

''اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی۔'' (القصص: 25/28)

اس واقعہ میں ان خواتین کے لیے درس عبرت ہے جو بغیر پردہ کیے بازاروں، سڑکوں اور دکانوں میں پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ زیب و زینت کے مصنوعی طریقے اپنانے والیوں کے لیے سبق ہے کہ وہ اپنے اصلی حسن و جمال کو اپنی زینت بنائیں۔

رسول اکرم ﷺ نے حیا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''حیا سراسر خیر ہے۔''[1]

شرم و حیا کے منافی لباس پہن کر دفتروں اور بازاروں کی رونق بننے والی خواتین کے لیے رسول اکرم ﷺ کے درج ذیل فرمان میں شدید وعید اور سخت تنبیہ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا:

''جہنم کے دو گروہوں کو میں نے نہیں دیکھا (جو آخری زمانے میں نمودار ہوں گے)...... ان میں سے ایک گروہ کی عورتیں لباس پہنے ہوئے بھی برہنہ ہوں گی۔ کندھوں کو اچکا اچکا کر چلنے والیاں بدکار عورتوں کی طرح چلنے والیاں ہوں گی جن کے سر بختی اونٹوں کی کوہان کی طرح ہوں گے (یعنی بلند جوڑے کیے ہوں گی) وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی نہ جنت کی خوشبو انہیں آئے گی، حالانکہ جنت کی خوشبو طویل فاصلے پر بھی پائی جائے گی۔''[2]

☆ **ہر صاحب علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا صاحب علم موجود ہے:** حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہمیں طلب علم اور حصول علم کے لیے پختہ عزم، مضبوط قوت ارادی اور سفر کی مشقت کو صبر و حوصلے سے برداشت کرنے کا سبق ملتا ہے۔

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان...... ، حديث: 37

[2] صحيح مسلم، اللباس، باب النساء الكاسيات ...... ، حديث: 2128

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک مجلس میں سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا عالم ربانی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: میں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک صالح بندے کے متعلق وحی کی کہ وہ آپ سے بڑے عالم ہیں، لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ آپ کلیم اللہ اور اولوالعزم رسول تھے، طلب علم کا ارادہ فرمایا اور اس غرض سے طویل اور پرمشقت سفر کا عزم کیا۔ اپنے پختہ عزم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَآ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا۝﴾

''میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچوں (خواہ) مجھے سالہا سال چلنا پڑے۔''

(الکہف: 60/18)

حصول علم کے لیے سخت محنت، ذہانت، طویل عرصہ اور استاذ کی صحبت ونگرانی ضروری ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے حصول علم کی شروط بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے عزیز! علم حاصل کرنے کے لیے چھ چیزیں ضروری ہیں۔ میں تمھیں ان کی تفصیل بتاتا ہوں (وہ یہ ہیں:) ذہانت وفطانت، شوق وذوق، سخت محنت، گزارے کے لیے خرچ، استاد کی صحبت اور طویل عرصہ تک جد و جہد۔''

✿ **استاد کا ادب و احترام:** حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفرِ علم سے ہمیں استاد کے ادب و احترام کا درس ملتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بلند مقام رسول اور کلیم اللہ ہیں۔ آپ کے طرز تکلم سے طالبان علم کو سبق ملتا ہے کہ استاد کے ساتھ ہمیشہ نرم و پست آواز میں گفتگو کرنی چاہیے۔ جیسا کہ آپ نے اپنے استاد سے حصول علم کی عرض کرتے ہوئے کہا:

﴿هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا۝﴾

''کیا میں آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے وہ نیک علم سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔''

(الکہف: 66/18)

آپ کے واقعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد کو استاد کی صحبت کے دوران میں صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ استاد کی توجیہات اور ہدایات کو نہایت غور سے سننا چاہیے۔ اگر شاگرد سے غلطی ہو جائے تو فوراً استاد سے معافی کا طلب گار ہو۔ استاد کی اطاعت وفرمانبرداری کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ نیز یہ بھی سبق ملتا ہے کہ استاد کو بھی شاگرد کی غلطیوں پر درگزر کرنی چاہیے۔

✿ **بنی اسرائیل پر انعامات ربانی:** اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر متعدد انعامات ارزانی کیے تھے۔ ان کی ایک جھلک درج ذیل نکات میں دیکھی جا سکتی ہے:

- اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس وقت کے تمام لوگوں پر افضلیت و برتری عطا فرمائی۔
- فرعونیوں کے ذلت آمیز تسلط اور غلامی سے نجات عطا کی اور انہیں معزز اور آزاد قوم بنایا۔

* ان کے دشمن فرعون اور اس کے لشکر کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرقاب کیا جس سے ان کو دلی راحت ملی۔
* انھوں نے پینے کے پانی کی قلت کی شکایت کی تو ہر قبیلے کے لیے الگ الگ چشمے جاری فرما دیے۔
* سورج کی گرمی اور تپش نے انھیں پریشان کیا تو انھیں بادلوں کے خوشگوار سائے عطا کیے گئے۔
* ان کی خوراک کا بندوبست من وسلویٰ کی شکل میں کر دیا گیا۔

ان تمام انعام واکرام کے باوجود انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی اور اس کے ساتھ شرک جیسا قبیح جرم کیا، اپنے نبی کی نافرمانی کی اور جہاد فی سبیل اللہ سے منہ موڑا تو انھیں طرح طرح کے عذابوں اور سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا جو کہ ہر ناشکرے اور مشرک کا نصیب ہوا کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴾

''اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمھیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔'' (إبراهيم: 7/14)

آج مسلمانانِ عالم کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی نعمتیں وافر عطا فرمائی ہیں لیکن اس کے باوجود دنیا بھر میں معتوب اور ذلیل وخوار بھی مسلمان ہی ہیں۔ ان کے پاس مال ودولت کی کمی ہے نہ افواج واسلحہ کی، ذہین اور عقل مند ماہرین کی کمی ہے نہ جدید وسائل کے حصول کے لیے سائنسدانوں کی قلت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان ان ساری نعمتوں کے باوجود دنیا کی حقیر ترین، مظلوم ترین اور بے بس قوم ہیں؟ کہیں یہ ذلت ورسوائی کا عذاب، اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کی ناشکری کا نتیجہ تو نہیں؟

مظلوم کی بددعا اور اس کی قبولیت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا فوراً قبول فرما لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

''مظلوم کی بددعا سے بچ! کیونکہ اس کی قبولیت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔''[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم فرعونیوں کے ظلم وستم کا شکار تھی۔ آپ نے فرعونیوں کو ہر ممکن طریقے سے ظلم سے روکنے اور انھیں حق قبول کرنے کی دعوت دی مگر ان کی دولت وامارت ہر لمحے ان کے فخر وغرور میں اضافہ کرتی رہی اور ان کا ظلم وستم ہر گھڑی بڑھتا رہا۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم قوم کے سربراہ کی حیثیت سے ظالموں کے خلاف بددعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور یوں دعا کی:

﴿ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴾

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب الاتقاء والحذر من دعوة المظلوم، حديث: 2448

''اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامانِ زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیے۔ اے ہمارے رب! (کیا اس واسطے دیے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے گمراہ کریں؟ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے' سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔'' (یونس: 88/10)

اللہ تعالیٰ نے اپنے مظلوم بندے کی پکار سن لی اور ظالم و جابر قوم کو درج ذیل عذاب چکھائے:

* قحط سالی سے ان کے باغات اور فصلیں ختم کر دیں۔
* کبھی سیلاب اور طوفان سے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔
* کبھی ٹڈی دل کے ذریعے سے ان کی فصلیں ویران کر دیں جس سے غلے کی شدید قلت ہوگئی۔
* ان پر جوؤں کا عذاب مسلط کر دیا جن سے ان کی زندگی اجیرن بنا دی گئی۔
* ان کے کھانوں، مشروبات، گھروں، بستروں اور محفلوں کو مینڈکوں سے بھر دیا، جنھوں نے پھدک کر ان کے آرام و سکون اور عیش و عشرت کو غارت کر دیا۔
* نکسیر کے ذریعے سے انہیں جسمانی عذاب اور ان کے پانی کو خون سے بدل کر جسمانی اور نفسیاتی اذیت کا عذاب دیا گیا۔
* فرعون کو مرنے تک ایمان کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ جب نصیب ہوئی تو مہلت ختم ہو چکی تھی۔ ظالموں، متکبروں اور جابروں کے لیے فرعون کی لاش آج بھی درس عبرت لیے مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ کوئی ہے جو اس کے انجام بد سے نصیحت و عبرت پکڑے؟

حضرت شعیا بن امصیا علیہ السلام

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ آپ کا زمانہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام سے پہلے کا ہے۔ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری دی تھی۔ آپ کے زمانے میں بیت المقدس کے علاقے میں حزقیا بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا۔ وہ حضرت شعیا علیہ السلام کی ہدایات پر پوری طرح عمل کرتا تھا۔ اس وقت بنی اسرائیل کے حالات دگرگوں تھے۔ بادشاہ کے پاؤں میں پھوڑا نکل آیا جب کہ بابل کا بادشاہ سنحاریب چھ لاکھ کی فوج کے ساتھ بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ لوگ بہت پریشان تھے۔ بادشاہ نے حضرت شعیا علیہ السلام سے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سنحاریب کی فوجوں کے بارے میں کیا وحی نازل فرمائی ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ابھی کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔'' آخر وحی نازل ہوئی کہ حزقیا بادشاہ سے کہہ دیجیے کہ کسی کو اپنا قائم مقام نامزد کر دے کیونکہ اس کی موت کا وقت قریب ہے۔ جب آپ نے بادشاہ کو اللہ کا یہ پیغام دیا تو بادشاہ قبلہ رخ ہو کر نماز، دعا اور گریہ زاری میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اخلاص، توکل اور صبر کا دامن پکڑا اور دعا کی: ''یا اللہ! اے سب مالکوں کے مالک! سب معبودوں کے معبود! یا رحمان! یا رحیم! اے وہ ذات جو نیند اور اونگھ سے پاک ہے! میرے اعمال پر اور بنی اسرائیل میں انصاف کے ساتھ حکومت کرنے پر نظر فرما! یہ سب تیری توفیق سے ہوا۔ تو یہ بات مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ میرا ظاہر و باطن تیرے لیے ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی، رحمت فرمائی اور حضرت شعیا علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اسے خوش خبری دے دیں کہ اللہ نے اس کی گریہ زاری پر رحم فرمایا اور اس کی موت کو پندرہ سال کے لیے موخر فرما دیا ہے اور اسے اس کے دشمن سنحاریب سے نجات دے دی ہے۔ جونہی شعیا علیہ السلام نے اسے یہ خوشخبری سنائی، اس کی بیماری دور ہو گئی، تمام غم و فکر دور ہو گئے۔ وہ اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ اس نے سجدہ میں یہ الفاظ کہے: ''یا اللہ! تو ہی جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ تو ظاہر اور پوشیدہ سے باخبر ہے۔ تو ہی اوّل و آخر ہے۔ تو ہی ظاہر و باطن ہے۔ تو ہی رحم فرماتا ہے اور لاچاروں کی دعا قبول کرتا ہے۔''

جب اس نے سجدہ سے سر اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے شعیا علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ بادشاہ کو حکم دیں کہ وہ انجیر کا پانی نکال کر اپنے زخم پر لگائے، اسے شفا حاصل ہو جائے گی۔ اس نے اس ہدایت کے مطابق عمل کیا تو اسے شفا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے سنحاریب کے لشکر پر موت مسلط کر دی۔ چنانچہ وہ سب ہلاک ہو گئے۔ صرف سنحاریب اور اس کے پانچ ساتھی باقی بچے جن میں سے ایک بخت نصر تھا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ نے سپاہی بھیج کر انہیں گرفتار کر لیا۔ ان کی گردنوں

میں طوق ڈال کر شہر میں گھمایا، اسی طرح ستر دن انہیں ذلیل کیا۔ ان لوگوں کو روزانہ جو کی دو دو روٹیاں دی جاتی تھیں۔ پھر انہیں جیل میں ڈال دیا۔ شعیا علیہ السلام نے وحی کے مطابق بادشاہ سے کہا کہ انہیں ان کے وطن بھیج دے تا کہ وہ اپنی قوم کو جا کر بتائیں کہ ان پر کیا گزری۔ جب وہ اپنے وطن پہنچے تو سنحاریب نے اپنی قوم کو جمع کر کے تمام صورت حال بیان کی۔ اس کے کاہنوں اور ساحروں نے کہا: ''ہم نے آپ کو اُن کے رب کی اور ان کے نبیوں کی شان بتائی تھی، لیکن آپ نے ہماری بات نہ مانی۔ اس امت کو اللہ کی مدد حاصل ہے، کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔'' اس واقعہ کے سات سال بعد سنحاریب مر گیا۔ امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب بنی اسرائیل کا بادشاہ حزقیا مر گیا تو ان کے حالات خراب ہو گئے اور ان میں برائیاں زیادہ پھیل گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے شعیا علیہ السلام کو وحی کی تو آپ نے اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ جونہی آپ نے وعظ ختم کیا، وہ لوگ آپ پر حملہ آور ہو گئے اور آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ بھاگ گئے۔ آپ ایک درخت کے پاس پہنچے تو وہ پھٹ گیا، آپ اس کے اندر داخل ہو گئے۔ شیطان نے جلدی سے کپڑے کا کنارہ پکڑ لیا۔ جب درخت کے پھٹے ہوئے حصے نے مل کر نبی کو چھپایا تو کپڑے کا وہ کنارہ باہر رہ گیا۔ لوگوں نے دیکھا تو فوراً آرا لے آئے اور درخت کو چیر دیا۔ اس کے ساتھ حضرت شعیا علیہ السلام کا جسم مبارک بھی دو ٹکڑے ہو گیا اور آپ شہید ہو گئے۔ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾

حضرت ارمیا بن حلقیا علیہ السلام

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض روایات میں مذکور ہے کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا گیا تو آپ کا خون مسلسل اُبل اُبل کر دمشق کی زمین پر گرتا رہا اور بند نہ ہوا۔ اس وقت ارمیا علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: ''اے خون! تو نے لوگوں کو آزمائش میں ڈال رکھا ہے۔ اب بند ہو جا!'' چنانچہ وہ رک گیا اور زمین میں جذب ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ واقعہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حالات میں بیان ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ارمیا علیہ السلام نے فرمایا: ''یا رب! تیرا کون سا بندہ تجھے سب سے پیارا ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو لوگ مجھے زیادہ یاد کرتے ہیں، جو مخلوق کی یاد بھلا کر میری یاد میں مشغول ہو جاتے ہیں، جن کے دل میں فنا کا خیال نہیں آتا اور وہ بقا کے بارے میں بھی نہیں سوچتے۔ جب انہیں دنیا کا عیش میسر ہو تو وہ خوش نہیں ہوتے۔ جب ان سے دنیا کا عیش و عشرت لے لیا جائے تو خوش ہوتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہیں میں اپنی محبت عطا فرماتا ہوں اور انہیں ان کی طلب سے زیادہ دیتا ہوں۔''

بیت المقدس کی تباہی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۭ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴾

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز

نہ ٹھہرانا۔ اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا! بیشک نوح ہمارے شکرگزار بندے تھے۔ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ پھر جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دیے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا، پھر ہم نے دوسری بار تم کو اُن پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔ اگر تم نیکوکاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے کرو گے اور اگر اعمال بد کرو گے تو (اُن کا) وبال بھی تمہاری ہی جانوں پر ہو گا۔ پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آیا (تو ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے) تا کہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو گئے تھے اسی طرح پھر اس میں داخل ہو جائیں اور جس چیز پر غلبہ پائیں اُسے تباہ کر دیں۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے گا اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (پہلا سا سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے۔'' (بني إسرائيل: 17/2-8)

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب بنی اسرائیل کثرت گناہوں کا ارتکاب کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک نبی ارمیا علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم میں کھڑے ہو کر میری یہ باتیں سنا دو:

''ان کے دل تو ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں بھی ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے کان بھی ہیں لیکن وہ سنتے نہیں۔ میں نے ان کے آباء واجداد کی نیکی کی وجہ سے ان پر رحمت کی لیکن انہوں نے میری فرماں برداری نہیں کی۔ ان سے پوچھیے کہ میری نافرمانی کر کے انہیں کیا ملا؟ کیا کوئی شخص میری نافرمانی کر کے سعادت حاصل کر سکتا ہے؟ یا کوئی میری فرماں برداری کر کے بدنصیب رہ سکتا ہے؟ جانور بھی اپنے گھروں کو یاد رکھتے ہیں اور پلٹ آتے ہیں لیکن ان لوگوں نے وہ اعمال ترک کر دیے ہیں جن کی وجہ سے میں نے ان کے بزرگوں کو عزت بخشی تھی اور وہ دوسری طرح کے کاموں میں عزت تلاش کرتے ہیں۔ ان کے علماء نے حق کا انکار کیا۔ ان کے قراء نے مجھے چھوڑ کر دوسروں کو پوجا۔ ان کے زاہدوں نے اپنے علم سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ ان کے حکمرانوں نے مجھ پر اور میرے رسولوں پر جھوٹ بولا۔ دلوں میں دھوکا فریب خزانوں کی طرح جمع کر لیا، زبانوں کو جھوٹ کی عادت ڈال دی۔ میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان پر وہ لشکر چڑھا لاؤں گا جو ان کی زبان نہ سمجھیں گے۔ ان کے چہروں کو نہ پہچانیں گے اور ان کی گریہ زاری پر ترس نہ کھائیں گے۔ ان پر ایسا ظالم اور سنگدل بادشاہ مسلط کر دوں گا جس کے لشکر بادلوں کی طرح، جن کے جھنڈے اڑتے عقابوں کی طرح اور ان کے شہسواروں کے حملے شہبازوں جیسے ہوں گے۔ وہ شہروں اور بستیوں کو ویران کر دیں گے۔ افسوس ہے ایلیا کے شہر پر اور اس کے باشندوں پر۔ میں انہیں قتل وغارت کا نشانہ بناؤں گا، ان پر غلامی مسلط کر دوں گا، خوشیوں کی گہما گہمی کی جگہ چیخ پکار لے لے گی۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی بجائے بھیڑیوں کے غرانے کی آوازیں آئیں گی۔ میں ان کے لیے آسمان لوہے کا بنا

دوں گا اور زمین تانبے کی۔ اگر بارش برسی تو نباتات نہیں اُگائے گی۔ اگر کچھ اُگا تو وہ جانوروں پر میرے رحم کی وجہ سے اُگے گا۔ کاشت کے موسم میں بارش بند رہے گی، فصل کاٹنے کے موسم میں بارش آجائے گی۔ اسی دوران میں وہ جو کاشت کریں گے، میں اس پر آفات نازل کروں گا۔ اگر اس میں سے کچھ بچا تو اس میں برکت نہیں ہوگی۔ اگر وہ مجھ سے دعائیں کریں گے تو میں ان کی دعائیں قبول نہیں کروں گا۔ اگر مانگیں گے تو میں انہیں نہیں دوں گا، اگر وہ روئیں گے تو میں ان پر رحم نہیں کروں گا، وہ گڑگڑائیں گے تو میں ان سے اپنا رخ پھیرلوں گا۔'' [1]

جب بنی اسرائیل دینی، اخلاقی اور معاشرتی بگاڑ میں حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی: ''میں بنی اسرائیل کو تباہ کرنے والا ہوں اور ان کے گناہوں کی وجہ سے انتقام لینے والا ہوں۔ آپ ''صخرہ'' (بیت المقدس کی مقدس چٹان) پر پہنچ جائیں، وہاں آپ کو میرا حکم پہنچے گا۔'' ارمیا علیہ السلام نے فرمایا: ''یا اللہ! تو ان پر کس قوم کو مسلط کرنے والا ہے؟'' رب تعالیٰ نے فرمایا: ''وہ آگ کی پوجا کرنے والے ہیں۔ نہ میرے عذاب سے ڈرتے ہیں نہ مجھ سے ثواب کی خواہش رکھتے ہیں۔ اپنی قوم کو بتا دیجیے اللہ نے اب تک تمہارے بزرگوں کی نیکی کی وجہ سے تمہیں مہلت دی ہے۔ لیکن تم نے میرے احکامات فراموش کر دیے۔ اب میں تم پر ایسا ظالم حکمران مسلط کروں گا جو تم پر بالکل رحم نہیں کرے گا بلکہ تمہیں تباہ کر کے رکھ دے گا۔''

جب ارمیا علیہ السلام نے انہیں اللہ کا پیغام پہنچایا تو وہ بولے: ''ارمیا! تو جھوٹ بولتا ہے اور اللہ پر بہتان تراشی کرتا ہے۔ کیا اللہ اپنی مقدس سرزمین کو اور اپنی مسجدوں کو اپنی کتاب سے اور عبادت کرنے والوں سے خالی کر دے گا؟ تب زمین پر کون ہو گا جو اس کی عبادت واطاعت کرے گا؟''

انہوں نے آپ کو پکڑ کر قید کر دیا۔ یہی وقت تھا جب بخت نصر نے ان کے ملک پر حملہ کر دیا اور بنی اسرائیل کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس نے بیت المقدس سے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ بہت سے افراد کو قید کر کے بابل لے گیا۔ اس نے بیت المقدس کی عمارت گرا دی اور تورات کے نسخے جلا دیے۔ اس نے بنی اسرائیل کے جن افراد کو غلام بنایا، ان میں سے سات ہزار حضرت داود علیہ السلام کے گھرانے سے تھے، گیارہ ہزار حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کے گھرانے سے، آٹھ ہزار ایشا بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان سے، چودہ ہزار زابلون اور نفتالی کے خاندان سے، چودہ ہزار دان بن یعقوب کی اولاد سے، آٹھ ہزار یستاخر بن یعقوب علیہ السلام کے خاندان سے، دو ہزار شمعون بن یعقوب علیہ السلام کی آل سے، چار ہزار روبیل اور لاوی کے قبیلے سے اور بارہ ہزار بنی اسرائیل کے دوسرے گھرانوں سے تھے۔ وہ ان سب کو لے کر بابل پہنچ گیا۔

ہشام کا کہنا ہے کہ جب بخت نصر بیت المقدس میں آیا، وہاں کا بادشاہ حضرت داود علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ اس نے بخت نصر سے صلح کر لی۔ بخت نصر نے اس سے ضمانت کے طور پر کچھ افراد لیے اور لوٹ گیا۔ جب وہ طبریہ کے مقام پر

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر: 20/8

پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ بنی اسرائیل نے اس صلح سے ناراض ہو کر اپنے بادشاہ کو قتل کر دیا ہے۔ اس نے ضمانت کے طور پر پکڑے ہوئے افراد کے سر قلم کیے اور دوبارہ شہر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ پھر وہاں کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا اور بچوں اور عورتوں کو غلام بنالیا۔

بنی اسرائیل دنیا میں تتر بتر ہو گئے

ایک روایت کے مطابق بخت نصر کو معلوم ہوا کہ جیل میں ارمیا علیہ السلام بھی ہیں۔ اس نے آپ کو رہا کیا۔ آپ نے بتایا کہ میں نے انہیں اس سے ڈرایا تھا لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی اور مجھے قید کر دیا۔ اس نے کہا: ''کتنی بری قوم ہے جس نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی۔''

وہ آپ سے حسن سلوک سے پیش آیا اور بنی اسرائیل کے جو افراد زندہ بچ گئے تھے، انہیں آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ بنی اسرائیل نے کہا: ''ہم نے واقعی برا کام کیا تھا۔ اب ہم اللہ کے آگے توبہ کرتے ہیں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ ہماری توبہ قبول ہو۔''

آپ نے دعا کی تو اللہ نے وحی کے ذریعے سے فرمایا: ''میں ان کی توبہ قبول نہیں کروں گا۔ اگر یہ سچے دل سے توبہ کر رہے ہیں تو انہیں کہیے کہ آپ کے ساتھ اس شہر میں رہائش اختیار کریں۔'' آپ نے اللہ کا حکم سنایا تو وہ کہنے لگے: ''ہم اس شہر میں کیسے رہ سکتے ہیں؟ یہ تو کھنڈر بن چکا ہے۔ یہاں کے رہنے والوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا تھا۔'' چنانچہ انہوں نے وہاں رہنے سے انکار کر دیا۔

ابن کلبی کہتے ہیں: اس وقت بنی اسرائیل دنیا میں بکھر گئے۔ کچھ لوگ حجاز آ گئے، کچھ یثرب میں جا ٹھہرے، کچھ وادی قریٰ میں رہنے لگے۔ ایک چھوٹی سی جماعت مصر چلی گئی۔ بخت نصر نے وہاں کے بادشاہ کو خط لکھا کہ مفرور افراد کو اس کے حوالے کیا جائے۔ مصر کے بادشاہ نے انکار کیا۔ تب بخت نصر نے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا اور اسے شکست دی۔ پھر بلاد مغرب پر حملہ آور ہو گیا اور آخر تک فتح کر لیا۔ پھر مغرب، مصر، بیت المقدس، فلسطین اور اردن کے بے شمار قیدیوں کے ساتھ واپس آیا۔ ان قیدیوں میں حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دانیال اکبر نہیں بلکہ دانیال اصغر ہیں جو حزقیل علیہ السلام کے فرزند تھے۔ وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت دانیال علیہ السلام

حضرت دانیال اور حضرت ارمیا علیہما السلام کی ملاقات: ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن ابی ہذیل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بخت نصر نے دو شیر پکڑ کر ایک کنویں میں ڈال دیے۔ پھر دانیال علیہ السلام کو لا کر اسی کنویں میں ڈال دیا۔ شیروں نے آپ کو کچھ نہ کہا۔ کچھ مدت بعد آپ کو بھوک پیاس محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے شام میں حضرت ارمیا علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ دانیال علیہ السلام کے لیے کھانے پینے کا سامان تیار کریں۔ انہوں نے عرض کی: ''یا اللہ! میں یہاں ارض مقدس فلسطین میں ہوں اور دانیال علیہ السلام عراق کے شہر بابل میں ہیں؟'' اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ آپ ہمارے حکم کے مطابق کھانے پینے کا سامان تیار کریں۔ ہم آپ کو وہاں پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔ انہوں نے تیاری کی تو اللہ نے کسی کو بھیج دیا جو انہیں اور ان کے تیار کیے ہوئے سامان کو بابل لے گیا حتیٰ کہ آپ کنویں کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے۔ دانیال علیہ السلام نے فرمایا: ''آپ کون ہیں؟'' انہوں نے کہا: ''میں ارمیا ہوں۔'' فرمایا: ''آپ کس لیے تشریف لائے؟'' انہوں نے فرمایا: ''مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔'' انہوں نے فرمایا: ''میرے رب نے میرا نام لیا ہے؟'' فرمایا: ''ہاں!'' دانیال علیہ السلام نے فرمایا: ''شکر ہے اللہ کا جو اپنا ذکر کرنے والے کو فراموش نہیں کرتا۔ شکر ہے اللہ کا جو اپنی ذات سے امید رکھنے والے کی آس نہیں توڑتا۔ شکر ہے اللہ کا کہ جو شخص اس پر توکل کرے، وہ اسے کسی اور کا محتاج نہیں کرتا۔ شکر ہے اللہ کا جو صبر کا بدلہ نجات کی صورت میں دیتا ہے۔ شکر ہے اللہ کا جو ہمیں پریشانی آنے پر ہماری مصیبت دور کرتا ہے۔ شکر ہے اللہ کا جو ہمیں اس وقت بچا لیتا ہے جب ہمیں اپنے اعمال پر بدگمانی ہونے لگتی ہے (کہ ممکن ہے ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں مزید مصائب میں مبتلا ہونا پڑے۔) شکر ہے اللہ کا جو اس وقت ہماری امید کا مرکز بن جاتا ہے جب ہماری کوئی تدبیر کارگر نہیں رہتی۔'' [1]

حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''جب ہم نے تُستَر کا شہر فتح کیا تو ہمیں ہرمزان کے خزانے میں ایک پلنگ ملا۔ اس پر ایک میت تھی۔ اس کے سرہانے کی طرف ایک تحریر پڑی تھی۔ ہم نے وہ تحریر اُٹھائی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے اس کا عربی ترجمہ لکھ دیا۔ سب سے پہلے میں نے وہ عربی تحریر پڑھی۔ وہ مجھے اب بھی اس طرح یاد ہے جس طرح قرآن یاد ہے۔

خالد بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ابو العالیہ رحمہ اللہ سے عرض کی: ''اس میں کیا لکھا ہوا تھا؟'' انہوں نے فرمایا:

---

[1] البداية والنهاية : 36/2

''تم مسلمانوں کے اخلاق، تمہارے معاملات، تمہارے بات چیت کے ڈھنگ اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات۔'' میں نے کہا: ''پھر تم نے اس میت کا کیا کیا؟'' فرمایا: ''ہم نے دن کے وقت مختلف مقامات پر تیرہ قبریں کھودیں رات کو کسی ایک قبر میں دفن کر کے سب کو برابر کر دیا تا کہ ان لوگوں کو معلوم نہ ہو اور وہ قبر کو کھود کر ان کی میت نہ نکال لیں۔'' میں نے کہا: ''وہ اس میت سے کیا امید رکھتے تھے؟'' فرمایا: ''جب بارش نہیں ہوتی تھی تو وہ آپ کی چارپائی کھلے میدان میں رکھ دیتے تھے۔ تب بارش ہو جاتی تھی۔'' میں نے کہا: ''آپ کے خیال میں یہ کون صاحب تھے؟'' فرمایا: ''ان صاحب کا نام دانیال تھا۔'' میں نے کہا: ''انہیں فوت ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا تھا؟'' فرمایا: ''تین سو سال۔'' میں نے کہا: ''ان کے جسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی؟'' فرمایا: ''نہیں، بس گدی کے چند بال جھڑ گئے تھے۔ نبیوں کے جسم مٹی میں بوسیدہ نہیں ہوتے نہ انہیں درندے کھاتے ہیں۔'' [1]

اس روایت کی سند ابو العالیہ تک صحیح ہے لیکن اگر وہ صاحب واقعی تین سو سال پہلے فوت ہوئے تھے تب وہ نبی نہیں ہو سکتے، کوئی اور نیک آدمی ہوں گے کیونکہ بخاری شریف کی صحیح حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ ان دونوں انبیائے کرام علیہم السلام کی درمیانی مدت چھ سو سال ہے۔ اگر وہ میت واقعی دانیال علیہ السلام کی تھی تو ان کی وفات تین سو سال پہلے نہیں بلکہ آٹھ سو سال پہلے ہوئی ہوگی ورنہ وہ کوئی ولی ہوگا۔ ویسے اس کا دانیال علیہ السلام کی میت ہونا ہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ دانیال علیہ السلام کو اہل فارس کے بادشاہ نے گرفتار کر لیا تھا اور انہوں نے اس کے پاس ہی قید کے ایام گزارے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی الزناد رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو بردہ رحمہ اللہ کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی۔ جس پر دو شیروں کی تصویر بنی ہوئی تھی، ان کے درمیان ایک آدمی تھا اور شیر اسے چاٹ رہے تھے۔ ابو بردہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ اس شخص کی انگوٹھی ہے جس کے بارے میں اس شہر کے لوگ کہتے ہیں کہ وہ دانیال علیہ السلام ہیں۔ جس دن انہیں دفن کیا گیا، یہ انگوٹھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لے لی تھی۔ پھر شہر کے علماء سے اس پر کندہ تصویر کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا: ''حضرت دانیال علیہ السلام جس بادشاہ کے ملک میں تھے، اسے نجومیوں نے بتایا تھا کہ ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کی وجہ سے تیری حکومت ختم ہو جائے گی۔'' بادشاہ نے قسم کھائی کہ آج رات پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل کر دیا جائے گا۔ البتہ انہوں نے دانیال علیہ السلام کو شیر کے کچھار میں پھینک دیا۔ آپ کی والدہ نے جا کر دیکھا تو شیر اور شیرنی آپ کو پیار سے چاٹ رہے تھے اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ شہر کے علماء نے بتایا کہ دانیال علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی میں اپنی اور شیروں کی تصویر بنوائی تھی تا کہ آپ کو اللہ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہے۔ [2]

---

[1] البداية والنهاية : 37/2
[2] البداية والنهاية : 38/2

بیت المقدس کی دوبارہ آبادکاری اور نبی کا سو سال بعد زندہ ہونا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾

''یا اس شخص کی مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی' اس نے کہا کہ اللہ اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا۔ تو اللہ نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اُس کو مردہ رکھا) پھر اُس کو زندہ کر کے اُٹھایا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اُس سے بھی کم۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو۔ اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں بالکل) سڑی بُسی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو ہم ان کو کیسے جوڑتے ہیں اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھاتے ہیں۔ جب یہ واقعات اُس کے مشاہدے میں آئے تو بول اُٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' (البقرۃ: 259/2)

ہشام بن کلبی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں بیت المقدس کو آباد کرنے والا ہوں۔ آپ وہاں جا کر رہیں۔ آپ وہاں تشریف لے گئے تو وہ ویران کھنڈر تھا۔ آپ نے دل میں کہا: ''سبحان اللہ! اللہ نے مجھے اس شہر میں رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ آباد ہوگا لیکن اسے اللہ تعالیٰ کب آباد فرمائے گا اور کب اس مردہ شہر کو نئی زندگی عطا فرمائے گا؟''

پھر آپ وہاں لیٹ کر سو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا گدھا تھا اور ٹوکری میں کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ ستر سال سوئے رہے حتی کہ بخت نصر مر گیا اور اس کے اوپر حکمران لہراسپ بھی مر گیا۔ اس نے ایک سو بیس سال حکومت کی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ''بشتاسپ'' بادشاہ ہوا۔ بخت نصر اس کے دور حکومت میں مرا۔ اسے شام کے ملک کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ ویران ہو چکا ہے اور فلسطین کے علاقے میں درندے بکثرت ہیں اور کوئی انسان باقی نہیں۔ اس نے بابل میں بنی اسرائیل

سے کہہ دیا کہ جو شخص شام جانا چاہتا ہے چلا جائے۔ اس نے بنی اسرائیل ہی کے ایک شخص کو ان کا سردار مقرر کر دیا اور اسے بیت المقدس تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ وہ سب وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کی آنکھیں کھولیں اور آپ نے شہر کو آباد ہوتے دیکھ لیا۔ آپ کی یہ نیند سو سال طویل تھی۔ جب آپ جاگے تو آپ کو یوں محسوس ہوا کہ آپ دن کا کچھ حصہ سوئے رہے۔ سونے سے پہلے آپ نے شہر کو ویران دیکھا تھا۔ جاگے تو آباد نظر آیا۔ تب انہوں نے فرمایا: ﴿أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

بنی اسرائیل وہاں آرام وسکون سے رہتے رہے حتی کہ طوائف الملوکی کے دور میں ان پر رومی غالب آ گئے۔ پھر عیسائیوں کے غلبہ کے بعد یہودیوں کی کوئی حکومت اور سلطنت نہ رہی۔ تفصیل ابن جریر رحمہ اللہ نے تاریخ میں بیان کی ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لہراسپ بہت انصاف پسند بادشاہ تھا۔ سب حکمران اور فوجی افسر اس کی بات مانتے تھے۔ شہر آباد کرنے اور نہریں بنانے میں بہت دانائی سے کام لیتا تھا۔ سو سال سے زیادہ مدت کے بعد وہ ملک کا انتظام کرنے کے قابل نہ رہا تو اپنے بیٹے بشتاسپ کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ اس کے دور حکومت میں مجوسی مذہب شروع ہوا۔ وہ اس طرح کہ ایک آدمی ارمیا علیہ السلام کے ساتھ کچھ عرصہ رہا۔ اس کا نام زرتشت تھا۔ کسی وجہ سے ارمیا علیہ السلام اس سے ناراض ہو گئے اور اسے بددعا دی۔ زرتشت کو برص کی بیماری لگ گئی اور وہ آذربائیجان کے علاقے میں چلا گیا۔ وہاں وہ بشتاسپ کا درباری بن گیا اور اسے خود ساختہ مجوسی مذہب کی طرف بلایا۔ بادشاہ نے خود بھی یہ مذہب قبول کر لیا اور عوام کو بھی اسے قبول کرنے پر مجبور کیا اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

بشتاسپ کے بعد اس کا بیٹا بہمن بادشاہ ہوا۔ وہ ایران کا مشہور بادشاہ اور بہادر آدمی تھا۔ الغرض ابن جریر رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ اس شہر (بیت المقدس) کے پاس سے گزرنے والے حضرت ارمیا علیہ السلام تھے۔ متعدد علماء نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ مذکورہ بالا تفصیل سے بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ تاہم متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا قول ہے کہ یہ واقعہ عزیر علیہ السلام کو پیش آیا تھا۔ علماء کے ہاں یہ قول زیادہ مشہور ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عزیر علیہ السلام

نام ونسب اور آپ کا تذکرہ

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ کا نام عزیر بن حیوۃ ہے۔ اور آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے: عزیر بن سوریق بن عرنا بن ایوب بن درزنا بن عری بن تقی بن السبوع بن فنحاص بن الیعزر بن ہارون بن عمران ایک روایت کے مطابق آپ کے والد کا نام ''سروخا'' تھا۔ آپ کی قبر مبارک دمشق میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سو سال کے بعد دوبارہ زندہ کیا تھا، وہ حضرت عزیر علیہ السلام ہی تھے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عزیر علیہ السلام ایک دانا اور متقی آدمی تھے۔ ایک دن اپنے کھیتوں میں ان کی دیکھ بھال کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر ایک کھنڈر کے پاس سے گزر رہے تھے کہ دوپہر کی شدید گرمی سے بچنے کے لیے کھنڈر میں چلے گئے۔ آپ اپنے گدھے سے نیچے اُتر آئے۔ آپ کے پاس ایک ٹوکری میں انجیر اور ایک ٹوکری میں انگور تھے۔ آپ نے ایک ویران عمارت کے سائے میں بیٹھ کر اپنا پیالہ لیا۔ پیالے میں انگوروں کو نچوڑ کر رس نکال لیا۔ پھر آپ کے پاس جو خشک روٹی تھی، وہ لے کر رس میں ڈال دی تاکہ وہ نرم ہو جائے تو کھا لیں۔ پھر آپ دیوار سے پاؤں لگا کر چت لیٹ گئے۔ آپ کی نظر چھت پر پڑی۔ دیکھا کہ چھت تو قائم ہے لیکن اس کے نیچے زندگی گزارنے والوں کی صرف بوسیدہ ہڈیاں موجود ہیں۔ تب فرمایا: ﴿ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ''اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟'' (البقرۃ:259/2)

یہ شک کے طور پر نہیں بلکہ تعجب کے طور پر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیجا۔ اس نے آپ کی روح قبض کر لی اور آپ سو سال تک فوت شدہ حال میں رہے۔ اس ایک صدی کی مدت میں بنی اسرائیل کو طرح طرح کے واقعات پیش آئے۔ جب سو سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ اس نے آپ کا دل پیدا کیا تاکہ آپ سمجھ سکیں اور آنکھیں پیدا کیں تاکہ سب کچھ دیکھ کر سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ پھر آپ کے دیکھتے دیکھتے آپ کا جسم مبارک مکمل کیا گیا۔ ہڈیوں پر گوشت پوست اور بال بن گئے، پھر جسم میں روح ڈالی گئی اور آپ یہ

سب کچھ دیکھ اور سمجھ رہے تھے۔ جب آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے تو فرشتے نے آپ سے کہا: ﴿ كَمْ لَبِثْتَ ﴾ ''آپ کتنا عرصہ یہاں رہے؟''

آپ نے فرمایا: ﴿ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ﴾ ''ایک دن ٹھہرا ہوں یا اس سے بھی کم۔'' کیونکہ دوپہر سے پہلے یہاں رکے تھے اور جب اُٹھے تو شام کا وقت تھا۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ فرشتے نے کہا: ﴿ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ ﴾ ''آپ یہاں ایک سو سال رہے ہیں۔ اپنے کھانے پینے کو دیکھیے!'' یعنی وہ خشک روٹی اور انگور کا رس۔ دیکھا تو وہ دونوں چیزیں اسی طرح تھیں۔ رس خراب نہیں ہوا تھا اور روٹی ابھی تک خشک تھی، نرم نہیں ہوئی۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ لَمْ يَتَسَنَّهْ ﴾ ''بالکل خراب نہیں ہوا۔'' یعنی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انجیر اور انگور بھی تازہ حالت میں تھے۔ آپ کے دل میں خیال آیا یہ کیسے ہوسکتا ہے تو فرشتے نے کہا: ﴿ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ ﴾ ''اپنے گدھے کی طرف دیکھیے!'' دیکھا تو اس کی صرف بوسیدہ ہڈیاں پڑی تھیں۔ فرشتے نے ہڈیوں کو آواز دی تو وہ ہر طرف سے اُٹھ کر آ گئیں۔ فرشتے نے انہیں عزیر علیہ السلام کے سامنے اپنے اپنے مقام پر جوڑا۔ پھر ان پر رگیں اور پٹھے لگائے۔ پھر ان پر گوشت آ گیا۔ پھر جلد اور بال پیدا ہو گئے۔ پھر فرشتے نے پھونک ماری تو گدھا آسمان کی طرف سر اور کان اُٹھا کر بولنے لگا۔ وہ سمجھا کہ قیامت آگئی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ﴾ ''اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ! ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں اور تو دیکھ ہم ہڈیوں کو کس طرح جوڑتے ہیں؟ پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں؟'' یعنی گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ کس طرح ایک دوسری کے ساتھ جڑتی چلی جا رہی ہیں۔ جب پورا ڈھانچا بن گیا تو فرمایا اب دیکھ ہم اس پر کس طرح گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو آپ کہنے لگے: ﴿ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (البقرۃ: 259/2)

آپ گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلے میں آئے تو لوگوں نے آپ کو نہ پہچانا اور آپ کو بھی کوئی شناسا چہرہ نظر نہ آیا۔ آپ کو اپنے گھر کا بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ چلتے ہوئے کسی اور طرف نکل گئے۔ آخر اپنے گھر پہنچے تو دیکھا وہاں ایک اندھی اپاہج بڑھیا بیٹھی ہوئی ہے جس کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔ وہ آپ کی لونڈی تھی۔ جب آپ گھر سے نکلے تھے تو وہ بیس سال کی تھی۔ آپ نے اس کو پہچان لیا۔ آپ نے اس سے کہا: ''اللہ کی بندی! کیا عزیر کا گھر یہی ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں! یہی عزیر کا گھر ہے۔'' یہ کہہ کر وہ رو پڑی۔ پھر بولی: ''مدتوں سے کسی نے عزیر علیہ السلام کا نام بھی نہیں لیا۔ لوگ انہیں بھول گئے۔'' آپ نے فرمایا: ''میں ہی عزیر ہوں۔ اللہ نے مجھے سو سال مردہ حالت میں رکھنے کے بعد دوبارہ زندگی دے دی ہے۔'' اس نے کہا: ''سبحان اللہ! عزیر علیہ السلام تو سو سال سے لاپتہ ہیں۔ ہمیں ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔'' آپ نے فرمایا: ''میں ہی عزیر ہوں۔''

وہ بولی: ''عزیر تو مستجاب الدعوات تھے۔ ان کی دعا سے بیماروں کو شفا ہو جاتی تھی، لہٰذا آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے آنکھیں دے دے تاکہ آپ کی زیارت کرسکوں۔ اگر آپ واقعی عزیر علیہ السلام ہیں تو میں آپ کو پہچان لوں گی۔'' آپ نے دعا کر کے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

''اللہ کے حکم سے اُٹھ کر کھڑی ہو!'' اللہ نے اس کی ٹانگیں درست کر دیں۔ وہ تندرست ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی اور بولی: ''میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ عزیر ہی ہیں۔''

وہ بنی اسرائیل کے چوپال اور ان کی مجلس میں گئی۔ مجلس میں عزیر کا ایک بیٹا موجود تھا جو ایک سو اٹھارہ سال کا بوڑھا تھا۔ آپ کے پوتے جو مجلس میں موجود تھے، وہ بھی سب بوڑھے تھے۔ اس نے انہیں پکار کر کہا: ''یہ دیکھو! عزیر علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں۔'' انہیں یقین نہ آیا۔ اس نے کہا: ''میں تمہاری فلاں لونڈی ہوں۔ عزیر علیہ السلام کی دعا سے مجھے بصارت مل گئی اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہوگئی ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا ہے۔''

لوگ اُٹھ کر آپ کے پاس آئے اور دیکھنے لگے۔ آپ کے بیٹے نے کہا: ''ابا جان کے کندھوں کے درمیان ایک تل تھا۔'' آپ نے کندھوں سے کپڑا ہٹایا تو وہ علامت موجود تھی۔ لوگوں نے کہا: ''ہماری قوم میں عزیر علیہ السلام کے سوا کسی کو تورات زبانی یاد نہیں تھی۔ تحریری نسخہ بخت نصر نے نذر آتش کر دیا۔ اب کسی کسی آدمی کو تورات کے تھوڑے تھوڑے اجزا یاد ہیں۔ آپ ہمیں دوبارہ تورات لکھ دیں۔''

حضرت عزیر علیہ السلام کے والد نے بخت نصر کے زمانے میں تورات ایک محفوظ مقام پر چھپا دی تھی جس کا علم عزیر علیہ السلام کے سوا کسی کو نہ تھا۔ آپ لوگوں کو وہاں لے گئے اور وہ نسخہ نکلوایا۔ اس کے ورق بوسیدہ ہو گئے تھے اور الفاظ مٹ گئے تھے۔

آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ بنی اسرائیل آپ کے اردگرد جمع تھے۔ آسمان سے دو شہاب آئے اور آپ کے پیٹ میں داخل ہو گئے۔ فوراً آپ کو پوری تورات یاد ہوگئی اور آپ نے نئے سرے سے لکھ کر بنی اسرائیل کو دی۔ اسی لیے بنی اسرائیل نے آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ یہ واقعہ سواد (عراق) کے علاقے میں دیر حزقیل کے مقام پر پیش آیا۔ آپ کی وفات سائر آباد میں ہوئی۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَلِنَجْعَلَكَ ءَايَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ''اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے نشانی بنائیں۔'' میں ''لوگوں'' سے مراد ہے ''بنی اسرائیل'' کیونکہ جب آپ اپنے بیٹوں کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے آپ تو جوان ہوتے تھے اور آپ کے بیٹے بوڑھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ جب فوت ہو گئے تھے تو آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ پھر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کیا تو آپ کی حالت وہی جوانی والی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر: 42/260-262

فرماتے ہیں کہ آپ بخت نصر کے زمانے کے بعد زندہ ہوئے۔[1]

حضرت عزیر علیہ السلام کا زمانہ نبوت

مشہور قول کے مطابق عزیر علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی تھے اور آپ کا زمانہ حضرت داود و سلیمان علیہما السلام اور زکریا و یحییٰ علیہما السلام کے درمیان کا ہے۔ بنی اسرائیل میں تورات کا کوئی حافظ باقی نہ رہا۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام کے ذریعے سے تورات سکھا دی اور آپ نے حرف بحرف لکھوا دی۔

ابن عساکر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کیوں قرار دیا؟ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپ کا تورات زبانی لکھنے کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا: "بنی اسرائیل کہتے تھے: حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ہمارے پاس بغیر لکھے کتاب (تورات) نہ لا سکا، عزیر علیہ السلام بغیر تحریر کے تورات لے آئے۔ اس لیے بعض لوگوں نے انہیں "اللہ کا بیٹا" کہہ دیا۔"[2] اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ تورات کا تواتر عزیر علیہ السلام کے زمانے میں منقطع ہو گیا تھا جسے آپ نے بحال کیا۔

حضرت عزیر کے زمانہ کے بارے میں مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اور بخت نصر ایک ہی دور میں تھے۔ جبکہ صحیح بخاری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ سب سے قریبی تعلق میرا ہے۔ انبیائے کرام ایک باپ کی اولاد ہیں۔ میرے اور ان (عیسیٰ) کے درمیان کوئی نبی نہیں۔"[3]

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حضرت عزیر علیہ السلام کا زمانہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک نبی کسی درخت کے نیچے ٹھہرے۔ انہیں ایک چیونٹی نے کاٹ لیا۔ آپ نے ان چیونٹیوں کو نکلوا کر آگ سے جلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: کیوں نہ ایک ہی چیونٹی کو سزا دی؟"[4]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے۔ (واللہ اعلم)

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر: 262/42

[2] تاريخ دمشق لابن عساكر: 263/42

[3] صحيح مسلم، الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، حديث: 2365

[4] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب في شراب أحدكم فليغمسه......، حديث: 3319 و صحيح مسلم، السلام، باب النهي عن قتل النمل، حديث: 2241

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام

نام ونسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ نے آپ کا نام ''زکریا بن حنّا'' لکھا ہے۔ بعض علماء ''زکریا بن دان'' کہتے ہیں۔ جبکہ بعض علماء کے نزدیک آپ کا نسب یوں ہے: زکریا بن ادن بن مسلم بن صدوق بن محمان بن داود بن سلیمان بن مسلم بن صدیقۃ بن برحیۃ بن ملقاطیۃ بن ناحور بن سلوم بن بہفانیا بن حاش بن انی بن خثعم بن سلیمان بن داود علیہما السلام

اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کی آزمائش کبھی نعمت عطا کر کے اور کبھی نعمت نہ دے کر کرتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی آزمائش اولاد جیسی نعمت سے محرومی کے ساتھ ہوئی، حتیٰ کہ ایک روز زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام ' جو کہ ان کی زیر کفالت تھیں' کو بے موسم پھل کھاتے دیکھا تو بے اختیار اپنے رب کو پکارا کہ الٰہی مجھے نیک اولاد سے بہرہ مند فرما۔

اللہ تعالیٰ نے انکی اس دعا اور دعا کی قبولیت کا تذکرہ سورۂ مریم، آل عمران اور الانبیاء میں خوبصورت پیرائے میں کیا ہے:

﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ

وَرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ﴿﴾ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿﴾ یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ یَحْیٰی ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ﴿﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا ﴿﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَیْـًٔا ﴿﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿﴾ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ﴿﴾ یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ﴿﴾ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَ كَانَ تَقِیًّا ﴿﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَیْهِ وَ لَمْ یَكُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ﴿﴾ وَ سَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوْتُ وَ یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ﴿﴾

''کھٰیٰعص (یہ) تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان ہے (جو اُس نے) اپنے بندے زکریا پر (کی تھی) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا (اور) کہا کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہوگئی ہیں اور سر (بڑھاپے کی وجہ سے) شعلے کی طرح بھڑک اٹھا ہے اور اے میرے پروردگار! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔ اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے' تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو' اور اے میرے پروردگار! اس کو خوش اطوار بنانا۔ اے زکریا! ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے کہا: پروردگار! میرے ہاں کس طرح لڑکا پیدا ہوگا جب (صورت حال یہ ہے) کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں؟ حکم ہوا کہ اسی طرح (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔ کہا کہ اے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔ فرمایا کہ نشانی یہ ہے کہ تم صحیح سالم ہوکر تین رات اور (دن) لوگوں سے بات نہ کرسکو گے۔ پھر وہ (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو اُن سے اشارے سے کہا کہ صبح وشام (اللہ کو) یاد کرتے رہو۔ اے یحییٰ! (ہماری) کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو! اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں دانائی عطا فرمائی تھی اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی دی تھی اور وہ پرہیزگار تھے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش و نافرمان نہیں تھے اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے، اُن پر سلام اور رحمت ہو۔'' (مریم:19/1-15)

سورۂ آل عمران میں فرمایا:

وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا

رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۞ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۞ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۞

''اور زکریا کو اس (مریم) کا متکفل (کفیل) بنایا۔ زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اُس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم! یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ بولیں کہ اللہ کے ہاں سے (آتا ہے) بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔ اس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار! مجھے اپنی جناب سے اولادِ صالح عطا فرما! تو بے شک دعا سننے والا (اور قبول کرنے والا) ہے۔ وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا!) اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ (یعنی عیسیٰ) کی تصدیق کریں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے رغبت رکھنے والے نہ ہوں گے اور (اللہ کے) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں سے ہوں گے۔ زکریا نے کہا: اے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح (ہوگا) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا نے کہا کہ پروردگار! (میرے لیے) کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کر سکو گے تو (اُن دنوں میں) اپنے پروردگار کی کثرت سے یاد اور صبح و شام اس کی تسبیح کرنا!'' (آل عمران :3/37-41)

سورۃ الأنبیاء میں فرمایا:

﴿ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۞ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۞ ﴾

''اور زکریا (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ تو ہم نے اُن کی پکار سن لی اور اُن کو یحییٰ عطا کیا اور اُن کی بیوی کو اُن کے لیے بھلا چنگا کر دیا۔ یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔''

(الأنبیاء: 21/89,90)

اور سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ ﴾

''اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی (ہدایت دی) یہ سب نیکوکار تھے۔'' (الأنعام: 85/6)

آل یعقوب کے وارث

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کو حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ سنائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھاپے میں ایک بیٹا عطا فرمایا جبکہ ان کی اہلیہ محترمہ بھی انتہائی معمر اور بانجھ تھیں' تاکہ اللہ کی رحمت اور فضل سے کوئی مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝ ﴾ ''یہ ہے تیرے پروردگار کی مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی جبکہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی۔''

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ پاکیزہ دل کو جانتا ہے اور پوشیدہ آوازیں سنتا ہے۔'' آپ نے اولاد نہ ہونے پر جس دکھ کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ نے اسے ان الفاظ میں نقل فرمایا: ﴿ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ ﴾ ''کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے شعلے کی طرح بھڑک اُٹھا ہے لیکن میں کبھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔'' آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی رب سے کچھ مانگا ہے، میری دعا قبول ہوئی ہے۔ آپ کے دل میں یہ دعا کرنے کا خیال اس وقت آیا جب حضرت مریم علیہا السلام آپ کی کفالت میں تھیں۔ آپ جب بھی ان کے حجرے میں تشریف لے جاتے، ان کے پاس بے موسم پھل نظر آتے۔ یہ ایک کرامت تھی۔ آپ نے محسوس کیا کہ مریم کو بے موسم پھل دینے والا اللہ آپ کو بھی عمر کے اس حصے میں اولاد دے سکتا ہے جبکہ عام حالات میں اس کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی، کہا: ﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ ﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما! بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔'' (آل عمران: 38/3)

آپ نے فرمایا: ﴿ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ ﴾ ''مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے، میری بیوی بھی بانجھ ہے، لہٰذا تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما! جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی جانشین ہو' اور میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنا لے!'' (مریم: 5/19، 6) یعنی آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ آپ کے خاندان کے افراد آپ کی وفات کے بعد خلاف شریعت اعمال میں اور گناہوں میں ملوث ہو جائیں گے، اس لیے خواہش ظاہر کی کہ ایک

بیٹا ملے جو نیک، پاکباز اور مقبول بارگاہ الٰہی ہو۔

❖ **نبیوں کی وراثت کا مسئلہ:** زکریا علیہ السلام نے چاہا کہ جس طرح آل یعقوب میں سے اسکے بزرگوں کو نبوت اور وحی کا شرف حاصل ہوا تھا، اسی طرح یہ بھی نبی ہو کر ان کی رہنمائی کرے۔ آپ کی دعا میں یہی وراثت مراد ہے۔ مال و دولت کی وراثت مراد نہیں جیسے شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے اور بعض اہل سنت علماء نے بھی یہ بات کہہ دی ہے۔ ہمارے موقف کے دلائل درج ذیل ہیں:

1. ہم آیت مبارکہ: ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ ''حضرت داود علیہ السلام کے وارث سلیمان علیہ السلام ہوئے۔'' کی وضاحت کرتے ہوئے بتا چکے ہیں کہ اس سے مراد نبوت اور حکومت ہے کیونکہ حدیث کی بہت سی کتابوں میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہماری وراثت نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔''[1] یہ صریح نص ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اشیا آپ کے کسی بھی وارث کو نہیں دیں۔ اگر یہ فرمان نبوی نہ ہوتا تو آپ ان میں تقسیم کرتے۔ ان وارثوں میں آپ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا، آپ کی نو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں: سیدنا عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عباس بن عبد المطلب، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، زبیر، ابوہریرہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم۔
2. ایک حدیث میں تمام انبیائے کرام کے لیے یہی بات فرمائی گئی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں: «إِنَّا مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ» ''ہم یعنی انبیاء کی جماعت کی (مالی) وراثت نہیں ہوتی۔''[2]
3. انبیائے کرام علیہم السلام کی نظر میں دنیوی دولت کی اتنی اہمیت نہیں تھی کہ اسے جمع کرتے یا اس کی طرف توجہ فرماتے یا اس کے بارے میں فکر مند ہوتے کہ اپنی اولاد کو اس پر قبضہ کرنے کے بارے میں ارشاد فرماتے۔ کسی معمولی زاہد کو بھی، جو انبیائے کرام کے درجات کے قریب تک پہنچنے کا تصور نہیں کر سکتا، یہ فکر نہیں ہوتی کہ اللہ سے اولاد اس لیے مانگے کہ وہ اس کے مال کی وارث بن سکے۔
4. حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔ ہاتھ سے محنت کر کے روزی کماتے تھے۔ جس طرح حضرت داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ انبیائے کرام کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ دولت کمانے میں اتنی محنت کریں کہ ضرورت سے زیادہ مال جمع ہو جائے۔ جسے وہ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے سنبھال سنبھال کر رکھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

[1] مسند أحمد: 7/1
[2] مسند أحمد: 7/1

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔''[1]

یحییٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴾ ''اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوش خبری دیتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں بنایا۔'' (مریم: 7/19) اس کی وضاحت اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے: ﴿ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ''پھر فرشتے نے آپ کو آواز دی جب آپ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی یقینی خوش خبری دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا، سردار، ضابط نفس اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے۔'' (آل عمران: 39/3)

جب آپ کو خوش خبری ملی تو بہت تعجب کی حالت میں فرمایا: ﴿ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴾ ''میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں؟'' (مریم: 8/19) بعض روایات کے مطابق اس وقت آپ کی عمر ستتر سال تھی۔ ویسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے زیادہ معمر ہو چکے تھے۔ (واللہ اعلم)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت ملی تھی تو آپ نے بھی اسی طرح تعجب کا اظہار فرمایا تھا: ﴿ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴾ کیا اس بڑھاپے کے آجانے کے بعد تم مجھے خوش خبری دیتے ہو؟ یہ تم کیسی خوش خبری دے رہے ہو؟'' (الحجر: 54/15)

حضرت سارہ علیہا السلام نے بھی فرمایا تھا: ﴿ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾ ''ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ میں خود بڑھیا اور یہ میرا خاوند بھی بڑی عمر کا ہے؟ یہ تو یقیناً بڑی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا: کیا تو اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہے؟ اے اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ بیشک اللہ حمد وثنا کے لائق اور بڑی شان والا ہے۔'' (هود: 73'72/11)

اسی طرح کا جواب زکریا علیہ السلام کو ملا۔ جو فرشتہ رب کے حکم سے وحی لے کر آیا تھا، اس نے کہا: ﴿ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ

[1] صحیح مسلم، الفضائل، باب فضائل زکریا علیہ السلام، حدیث: 2379 و مسند أحمد: 405/2 و سنن ابن ماجه، التجارات، باب الصناعات، حدیث: 2150

﴿ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْـًٔا ﴾ ''(وعدہ) اسی طرح (ہو چکا) ہے۔ تیرے رب نے فرمادیا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور میں تجھے پیدا کر چکا ہوں جبکہ تو کچھ بھی نہ تھا۔'' (مریم: 9/19) یعنی میں نے تجھے عدم سے وجود بخشا ہے تو کیا تجھے بڑھاپے میں بیٹا نہیں دے سکتا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَ وَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴾ ''ہم نے اس کی دعا قبول فرما کر اسے یحییٰ عطا فرمایا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا۔ یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں امید اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔'' (الأنبیاء: 90/21) بیوی کو درست کرنے کا مطلب ان کے نظام تولید کا درست ہونا اور ماہانہ نظام کا دوبارہ جاری ہونا ہے۔ کہنے لگے: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ﴾ ''میرے پروردگار! میرے لیے کوئی علامت مقرر فرما دے۔'' تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ حمل قرار پا چکا ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴾ ''تیرے لیے علامت یہ ہے کہ باوجود بھلا چنگا ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول نہ سکے گا۔'' یہ خوش خبری ملنے پر آپ خوش خوش حجرے سے باہر تشریف لائے، تو ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ ﴿ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ﴾ ''تم صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔''

حضرت مجاہد، عکرمہ، وہب اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: آپ کی زبان بغیر کسی مرض کے بند ہو گئی تھی۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ تلاوت کر سکتے تھے، ذکر و تسبیح کر سکتے تھے لیکن کسی سے بات چیت نہیں کر سکتے تھے۔''[1]

یحییٰ علیہ السلام کو کتاب اور حکمت و دانائی عطا کی

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ﴾ ''اے یحییٰ! (میری) کتاب کو مضبوطی سے تھام لے، اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرما دی۔'' (مریم: 12/19) اللہ تعالیٰ نے خوش خبری کے مطابق حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا عطا فرما دیا اور اس بیٹے (یحییٰ) کو بچپن ہی میں کتاب کا علم اور دانائی عطا فرما دی۔

حضرت معمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بچوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہا: ''آؤ کھیلیں!'' آپ نے فرمایا: ''ہمیں کھیلنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔'' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ﴾ ''اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرما دی۔'' کا یہی مطلب ہے۔

[1] تفسیر الطبري: 6/9 تفسیر سورۃ مریم، آیت: 9

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا ﴾ ''اور اپنے پاس سے شفقت'' یعنی ہم نے حضرت زکریا علیہ السلام پر رحمت کی کہ انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: شفقت یعنی محبت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام لوگوں پر ترس کھاتے تھے اور خاص طور پر اپنے والدین سے شفقت و محبت کا اظہار کرتے تھے اور ان سے حسن سلوک کرتے تھے۔ ﴿ وَزَكَوٰةً ﴾ ''اور پاکیزگی بھی عطا فرمائی۔'' یعنی عمدہ اخلاق، بری عادات سے مبرا ہونا، تقویٰ، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور ممنوع کاموں سے اجتناب۔ یہ سب پاکیزگی میں شامل ہے۔ ﴿ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا ﴾ ''اور وہ اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا۔ وہ سرکش اور گناہ گار نہ تھا۔'' (مریم: 14/19) پھر فرمایا: ﴿ وَسَلَٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴾ ''اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا، جس دن فوت ہوگا اور جس دن زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔'' (مریم: 15/19) یہ تین مراحل انسان کے لیے بڑے کٹھن ہیں۔ ان موقعوں پر وہ ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہوتا ہے۔ وہ پہلے جہان سے مانوس ہو چکا ہوتا ہے، پھر اسے چھوڑ کر دوسرے جہان میں جانا پڑتا ہے جس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہاں کیا حالات پیش آنے والے ہیں؟ اس لیے جب وہ ماں کے جسم سے جدا ہوتا ہے تو روتا اور چیختا ہے اور غم و تفکرات کا سامنا کرنے کے لیے اس جہان میں منتقل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب وہ اس جہان سے منتقل ہوتا ہے تو برزخ کے جہان میں پہنچ جاتا ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان کی منزل ہے۔ وہ قبرستان کی خاموش دنیا کا باشندہ بن جاتا ہے۔ وہاں وہ دوبارہ اُٹھنے کے لیے صور محشر کا منتظر ہوتا ہے۔ پھر کوئی خوش اور مسرور ہوگا، کوئی حزن و غم سے چور ہوگا، یعنی ایک گروہ جنت میں خوشیوں سے سرشار ہوگا اور ایک گروہ جہنم کے عذابوں میں گرفتار ہوگا۔[1]

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَلَدَتْكَ أُمُّكَ بَاكِيًا مُسْتَصْرِخًا ... وَالنَّاسُ حَوْلَكَ يَضْحَكُونَ سُرُورًا

فَاحْرِصْ لِنَفْسِكَ أَنْ تَكُونَ إِذَا بَكَوْا ... فِي يَوْمِ مَوْتِكَ ضَاحِكًا مَسْرُورًا

''تیری ماں نے تجھے جنم دیا تو تو رو رہا تھا، چیخ رہا تھا اور تیرے آس پاس لوگ خوشی سے ہنس رہے تھے۔ تو اپنے لیے کوشش کر کہ جب تیرے مرنے کے دن وہ رو رہے ہوں، تو خوش ہو اور ہنس رہا ہو۔''

انسان کے لیے یہ تین مواقع دشوار ترین ہوتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سلامتی عطا فرمائی اور فرمایا: ﴿ وَسَلَٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴾ ''اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن وہ زندہ کر کے اُٹھایا جائے۔'' (مریم: 15/19)

---

[1] تفسير الطبري : 74،73/9 تفسير سورة مريم، آيت : 16، 17

حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: ''میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے کیونکہ آپ مجھ سے افضل ہیں۔'' حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''آپ میرے لیے دعا کریں کیونکہ آپ مجھ سے افضل ہیں۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''آپ مجھ سے افضل ہیں، میں نے اپنے لیے سلامتی کی دعا کی اور آپ کو اللہ نے سلامتی کی خوش خبری دی۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''ہر شخص اللہ سے کوئی نہ کوئی گناہ (یا غلطی) لے کر ملے گا، سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے۔ پھر یہ آیت پڑھی: ﴿وَسَيِّدًا وَحَصُورًا﴾ ''سردار اور ضابطِ نفس۔'' (آل عمران: 39/3) پھر زمین سے ایک تنکا اُٹھا کر فرمایا: ''ان کے پاس اتنا کچھ تھا۔ پھر انہیں شہادت بھی نصیب ہوگئی۔''[2]

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں، سوائے دو خالہ زاد بھائیوں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے۔''[3]

مسجد اقصیٰ میں قوم کو دعوت توحید

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ پانچ باتوں پر عمل کریں اور بنی اسرائیل سے بھی ان پر عمل کرنے کو کہیں۔'' آپ سے کچھ دیر ہوگئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ سے فرمایا: ''آپ کو پانچ احکامات دیے گئے تھے کہ ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیں، یا تو آپ انہیں یہ احکامات پہنچا دیں ورنہ میں پہنچا دوں گا۔'' انہوں نے فرمایا: ''بھائی جان! مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر آپ نے مجھ سے پہلے یہ احکام انہیں سنائے تو اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا یا زمین میں دھنسا دے گا۔''

چنانچہ یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مسجد اقصیٰ میں جمع کیا حتیٰ کہ مسجد بھر گئی۔ پھر آپ اونچی جگہ پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو ان پر عمل کرنے کا حکم دوں۔

(1) اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرو۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے خالص اپنی ملکیت

---

[1] تفسير الطبري: 73/9، تفسير سورة مريم، آيت: 16، 17

[2] تفسير الطبري، 348/3 تفسير سورة آل عمران، آيت: 39

[3] جامع الترمذي، المناقب، باب مناقب أبي محمد الحسن بن علي ......، حديث: 3768 و مسند أحمد: 3/3 [وليس عندهما الجزء الثاني من الحديث]

کے سونے یا چاندی کے عوض ایک غلام خریدا۔ وہ غلام کام کرتا تھا اور کمائی کی رقم اپنے آقا کے سوا کسی اور کو دے دیتا تھا۔ تم میں سے کس کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو؟ اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور تمھیں رزق دیا ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔

② میں تمھیں نماز کا حکم دیتا ہوں۔ جب نیک بندہ ادھر اُدھر توجہ نہ کرے، اللہ تعالیٰ بھی اس (نمازی) کی طرف متوجہ رہتا ہے، اس لیے نماز پڑھتے وقت ادھر اُدھر نہ دیکھو۔

③ میں تمھیں روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں۔ اس عمل کی مثال ایسے ہے جیسے لوگوں کے مجمع میں ایک شخص کے پاس تھیلی میں کستوری ہو اور ہر کسی کو اس کی خوشبو آ رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو کستوری کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

④ میں تمھیں صدقہ کا حکم دیتا ہوں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی کو دشمنوں نے پکڑ کر اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیے ہوں اور اسے قتل کرنے کے لیے (مقتل کی طرف) لے جا رہے ہوں۔ وہ ان سے کہتا ہے: کیا میں تمھیں اپنی جان کا فدیہ نہ دوں؟ وہ اپنی ہر تھوڑی زیادہ چیز فدیہ میں دے کر ان سے جان چھڑا لیتا ہے اور وہ اسے رہا کر دیتے ہیں۔

⑤ میں تمھیں اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آدمی کے دشمن تیزی سے اس کا تعاقب کر رہے ہوں، اچانک اسے مضبوط قلعہ نظر آ جائے اور وہ اس میں داخل ہو کر محفوظ ہو جائے۔ بندہ بھی شیطان سے سب سے زیادہ محفوظ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں بھی تمھیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا حکم مجھے اللہ نے دیا ہے: ① اجتماعیت کے ساتھ رہنا۔ ② (شرعی امیر کا) حکم توجہ سے سننا۔ ③ حکم کی تعمیل کرنا ④ ہجرت ⑤ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ جو شخص اجتماعیت سے بالشت بھر باہر نکلتا ہے، وہ اپنی گردن سے اسلام کا قلادہ اتار پھینکتا ہے الا یہ کہ دوبارہ (اجتماعیت کے دائرے میں) آ جائے اور جو جاہلیت کی باتوں کی طرف بلاتا ہے وہ جہنم کا ایندھن ہے۔''

صحابی نے عرض کی: اللہ کے رسول! خواہ وہ نماز، روزے کا پابند ہو اور خود کو مسلمان سمجھتا ہو؟ فرمایا: ''اگرچہ وہ نماز روزے کا پابند ہو اور خود کو مسلمان سمجھتا ہو۔ مسلمانوں کو انھی ناموں سے پکارو جو اللہ نے رکھے ہیں، یعنی مسلمین، مومنین، اللہ عزوجل کے بندے۔''[1]

---

[1] جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في مثل الصلاة والصيام والصدقة، حديث:2863 و مسند أحمد:4/130

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا زہد و تقویٰ

علماء نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت زیادہ تنہائی پسند تھے۔ آپ جنگلوں میں چلے جاتے۔ درختوں کے پتے کھاتے اور چشموں کا پانی پیتے۔ پھر فرماتے: ''یحییٰ! تجھ سے زیادہ نعمتیں کسے حاصل ہیں؟''

وُہیب بن ورد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام تین دن تک حضرت زکریا علیہ السلام سے گم رہے۔ آپ ان کی تلاش میں جنگل کی طرف گئے تو دیکھا کہ آپ نے ایک قبر کھود رکھی ہے اور اس میں کھڑے ہو کر آہ و بکا میں مصروف ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: ''بیٹا! میں تین دن سے تیری تلاش میں ہوں اور تو یہاں قبر کھود کر اس میں کھڑا رو رہا ہے؟''

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''ابا جان! آپ ہی نے مجھے بتایا تھا کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک طویل فاصلہ ہے جو صرف آنسوؤں کی مدد سے طے ہو سکتا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''جی ہاں بیٹا! رو لو!'' تب دونوں رو پڑے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بکثرت روتے تھے اور مسلسل رونے کی وجہ سے ان کے رخساروں پر نشان پڑ گئے تھے۔

✿ **حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت:** حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے کئی اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ زیادہ مشہور واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے کا دمشق کا بادشاہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا جس سے نکاح کرنا اس کے لیے شرعاً جائز نہ تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے منع کیا تو عورت ناراض ہو گئی۔ جب اس نے محسوس کیا کہ بادشاہ اس پر فریفتہ ہو چکا ہے تو اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی فرمائش کر دی۔ بادشاہ نے ایک آدمی بھیجا جو آپ کو شہید کر کے آپ کا سر اور آپ کا خون ایک تھال میں ڈال کر لے آیا اور ملکہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ملکہ فوراً ہلاک ہو گئی۔

ایک سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ملکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر عاشق ہو گئی اور آپ سے گناہ کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ جب وہ مایوس ہو گئی تو بادشاہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مانگ لیا۔ بادشاہ نے پہلے انکار کیا۔ لیکن آخر کار اس کی بات مان لی۔ اس نے ایک آدمی بھیجا جو آپ کو شہید کر کے آپ کا سر اور آپ کا خون ایک تھال میں ڈال کر لے آیا۔

شملہ بن عطیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بیت المقدس میں موجود صخرہ (چٹان) پر ستر نبی شہید کیے گئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی ان میں شامل ہیں۔

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ''المستقصی في فضائل الأقصی'' میں ایک اور واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دمشق کے بادشاہ ''هداد بن هدار'' نے اپنے بیٹے کی شادی اس کی چچا زاد اریل سے کر دی جو ''صیدا'' کی ملکہ تھی۔ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ پھر رجوع کرنا چاہا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ حلال نہیں۔'' عورت ناراض ہو گئی اور اپنی ماں کے مشورے سے بادشاہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر لانے کا مطالبہ کر دیا۔

بادشاہ نے ایک شخص کو آپ کا سر کاٹ کر لانے کا حکم دیا تو وہ آپ کا سر ایک تھال میں رکھ کر لے آیا۔ جب آپ کا سر اس کے سامنے آیا تو اس میں سے یہی آواز آ رہی تھی۔ ''حلال نہیں، حلال نہیں'' آخر وہ عورت زمین میں دھنسا دی گئی۔

حضرت زکریا علیہ السلام طبعی انداز سے فوت ہوئے یا انہیں شہید کیا گیا؟ اس بارے میں علمائے کرام کی دو آراء ہیں:

- حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''آپ اپنی قوم سے بھاگ کر ایک درخت کے اندر چھپ گئے۔ دشمنوں نے آری لے کر درخت چیرنا شروع کر دیا۔ جب آری آپ کی پسلیوں تک پہنچی تو آپ کے منہ سے کراہنے کی آواز نکلی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: اگر آپ کا کراہنا بند نہ ہوا تو میں پوری زمین کو تمام مخلوقات سمیت الٹ (کر تباہ کر) دوں گا۔ آپ نے فوراً کراہنا بند کر دیا حتی کہ آپ کا جسم مبارک دو ٹکڑے ہو گیا۔''
- حضرت وہب رحمہ اللہ ہی سے ایک اور روایت ہے، آپ نے فرمایا: ''درخت نے پھٹ کر پناہ حضرت شعیا علیہ السلام کو دی تھی۔ زکریا علیہ السلام طبعی طور پر فوت ہوئے۔'' (واللہ اعلم)

besturdubooks.wordpress.com
لبنان
شام
دریائے لیطانی
دمشق
بحر متوسط (بحیرۂ روم)
صور
حولہ
عکا
حیفا
عتلیت
قیساریہ
طبریہ
جھیل طبریہ
ناصرہ
ازرع
شہبا
سویداء
دریائے یرموک
درعا
(اذرعات)
بصریٰ الشام
دریائے اردن
فلسطین
جلعاد
یافا
لد
رملہ
رام اللہ
القدس (یروشلم)
اریحا
عمّان
قصر الحلابات
ازرق
قصر عمرہ
بیت لحم
غزہ
خان یونس
رفح
الخلیل
بحیرۂ لوط
(بحیرۂ مردار)
موآب
بئر سبع
ادوم
سدوم
عامورہ
ضوغر
کرک
50
0
50
100
150
کلومیٹر
اردن
صحرائے نقب
پٹرا
معان
یحییٰ علیہ السلام
القدس، دریائے اردن اور دمشق

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

نام ونسب اور قرآن وحدیث میں آپ کا تذکرہ

آپ کا نسب نامہ یوں ہے: یوشع بن نون بن إفرائیم بن یوسف بن یعقوب بن إسحاق بن إبراھیم علیہم السلام۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین تھے۔

قرآن مجید میں آپ کا نام لیے بغیر آپ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے: ﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ﴾ ''جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے نوجوان سے کہا۔'' (الکھف: 60/18) اور مزید فرمایا: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ﴾ ''جب یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا'' (الکھف: 62/18)

صحیح بخاری میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان (خادم) یعنی یوشع بن نون علیہ السلام سے فرمایا۔''[1]

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی نبوت

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی نبوت اہل کتاب کے ہاں متفقہ طور پر مسلمہ ہے۔ سامری فرقہ کے یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے سوا کسی نبی کی نبوت کے قائل نہیں کیونکہ تورات میں ان کی نبوت کا ذکر صراحت سے موجود ہے۔ وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ بھی سچے نبی تھے اور گزشتہ وحی الٰہی کی تصدیق کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان منکروں پر قیامت تک لعنتیں برساتا رہے۔

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ اور دوسرے مفسرین نے امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف منتقل کر دی گئی تھی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

---

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا ......﴾ حدیث: 4726

حضرت یوشع علیہ السلام سے ملاقات کرتے اور ان سے نئے نازل ہونے والے احکام معلوم کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا: ''موسیٰ! آپ پر جو وحی نازل ہوا کرتی تھی، میں تو آپ سے دریافت نہیں کیا کرتا تھا حتی کہ آپ خود اپنی مرضی سے مجھے بتا دیتے۔ (آپ بھی مجھ سے نہ پوچھا کریں۔ میں خود ہی جب مناسب سمجھوں گا بتا دیا کروں گا۔) اس وقت موسیٰ علیہ السلام زندگی سے بیزار ہو گئے اور آپ کا دل چاہا کہ فوت ہو جائیں۔ لیکن محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کی یہ روایت درست نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام پر وفات تک وحی اور شرعی احکام کا نزول جاری رہا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل رہا۔ آپ اللہ کی نظر میں ہمیشہ معزز رہے۔

اگر محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے یہ بات اہل کتاب سے نقل کی ہے تب بھی درست نہیں کیونکہ جس کتاب کو وہ تورات کہتے ہیں، اس میں بھی یہی مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حیات مبارکہ کے آخر تک حسب ضرورت وحی نازل ہوتی رہی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب تیسری کتاب ''گنتی'' میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے ہر قبیلے کی مردم شماری کریں اور ہر قبیلے کا ایک سردار (نقیب) مقرر کریں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جبارین سے مقابلے کی تیاری کریں جن سے میدان تیہ میں نکلنے کے بعد مقابلہ ہونے والا تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب انہیں میدان تیہ میں پھرتے ہوئے چالیس سال پورے ہونے کو تھے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو تھپڑ اس لیے مار دیا تھا کہ آپ نے انہیں اس شکل میں پہچانا نہیں تھا اور یہ وجہ بھی تھی کہ آپ کو ایک کام کا حکم ملا تھا اور آپ کو یہ امید تھی کہ وہ کام آپ کی زندگی میں پورا ہوگا (یعنی بیت المقدس کی فتح) لیکن اللہ کی تقدیر کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ کام موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں پورا نہ ہو بلکہ آپ کے خادم حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہاتھوں پورا ہو۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کے رومیوں کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرمایا تھا اور آپ 9 ہجری میں تبوک تک فوج لے کر گئے لیکن اس سال واپس تشریف لے آئے۔ اگلے سال 10 ہجری میں آپ نے حج ادا فرمایا۔ حج سے واپس آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام بھیجنے کے لیے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر تیار فرمایا۔ اس لشکر کی حیثیت آپ کے بڑے لشکر سے پہلے بھیجے جانے والے چھوٹے لشکر کی تھی۔ آپ خود بھی روانہ ہونے کا ارادہ رکھتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل ہو:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾

''ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے، جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیا کو حرام

نہیں جانتے، نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔'' (التوبۃ : 29/9)

نبی اکرم ﷺ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر تیار کر چکے تھے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ لشکر لے کر مقام جرف پر خیمہ زن تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ یہ لشکر آپ کے دوست اور خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روانہ فرمایا۔ پھر جب جزیرۂ عرب میں وقتی طور پر پیدا ہونے والا انتشار ختم ہوگیا اور حالات معمول پر آ گئے تو آپ نے دائیں بائیں لشکر روانہ کرنا شروع کر دیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف لشکر روانہ فرمادیا جو شاہ ایران کسریٰ کے ماتحت تھا اور شام کی طرف بھی لشکر روانہ فرمایا جو شاہ روم قیصر کے قبضے میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی ایسے ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کی فوج تیار کریں اور ان کے افسر (نقیب) مقرر کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ﴾

''اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور انہی میں سے بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو گے تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہ رہے ہیں۔ اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی جو تم میں سے انکاری ہو جائے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔'' (المائدۃ : 12/5)

مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے فرائض ادا کرو گے اور جہاد سے اس طرح پہلو تہی نہیں کرو گے جیسے پہلے انکار کیا تھا تو اس نیک عمل کے ثواب کی وجہ سے اس گناہ کی سزا معاف ہو جائے گی۔ جیسے غزوۂ حدیبیہ سے پیچھے رہنے والے اعرابیوں سے فرمایا گیا:

﴿ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾

''(اے نبی!) آپ پیچھے چھوڑے ہوئے بدویوں سے کہہ دیجیے کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ

گے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہتر بدلہ دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا اس سے پہلے منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔'' (الفتح : 16/48)

بنی اسرائیل سے بھی یہی کہا گیا تھا:

﴿ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾

''اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی جو تم میں سے انکاری ہو جائے، وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔'' (المائدۃ: 12/5)

انہوں نے یہ وعدہ پورا نہ کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے۔ اس کی مزید وضاحت ہماری تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

بلعام بن باعورا کا واقعہ

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ بیت المقدس خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فتح کیا تھا اور یوشع علیہ السلام لشکر کے اگلے حصے کے سردار تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسی سفر میں بلعام بن باعورا کا واقعہ پیش آیا تھا، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ سَآءَ مَثَلًا ِالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾

''اور اُن کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں تو وہ ان سے بالکل ہی (صاف) نکل گیا، پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اُس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ تو آپ (اُن سے) یہ قصہ بیان کر دو تا کہ وہ غور و فکر کریں۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اُن کی مثال بری مثال ہے اور انہوں نے نقصان (کیا تو) اپنا ہی کیا۔'' (الأعراف : 175/7-177)

ہم نے اس کا قصہ اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات کے بیان کے مطابق یہ شخص

اسم اعظم جانتا تھا جس کے ساتھ کی ہوئی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کی قوم نے اس سے مطالبہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کے خلاف بددعا کرے۔ اس نے انکار کر دیا۔ جب ان لوگوں نے اصرار کیا تو وہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بنی اسرائیل کے لشکر کی طرف چل پڑا۔ جب وہ ان کے قریب پہنچا تو گدھی بیٹھ گئی۔ اس نے اسے مارا پیٹا تو وہ کھڑی ہو گئی لیکن تھوڑا سا چل کر پھر بیٹھ گئی' اس نے پہلے سے زیادہ مارا تو وہ اُٹھی پھر بیٹھ گئی' اس نے پھر مارا تو اللہ کی قدرت سے وہ بولنے لگی۔ اس نے کہا: ''بلعام! تو کہاں جا رہا ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ فرشتے مجھے اس طرف جانے سے روک رہے ہیں؟ کیا تو اللہ کے نبی اور مومنوں کو بددعا دے گا؟'' وہ پھر بھی گدھی سے نہ اُترا بلکہ اسے مارتا رہا۔ حتی کہ وہ چل پڑی۔ جب وہ ''حسبان'' کے پہاڑ کے اوپر پہنچا اور موسیٰ علیہ السلام کو اور مومنوں کو دیکھا تو بددعا کرنے لگا لیکن اس کی زبان اس کے قابو میں نہ رہی۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام اور مومنوں کے حق میں دعا نکلنے لگی اور خود اس کی قوم کے لیے بددعا نکلنے لگی۔ لوگوں نے اسے ملامت کی تو اس نے کہا: ''میں کیا کر سکتا ہوں؟ میری زبان سے یہی کچھ نکلتا ہے؟''

اسی وقت اس کی زبان لمبی ہو گئی حتی کہ سینے پر لٹک آئی۔ تب اس نے اپنی قوم سے کہا: ''میری تو دنیا بھی تباہ ہو گئی اور آخرت بھی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے خلاف مکر و فریب ہی سے کام کیا جا سکتا ہے۔''

پھر اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنی عورتوں کو خوب زیب و زینت کروا کے کچھ اشیا دے کر بیچنے کے لیے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیجیں۔ وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اگر بنی اسرائیل کا ایک شخص بھی بدکاری میں ملوث ہو گیا تو تمہیں لڑائی کی ضرورت نہ رہے گی۔ (یعنی گناہ کے نتیجے میں ان پر اللہ کا عذاب آ جائے گا۔) انھوں نے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی عورتوں کو زیب و زینت کروا کے لشکر میں بھیج دیا۔ ان میں سے ایک عورت کا نام ''کسبتی'' تھا۔ وہ ایک اسرائیلی سردار ''زِمری بن شلوم'' کے پاس سے گزری۔ وہ قبیلہ بنی شمعون کا سردار تھا۔ وہ اس عورت کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ جب اس نے اس کے ساتھ خلوت کی تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر طاعون کی وبا بھیج دی۔ جب فنحاص بن الیعزر بن ہارون علیہ السلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے اپنی لوہے کی برچھی پکڑی اور ان کے خیمے میں گھس کر دونوں کو اس میں پرو دیا۔ وہ انھیں اسی حال میں لے کر باہر نکلا۔ اس نے اپنے پہلو کے سہارے سے ان کو برچھی پر اُٹھایا، آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: ''یا اللہ! ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔''

تب وبا ختم ہو گئی۔ اس دوران میں ستر ہزار آدمی مرے۔ بعض علماء نے مرنے والوں کی تعداد بیس ہزار بتائی ہے۔ فنحاص اپنے باپ الیعزر کا پہلوٹا تھا، اس لیے بنی اسرائیل قربانی کے جانور کی گردن، بازو اور جبڑے کا گوشت فنحاص کی اولاد کے لیے مخصوص کر دیتے اور مویشیوں میں سے پہلوٹا بچہ ان کو دیتے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کا بیان کردہ یہی بیان صحیح ہے۔ اس کی تائید بائبل سے بھی ہوتی ہے۔[1]

---

[1] (دیکھیے: گنتی، باب: 22 تا 25)

یوشع علیہ السلام کا جہاد اور معجزے کا ظہور: اکثر علماء کی رائے کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام میدان تیہ میں اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام بھی میدان تیہ میں فوت ہو گئے۔ [1] ان کو صحرائے سینا سے بیت المقدس لانے والے حضرت یوشع علیہ السلام تھے۔ بائبل میں مذکور ہے کہ یوشع علیہ السلام نے ان کے ساتھ دریائے اُردن پار کیا اور اریحا کے شہر میں تشریف لائے۔ (کتاب: یشوع)

اریحا ایک خوبصورت شہر تھا جس میں بڑی بڑی عمارتیں اور کثیر آبادی تھی۔ آپ نے چھ مہینے شہر کا محاصرہ کیے رکھا۔ آخر ایک دن آپ کی فوج نے شہر کو چاروں طرف سے گھیر کر نرسنگا بجایا اور یک آواز ہو کر نعرۂ تکبیر لگایا تو شہر کی فصیل ٹوٹ کر گر پڑی۔ وہ فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہو گئے اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار مردوں اور عورتوں کو قتل کیا۔

علمائے کرام بیان کرتے ہیں کہ آپ کا محاصرہ جمعہ کے دن عصر کے بعد تک جاری رہا۔ سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا اور سبت شروع ہونے والا تھا جس کا احترام اس وقت ان پر واجب ہو چکا تھا' تب یوشع علیہ السلام نے سورج سے کہا: ''تو بھی حکم کا پابند ہے اور میں بھی حکم کا پابند ہوں۔ یا اللہ! اسے (غروب ہونے سے) روک دے۔'' اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا حتی کہ آپ نے شہر فتح کر لیا اور اللہ نے چاند کو حکم دیا تو وہ طلوع ہو کر ٹھہر گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے مہینے کی چودھویں رات تھی۔ سورج کے رک جانے کا واقعہ تو حدیث میں موجود ہے جو عنقریب بیان کی جائے گی۔ البتہ چاند کا ذکر صرف اہل کتاب کے ہاں ملتا ہے۔ بہر حال یہ حدیث کے خلاف نہیں۔ لہٰذا ہم اسے نہ سچ کہتے ہیں نہ جھوٹ قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا محل نظر ہے کہ یہ واقعہ اریحا کی فتح کے دوران میں پیش آیا۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ بیت المقدس کی فتح کے دوران میں پیش آیا ہو جو اصل مقصود تھا۔ اریحا کی فتح تو اس کا محض ایک ذریعہ تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورج کسی انسان کے لیے نہیں روکا گیا، صرف یوشع علیہ السلام کے لیے روکا گیا جب انہوں نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا تھا۔'' [2]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث ضعیف ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر سو گئے حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز فوت ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیدار ہونے پر آپ نے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے سورج کے پلٹ آنے کی دعا کریں تاکہ وہ عصر کی نماز (بروقت) ادا کر سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سورج پلٹ آیا۔ یہ حدیث نہ صحیح حدیثوں کے کسی مجموعے میں ہے نہ حسن حدیثوں میں سے ہے۔ پھر یہ واقعہ ایسا ہے کہ جو کثرت سے روایت ہونا چاہیے تھا لیکن اسے روایت کرنے والی صرف ''اہل بیت کی ایک خاتون'' ہیں، جن کا نام اور حالات معلوم نہیں۔

---

[1] مسند أحمد: 325/2

[2] حضرت موسیٰ فوت ہوئے تو انہیں نبُو پہاڑ پر دفن کیا گیا جسے احادیث میں ''سرخ ٹیلہ'' کہا گیا ہے۔ یہ پہاڑ بحیرۂ مردار کے شمال مشرق میں اُردن میں ہے۔ (اطلس القرآن اُردو، دارالسلام، ص: ۱۳۶-۱۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک نبی جہاد کے لیے جانے لگے تو اپنی قوم سے فرمایا: وہ آدمی میرے ساتھ نہ آئے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہے اور اس سے خلوت کرنا چاہتا ہے لیکن ابھی خلوت نہیں کی۔ وہ آدمی بھی نہ آئے جس نے کوئی عمارت بنائی ہے، لیکن ابھی چھت نہیں ڈالی۔ وہ بھی نہ آئے جس نے بکریاں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہیں اور اسے ان کے بچے پیدا ہونے کا انتظار ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس نبی علیہ السلام نے جنگ کی اور شہر کے قریب اس وقت پہنچے جب آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تھی یا اس کے قریب (عصر کے بعد) کا وقت تھا۔ تب آپ نے سورج سے کہا: تو بھی حکم کا پابند ہے اور میں بھی حکم کا پابند ہوں۔ یا اللہ! اسے کچھ دیر کے لیے (غروب ہونے سے) روک دے' چنانچہ سورج رکا رہا حتی کہ فتح حاصل ہوگئی۔ تب انہوں نے غنیمت کا مال جمع کیا۔ آگ اسے جلانے آئی لیکن جلائے بغیر پلٹ گئی۔ تب انہوں نے فرمایا: تم لوگوں نے خیانت کی ہے، (کچھ غنیمت چھپالی ہے اس لیے تمہارا جہاد قبول نہیں ہورہا) لہٰذا ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے۔ انہوں نے بیعت کی تو ایک (قبیلہ کے نمائندہ) آدمی کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چپک گیا۔ آپ نے فرمایا: خیانت تمہارے ہی اندر ہے۔ تیرا پورا قبیلہ مجھ سے بیعت (اور مصافحہ) کرے۔ اس کے قبیلے (کے تمام افراد) نے بیعت کی تو دو تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے۔ نبی نے فرمایا: خیانت کا مال تمہارے پاس ہے، تم نے ہی خیانت کی ہے۔ اس پر انہوں نے گائے کے سر جتنا سونے کا ڈلا نکالا اور اسے میدان میں دوسرے مال غنیمت کے ساتھ رکھ دیا۔ تب آگ آئی اور اسے جلا گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم سے پہلے لوگوں کے لیے غنیمت کا مال حلال نہیں تھا۔ اللہ نے ہماری کمزوری دیکھ کر اسے ہمارے لیے حلال کر دیا۔''[1]

قوم کی نافرمانی پر عذاب الٰہی

بہر حال جب آپ اپنے لوگوں کے ساتھ شہر کے دروازے پر پہنچے تو انہیں حکم دیا گیا کہ شہر میں سجدہ کرتے ہوئے، یعنی عاجزی کے ساتھ رکوع کی حالت میں جھک کر داخل ہوں اور اس طرح اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے انہیں وہ عظیم فتح عطا فرمائی جس کا ان سے وعدہ کیا تھا اور وہ شہر میں داخل ہوتے وقت کہیں: ﴿حِطَّةٌ﴾ یعنی ہماری گزشتہ غلطیاں معاف فرما دے، یعنی حکم کی تعمیل میں اس سے پہلے جو کوتاہی ہوئی وہ معاف فرما دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے موقع پر شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، اور عاجزی

[1] مسند أحمد، 318/2 و صحيح مسلم، الجهاد، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، حديث: 1747

کے ساتھ اللہ کی تعریف اور شکر کر رہے تھے۔ آپ کا سر مبارک اس قدر جھکا ہوا تھا کہ ڈاڑھی کجاوے کو چھو رہی تھی۔ آپ اللہ کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار فرما رہے تھے جبکہ آپ کے ساتھ پورے طور پر مسلح ایک لشکر جرار تھا، بالخصوص وہ دستہ جسے ''خضراء'' کا نام دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ خود اس کے درمیان موجود تھے۔ پھر جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہو چکے تو غسل فرما کر آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ [1]

علماء کا مشہور قول یہی ہے کہ نبی علیہ السلام نے وہ نماز فتح پر شکرانے کے طور پر ادا فرمائی تھی۔ بعض علمائے کرام نے اسے ضحیٰ (چاشت) کی نماز قرار دیا ہے۔ ان حضرات نے یہ موقف غالباً اس لیے اختیار کیا ہے کہ یہ نماز ضحیٰ (چاشت) کے وقت ادا کی گئی تھی۔

اس کے برعکس بنی اسرائیل کو جو حکم دیا گیا تھا، انہوں نے قولی اور عملی طور پر اس کی خلاف ورزی کی۔ وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے شہر کے دروازے میں داخل ہوئے اور ان کی زبان پر شکر و استغفار کے کلمات کی بجائے یہ (بے معنی) الفاظ تھے: [حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ] ''بال میں دانہ'' یا [حِنْطَةٌ فِيْ شَعْرَةٍ] ''بال میں گندم۔''

خلاصہ یہ ہے کہ انہیں جو حکم دیا گیا تھا، انہوں نے اس کو تبدیل کیا اور اس کا مذاق اُڑایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں ان کا واقعہ یوں بیان فرمایا:

﴿ وَإِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴾

''اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے اور سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں داخل ہونا' ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ جو لوگ نیک کام کریں گے ہم ان کو مزید دیں گے' چنانچہ ان ظالموں نے بدل کر ایک اور کلمہ کہا جو خلاف تھا اس کلمہ کے جو انہیں بتایا گیا تھا۔ اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی' اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔''

(الأعراف: 7/161'162)

اور سورۂ بقرہ میں ان کو خطاب کر کے کہا گیا:

﴿ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾

[1] صحيح البخاري' التقصير' باب من تطوع في السفر......' حديث: 1103

''اور ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سجدے کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے [حِطَّةٌ] کہو! ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو اُن سے کہی گئی تھی، بدل ڈالا۔ ہم نے ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔'' (البقرۃ : 2/58'59)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ﴿وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ ''سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں داخل ہونا۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے دروازے سے جھکے جھکے (رکوع کی حالت میں) داخل ہونا۔''

مجاہد، سُدی اور ضحاک رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں: ''دروازے سے مراد بیت المقدس کے شہر کا دروازہ ہے۔''

عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وہ لوگ حکم کے خلاف سر اُٹھائے (اکڑتے) ہوئے داخل ہوئے۔''[1]

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان کے خلاف نہیں ہے کہ وہ لوگ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ دروازے میں سے گزرتے وقت سرین کے بل گھسٹ رہے تھے اور انہوں نے سر اوپر اُٹھا رکھے تھے۔

اور کہو: ﴿حِطَّةٌ﴾ ''توبہ ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدے کرتے ہوئے اس انداز میں داخل ہو کہ تمہاری زبان پر استغفار اور توبہ کے الفاظ ہوں۔

حضرت ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ﴿وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ﴾ ''دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو: معاف فرما! ہم تمہاری غلطیاں معاف کر دیں گے۔'' انہوں نے (الفاظ کو) تبدیل کر دیا۔ وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے اور کہا: (حبة في شعرة) ''بال میں دانہ''[2]

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے اس حکم عدولی کی سزا کے طور پر ان پر عذاب نازل کیا، یعنی طاعون کی وبا بھیج دی۔

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ بیماری (یعنی طاعون) عذاب ہے جس کے ذریعے سے تم سے پہلی کچھ امتوں کو سزا دی گئی تھی۔''[3]

---

1. تفسير الطبري: 433/1' 434 تفسير سورة البقرة' آيت : 59
2. صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' باب' حديث:3403 و صحيح مسلم' التفسير' باب في تفسير آيات متفرقة' حديث:3015
3. مسند أحمد:193/1' صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' باب' حديث: 3473 و صحيح مسلم' السلام' باب الطاعون...... حديث:2218

حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات

جب بیت المقدس پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا تو وہ وہاں مقیم رہے۔ ان میں اللہ کے نبی حضرت یوشع علیہ السلام موجود تھے جو اللہ کی کتاب تورات کے مطابق ان پر حکومت کرتے رہے حتی کہ وہ فوت ہو گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ایک سو ستائیس سال تھی۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ستائیس سال زندہ رہے۔

حضرت خضر علیہ السلام

وجہ تسمیہ اور دلائل نبوت

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے علم حاصل کرنے کے لیے سفر کیا تھا۔ ان کا واقعہ سورۂ کہف میں بیان ہوا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کا نام خضر اس لیے ہوا کہ ایک بار وہ سفید خشک گھاس پر بیٹھے تھے۔ جب اُٹھے تو دیکھا کہ گھاس سرسبز [خَضْرَاء] ہو کر لہلہا رہی ہے۔'' [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام اپنے نشانات قدم پر واپس چلے تو حضرت خضر علیہ السلام کو سمندر کے پانی پر سبز چادر پر لیٹے دیکھا' انہوں نے ایک کپڑا اوڑھ رکھا تھا جس کے کنارے سر اور قدموں کے نیچے دبائے ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا تو انہوں نے چہرے سے کپڑا ہٹا کر سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''اس علاقے میں سلام کہاں؟ آپ کون ہیں؟'' انہوں نے فرمایا: ''میں موسیٰ ہوں۔'' انہوں نے کہا: ''بنی اسرائیل کے نبی؟'' فرمایا: ''ہاں!'' اس کے بعد وہ واقعات پیش آئے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں۔ اس واقعہ سے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کا کئی طرح سے ثبوت ملتا ہے:

- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾

''پھر ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس کی خاص رحمت عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے خاص علم سکھا رکھا تھا۔'' (الکھف: 65/18)

- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا:

﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما السلام، حديث: 3400 و صحيح ابن حبان، 38/8، حديث: 6189

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝

''جو علم آپ کو (اللہ کی طرف سے) سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔ (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے اور جس بات کی تمھیں خبر ہی نہیں اُس پر کیسے صبر کر سکتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا: اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ (خضر نے) کہا: اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے کہ) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں۔'' (الکہف: 70-66/18)

اگر حضرت خضر علیہ السلام نبی نہ ہوتے بلکہ ولی ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے اس انداز سے بات نہ کرتے اور وہ اس انداز سے جواب نہ دیتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ہم سفر ہونے کی اجازت اس لیے مانگی تھی تاکہ ان سے وہ علم حاصل کر سکیں جو اللہ نے انھیں خاص طور پر عطا فرمایا تھا۔ اگر وہ نبی نہ ہوتے تو معصوم بھی نہ ہوتے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم نبی اور رسول، جو بلاشبہ معصوم عن الخطا تھے، وہ ایک غیر معصوم ولی کے علم کے اس قدر مشتاق نہ ہوتے اور ان سے ملاقات کرنے کے لیے انھیں تلاش کرنے کی مشقت برداشت نہ کرتے۔ پھر جب ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا احترام کیا اور ان کے علم سے استفادہ کرنے کے لیے ان کے ساتھ رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی تھے۔ دونوں پر وحی نازل ہوتی تھی۔ صرف یہ بات ہے کہ انھیں بعض ایسے علوم و اسرار عطا فرمائے گئے تھے جن سے اللہ نے اپنے کلیم اور بنی اسرائیل کے عظیم نبی موسیٰ علیہ السلام کو مطلع نہیں فرمایا تھا۔ رمانی نے حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کی یہی دلیل ذکر کی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا۔ یہ کام اللہ کی طرف سے وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے یہ آپ کی نبوت اور عصمت کی ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ ولی دل میں ڈالے جانے والے خیال اور الہام کی بنیاد پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ اس کے دل کا خیال معصوم نہیں کیونکہ اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ ولی سے غلطی کا صدور ممکن ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ نابالغ لڑکا قتل کر دیا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اگر وہ بڑا ہوا تو کافر ہو گا اور اس کے ماں باپ بھی اس سے محبت کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس کے قتل کا فائدہ اس کے زندہ رکھنے سے زیادہ تھا، اس طرح اس کے والدین کفر کے ارتکاب اور کفر کی سزا سے محفوظ رہے۔ اس سے آپ کی نبوت اور عصمت ثابت ہوتی ہے۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسی دلیل کی بنیاد پر حضرت خضر علیہ السلام کو نبی تسلیم کیا ہے۔

جب حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کاموں کی حقیقت بتائی اور ان کی حکمت واضح کی تو فرمایا:

﴿ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ﴾ ''تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے (یہ سب کچھ ہوا۔) میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا۔'' (الکھف: 82/18) یعنی میں نے یہ کام اپنی مرضی اور خواہش سے نہیں کیے بلکہ وحی کے احکام کی تعمیل کی ہے۔

ان دلائل سے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے آپ کو ولی یا رسول قرار دیا ہے، نبوت کا قول اس کے منافی نہیں (کیونکہ رسالت بھی نبوت ہی کا ایک درجہ ہے اور نبوت ولایت کا اعلیٰ درجہ ہے۔) البتہ انہیں فرشتہ کہنے والوں کا قول درست نہیں اور جب آپ کی نبوت ثابت ہوگئی تو ان لوگوں کی دلیل کالعدم ہوگئی کہ ولی کو بعض اوقات ایسی چیزوں کا علم ہو جاتا ہے جو ظاہری شریعت والوں کو معلوم نہیں ہوتی۔

✿ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا حضرت خضر علیہ السلام آج تک زندہ ہیں؟ بعض علماء کا یہ موقف ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ طوفان نوح کے بعد جو شخص ان کی میت دفن کرے گا، اس کی عمر طویل ہو جائے۔ یہ دعا حضرت خضر علیہ السلام کے حق میں پوری ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے آب حیات پیا تھا۔ چنانچہ آپ کو دائمی زندگی حاصل ہوگئی۔ وہ اس سلسلے میں بعض روایات پیش کرتے ہیں۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''عجالة المنتظر في شرح حالة الخضر'' میں ان احادیث کو بیان کر کے واضح کیا ہے کہ وہ سب موضوع ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے جن اقوال سے استدلال کیا جاتا ہے وہ بھی سب ضعیف ہیں۔

جو حضرات یہ موقف رکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، ان میں امام بخاری، ابراہیم حربی، ابوالحسن بن المناوی اور ابن جوزی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''عجالة المنتظر'' میں اپنے موقف کے حق میں بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ جن میں سے چند دلائل یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

✿ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ﴾ ''آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی۔'' (الأنبياء: 34/21) اگر حضرت خضر علیہ السلام انسان ہیں، تو وہ لازماً اس آیت کے عموم میں شامل ہیں اور استثنا کے لیے صحیح دلیل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا فرمان موجود نہیں، جس سے ثابت ہو کہ حضرت خضر علیہ السلام اس عام قانون سے مستثنیٰ ہیں۔

✿ دوسری دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

''اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں' پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے کہا: (ہاں) ہم نے اقرار کیا، (اللہ نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔'' (آل عمران: 81/3)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا، اس سے وعدہ لیا کہ اگر اس کی زندگی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں تو اسے آپ پر ایمان لانا ہوگا اور آپ کی مدد کرنا ہوگی۔''[1]

حضرت خضر علیہ السلام کو نبی تسلیم کیا جائے یا ولی قرار دیا جائے، وہ بہرحال اس عہد کے پابند ہیں' اس لیے وہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے دوران میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے یہ انتہائی شرف کی بات تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کرتے، آپ پر نازل ہونے والی شریعت پر ایمان لاتے اور ہر دشمن کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور پاسبانی کرتے اور اگر وہ ولی ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں اور اگر وہ نبی ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔''[2]

اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو......: اس حدیث سے اور آیت کریمہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اگر تمام کے تمام انبیائے کرام علیہم السلام بفرض محال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بقید حیات ہوتے تو وہ سب آپ کے تابع فرمان اور آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہوتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج انبیائے کرام علیہم السلام سے ملے تو آپ کو ان سب سے بلند مقام تک رسائی ہوئی اور جب وہ زمین پر بیت المقدس میں جمع ہوئے اور نماز کا وقت ہوا تو اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے آپ کو ان تمام کی امامت کرانے کی ہدایت کی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقامت گاہ (فلسطین) میں ان کے اقتدار کے مقام پر (بیت المقدس میں) امام بن کر ان کو نماز پڑھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام اعظم، رسول خاتم اور پیشوائے معظم ہیں۔ لاتعداد درود و سلام نازل ہوں ان تمام عظیم ہستیوں پر اور ان کے امام پر بھی۔

---

1. تفسير الطبري' 451/3
2. مسند أحمد: 387/3

جب یہ ثابت ہو گیا' اور یہ ہر مومن کی نظر میں بالکل واضح ہے' تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو حضرت محمد ﷺ کی امت کے ایک فرد کی حیثیت سے آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہوتے۔ ان کے لیے کوئی اور صورت اختیار کرنا ممکن نہیں تھا۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی مثال موجود ہے کہ جب آپ آخری زمانے میں آسمان سے نازل ہوں گے تو اسی شریعت محمدیہ پر عمل کریں گے' اس سے ذرہ برابر پہلوتہی نہیں کریں گے' حالانکہ آپ ان پانچ عظیم ترین پیغمبروں میں شامل ہیں جنہیں ''اولوالعزم'' فرمایا گیا ہے اور آپ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں کسی صحیح یا حسن حدیث میں مذکور نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام ایک دن بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں یا کسی غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے ہوں۔

غزوۂ بدر میں الصادق المصدوق حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب سے فتح ونصرت کی دعا مانگتے ہوئے فرمایا: ''یا اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو اس کے بعد زمین پر کوئی تیری عبادت نہیں کرے گا۔'' [1]

اس جماعت میں اس وقت کے افضل ترین مومن بھی شامل تھے اور افضل ترین فرشتے بھی حتی کہ جبریل علیہ السلام بھی۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو کبھی اس غزوہ سے الگ نہ رہتے بلکہ اسے اپنے لیے بلند ترین مقام سمجھتے، وہ ان کا افضل ترین جہاد ہوتا۔

قاضی ابویعلی محمد بن حسین بن فراد حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک عالم سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہ فوت ہو چکے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ''جی ہاں!''

ابویعلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت ابو طاہر بن غباری رحمہ اللہ سے بھی اس قسم کا قول مروی ہے اور وہ دلیل کے طور پر فرماتے تھے: اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔'' یہ اقوال امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے [العجالة] میں نقل فرمائے ہیں۔

شاید کوئی کہے کہ آپ ان اہم مواقع پر موجود تو تھے لیکن آپ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض ایک دور دراز احتمال ہے۔ اس قسم کے احتمالات اور توہمات سے شریعت کے عمومی قوانین میں تخصیص ثابت نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ آپ لوگوں کی نظروں سے کس لیے پوشیدہ ہیں؟ اگر آپ ظاہر ہوتے تو آپ کو ثواب بھی زیادہ ملتا اور آپ کا مقام بھی بلند تر قرار پاتا اور یہ معجزہ زیادہ واضح اور موثر ہوتا۔ مزید برآں اگر آپ زندہ ہوتے تو قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی تبلیغ کرتے' نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب جعلی حدیثوں، بدعتیوں کے غلط عقائد

[1] مسند أحمد: 32/1 و صحيح مسلم' الجهاد' باب الإمداد بالملائكة...... ' حديث: 1763

اور تعصب پر مبنی اقوال کی تردید کرتے، مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت' جمعہ اور جہاد میں شریک ہوتے، مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے اور ان کے مصائب دور کرنے کی کوشش کرتے، علماء اور حکام کی غلطیوں کو واضح کر کے انہیں راہ راست پر قائم رکھتے، قوی دلائل اور صحیح مسائل کی تصدیق کرتے۔ آپ کے یہ اعمال کہیں زیادہ افضل ہوتے اس صورت حال سے جوان کے بارے میں بیان کی جاتی ہے کہ وہ شہروں میں نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اور صحراؤں اور جنگلوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اگر ان کی ملاقات ہوتی ہے تو غیر معروف افراد سے اور وہ ایسے افراد کو اپنا ترجمان بنا کر ان کے ذریعے سے اپنے خیالات ہم تک پہنچاتے ہیں جن کا قابل اعتماد ہونا ثابت نہیں۔ جو شخص ہماری اس بات کو سمجھ لے گا، اسے صحیح موقف اختیار کرنے میں کوئی تردد نہیں رہے گا۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے' سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

ایک دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ (ایک رات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا: ''تم یہ رات دیکھ رہے ہو؟ آج جو لوگ روئے زمین پر موجود ہیں، سو سال کے بعد ان میں سے ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔'' لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر گھبرا گئے (اور سمجھے کہ قیامت آ جائے گی) جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ موجودہ نسل ختم ہو جائے گی۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی۔ سلام پھیر کر آپ نے فرمایا: ''کیا تم یہ رات دیکھ رہے ہو؟ آج جو لوگ روئے زمین پر موجود ہیں، سو سال پورا ہونے پر ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔'' [2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے یا ایک مہینہ پہلے فرمایا: ''کسی زندہ جان (یعنی انسان) پر سو سال پورے نہیں ہوں گے کہ وہ اس دن زندہ ہو۔'' [3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے ایک ماہ پہلے فرمایا: ''وہ مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں! زمین پر آج موجود کوئی زندہ انسان نہیں کہ اس پر سو سال کی مدت گزرے (اور وہ پھر بھی زندہ ہو۔'') [4]

---

[1] صحيح البخاري' مواقيت الصلاة' باب السمر في الفقه ...... حديث :601 و صحيح مسلم' فضائل الصحابة' باب بيان معنى قوله صلی اللہ علیہ وسلم على رأس مائة سنة...... حديث : 2537

[2] مسند أحمد: 112/2

[3] مسند أحمد: 305/3

[4] مسند أحمد: 322/3 و صحيح مسلم' فضائل الصحابة' باب بيان معنى قوله صلی اللہ علیہ وسلم على رأس مائة سنة...... حديث: 2538 و جامع الترمذي' الفتن' باب لاتأتي مائة سنة......' حديث :220

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ صحیح احادیث حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کے دعویٰ کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہیں۔''
علمائے کرام فرماتے ہیں: ظن غالب یہی ہے، بلکہ دلائل کی روشنی میں یہ بات یقینی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا۔ اس صورت میں اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ لیکن اگر فرض کرلیا جائے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں موجود تھے، تو بھی اس حدیث کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلے گا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک صدی گزرنے کے بعد زندہ نہیں رہے، لہٰذا اس وقت وہ یقیناً زندہ نہیں کیونکہ وہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہیں اور تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ (واللہ اعلم)

نام ونسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

اللہ تعالی نے سورۂ صافات میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۝ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

”اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے) ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو؟ (یعنی) اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ تو اُن لوگوں نے اُن کو جھٹلایا' تو وہ (دوزخ میں) حاضر کیے جائیں گے۔ ہاں اللہ کے بندے (مبتلائے عذاب نہیں) ہوں گے اور ہم نے ان کا ذکر (خیر) پچھلوں میں (باقی) چھوڑ

دیا کہ الیاسین پر سلام۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔"
(الصافات: 132-123/37)

آپ کا نسب بعض علمائے کرام نے اس طرح بیان کیا ہے: الیاس بن یاسین بن فنحاص بن الیعزر بن ہارون علیہ السلام۔

دوسرے قول کے مطابق آپ کا نسب یوں ہے: الیاس بن العازر بن الیعزر بن ہارون بن عمران۔

آپ کو دمشق کے شمال مغرب میں واقع شہر بعلبک کے باشندوں کی طرف بھیجا گیا۔ آپ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا اور انہیں تلقین کی کہ اپنے بت ''بعل'' کی پرستش کرنا چھوڑ دیں۔ آپ نے انہیں فرمایا: ﴿ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۞ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ ''کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ اللہ جو تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادا کا رب ہے؟'' (الصافات: 126-124/37)

لوگوں نے آپ کی تکذیب اور مخالفت کی بلکہ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا حتی کہ آپ ان لوگوں کو چھوڑ کر چلے گئے اور روپوش ہو گئے۔

حضرت کعب احبار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم کے بادشاہ سے روپوش ہو کر دس سال تک ایک غار میں چھپے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کو موت دی اور دوسرا شخص بادشاہ بن گیا۔ تب حضرت الیاس علیہ السلام نے اس کے پاس جا کر اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس کی قوم کے بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ صرف دس ہزار افراد کفر پر قائم رہے جنھیں بادشاہ نے قتل کروا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے چند انبیائے کرام

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ اپنی تاریخ کی کتاب میں فرماتے ہیں: ''امت محمدیہ اور دیگر امم کے مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یوشع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے امور کی باگ ڈور حضرت کالب بن یوفنا نے سنبھالی تھی۔ حضرت کالب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک ساتھی اور آپ کی ہمشیرہ محترمہ مریم کے خاوند تھے۔ آپ اللہ سے ڈرنے والے دو مومنوں میں سے ایک ہیں۔ دوسرے مومن حضرت یوشع علیہ السلام ہیں۔ جب بنی اسرائیل نے جہاد سے روگردانی کی تھی تو آپ دونوں ہی نے ان سے یہ کہا تھا:

﴿ اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ ﴾

''ان کے پاس دروازے میں تو پہنچ جاؤ' دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔'' (المائدۃ : 23/5)

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت کالب کے بعد بنی اسرائیل کے معاملات حضرت حزقیل ابن بوزی علیہ السلام نے سنبھالے۔ آپ ہی نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان ہزاروں لوگوں کو زندہ کیا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل گئے تھے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ۝ ﴾

''کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: مر جاؤ! پھر انہیں زندہ کر دیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔'' (البقرۃ: 243/2)

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے وہب بن منبہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے کالب بن یوفنا علیہ السلام کو بھی وفات دے دی تو بنی اسرائیل میں ان کا منصب حضرت حزقیل بن بوذی علیہ السلام کو ملا۔ انہوں نے ہی اپنی قوم کے حق میں دعا کی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ﴾

''کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے؟''

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ وبا کے ڈر سے بھاگے تھے۔ وہ ایک میدان میں ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مر جاؤ!'' وہ سب مر گئے۔ ان کے ارد گرد ایک باڑ بن گئی تاکہ درندے ان تک نہ پہنچیں۔ اسی طرح ایک طویل مدت گزر گئی۔ حضرت حزقیل علیہ السلام وہاں سے گزرے۔ آپ کھڑے ہو کر سوچنے لگے۔ آپ سے کہا گیا: ''کیا آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں آپ کی نظروں کے سامنے زندہ فرما دے؟'' آپ نے فرمایا: ''جی ہاں!'' آپ سے کہا گیا کہ ان ہڈیوں کو مخاطب کر کے کہیں کہ ان پر گوشت چڑھ جائے اور رگیں، پٹھے اپنے اپنے مقام پر آ ملیں۔ آپ نے اللہ کے حکم سے انہیں آواز دے کر یہ بات کہی تو وہ سب لوگ (زندہ ہو کر) اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: سبحان اللہ، سبحان اللہ، اللہ نے ہمیں زندہ کر دیا اور بیک آواز نعرۂ تکبیر لگایا۔[1]

[1] تفسیر الطبري: 794/2 تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت: 243

جناب سدی رحمہ اللہ سے مندرجہ بالا آیت کی تشریح میں مروی ہے کہ واسط کے قریب ایک شہر "داوردان" میں طاعون پھیل گیا۔ وہاں کے اکثر باشندے وہاں سے نکل کر ایک قریبی مقام پر جا ٹھہرے۔ پھر یہ ہوا کہ شہر میں ٹھہرے رہنے والے اکثر مر گئے اور دوسرے محفوظ رہے۔ ان میں سے زیادہ لوگ نہ مرے۔ جب وبا ختم ہوئی تو وہ لوگ صحیح سلامت شہر میں واپس آ گئے۔ تب شہر میں ٹھہرنے والوں نے کہا: "ہمارے یہ ساتھی ہم سے زیادہ سمجھ دار تھے۔ اگر ہم بھی انھی جیسا طرز عمل اختیار کرتے تو ہم بھی بچ جاتے۔ اگر دوبارہ طاعون پھیلا تو ہم بھی ان کے ساتھ شہر سے دور چلے جائیں گے۔"

اگلے سال طاعون شروع ہوا تو یہ سب لوگ جن کی تعداد تقریباً پینتیس ہزار تھی، سب کے سب نکل کھڑے ہوئے اور اسی وسیع میدان میں جا ٹھہرے۔ ایک فرشتے نے وادی کے نشیب کی طرف سے اور دوسرے فرشتے نے بالائی سمت سے آواز دی: "مر جاؤ!" وہ سب مر گئے اور ان کی لاشیں اور ہڈیاں وہاں پڑی رہیں۔ اس دوران میں وہاں سے ایک نبی حزقیل علیہ السلام کا گزر ہوا تو انہیں دیکھ کر رک گئے۔ وہ سوچنے اور افسوس کرنے لگے۔ آپ اس بات پر تعجب فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت کتنی عظیم ہے (کہ انہیں اچانک پکڑ لیا اور اتنی بڑی قوم ختم ہوگئی۔)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی: "کیا آپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میں ان کو کس طرح زندہ کروں گا؟" فرمایا: "جی ہاں!" آپ سے کہا گیا: "آواز دیجیے!" انہوں نے پکار کر کہا: "اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اکٹھی ہو جاؤ!" یہ سن کر ہڈیاں ایک دوسری سے جڑنے لگیں حتی کہ ہڈیوں کے پورے ڈھانچے بن گئے۔ پھر آپ کو وحی کے ذریعے سے فرمایا گیا: "انہیں کہہ دیجیے: اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ گوشت پہن لو!" آپ کے اعلان کرتے ہی ہڈیوں پر گوشت چڑھنا شروع ہو گیا اور جسموں میں خون گردش کرنے لگا۔ ان کے جسموں پر وہ لباس بھی آ گیا جو مرتے وقت انہوں نے پہنا ہوا تھا۔ پھر حکم دیا گیا: "پکاریے!" آپ نے پکار کر کہا: "اے (بے جان) جسمو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ!" وہ (زندہ ہو کر) اُٹھ کھڑے ہوئے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام "سرغ" پر پہنچے تو فوج کے کمانڈروں یعنی حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے ملاقات کی اور اطلاع دی کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجر اور انصار حضرات سے مشورہ کیا۔ تو مختلف آراء سامنے آئیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ (اس لیے مشورہ کے موقع پر موجود نہ تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا تو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے فرمایا: "اس مسئلے کے بارے میں میرے پاس

[1] تفسير الطبري: 795/2 تفسير سورة البقرة، آيت: 243

(شرعی حکم کا) علم موجود ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے: ”جب یہ (طاعون) اس علاقے میں ہو جہاں تم لوگ موجود ہو، تو اس سے بچنے کے لیے اس آبادی سے مت نکلو اور جب تمہیں خبر ملے کہ وہ کسی علاقے میں پھیل گیا ہے تو وہاں نہ جاؤ۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فوج کو واپس لے گئے۔ [1]

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ حزقیل علیہ السلام کتنا عرصہ بنی اسرائیل میں گزار کر فوت ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان فراموش کر دیے، چنانچہ ان کو بہت مصائب پیش آئے۔ انہوں نے بت پرستی بھی شروع کر دی۔ ان کے بتوں میں سے ایک کا نام ”بَعل“ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد ان لوگوں میں حضرت اَلْیَسَع بن اخطوب علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوئے۔

---

[1] مسند أحمد: 194/1

حضرت یسع علیہ السلام

نام ونسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

آپ کا نام مبارک سورۂ انعام میں دوسرے انبیائے کرام کے ساتھ مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴾

''اور اسماعیل کو، الیسع کو، یونس اور لوط کو۔ ہم نے ہر ایک کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔'' (الأنعام:86/6)

سورۂ ص میں ارشاد ہے:

﴿ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴾

''(اے نبی!) اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کر دیجیے۔ یہ سب بہترین لوگ تھے۔'' (ص:48/38)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: ''حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے' انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا۔ آپ زندگی بھر حضرت الیاس علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا رہے۔ آپ کی وفات کے بعد قوم میں برائیاں پھیل گئیں' بدکردار لوگوں کو اقتدار مل گیا' سرکش افراد کی تعداد میں اضافہ ہو گیا جنھوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید کیا اور ان میں ایک سرکش اور باغی بادشاہ بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی بادشاہ کی ذمہ داری حضرت ذوالکفل علیہ السلام نے لی تھی کہ اگر وہ توبہ کر لے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اسی مناسبت سے حضرت ذوالکفل کو ذوالکفل یعنی ''ذمہ داری اٹھانے والا'' کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن عساکر نے آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے: ''الیسع بن عدی بن شوتلم بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام۔ بعض علماء نے انہیں حضرت الیاس علیہ السلام کا چچا زاد قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ بھی حضرت الیاس علیہ السلام کے ساتھ کوہ قاسیون میں روپوش رہے تھے جب آپ بعلبک کے بادشاہ کے شر سے بچنے کیلئے وہاں چھپے ہوئے تھے۔ جب حضرت الیاس علیہ السلام غار سے باہر آئے تو حضرت الیسع علیہ السلام بھی ان کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے آ گئے۔

پھر جب حضرت الیاس علیہ السلام کو اُٹھا لیا گیا تو حضرت الیسع علیہ السلام آپ کی جگہ نبوت کا شرف پا کر قوم کی رہنمائی کرنے لگے۔

مورخین فرماتے ہیں: جب بنی اسرائیل نے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا حتی کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید بھی

کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ظالم بادشاہ مسلط کر دیے۔

بنی اسرائیل جب دشمنوں سے جنگ کرتے تھے تو اپنے ساتھ تابوت سکینہ رکھتے تھے جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے۔ ان کی برکت سے فتح حاصل ہو جاتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم کی وجہ سے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ غزہ اور عسقلان کے باشندوں سے جنگ کے دوران ان سے تابوت سکینہ چھن گیا اور ان کا بادشاہ اسی غم میں مر گیا اور بنی اسرائیل بھیڑوں کے اس گلے کی طرح رہ گئے جس کا کوئی نگہبان نہ ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے شمویل علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے قوم کے مطالبے پر ایک بادشاہ کا تقرر فرمایا۔ اس واقعہ کی تفصیل آئندہ اوراق میں بیان ہو گی۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات سے شمویل علیہ السلام کی بعثت تک چار سو ساٹھ سال کی مدت گزری۔

حضرت شمویل علیہ السلام

نام ونسب اور بعثت

آپ کا نسب نامہ یوں ہے: شمویل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن الیہوا بن تہو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عموصا بن عزریا۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں آپ حضرت ہارون علیہ السلام کے ورثاء میں سے تھے۔ حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب غزہ اور عسقلان کے عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے تو انہوں نے بے شمار اسرائیلیوں کو قتل کیا اور ایک بہت بڑی تعداد کو غلام بنالیا۔ لاوی کے خاندان سے نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا اور اس کی اولاد میں صرف ایک حاملہ خاتون باقی رہ گئیں۔ اس نے اللہ سے دعا کی کہ وہ اسے بیٹا عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عطا کیا تو اس نے بیٹے کا نام شمعون (شمویل) رکھا۔ عبرانی زبان میں اس کا معنی ہے: اسماعیل یعنی اللہ نے میری دعا سن لی۔

جب یہ بچہ کچھ بڑا ہوا تو اس نے بچے کو مسجد بھیجا اور اسے ایک نیک بزرگ کے حوالے کردیا تاکہ وہ عبادت اور بھلائی کی باتیں سیکھے۔ بچہ جوان ہونے تک اسی بزرگ کے پاس رہا۔ ایک رات وہ سویا ہوا تھا کہ مسجد کے کونے سے ایک آواز آئی تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور اسے ایسے لگا جیسے اس کے استاد محترم نے بلایا ہے۔ اس نے استاد محترم سے پوچھا: کیا آپ نے مجھے بلایا ہے؟ استاد نے شاگرد کو پریشان دیکھا تو کہا: ہاں' سوجاؤ۔ تو وہ سوگیا پھر اسے دوبارہ' سہ بارہ آواز آئی تو کیا دیکھتا ہے کہ جبریل علیہ السلام اسے بلا رہے ہیں۔ وہ اس کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔[1] لہٰذا آپ قوم کی طرف گئے اور پھر وہ واقعہ پیش آیا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰىۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْاؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ

[1] تفسير الطبري : 810/2 تفسير سورة البقرة' آيت : 246

اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۞ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۞ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞ وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۞

''بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیے گئے ہیں۔ لیکن جب اُن کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے اُن سے (یہ بھی) کہا کہ اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ وہ بولے کہ اُسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہو سکتا ہے؟ بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو زیادہ دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے اسی کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لیے) منتخب فرمایا ہے' اُس نے اُسے علم بھی بہت بخشا ہے اور جسم بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور اللہ (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا کشائش والا اور دانا ہے۔ اور پیغمبر نے اُن سے کہا کہ اُن کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے

والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسٰی اور ہارون چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔ غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (اُن سے) کہا کہ اللہ ایک دریا سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا تو (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں اور جو نہ پیے گا تو (سمجھا جائے گا کہ) وہ میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر ہے۔ جب وہ لوگ دریا پر پہنچے) تو چند شخصوں کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے دریا کے پار گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (اللہ سے) دعا کی کہ اے پروردگار! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتح یاب کر۔ پھر طالوت کی فوج نے اللہ کے حکم سے اُن کو ہزیمت دی اور داود نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور اللہ نے اس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے ہٹاتا نہ رہتا تو نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا لیکن اللہ اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔" (البقرۃ: 2/246-251)

اکثر مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ان آیات میں جس نبی کا تذکرہ ہے وہ حضرت شمویل علیہ السلام ہیں۔ بعض کی رائے میں وہ حضرت شمعون علیہ السلام تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ حضرت یوشع علیہ السلام تھے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ ابن جریر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق شمویل علیہ السلام کی بعثت حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات سے چار سو ساٹھ سال بعد ہوئی تھی۔

بنی اسرائیل کی خواہش جہاد اور ان کی آزمائش

بنی اسرائیل کو طویل عرصہ تک جنگ وجدل میں مشغول رہنا پڑا اور دشمن ان پر غالب آ گئے۔ تب انہوں نے اپنے زمانے کے نبی سے درخواست کی کہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کیا جائے تاکہ وہ اس کی قیادت میں متحد ہو کر جنگ کر سکیں۔ لیکن شمویل علیہ السلام ان کی کمزوریوں سے واقف تھے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ﴾ "ممکن ہے جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو؟" انہوں نے کہا: ﴿ وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ اَبْنَآئِنَا ﴾ "بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے

گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں۔'' یعنی ہم پر ظلم کیا گیا ہے، ہمیں اپنے بیوی بچوں سے الگ کر دیا گیا ہے، پھر ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو آزاد کرانے کے لیے دشمنوں سے کیوں نہ لڑیں گے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴾ ''پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' قصہ کے آخر میں وضاحت ہے کہ بہت کم لوگ دریا کے پار اُتر کر جنگ کے ارادے پر قائم رہ سکے۔ باقی سب نے جہاد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

انہیں ان کے نبی نے فرمایا: ﴿ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے۔'' حافظ ابن عساکر نے طالوت کا نسب یوں بیان کیا ہے: طالوت (شاول) بن امال بن ضرار بن تحرب بن افیح بن اس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ان کا پیشہ سقہ یا دباغت کا تھا۔ اس لیے وہ کہنے لگے: ﴿ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ﴾ ''بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حق دار بادشاہت کے ہم ہیں۔ اسے تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔''

اللہ کی طرف سے بادشاہ کا تقرر: کہتے ہیں اس سے پہلے نبوت بنی لاوی میں اور بادشاہت بنی یہودا میں تھی۔ طالوت بنی بنیامین میں سے تھے۔ اس لیے بنی یہودا نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا کہ بادشاہت پر ہمارا حق زیادہ ہے۔ انہوں نے یہ اعتراض بھی کیا کہ یہ شخص مفلس اور بے زر ہے، ایسا شخص کس طرح بادشاہ بن سکتا ہے؟

شمویل علیہ السلام نے فرمایا: یہ تمہارا کام نہیں کہ کسی خاص خاندان سے بادشاہ کا انتخاب کرو بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے۔ مزید فرمایا: ﴿ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری عطا فرمائی ہے۔'' یعنی ایسی وجیہ شخصیت عطا کی ہے کہ بنی اسرائیل میں اس جیسا کوئی نہیں۔ وہ قد و قامت اور ظاہری صورت میں بھی سب سے بڑھ کر تھے اور عقل و فہم میں بھی۔ ان کے نبی نے ان سے کہا: ﴿ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ ''اس کی بادشاہت (من جانب اللہ ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین ہے اور آل موسیٰ و آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے، فرشتے اسے اُٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تمہارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو۔''

بنی اسرائیل نے فلسطین کے عمالقہ سے جنگ کی اور شکست کھائی۔ ''تابوت سکینہ'' جسے میدان جنگ میں اس لیے لایا

جا تا تھا کہ اس کی برکت سے دشمن پر فتح حاصل ہو، اس کو دشمنوں نے چھین لیا۔ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا اور طالوت کی نامزدگی اللہ کی طرف سے ہونے کی یہ علامت بیان فرمائی کہ وہ صندوق جسے ''تابوت سکینہ'' (اطمینان قلب والا صندوق) کہتے تھے، تمہیں واپس مل جائے گا۔

اس صندوق میں ایسے کون سے تبرکات تھے جو اُن کے لیے باعث سکینت تھے؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں:

- ایک قول کے مطابق سونے کا ایک تھال تھا جس سے انبیائے کرام علیہم السلام کے سینوں کو غسل دیا گیا تھا۔
- ایک قول کے مطابق یہ ایک قسم کی ہوا تھی۔
- ایک قول کے مطابق ایک بلی کی صورت تھی۔ جنگ کے دوران میں اس سے آنے والی آواز فتح کی بشارت سمجھی جاتی تھی۔ ''آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ'' بھی اس صندوق میں تھا۔
- ایک قول کے مطابق اس میں ٹوٹی ہوئی آسمانی تختیوں کے ٹکڑے اور تھوڑا سا من تھا، جو میدان تیہ میں ان پر نازل ہوتا رہا تھا۔

شمویل علیہ السلام نے تابوت سکینہ کے متعلق قوم سے فرمایا تھا: ﴿تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ﴾ ''فرشتے اسے اُٹھا کر لائیں گے۔'' یعنی تمہاری نظروں کے سامنے فرشتے اُسے اُٹھا لائیں گے تاکہ قدرت الٰہی کی ایک نشانی ہو اور یہ ثابت ہو جائے کہ بادشاہ کی یہ نامزدگی واقعی اللہ کی طرف سے تھی۔ اس لیے فرمایا: ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴾ ''یقیناً یہ تمہارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو۔''

جب عمالقہ اس صندوق کو تبرکات سمیت لے گئے اور اس پر قابض ہو گئے تو اپنے شہر میں لے جا کر اسے اپنے ایک بت کے نیچے رکھ دیا۔ صبح کو دیکھا تو صندوق بت کے سر پر تھا۔ انہوں نے پھر نیچے رکھ دیا۔ اگلے دن پھر وہ بت کے سر پر تھا۔ کئی بار ایسا ہونے پر انہیں یقین ہو گیا کہ یہ صورت حال اللہ کی طرف سے ہے۔ انہوں نے صندوق کو شہر سے نکال کر کسی گاؤں میں بھیج دیا، تو ان کی گردنوں میں بیماری لگ گئی۔ جب یہ بیماری طویل ہو گئی تو انہوں نے تابوت کو ایک بیل گاڑی میں رکھ کر بیلوں کو ہانک دیا۔ فرشتے انہیں ہانک کر بنی اسرائیل میں لے آئے۔ اس طرح نبی کی بتائی ہوئی بات لفظ بلفظ پوری ہو گئی۔ بائبل میں بھی واقعے کی تفصیل اسی طرح بیان کی گئی ہے اور بہت سے مفسرین نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ لیکن آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اُسے خود اُٹھا کر لائے تھے۔ (واللہ اعلم)

جب طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مُبۡتَلِيۡكُمۡ بِنَهَرٍ‌ۚ فَمَنۡ شَرِبَ مِنۡهُ فَلَيۡسَ مِنِّىۡ‌ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَطۡعَمۡهُ

﴿ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ﴾ ''سنو! اللہ تمہیں ایک دریا سے آزمانے والا ہے۔جس نے اس سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں ہے اور جو اُسے نہ چکھے وہ میرا ہے۔ہاں یہ (اجازت) ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔'' (البقرۃ: 249/2)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے مفسرین اس آیت کی تفسیر کی بابت بیان کرتے ہیں کہ آیت میں مذکور دریا سے مراد دریائے اردن ہے۔طالوت اور اس کی فوجوں کا واقعہ اللہ کے نبی کے حکم سے یہیں پیش آیا۔انہوں نے اللہ کے حکم سے فوجیوں کی آزمائش کے لیے یہ حکم دیا تھا کہ جو شخص اس دریا کا پانی پیے گا، وہ اس جنگ میں میرے ساتھ نہیں جائے گا۔میرے ساتھ وہی چل سکتا ہے جو ایک ہاتھ سے چلو بھر پانی سے زیادہ نہ پیے۔لیکن ہوا یہ کہ ﴿ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ﴾ ''سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا۔''

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذکر کیا کرتے تھے کہ غزوۂ بدر میں اتنے صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے جتنے طالوت کے (مخلص) ساتھی تھے،جنھوں نے ان کے ہمراہ دریا پار کیا اور ان کی تعداد تین سو افراد سے کچھ زیادہ تھی۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ﴾ ''طالوت مومنین سمیت جب دریا سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے: آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔'' انہیں اپنی تعداد کم دیکھ کر اور دشمن کی تعداد زیادہ دیکھ کر احساس ہوا کہ ہم قلیل اور کمزور ہونے کی وجہ سے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا: ﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بھی بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں۔اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔'' یعنی ایمان اور یقین رکھنے والے بہادروں اور شہسواروں نے انہیں حوصلہ دیا اور جنگ میں کود پڑنے کی ترغیب دی۔جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی: ﴿ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں صبر دے،ثابت قدم رکھ اور قوم کفار کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔'' مومنوں نے اپنے نبی کیساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پیش قدمی شروع کر دی۔جب دشمن سے سامنا ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی۔انہوں نے دعا مانگی کہ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہ سکیں اور جنگ میں ان کافروں پر فتح حاصل ہو جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں عظمت وقدرت کے مالک نے،جو سننے والا، دیکھنے والا اور ہر شے کی خبر رکھنے والا

[1] صحیح البخاري، المغازي، باب عدة أصحاب بدر حدیث: 3957، 3958

ہے، دعا قبول کی۔ ﴿ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو شکست دے دی۔'' یعنی یہ شکست مومنوں کی طاقت اور تعداد کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی توفیق اور مشیت الٰہی سے ہوئی کیونکہ دشمنوں کی تعداد تو زیادہ تھی۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی غزوۂ بدر میں ایسی ہی معجزانہ فتح حاصل ہوئی تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

''جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی جبکہ تم نہایت پست حالت میں تھے، اس لیے اللہ ہی سے ڈرو (کسی اور سے نہیں) تاکہ تمہیں شکر گزاری کی توفیق ہو۔'' (آل عمران: 123/3)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾

''اور حضرت داود کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داود کو مملکت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت داود علیہ السلام بہت بہادر تھے۔ جالوت کے قتل سے اس کے لشکر کو شکست ہوئی اور کفر کا زور ٹوٹ گیا اور اہل ایمان کو غلبہ حاصل ہو گیا۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ
اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ
وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ
وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ

حضرت داود علیہ السلام

نام ونسب اور حلیہ مبارک

آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے: داود بن ایشا بن عُوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عمینا ذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہودا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کا قد چھوٹا تھا، آنکھیں نیلی تھیں، بال کم تھے اور دل پاکیزہ تھا۔

جب حضرت داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا تو آپ کو بنی اسرائیل میں عزت اور ہر دل عزیزی حاصل ہوگئی۔ آخر کار آپ کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت بھی عطا فرمائی۔ اس طرح نبوت اور حکومت ایک ہی فرد میں جمع ہو گئیں۔ اس سے پہلے بادشاہ اور قبیلے سے ہوتا تھا اور نبی کسی اور قبیلے سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

''اور داود کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داود کو مملکت وحکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر

اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔'' (البقرۃ: 251/2)

ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب جالوت نے طالوت کو دو بدو جنگ کی دعوت دی تو کہا: ''یا تم میری طرف آؤ یا میں تمہاری طرف آتا ہوں۔'' طالوت نے فوج سے کہا: ''اس کا چیلنج کون قبول کرے گا؟'' حضرت داود علیہ السلام سامنے آئے اور مقابلہ کر کے جالوت کو قتل کر دیا۔ [1]

وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: لوگوں نے حضرت داود علیہ السلام کی بہادری سے متاثر ہو کر طالوت کو معزول کر دیا اور حضرت داود علیہ السلام کو بادشاہ بنا لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ شمویل علیہ السلام کے حکم سے ہوا جبکہ بعض کا خیال ہے کہ انہیں جنگ سے پہلے ہی مقرر کر دیا تھا۔

حضرت داود علیہ السلام پر انعامات ربانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بہت سی نعمتوں سے مالا مال فرمایا تھا جن میں حسن صوت اور حسن عبادت کے ساتھ ساتھ پرندوں اور پہاڑوں کی تسخیر بھی شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ﴾

''اور ہم نے داود کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی۔ اے پہاڑو! ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (اُن کے اردگرد جمع کر دیا) اور ان کے لیے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو جو عمل تم کرتے ہو میں اُن کو دیکھنے والا ہوں۔'' (سبأ: 34/10،11)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے پہاڑوں کو داود کے لیے مسخر کر دیا کہ اُن کے ساتھ تسبیح بیان کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کر دیا تھا) اور ہم ہی (ایسا) کرنے والے تھے اور ہم نے تمہارے لیے اُن کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ

[1] تفسير الطبري 844/2 تفسير سورة البقرة' آیت: 251

تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے، پس تمہیں شکر گزار ہونا چاہیے۔" (الأنبياء :80'79/21)

حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ انہیں یہ وصف معجزہ کے طور پر عطا کیا گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوہا نرم کرنے کا ہنر سکھا دیا ہو تاکہ اس سے زرہیں بنا کر جنگ میں پہنی جائیں اور دشمن کے حملے سے دفاع ہو سکے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا، یعنی آپ کو لوہے کی چیزیں بنانے کے لیے آگ یا ہتھوڑے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ٹھنڈے لوہے کو ہاتھ سے موڑ کر جو چاہتے بنا لیتے تھے۔ سب سے پہلے آپ نے لوہے کے حلقے جوڑ کر زرہ بنائی۔ اس سے پہلے بچاؤ کے لیے لوہے کے تختے استعمال ہوتے تھے۔[1] ابن شوذب کا کہنا ہے کہ آپ روزانہ ایک زرہ بنا لیتے تھے جو چھ ہزار درہم کی بک جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے نبی حضرت داود علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔"[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ۝ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝﴾

"اور ہمارے بندے داود کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے (اور) بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو ان کے زیر فرماں کر دیا تھا کہ صبح و شام اُن کے ساتھ (اللہ پاک کا) ذکر کرتے تھے اور پرندوں کو بھی کہ وہ جمع رہتے تھے، سب اُن کے فرمانبردار تھے اور ہم نے ان کی بادشاہی کو مستحکم کیا اور ان کو حکمت عطا کی اور (جھگڑے کی) بات کا فیصلہ (سکھایا۔") (صٓ : 38/17-20)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "قوت" سے مراد عبادت کی طاقت اور نیک کام انجام دینے کی قوت ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبادت کی طاقت اور دین کی سمجھ ملی تھی۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو داود علیہ السلام کی نماز تمام نمازوں سے زیادہ پیاری ہے اور داود علیہ السلام کا روزہ سب روزوں سے پیارا ہے۔ آپ آدھی رات آرام کرتے تھے، تہائی رات قیام کرتے تھے اور رات کا چھٹا حصہ (پھر) سو جاتے تھے اور آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے اور جب دشمن سے سامنا ہوتا تو بھاگ نہیں جاتے تھے (بہادری سے جہاد کرتے تھے۔")[3]

---

[1] تفسير الطبري، 82/12

[2] صحيح البخاري، البيوع، باب كسب الرجل و عمله بيده، حديث : 2073

[3] صحيح البخاري، التهجد، باب من نام عندالسحر، حديث: 1311 و صحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر......، حديث : 1159

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴾ ''ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال عمدہ آواز عطا فرمائی تھی۔ جب آپ ترنم کے ساتھ زبور کی تلاوت کرتے تو اڑتے ہوئے پرندے رک کر آپ کی نغمگی اور تسبیح خوانی کا ساتھ دیتے۔ اسی طرح صبح شام تسبیح خوانی کے وقت پہاڑوں کی گونج بھی آپ کا ساتھ دیتی تھی۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام کو اتنی پیاری آواز دی گئی تھی کہ جنگلی جانور اور پرندے آپ کی تلاوت سن کر آپ کے اردگرد جمع ہو جاتے۔ حضرت وہب کہتے ہیں کہ جو بھی آپ کی آواز سنتا وہ جھومنے لگتا۔ آپ ایسی سریلی آواز سے زبور کی تلاوت کرتے تھے کہ کسی کان نے ایسی آواز کبھی نہ سنی تھی۔ آپ کی پرترنم آواز سن کر جن و انس، پرندے اور مویشی مگن ہو جاتے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت کی آواز سنی تو فرمایا: ''اسے داود علیہ السلام کی نغمگی میں سے حصہ ملا ہے۔''[1]

اس حسن صوت کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ خاصیت بھی حاصل تھی کہ بہت تیزی سے تلاوت کر سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''داود علیہ السلام پر تلاوت آسان کر دی گئی تھی۔ آپ گھوڑے پر کاٹھی ڈالنے کا حکم دیتے اور گھوڑا تیار ہونے سے پہلے قرآن (زبور) پڑھ لیتے اور آپ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔''[2]

یہ تلاوت تدبر اور خشوع کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور ''قرآن'' سے مراد ''زبور'' ہے جو آپ پر نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ﴾ ''اور ہم نے داود کو زبور عطا فرمائی۔'' (النساء: 163/4، بني إسرائيل: 55/17) زبور ماہِ رمضان میں نازل ہوئی تھی۔ اس میں وعظ اور حکمت کی باتیں تھیں۔

معاملہ فہمی اور قوت فیصلہ

دیگر نعمتوں کے علاوہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جھگڑوں کے فیصلے کرنے کی خصوصی صلاحیت سے بھی نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ شَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ ''ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت دی تھی اور بات کا فیصلہ کرنا (سکھایا تھا)۔'' (ص: 20)

---

[1] مسند أحمد: 167/6

[2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله ﴿وآتينا داود زبورا﴾، حديث: 4713

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو آدمی اپنا مقدمہ لے کر داود علیہ السلام کے پاس آئے۔ مدعی کا کہنا تھا کہ اس نے مجھ سے گائے چھین لی ہے۔ مدعا علیہ نے انکار کیا۔ آپ نے ان کا فیصلہ رات تک مؤخر کر دیا۔ جب رات ہوئی تو اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ مدعی کو قتل کر دیا جائے۔ صبح ہوئی تو حضرت داود علیہ السلام نے مدعی سے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تجھے قتل کر دوں، اس لیے میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ اب سچ سچ بتا دو کہ حقیقت کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''اللہ کے نبی! میں اپنے دعویٰ میں بالکل سچا ہوں۔ لیکن میں نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔'' اس شخص کو داود علیہ السلام نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ اس واقعہ سے بنی اسرائیل کی نظر میں حضرت داود علیہ السلام کا مقام بہت بلند ہو گیا اور انہوں نے بہت اچھی طرح آپ کی اطاعت قبول کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ ''ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت (نبوت) دی تھی اور بات کا فیصلہ کرنا (سکھایا تھا)'' حدیث نبوی ہے: ''گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور انکار کرنے والے (مدعا علیہ) کے ذمے قسم کھانا ہے۔'' حضرت مجاہد اور سدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: بات کا فیصلہ کرنے سے مراد مقدمہ کو سمجھ کر صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق ہے۔ [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۣ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝﴾

''بھلا تمہارے پاس اُن جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے۔ جس وقت وہ داود کے پاس آئے تو وہ اُن سے گھبرا گئے' سو انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجیے' ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے گا اور ہم کو سیدھا رستہ دکھا دیجیے۔ (کیفیت یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے (ہاں) ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے (پاس ایک) دُنبی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور وہ گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جو تیری دنبی مانگتا ہے کہ اپنی دنبیوں میں ملا لے' بیشک تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں۔ ہاں جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتا رہے اور ایسے لوگ بہت

[1] تفسير الطبري: 165/2'170 تفسير سورة ص' آيت: 20'21

کم ہیں۔ اور داود نے خیال کیا کہ (اس واقعے سے) ہم نے ان کو آزمایا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور (اللہ کی طرف) رجوع کیا تو ہم نے ان کو بخش دیا اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔'' (صٓ: 38/21-25)

مفسرین نے یہاں بہت سے قصے کہانیاں بیان کی ہیں جن میں سے اکثر اسرائیلی روایات ہیں اور کچھ یقیناً جھوٹی ہیں' اس لیے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴾

''اے داود! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے' لہٰذا لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور (اپنی) خواہش کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں' اُن کے لیے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔'' (صٓ: 38/26)

اس آیت میں داود علیہ السلام کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن اصل مقصود تمام حکمرانوں اور افسروں کو حکم دینا ہے کہ وہ انصاف کریں۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ حق کی پیروی کریں۔ دوسری آراء اور دل کی خواہشات نہ مانیں۔ اس میں اس کے برعکس عمل کرنے والے بے انصاف حکمرانوں کے لیے تنبیہ ہے۔ حضرت داود علیہ السلام اپنے دور میں انصاف' کثرت عبادت اور تمام نیکیوں کی انجام دہی کا ایک لائق اتباع نمونہ تھے۔ رات اور دن کا کوئی حصہ ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں ان کے گھر کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت میں مشغول نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾

''اے آل داود! اس کے شکر کے طور پر نیک عمل کرو۔ میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔''

(سبأ: 34/13)

حضرت داود علیہ السلام کی عمر اور وفات

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ذکر میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی پشت سے آپ کی اولاد نکالی تو آپ کو ان میں ایک شخص بہت روشن چہرے والا نظر آیا۔ فرمایا: ''یارب! یہ کون ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ تیرا بیٹا داود ہے۔'' عرض کی: ''یارب! اس کی عمر کتنی ہے؟'' ارشاد ہوا: ''ساٹھ سال۔'' عرض کی: ''یارب! اس کی عمر میں اضافہ فرما دے!'' ارشاد ہوا: ''نہیں، البتہ تیری عمر میں سے (کم کر کے اس کی عمر میں) اضافہ کر سکتا ہوں۔''

حضرت آدم علیہ السلام کی (مقررہ) عمر ہزار سال تھی۔ آپ نے چالیس سال حضرت داود علیہ السلام کو دے دیے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری (نوسو ساٹھ سال) ہوگئی تو ملک الموت تشریف لے آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں!'' آپ نے اپنے بیٹے داود علیہ السلام کو جو سال دے دیے تھے، وہ بات آپ کو یاد نہ رہی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر بھی پورے ہزار سال کر دی اور حضرت داود علیہ السلام کی عمر بھی پورے سو سال کر دی۔ [1]

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل کتاب کا کہنا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کی عمر ستتر سال تھی لیکن یہ غلط ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے چالیس سال حکومت کی۔ یہ بات صحیح ہو سکتی ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے اس کی تصدیق یا تکذیب نہیں ہوتی۔

آپ کی وفات کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت داود علیہ السلام بہت غیرت والے تھے۔ آپ جب باہر تشریف لے جاتے تو دروازے بند کر جاتے۔ آپ کی غیر موجودگی میں کوئی شخص آپ کے گھر میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن آپ باہر تشریف لے گئے اور حسب معمول دروازہ بند کر گئے۔ اچانک آپ کی زوجہ محترمہ نے دیکھا کہ ایک آدمی گھر کے درمیان کھڑا ہے۔ انہوں نے گھر کے دوسرے افراد سے کہا: یہ مرد کہاں سے داخل ہو گیا جب کہ گھر کے دروازے بند تھے؟ اللہ کی قسم! ہمیں تو حضرت داود علیہ السلام کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اتنے میں حضرت داود علیہ السلام بھی تشریف لے آئے۔ دیکھا کہ آدمی گھر کے درمیان کھڑا ہے۔ آپ نے اس سے کہا: ''تو کون ہے؟'' اس نے کہا: ''میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا اور دربانوں سے نہیں رکتا۔'' حضرت داود علیہ السلام نے فرمایا: ''تب تو آپ موت کے فرشتے ہیں۔ میں اللہ کے حکم کو خوش آمدید کہتا ہوں۔'' پھر آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا۔ جب لوگ غسل اور کفن سے فارغ ہوئے تو دھوپ نکل آئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے کہا: ''داود علیہ السلام پر سایہ کرو!'' پرندوں نے سایہ کیا حتی کہ زمین پر اندھیرا چھا گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے فرمایا: ''ایک ایک پر سمیٹ لو!'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرندوں کی کیفیت سمجھانے کے لیے ایک بازو سمیٹ کر اشارہ فرمایا۔ [2]

---

[1] مسند أحمد: 252/1 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة الأعراف، حديث:3076

[2] مسند أحمد: 419/2 وإسناده منقطع

حضرت داود علیہ السلام

اسدود، بیت دجن، ابوغوش، بیت المقدس، رملہ
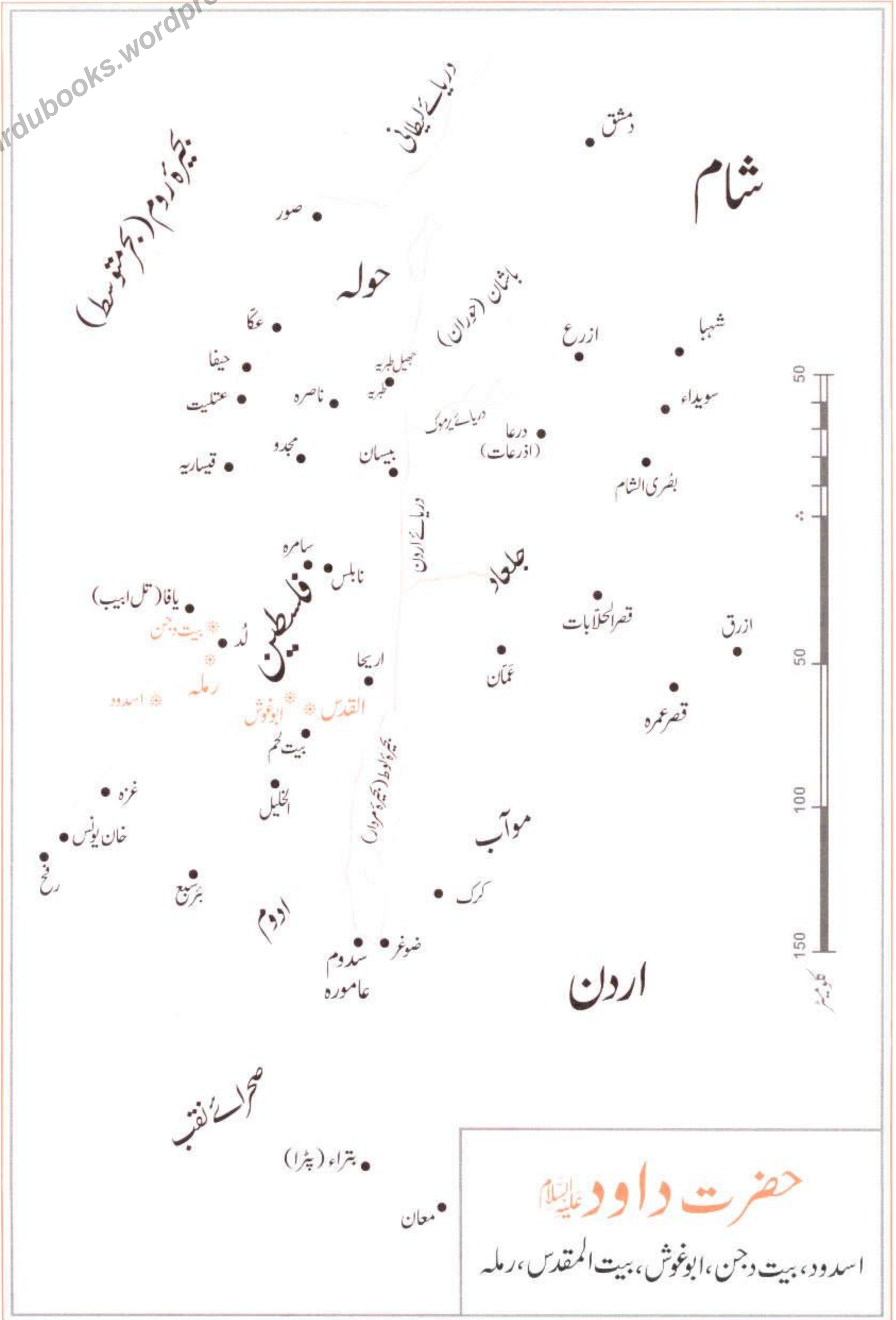
نتائج وفوائد ...... عبرتیں وحکمتیں

* **عدل وانصاف پر مبنی بادشاہت کا جواز:** حضرت شمویل علیہ السلام کے واقعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ عدل وانصاف اور عوامی فلاح کی ضامن بادشاہت نہ صرف جائز ہے بلکہ محمود ومطلوب بھی ہے۔ نیز عادل حکمران، احکام الٰہی کا پابند بادشاہ مسلمانوں کی سربراہی کا اہل ہے۔ اور ایسی حکمرانی میں کوئی حرج اور قباحت نہیں ہے کیونکہ اگر بادشاہت فی نفسہ بری چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو بادشاہ نہ بناتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود اور سلیمان علیہما السلام کو نبوت اور بادشاہت سے بیک وقت سرفراز فرمایا ہے اور انہیں نعمت نبوت کے ساتھ ایسی شاندار بادشاہت عطا فرمائی جو دوسرے کسی نبی کے حصے میں نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کو اس نعمت سے نوازا تھا، لہٰذا ان پر اس خصوصی انعام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا ﴾

”اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنا دیا۔“ (المائدۃ: 20/5)

نیز اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سربراہی اور حکمرانی کے لیے اعلیٰ حسب ونسب کا حامل ہونا شرط نہیں بلکہ قیادت وسیادت کے لیے عقل و دانش مندی، حکمت اور جسمانی قوت وطاقت کی ضرورت زیادہ اہم ہے۔ حضرت طالوت ایک عام فوجی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مطالبے پر ان کا بادشاہ بنایا۔ حضرت داود علیہ السلام آپ کی فوج کے شہ زور فوجی تھے۔

اس واقعے میں دور جدید کے نام نہاد مسلم دانش وروں اور سیاستدانوں کے لیے درس عبرت ہے جن کے دماغوں پر مغربی جمہوریت کا بھوت سوار ہے۔ یہ لوگ مغربی استعمار کی شاطرانہ چالوں کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ اور ایسے اسلامی ممالک پر طعن و تشنیع کرتے ہیں جہاں بادشاہت قائم ہے' حالانکہ وہ اسلامی ممالک اپنے نظام عدل وانصاف اور فلاحی کارناموں کی بدولت اپنے عوام کے لیے نعمت ربانی بنے ہوئے ہیں۔ ان ممالک کے امن وامان اور عوامی سلامتی کا موازنہ ان مغربی جمہوری ممالک سے کریں تو نظام بادشاہت کی ہزارہا خوبیاں مغربی جمہوریت اور اس کے دلدادہ حکمرانوں پر اپنا جادو کرتی دکھائی دیں گی۔

صد افسوس! آج کے مسلمان سیاستدان اور دانشور ہی اس مغربی حسینہ کی زلف کے اسیر نہیں بلکہ اصحاب جبہ و دستار اور

بعض علمائے کرام بھی اسی روسیاہ نظام کے حق میں اپنی توانائیاں صرف کررہے ہیں۔ اگر مغربی ظالم و جابر حکمران لاکھوں کروڑوں ڈالر خرچ کرکے ان اسلامی ممالک کے عادلانہ نظام حکومت کو ختم کرنے کے لیے کوشاں ہیں تو مسلمان سیاستدانوں کے ساتھ مل کر اصحاب جبہ و دستار بھی ان کے حمایتی و مددگار بنے ہوئے ہیں!!! حالانکہ عدل و انصاف، عوامی فلاح و بہبود اور امن وسلامتی کو یقینی بنانے والا نظام حکومت خواہ وہ ملوکیت ہو یا شخصی حکمرانی کا نظام، جمہوریت سے لاکھوں درجے بہتر ہے۔

❖ جنگی تعلیم وتربیت: حضرت شمویل علیہ السلام کے قصے سے جنگی تعلیم وتربیت اور مہارت و تیاری کا درس ملتا ہے۔ مادی وسائل و ذرائع اور آلات حرب کے ساتھ ساتھ فوجیوں کی جسمانی اور روحانی تربیت بھی بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ فوج جس قدر اعلیٰ جسمانی اور روحانی تربیت کے حامل ہوں گے اسی قدر بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے طالوت کے فوجیوں کی تربیت کے پیش نظر راستے میں آنے والے دریا سے پانی پینے سے منع فرما دیا۔ اس میں انہیں صبر وتحمل، قوت برداشت اور اطاعت امیر کا خوگر بنانے کی تربیت دی گئی ہے۔ دراصل لشکر اسلام کو یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو جائے۔ نیز یہ جنگی حکمت بھی اس حکم میں پنہاں تھی کہ اسلامی فوج دشمن پر اچانک اور زوردار حملہ کرے۔ اگر وہ سیر ہو کر پانی پینے لگ جاتے اور جانوروں کو بھی جی بھر کر پینے کے لیے چھوڑ دیتے تو یہ خطرہ تھا کہ دشمن ان کی آمد کا پتہ چلا کر مستعد ہو جاتا یا ان کی پہنچ سے دور نکل جاتا۔ یہ خدشہ بھی تھا کہ اسلامی فوج سخت پیاس کے بعد جی بھر کر پانی پیے گی تو ان پر سستی اور کسل مندی غالب آ جائے گی جو کہ میدان جنگ میں نہایت مضر ہے، لہٰذا آج بھی کامیاب جرنیل اپنی فوجوں کو جدید اسلحہ سے لیس کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی اور روحانی تربیت کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ نیز اچانک حملے کی تدبیر موجودہ دور کے جنگی پلان کا اہم ترین جزو بن چکی ہے۔

❖ صبر وثبات اور اطاعت امیر کامیابی کی ضمانت: اس قصے سے ہمیں صبر وثبات اور اطاعت امیر کا درس ملتا ہے۔ اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ہے، تاہم میدان جنگ میں اس کی اہمیت وضرورت دو چند ہو جاتی ہے۔ جنگ میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ فوج میدان جنگ کی سختیوں، مشکلات اور مصائب کو صبر وتحمل سے برداشت کرنے کی تربیت سے لیس ہو، نیز اطاعت امیر ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔

ان دو بنیادی صفات کی حامل فوج کو اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت حاصل ہوتی ہے اور وہ کافروں پر غالب آ جاتی ہے حضرت طالوت کی اکثر فوج نے نافرمانی کرتے ہوئے نہر سے جی بھر کر پانی پی لیا، اس لیے وہ سستی کا شکار ہو گئے اور دشمن کے مقابلے سے جی چرانے لگے۔ اس وقت اہل ایمان نے ان الفاظ میں فوج کی ڈھارس بندھائی اور اپنے رب سے صبر و ثبات کی التجا کرنے لگے:

﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾

''جو لوگ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں' بولے: بسا اوقات چھوٹی سی جماعت بھی بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرۃ: 249/2)

لہٰذا انہوں نے اس اظہار کے بعد کہ کامیابی کثرت تعداد اور اسلحہ کی فراوانی پر منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی مدد و حمایت پر منحصر ہے، اپنے رب سے یوں دعا کی:

﴿ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿﴾

''اے ہمارے رب! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔'' (البقرۃ: 250/2)

چنانچہ وہ قلیل ہونے کے باوجود کامیاب و کامران ہوئے۔ اسی طرح جنگ بدر میں مسلمانوں نے صبر و ثبات اور اطاعت امیر کی اعلیٰ مثال پیش کرتے ہوئے اپنے رب کی نصرت و حمایت سے، قلیل تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود، فتح پائی جبکہ کثرت تعداد اور اسلحہ کی فراوانی کے باوجود جنگ حنین میں، ابتدا میں شکست کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ صبر و ثبات کی قلت اور اطاعت امیر کے جذبے میں لغزش پائی گئی تھی۔ لہٰذا مسلمان جرنیلوں کو جدید اسلحہ کی فراوانی کے ساتھ ساتھ ان دو بنیادی اوصاف کی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

شجاعت و بہادری کا درس: حضرت داود علیہ السلام کے قصے سے اہل ایمان کو شجاعت و بہادری کا درس ملتا ہے۔ میدان جنگ میں رؤسائے کفار کی للکار پر بہادر و شجاع مسلمانوں کا مبارزت کے لیے میدان میں کودنا ہمیشہ سے مسلمان شیر دل جوانوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ حضرت طالوت اپنی فوج کو لے کر جالوت کے سامنے صف آراء ہوئے تو وہ نہایت تکبر وغرور کے ساتھ سامنے آیا اور مسلمانوں کو مبارزت کے لیے پکارنے لگا۔ اس نے یہ چیلنج بھی کیا کہ اگر وہ مغلوب ہو گیا تو اسکی قوم مسلمانوں کی غلام ہو جائے گی اور اگر وہ کامیاب ٹھہرا تو مسلمان اس کے غلام بن جائیں۔

اس للکار پر غیور و شجاع حضرت داود علیہ السلام اس کے مقابلے میں آگے تشریف لائے اور تاک کر ایک پتھر اس کی پیشانی پر مارا جس سے وہ زمین بوس ہو گیا۔ آپ نے نہایت پھرتی سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ کافروں نے اپنے نہایت بہادر سردار کا اتنی تیز رفتاری سے انجام بد دیکھا تو ان کے حوصلے جواب دے گئے۔ جبکہ مسلمانوں نے اپنے شیر دل جوان کے کارنامے کے بعد نہایت شجاعت سے جنگ لڑی اور کامیابی سے ہمکنار ہو گئے، حالانکہ وہ قلیل تعداد میں تھے۔ دشمن کثیر تعداد میں قتل ہوئے اور باقی زخمی حالت میں قیدی بنے۔

ظالموں کے بارے میں سنت اللہ: حضرت داود علیہ السلام کے قصے سے اس سنت الٰہی کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر خصوصی فضل و کرم کرتے ہوئے یہ قانون بنایا ہے کہ وہ دنیا میں کسی کو دائمی اقتدار و حکمرانی سے نہیں نوازتا۔ اگر ایسا ہوتا تو حکمران اللہ تعالیٰ کے احکامات کو فراموش کر کے ظلم و ستم کی انتہا کر دیتے، اس لیے اللہ تعالیٰ انسانوں کے ایک گروہ کو کچھ

عرصہ اقتدار دیتا ہے پھر اس کے ظلم وستم کا خاتمہ دوسرے گروہ کے ذریعے سے کر دیتا ہے تاکہ انسانیت کو نجات ملے اور ظالم اپنے انجام کو پہنچیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکمت الٰہی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل وکرم کرنے والا ہے۔'' (البقرۃ: 251/2)

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ ﴾

''اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ سب ڈھائے جا چکے ہوتے'' (الحج: 40/22)

لہٰذا تاریخ انسانی اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کے شواہد سے بھری پڑی ہے۔ دنیا میں آنے والے ہر جابر، ظالم اور زبردست کو اللہ تعالیٰ نے ایک وقت تک غلبہ واقتدار سے نوازا اور پھر اس کی رسی کھینچ کر دوسرے گروہ کو غلبہ وحکمرانی عطا کر دی۔ ظالم منگول، تاتاری، جرمن نازی، روسی و برطانوی استعمار دور ماضی کے عبرت انگیز نمونے ہیں جو موجودہ سپر پاور اور اس کے حاشیہ برداروں کے لیے نمونہ عبرت ہونے چاہییں۔ تاریخ اسلامی پر نظر دوڑائیں تو ابتدائے اسلام میں قریش مکہ، غریب مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم وستم ڈھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کی سرزمین سے ہجرت پر مجبور کر دیتے ہیں۔ لیکن چند ہی سالوں بعد ان کا سارا غلبہ وغرور انہی غریب مسلمانوں کے قدموں تلے ہوتا ہے اور وہ بخشش کی بھیک مانگتے دکھائی دیتے ہیں۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

✿ **آدابِ قاضی:** حضرت داود علیہ السلام کے قصے سے فیصلہ کرنے کے آداب اور قاضی کے آداب کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت داود علیہ السلام نے اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ایک دن عبادت وریاضت کے لیے، ایک دن وعظ ونصیحت کے لیے، پھر ایک دن عوامی فیصلوں کے لیے اور ایک دن اپنے نفس اور اہل وعیال کے لیے۔ ایک ایسے دن جب کہ وہ ان کے نفس اور اہل خانہ کے لیے مختص تھا، دو فرشتے فرضی مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے صرف مدعی کی بات سن کر فیصلہ کر دیا اور مدعا علیہ کی حجت نہ سنی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات بلند کرنے کے لیے آپ کو اس آزمائش میں ڈالا تھا۔ آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً بارگاہ الٰہی میں جھک گئے اور توبہ واستغفار کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى

وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٢٥﴾

''اور داود سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے۔ اور (پوری طرح) رجوع کیا۔ پس ہم نے بھی ان کا وہ (قصور) معاف فرما دیا، یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبے والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں۔'' (صٓ: 25,24/38)

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ دو شخص حقیقی جھگڑا لے کر آئے تھے۔ اس واقعے سے آپ کے صبر و تحمل کا امتحان لیا گیا کیونکہ جس طرح اور جس وقت وہ آئے تھے اس سے انسانی طبیعت میں اشتعال اور غصے کا آنا فطری بات تھی۔ دیوار پھاند کر آنا، عبادت میں دخل اندازی کرنا اور طرز تکلم میں آپ کی شان وعظمت کا لحاظ نہ رکھنا، یہ سب امور غصہ دلانے کے لیے کافی تھے مگر آپ نے صبر کا مظاہرہ کیا' تاہم جو ہلکی سی طبعی ناگواری ہوئی تھی اس پر توبہ و استغفار کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کیا۔

کچھ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ آپ کی آزمائش یہ تھی کہ آپ قاضی ہوتے ہوئے بھی جھگڑوں میں الجھے ہوئے مدعیوں اور مدعا علیہان سے چھپ کر بیٹھے تھے' حالانکہ قاضی کو ہمہ وقت فیصلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ لہٰذا وہ دونوں مجبور ہو کر دیوار پھلانگ کر آپ کے پاس پہنچے۔

رسول اکرم ﷺ نے قاضیوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''کوئی قاضی دو افراد کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔'' [1]

موجودہ دور کے چیف جسٹس اور جج حضرات جو لمبی لمبی گاڑیوں اور حفاظتی دستوں کے حصار میں آتے ہیں اور مضبوط و آہنی فصیلوں کے اندر بیٹھ کر حکمران وقت کی خواہش ومنشا کو پورا کرنے کے لیے فیصلے کرتے ہیں انہیں اس فرمان نبوی کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''قاضی تین قسم کے ہیں: ایک قسم جنتی ہے جبکہ دو قسمیں جہنم میں جائیں گی۔ جنتی قاضی وہ ہے جس نے حق کو پا کر اس کے مطابق فیصلہ کیا، اور جس قاضی نے حق کو معلوم کر کے بھی فیصلے میں ظلم کیا وہ جہنمی ہے۔ اور وہ قاضی بھی جہنمی ہے جس نے مبنی بر جہالت فیصلے کیے۔'' [2]

حضرت داود علیہ السلام کے معجزات: اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو نبوت اور بادشاہت کی عظیم نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ درج ذیل معجزات سے آپ کو نوازا تھا:

---

[1] صحيح البخاري، الأحكام، باب هل يقضي القاضي و أويفتي وهو غضبان؟ حديث :7158

[2] سنن أبي داود، القضاء، باب في القاضي يخطئ حديث :3573 و جامع الترمذي، الأحكام حديث : 1322

- اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لوہے کی سختی اور مضبوطی کو نہایت نرم کر دیا تھا، لہٰذا آپ بغیر پگھلائے اور تپائے لوہے کو جس طرح چاہتے موڑ لیتے اور جیسے چاہتے اس کو شکل دے لیتے۔ آپ اس لوہے سے جنگی لباس زرہیں تیار کرتے جو انتہائی متناسب اور خوبصورت ہوتی تھیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام سے پہلے بھی لوگ زرہیں بناتے تھے مگر وہ سادہ، بغیر کنڈوں اور بغیر حلقوں کے ہوتی تھیں لیکن آپ نے زرہیں کنڈوں اور حلقوں والی بنائیں جو زیادہ مضبوط اور مفید تھیں۔
- آپ کو نہایت مترنم اور پرسوز آواز عطا کی گئی تھی۔ جب آپ اپنی خوبصورت مترنم آواز میں زبور کی تلاوت فرماتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ شریک تسبیح ہو جاتے اور پرندے ہوا میں ٹھہر جاتے اور آپ کے ساتھ تلاوت و تسبیح میں شریک ہو جاتے۔
- بلند و بالا جامد پہاڑوں اور ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو آپ کے ساتھ تسبیحات کرنے کے لیے مسخر کر دیا گیا۔

عبادت و ریاضت کا درس: حضرت داود علیہ السلام کے واقعے سے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کا درس ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب آخر الزمان ﷺ سے داود علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ بیان کیا کہ وہ نہایت عبادت گزار اور پروردگار کی طرف رجوع و انابت کرنے والے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴾

”اور (اے نبی!) ہمارے بندے داود کو یاد کرو جو بڑی قوت والا تھا، یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔“

(صٓ: 17/38)

آپ کی قوت سے دینی قوت و صلابت مراد ہے۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو حضرت داود علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

”اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نماز داود علیہ السلام کی نماز ہے۔ اور سب سے زیادہ محبوب روزے داود علیہ السلام کے روزے ہیں۔ وہ نصف رات سوتے، پھر اٹھ کر تہائی رات کا قیام کرتے اور پھر اس کے چھٹے حصے میں سو جاتے، ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے۔“[1]

دور حاضر کے غافل مسلمانوں کے لیے اس فرمان نبوی میں شاندار رہنمائی موجود ہے۔ اسوہ حسنہ سے محروم ایک طبقہ رات بھر فلموں، گانوں اور لہو و لعب کے دیگر مشاغل میں مصروف رہ کر اپنے رب کی عبادت سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ اسوۂ حسنہ سے غافل ایک دوسرا طبقہ رات بھر نوافل پڑھتا رہتا ہے اور لگاتار روزے رکھ کر اپنے تقوے کا اظہار کرنا چاہتا ہے

[1] صحيح البخاري، التهجد، باب من نام عندالسحر، حديث: 1131

حالانکہ اسوۂ حسنہ سے محرومی وغفلت دونوں ہی دین و دنیا کے لیے مضر ہیں۔ اگر پہلا طبقہ تباہی کی راہ پر چل رہا ہے تو دوسرا طبقہ گمراہی کی روش اپنائے ہوئے ہے۔ اللہ تعالی مسلمانوں کو اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت سلیمان علیہ السلام

نام ونسب اور حضرت داود علیہ السلام کے جانشین

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان فرمایا ہے: سلیمان بن داود بن ایشا بن عُوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عمیناذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داود علیہ السلام کا بادشاہت وحکمت نیز نبوت میں جانشین مقرر فرمایا اور اپنے فضل وکرم سے مزید عنایات کیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ

''اور سلیمان، داود کے قائم مقام ہوئے اور کہنے لگے کہ لوگو! ہمیں (اللہ کی طرف سے) پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے۔ بیشک یہ (اُس کا) صریح فضل ہے۔'' (النمل:27/16)

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت اور بادشاہت میں حضرت داود علیہ السلام کے وارث تھے۔ آیت مبارکہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو مالی وراثت ملنا مراد نہیں۔ کیونکہ حضرت داود علیہ السلام کے اور بیٹے بھی تھے۔ تو یہ ممکن نہیں کہ آپ ایک ہی بیٹے کو سارا مال دے دیں اور دوسروں کو محروم کر دیں۔ اس کے علاوہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارا (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔'' ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔''[1]

چنانچہ انبیائے کرام علیہم السلام کا مال ان کی وفات کے بعد غریبوں اور محتاجوں میں صدقہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ ان کے قریبی رشتے داروں کے لیے مخصوص نہیں ہوتا کیونکہ ان کی نظر میں دنیا بالکل حقیر اور بے قدر ہے جس طرح انہیں مبعوث کرنے والے کی نظر میں یہ دنیا حقیر اور ذلیل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ ''لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔'' یعنی پرندے اپنی اپنی زبان میں جو باتیں کرتے ہیں، آپ اسے سمجھ لیتے تھے۔ ﴿وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ''ہمیں سب کچھ دیا گیا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہر وہ چیز دی تھی، جس کی ضرورت ملک پر حکومت کے دوران میں ممکن ہے۔ یعنی ہر قسم کا سامان، ہتھیار، لشکر وسپاہ، جنوں، انسانوں، پرندوں اور حیوانوں کی جماعتیں اور علم وعقل اور تمام مخلوقات کی باتوں کو سمجھنے اور اپنی بات سمجھانے کی طاقت وغیرہ۔ پھر فرمایا: ﴿إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ﴾ ''بے شک یہ بالکل کھلا فضل الٰہی ہے۔''

بے مثل ملک وحکومت کے مالک نبی: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو چرند پرند، جنوں اور انسانوں پر بے مثل حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ آپ ان سب کی بولی سمجھتے تھے اور اس نعمت ربانی پر خاص طور پر شکر گزار بھی تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَاأَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝﴾

''اور سلیمان کے لیے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے' سو ان کی الگ الگ درجہ بندی کر دی گئی' یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ! ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور اُن کو خبر بھی نہ ہو۔ تب وہ اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ جو احسانات تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں، اُن کا

[1] مسند أحمد: 1/49 و البداية والنهاية: 2/154

شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔'' (النمل: 27/17-19)

ایک دن سلیمان علیہ السلام نے جنوں اور انسانوں اور پرندوں پر مشتمل اپنی تمام افواج کو جمع کیا اور کسی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ پرندوں نے اپنے پروں سے آپ پر سایہ کر رکھا تھا۔ ہر لشکر پر چھوٹے بڑے افسر مقرر تھے جو تمام افراد کو اپنے اپنے مقام پر رکھتے تھے۔ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: ﴿ يَاأَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ ''اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ! ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اُن کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز سن لی اور جو بات اس نے دوسری چیونٹیوں سے کہی تھی، سمجھ لی۔ آپ یہ بات سن کر مسکرا دیے جو دوسرے نہ سن سکے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے جانور اور انسان ایک دوسرے سے بات چیت کرتے اور ایک دوسرے کی زبان سمجھتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے وعدہ لے لیا کہ وہ انسانوں سے باتیں نہیں کریں گے۔ اس لیے اب ہم ان کی باتیں نہیں سمجھ سکتے۔ یہ سب جاہلوں کے خیالات ہیں۔ اگر یہ بات درست ہوتی کہ سب لوگ جانوروں کی بولیاں سمجھتے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو دوسروں پر کوئی امتیاز حاصل نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانوروں سے وعدہ لے کر کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا کہ جانور انسانوں سے بات چیت نہ کریں۔ اسی امتیاز ہی کی وجہ سے آپ نے فرمایا: ﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ''اے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور (مجھے توفیق دے کہ) میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا یقیناً قبول فرما لی۔ والدین میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد حضرت داود علیہ السلام اور والدہ جو ایک عبادت گزار نیک خاتون تھیں، شامل ہیں۔

ہد ہد اور ملکہ بلقیس کا واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر جرار میں ہد ہد کی ڈیوٹی ایک انجینئر کی سی تھی۔ ایک روز ہد ہد بوقت حاضری غیر حاضر ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سخت ناراض ہوئے مگر ہد ہد ایک ایسی خبر لایا جس سے اللہ کے نبی بھی بے خبر تھے، لہٰذا اس کی غیر حاضری کا نہایت معقول عذر ہونے کی وجہ سے اس کا قصور قابل معافی تسلیم کر لیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۞ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيْدًا أَوْ لَاَ اذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۞ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۞ إِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۞ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۞ أَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۞ اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۞ قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ إِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۞ قَالَتْ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا إِنِّيْٓ أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۞ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ أَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَأْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۞ قَالَتْ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَفْتُوْنِيْ فِيْٓ أَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۞ قَالُوْا نَحْنُ أُولُوْا قُوَّةٍ وَّأُولُوْا بَأْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَأْمُرِيْنَ ۞ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً أَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا أَعِزَّةَ أَهْلِهَآ أَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۞ وَإِنِّيْ مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۞ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ أَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۞ اِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ أَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۞ ﴾

''انہوں نے جانوروں (پرندوں) کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: کیا سبب ہے کہ ہدہد نظر نہیں آتا؟ کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اُسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ہدہد آ موجود ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور میں آپ کے پاس (شہر) سبا سے ایک سچی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت دیکھی کہ اُن لوگوں پر بادشاہت کرتی ہے اور ہر چیز اُسے میسر ہے اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے اُن کے اعمال انہیں آراستہ کر دکھائے ہیں اور اُن کو (سیدھے) رستے سے روک رکھا ہے۔ پس وہ رستے پر نہیں آتے (اور نہیں سمجھتے) کہ اللہ کو کیوں نہ سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ سلیمان نے کہا: (اچھا) ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے۔ یہ میرا خط لے جا اور اُسے اُن کی طرف ڈال دے' پھر اُن کے پاس سے لوٹ آ اور دیکھ کہ وہ کیا

جواب دیتے ہیں۔ ملکہ نے کہا کہ دربار والو! میری طرف ایک گرامی نامہ ڈالا گیا ہے' وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور (اس کا مضمون) یہ ہے: شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔ (بعد اس کے یہ) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع وفرمانبردار ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ (خط سنا کر) کہنے لگی کہ اے اہل دربار! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو! جب تک تم حاضر نہ ہو (اور صلاح نہ دو) میں کسی کام کا فیصلہ کرنے والی نہیں۔ وہ بولے کہ ہم بڑے زورآور اور سخت جنگجو ہیں اور حکم آپ کے اختیار میں ہے تو جو حکم دیجیے گا (اُس کے انجام پر) نظر کر لیجیے گا۔ اُس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے اور میں اُن کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔ جب وہ (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا: کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو گے۔ اس کے پاس واپس جاؤ۔ ہم اُن پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلے کی اُن کو طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔'' (النمل: 27/20-37)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کا واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوج کے تمام پرندوں کے اپنے اپنے لیڈر اور کمانڈر تھے جو روزانہ اپنے اپنے وقت پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ہدہد کا فرض منصبی یہ تھا کہ سفر کے دوران میں کسی بنجر مقام پر پانی کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ بتاتا تھا کہ کہاں کھدائی کرنے پر پانی مل سکتا ہے۔ اس کے بتانے پر فوجی کھدائی کر کے پانی حاصل کر لیتے تھے۔ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو حاضر ہونے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے مقام پر موجود نہیں۔ آپ نے فرمایا: ﴿مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ﴾ ''کیا بات ہے؟ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا یا وہ واقعی غیر حاضر ہے؟ یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے سامنے کوئی صریح دلیل بیان کرے۔''

۞ **عورت کی حکمرانی کا مسئلہ:** حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کی بلا اطلاع غیر حاضری پر ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے اسے سخت سزا دینے یا ذبح کر دینے کا فیصلہ سنا دیا اور کہا کہ اگر وہ اپنی غیر حاضری کا معقول عذر پیش کرے تو اس کی سزا ختم بھی کی جا سکتی ہے، تاہم ہدہد جلد ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہو گیا اور عرض کی: ﴿أَحَطتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ۝ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ﴾ ''میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں۔ میں سبا کی ایک سچی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ان پر بادشاہت ایک عورت کر رہی ہے جسے ہر چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے اور اس کا ایک عظمت والا تخت بھی ہے۔''

ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سبا کی سلطنت کے بارے میں بتایا۔ یہ سلطنت یمن میں تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام

کے زمانے میں اس کی حکمران شاہی خاندان کی ایک عورت تھی کیونکہ سابق بادشاہ کا کوئی بیٹا نہیں تھا جو بادشاہ بن سکتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو ایران کی حکومت پر ایک عورت کے فائز ہونے کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: ''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو حکمران بنالیا ہے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ''جسے ہر چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے۔'' اسے ہر وہ چیز ملی ہے جو بادشاہوں کے پاس ہوا کرتی ہے۔ ﴿ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے۔'' اس کے تخت میں طرح طرح کے ہیرے جواہرات اور موتی لگے ہوئے تھے اور وہ سونے سے مزین تھا۔

پھر ہدہد نے بتایا کہ وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے لوگ ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو پوجتے ہیں۔ شیطان نے انہیں اس اللہ سے دور کر دیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں سے چھپی ہوئی اشیا نکالتا ہے اور وہ حسی اور معنوی تمام ظاہری اور پوشیدہ اشیا سے خوب واقف ہے۔ ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔'' یعنی اس کا تخت اتنا بڑا ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی چیز اس سے بڑی نہیں۔

ملکہ بلقیس کو دعوت توحید: اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط بھیجا جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی دعوت دی گئی تھی اور آپ کی اطاعت قبول کرنے کا حکم تھا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ ﴾ ''تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو!'' بلکہ میرے حکم کی تعمیل کرو۔ ﴿ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ!''

جب ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بلقیس کو پہنچایا۔ اس نے پڑھا اور وزیروں مشیروں کو طلب کر لیا تاکہ اس خط کے بارے میں مشورہ کرے۔ اس نے انہیں صورت حال کی خبر دیتے ہوئے کہا: ﴿ اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴾ ''میری طرف ایک گرامی نامہ ڈالا گیا ہے۔''

پھر خط بھیجنے والے کا پتہ بتایا: ﴿ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ ﴾ ''وہ سلیمان کی طرف سے ہے'' پھر خط کا مضمون پڑھ کر سنایا: ﴿ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴾ ''وہ بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے۔ یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ!''

پھر ان سے مشورہ طلب کرتے ہوئے بولی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝ ﴾ ''اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملے میں مشورہ دو۔ میں کسی امر کا قطعی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو۔''

انہوں نے کہا: ﴿ نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴾ ''(اگر آپ

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب كتاب النبي ﷺ إلى كسرى و قيصر، حديث:4425

کو جنگ کرنے کے لیے فوج کی ضرورت ہے تو) ہم یہ فریضہ انجام دینے کے لیے پوری طرح تیار ہیں' تاہم آخری فیصلہ آپ ہی کا ہوگا۔ آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ ہمیں آپ کیا حکم فرمائیں گی۔''

تاہم اس کی رائے سرداروں کی رائے سے بہتر تھی اور وہ عقل میں ان سے برتر تھی، اسے معلوم ہوگیا کہ اس انداز سے خط بھیجنے والے کا مقابلہ کرنا یا اسے دھوکا دینا ممکن نہیں۔ اس نے کہا: ﴿ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۖ وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴾ ''بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اُسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔'' اس نے کہا کہ اگر یہ بادشاہ ہمارے ملک پر غالب آ گیا تو اس کے غیظ وغضب کا نشانہ سب سے پہلے میں ہی بنوں گی۔ اس لیے: ﴿ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ﴾ ''میں انہیں ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں، پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔''

اس کا خیال تھا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو رشوت دے کر انہیں خوش کر دے گی اور اس طرح اپنی سلطنت بچا لے گی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک نبی ہیں جو کفر کے ساتھ مصالحت اختیار نہیں کر سکتے۔ پس جب قاصد سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: ﴿ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴾ ''کیا تم مال سے مجھے مدد دینا چاہتے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اُس نے تمہیں دیا ہے۔ پس تم ہی اپنے تحفے کے ساتھ خوش رہو۔'' تب آپ نے اس کے سفیر سے فرمایا: ﴿ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُم بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُم بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُم مِّنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴾ ''جا! اُن کے پاس لوٹ جا (اور انہیں مرعوب کرنے کے لیے فرمایا) ہم ان (کے مقابلہ) میں وہ لشکر لائیں گے جن کا سامنا کرنے کی ان میں طاقت نہیں اور ہم انہیں ذلیل وپست کر کے وہاں سے نکال دیں گے۔''

جب قاصد اس قدر سخت جواب لے کر واپس پہنچا تو انہیں اطاعت قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا، چنانچہ وہ ملکہ سمیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہار اطاعت کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی تو آپ اپنے فرماں بردار جنوں سے مخاطب ہوئے:

﴿ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ۝ قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُ قَالَ هَٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ۝ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ وَصَدَّهَا مَا

كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

’’اے دربار والو! کوئی تم میں سے ایسا ہے کہ قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر ہمارے پاس آئیں، ملکہ سبا کا تخت میرے پاس لے آئے؟ جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا: قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اُٹھیں میں اُس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور میں اس (کے اُٹھانے) کی طاقت رکھتا ہوں (اور) امانت دار ہوں۔ ایک شخص، جس کو کتاب الٰہی کا علم تھا، کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ کے جھپکنے سے پہلے پہلے اسے آپ کے پاس حاضر کیے دیتا ہوں۔ جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار بے پروا (اور) کرم کرنے والا ہے۔ سلیمان نے کہا کہ ملکہ کے (امتحان عقل کے) لیے اس تخت کی صورت بدل دو تا کہ دیکھیں کہ وہ سوجھ رکھتی ہے یا اُن لوگوں میں سے ہے جو سوجھ نہیں رکھتے۔ جب وہ آ پہنچی تو پوچھا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی اسی طرح کا ہے؟ اُس نے کہا: یہ تو گویا وہی ہے اور ہم کو اس سے پہلے ہی (سلیمان کی عظمت وشان کا) علم ہو گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہیں۔ اور وہ جو اللہ کے سوا (اور کی) پرستش کرتی تھی، سلیمان نے اس کو اس سے منع کیا (اس سے پہلے تو) وہ کافروں میں سے تھی (پھر) اس سے کہا گیا کہ محل میں چلیے۔ جب اُس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اُٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ (سلیمان نے) کہا یہ ایسا محل ہے جس میں (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ بول اُٹھی کہ پروردگار! میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی اور اب میں سلیمان کے ہاتھ پر رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔‘‘ (النمل: 27/38-44)

جب سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباری جنوں کو حکم دیا کہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے اس کا وہ تخت حاضر کر دیں، جس پر بیٹھ کر وہ دربار لگاتی ہے تو ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا: ﴿ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ﴾ ’’آپ کے اپنی مجلس سے اُٹھنے سے پہلے ہی میں اسے آپ کے پاس لا دیتا ہوں۔‘‘ آپ اہم معاملات پر غور کرنے کے لیے اور مقدمات کے فیصلے کرنے کے لیے صبح سے دوپہر تک دربار منعقد کرتے تھے۔ اس نے کہا: میں یہ ذمہ داری ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ ﴿ وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴾ ’’یقین مانیے کہ میں اس پر قادر ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔‘‘ تخت کے جواہرات میں خیانت نہیں کروں گا۔ دربار میں موجود ایک مومن جن نے عرض کی: ﴿ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ﴾ ’’میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے ہی اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔‘‘ اور واقعی بلقیس کا تخت تھوڑی دیر میں یمن

سے بیت المقدس پہنچ گیا۔ جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے: ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴾ ''یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری۔ شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پروا اور بزرگ ہے۔'' اسے نہ شکر کرنے والوں کے شکر کی ضرورت ہے نہ کافروں کی ناشکری سے اس کا کچھ بگڑتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ تخت کی آرائش میں تبدیلی کر دی جائے تاکہ بلقیس کی عقل وفہم کا اندازہ ہو سکے۔ ''حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کر دو! تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ یہ راہ پالیتی ہے یا اُن میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔'' جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا: ﴿اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ﴾ ''کیا تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ اس نے جواب دیا: گویا یہ وہی ہے۔''

ملکہ بلقیس کے خیال میں یہ تخت اس کا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ تو اسے یمن میں چھوڑ آئی تھی (اور پھر اس کی سجاوٹ میں تبدیلی بھی کر دی گئی تھی۔) وہ نہیں سمجھتی تھی کہ کوئی اور بھی ایسی عجیب وغریب کاریگری اور ہنرمندی کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان اور ان کی قوم کی بات نقل فرمائی: ﴿وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ﴾ ''ہمیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے۔'' اس کے بعد فرمایا: ﴿وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴾ ''اسے (سلیمان علیہ السلام نے) اس سے روک دیا جو وہ اللہ کے سوا (سورج کی) پوجا کرتی تھی۔ یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔'' یعنی ملکہ اور اس کی قوم بلا دلیل صرف آباء واجداد کی تقلید کرتے ہوئے آفتاب پرستی میں مبتلا تھے۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اس کام سے منع کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے شفاف شیشے کا ایک محل تعمیر کروایا تھا۔ اس کے نیچے پانی بہتا تھا اور پانی پر شیشے کی چھت تھی۔ اس پانی میں مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور رکھے گئے تھے۔ جب ملکہ بلقیس وہاں پہنچی تو اس سے کہا گیا محل میں تشریف لے چلیے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر رونق افروز تھے۔ اسے دیکھ کر وہ سمجھی کہ یہ حوض ہے۔ اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ فرمایا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے۔ کہنے لگی: ﴿رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں بردار بنتی ہوں۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کا اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ اور بیت المقدس کی تعمیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۞ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۞ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۞ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۞ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۞ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۞ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۞ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۞ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۞ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۞ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۞ ﴾

''اور ہم نے داود کو سلیمان عطا کیے۔ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔ جب اُن کے سامنے شام کو خاصے کے گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہوکر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا (بولے کہ) اُن کو میرے پاس واپس لے آؤ' پھر اُن کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اُن کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا' پھر انہوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا (اور) دعا کی کہ اے پروردگار! مجھے معاف فرما اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ پھر ہم نے ہوا کو اُن کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے اُن کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی اور دیووں (جنات) کو بھی (اُن کے زیر فرمان کر دیا) وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے اور اوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو تو) احسان کر دیا (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ محاسبہ نہیں ہے۔ اور بیشک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔'' (ص : 38/30-40)

ایک شام حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ نسل کے گھوڑے پیش کیے گئے۔ آپ ان کے معاینہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز کا وقت گزر گیا' تاہم آپ نے نماز قصداً قضا نہیں کی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی شریعت میں ایسے عذر کی وجہ سے نماز میں تاخیر جائز ہو۔

بعض علماء نے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ آپ نے گھوڑے دوڑائے' جب نظروں سے اوجھل ہو گئے تو فرمایا: ''انہیں واپس لاؤ!'' پھر آپ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴾

''اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا' پھر انہوں نے رجوع کیا۔''

مفسرین نے اس مقام پر بہت سی حکایات بیان کی ہیں جو زیادہ تر اہل کتاب سے ماخوذ ہیں۔ ان کا خلاصہ جیسے کہ ابن جریر رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے، کچھ یوں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت سے چالیس دن غائب رہے۔ پھر واپس آئے تو بیت المقدس کی تعمیر کا حکم دیا۔ آپ نے اس کی عمارت بہت مضبوط بنوائی۔ صحیح بات یہ ہے کہ بیت المقدس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے تعمیر کروایا تھا' البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے دوبارہ تعمیر فرمایا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: میں نے کہا: اللہ کے رسول! سب سے پہلے کون سی مسجد بنی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسجد حرام'' میں نے کہا: اس کے بعد؟ فرمایا: ''بیت المقدس کی مسجد۔'' میں نے کہا: ''ان دونوں کے درمیان کتنی مدت ہے؟'' فرمایا: ''چالیس سال۔''[1]

یہ بات وضاحت کی محتاج نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے درمیان چالیس سال کا نہیں بلکہ ہزار سال سے زیادہ مدت کا وقفہ ہے اور آپ نے جو دعا کی تھی کہ مجھ جیسی حکومت کسی اور کو نہ ملے، وہ بیت المقدس کی (دوبارہ) تعمیر کے بعد کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر کر لیا تو اللہ سے تین دعائیں کیں۔ ان کی دو دعائیں قبول ہو گئیں اور تیسری قبول نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ وہ تیسری نعمت ہمیں (امت محمدیہ کو) ملے گی۔ آپ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ آپ کے فیصلے (حق پر مبنی اور) اللہ کے فیصلوں کے مطابق ہوں۔ اللہ نے یہ چیز دے دی۔ آپ نے دعا کی کہ آپ کو ایسی حکومت ملے جو کسی اور کے لائق نہ ہو۔ اللہ نے یہ چیز بھی عطا فرمائی۔ آپ نے دعا کی کہ جو شخص گھر سے صرف اس مسجد میں نماز کے ارادہ سے روانہ ہو، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے جس طرح اپنی ماں سے پیدا ہوتے وقت (گناہوں سے پاک) تھا۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ نے یہ دعا ہمارے حق میں قبول فرمائی ہے۔''[2]

حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہکار فیصلے

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپ کی اور آپ کے والد کی تعریف میں ان کے فیصلے کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' حديث :3366 و صحيح مسلم' المساجد' باب المساجد و مواضع الصلاة' حديث 520 و مسند أحمد:150/5

[2] مسند أحمد: 176/2' سنن النسائي' المساجد' فضل المسجد الأقصى والصلاة فيه' حديث:694

﴿ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾

''اور داود اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کے مقدمہ کا فیصلہ کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات چر گئی تھیں (اور اسے روند گئی تھیں) اور ہم اُن کے فیصلے کے وقت موجود تھے تو ہم نے فیصلہ (کرنے کا طریق) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم یعنی حکمت و نبوت اور علم بخشا تھا۔'' (الأنبیاء: 79'78/21)

قاضی شریح رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کا انگوروں کا باغ تھا۔ دوسرے لوگوں کی بکریاں رات کو باغ میں آ گئیں اور اسے نقصان پہنچایا۔ انہوں نے حضرت داود علیہ السلام کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے فیصلہ دیا کہ باغ والوں کو نقصان کے مطابق رقم ادا کی جائے۔ فریقین وہاں سے نکلے تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے کہا: ''اللہ کے نبی (داود) نے تمہارا کیا فیصلہ کیا ہے؟'' انہوں نے بتایا۔ آپ نے فرمایا: ''اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا کہ بکریاں باغ والوں کے حوالے کی جائیں، وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اُٹھائیں اور بکریوں والے باغ کو درست کر کے ویسا ہی کر دیں جیسا وہ پہلے تھا۔ تب اپنی بکریاں واپس لے لیں۔'' جب حضرت داود علیہ السلام تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے یہی فیصلہ نافذ فرما دیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو عورتوں کے پاس ایک ایک بچہ تھا۔ بھیڑیے نے حملہ کیا اور ایک عورت کا بچہ لے گیا۔ بڑی نے کہا: وہ تیرا بچہ لے گیا ہے۔ چھوٹی نے کہا: وہ تیرا بچہ لے گیا ہے۔ انہوں نے حضرت داود علیہ السلام کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا تو آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ باہر نکلیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ''چھری لاؤ! میں بچے کو چیر کر دونوں کو آدھا آدھا بچہ دے دوں گا۔'' چھوٹی نے کہا: نہیں نہیں ایسا نہ کریں ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ یہ بچہ بڑی ہی کا ہے'' سو آپ نے بچے کا فیصلہ چھوٹی کے حق میں کر دیا۔'' [1]

ممکن ہے ان کی شریعت میں دونوں حضرات کے کیے ہوئے فیصلوں کی گنجائش ہو لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ راجح تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی سمجھ داری کی تعریف فرمائی اور فرمایا:

﴿ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داود کے لیے مسخر کر دیا تھا کہ ان

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ......﴾، حديث: 3427 و صحيح مسلم، الأقضية، باب اختلاف المجتهدين، حديث: 1720

کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (مسخر کر دیا تھا) اور ہم ہی (ایسا) کرنے والے تھے اور ہم نے تمہارے لیے ان کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے، پس تم کو شکر گزار ہونا چاہیے۔" (الأنبیاء: 80'79/21)

ہوا اور جنات پر سلیمان علیہ السلام کی حکمرانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۗ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝ ﴾

"اور ہم نے تیز ہوا سلیمان کے تابع (فرمان) کر دی تھی جو اُن کے حکم سے اس ملک (شام) میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی اور ہم ہر چیز سے خبردار ہیں۔ اور جنات (دیووں کی جماعت کو بھی اُن کے تابع کر دیا تھا کہ اُن) میں سے بعض ان کے لیے غوطے مارتے تھے اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے اور ہم اُن کے نگہبان تھے۔" (الأنبیاء: 82'81/21)

اور سورۂ صٓ میں فرمایا:

﴿ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۙ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ ﴾

"پس ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا، وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی۔ ہر عمارت بنانے والے اور غوطہ خور جن کو بھی (آپ کے ماتحت کر دیا) اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے۔ یہ ہے ہمارا عطیہ، اب تو احسان کر یا روک رکھ، کچھ محاسبہ نہیں۔ ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔" (صٓ: 38/36-40)

جب آپ نے اللہ کی رضا کے لیے گھوڑے چھوڑ دیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عوض آپ کو ہوا کی سواری عنایت فرمائی جو زیادہ تیز رفتار، زیادہ قوت والی اور زیادہ عظیم تھی اور اس کو سنبھالنے اور دیکھ بھال کرنے کی مشقت اُٹھانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ ﴿ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴾ "وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے، نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی۔"

سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک قالین تھا، جس میں لکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ آپ اس پر حسب ضرورت مکانات، خیمے، گھوڑے، اونٹ، سازوسامان، اور جن وانس وغیرہ رکھ لیتے اور دشمنوں کے خلاف جہاد وغیرہ میں آپ اس ہوا کے ذریعے سے سفر کرتے تھے۔ آپ جہاں جانا چاہتے، آپ کے حکم سے ہوا اسے اُڑا کر وہاں لے جاتی تھی اور آپ جس رفتار سے سفر کرنا چاہتے، ہوا اسی تیزی سے چلتی تھی۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ ﴾

''اور ہوا کو (ہم نے) سلیمان کے تابع کر دیا تھا' اُس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی اور اُن کے لیے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنوں میں سے کچھ ایسے تھے جو اُن کے پروردگار کے حکم سے اُن کے آگے کام کرتے تھے اور جو کوئی اُن میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اُس کو ہم (جہنم کی) آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ وہ جو چاہتے، یہ اُن کے لیے بناتے یعنی قلعے اور مجسمے اور (بڑے بڑے) لگن یعنی پیالے جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں۔ اے داود کی اولاد! (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔'' (سبأ: 13'12/34)

اللہ تعالیٰ نے جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطیع کر دیا تھا۔ وہ ان کے حکم سے ہر کام انجام دیتے تھے اور کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی حکم عدولی کی جرأت کرتا تو آپ اسے سخت سزا دیتے تھے۔ وہ (جن) ان کے لیے محرابی عمارتیں بناتے اور دیواروں پر تصویریں بناتے۔ یہ کام حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا اور بڑے بڑے حوض بناتے اور بڑی بڑی دیگیں بناتے جو ایک ہی جگہ پڑی رہیں۔ ان میں کھانا پکا کر غریب انسانوں کو اور بعض جانوروں کو کھلایا جاتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ ﴾ ''اے آل داود! شکر کے طور پر نیک عمل کرو۔ میرے بندوں میں شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔''

اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ ﴾ ''ہر عمارت بنانے والے اور غوطہ خور جن کو بھی (آپ کے ماتحت کر دیا) اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے۔'' یعنی کچھ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرتے تھے اور کچھ شیطان جن آپ کی نافرمانی کرتے تھے۔ جنھیں زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا تھا۔ یہ سب جن اور انسان وغیرہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ماتحت مخلوقات میں شامل تھے۔ یہ آپ کی اس دعا کی قبولیت کے مظاہر تھے جو آپ نے اس طرح فرمائی تھی: ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ﴾ ''یا رب! مجھے

ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آج رات ایک شریر جن میرے سامنے آ گیا تا کہ میری نماز خراب کرے۔ میں نے اس پر اللہ کی توفیق سے قابو پالیا۔ میرا جی چاہا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تا کہ تم سب اسے دیکھو۔ پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا یاد آ گئی کہ انہوں نے فرمایا تھا: ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ﴾ ''اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک (اور ایسی حکومت) عطا فرما جو میرے سوا کسی کے لائق نہ ہو۔'' تب میں نے اسے ذلیل کر کے چھوڑ دیا۔''[1]

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ کو (نماز کے دوران میں) یہ فرماتے سنا: ''میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ میں تجھ پر اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں۔'' تین بار فرمایا اور آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا گویا کسی چیز کو پکڑنا چاہتے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آج آپ کو نماز میں وہ بات کہتے سنا ہے جو بات کہتے پہلے کبھی نہیں سنا اور ہم نے آپ کو ہاتھ بڑھاتے دیکھا ہے (اس کی کیا وجہ ہے؟)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا کہ میرے چہرے پر پھینک دے۔ تب میں نے تین بار کہا: میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ پھر میں نے کہا: میں تجھ پر اللہ کی ساری لعنت بھیجتا ہوں۔ تین بار کہنے پر بھی وہ پیچھے نہ ہٹا۔ میں نے چاہا کہ اسے پکڑ لوں۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ دعا نہ کی ہوتی تو وہ صبح کو بندھا ہوا ملتا، مدینے والوں کے بچے اس سے کھیلتے۔''[2]

ان شاء اللہ نہ کہنے کا نتیجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت سلیمان بن داود علیہما السلام نے فرمایا: ''میں آج ستر خواتین کے پاس جاؤں گا۔ ہر ایک سے ایک شہسوار پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔'' آپ کے ساتھی نے کہا: ''ان شاء اللہ کہیے!'' آپ نے نہ کہا، چنانچہ ان میں سے صرف ایک خاتون کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ اس کا بھی جسم آدھا تھا۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر آپ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو (آپ کی خواہش پوری ہوتی اور بچے پیدا ہو کر جوان

1. صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿ووهبنا لداود سليمان......﴾، حديث: 3423
2. صحيح مسلم، المساجد، باب جواز لعن الشيطان في أثناء الصلاة......، حديث: 541 و سنن النسائي، السهو، باب لعن إبليس والتعوذ بالله منه في الصلاة، حديث: 1216

ہوتے اور) وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔'' ❶

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سلیمان بن داود علیہما السلام نے فرمایا: ''آج رات میں سو عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ ہر ایک سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔'' آپ کو ان شاء اللہ کہنا یاد نہ رہا۔ آپ ان سب کے پاس گئے۔ ان میں سے کسی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوا۔ صرف ایک خاتون سے آدھا بچہ پیدا ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر آپ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو آپ کی خواہش پوری ہو جاتی۔'' ❷

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک عظیم سلطنت ملی تھی۔ آپ کا حکم صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنوں، جانوروں اور پرندوں پر بھی چلتا تھا۔ آپ کو ہر چیز حاصل تھی' اس لیے آپ نے فرمایا تھا: ﴿وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ''ہمیں سب کچھ دیا گیا ہے۔'' (النمل: 16/27) اور فرمایا: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۝﴾ ''اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی کے لائق نہ ہو۔'' (ص: ۳۵) چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی کہ جسے چاہیں جتنا چاہیں عطا فرمائیں۔ آپ کا اس بارے میں کوئی محاسبہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بادشاہ نبی کی شان ہے۔ ایک عبودیت کی شان رکھنے والا نبی کسی کو وہی کچھ دے گا جس کی اسے اجازت دی جائے گی۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو شاہانہ شان و شوکت والے نبی بن جائیں اور چاہیں تو [عَبْد] کی شان رکھنے والے نبی بن جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے مشورہ طلب کیا تو انھوں نے اشارہ فرمایا کہ تواضع اختیار فرمائیے تو آپ نے بندگی کا مقام رکھنے والا نبی بننا پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت میں قیامت تک کے لیے خلافت اور حکومت مقرر فرما دی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا میں تمام نعمتیں عطا فرمائیں۔ اس کے علاوہ آپ کو آخرت میں بھی عظیم ثواب، بلند ترین مقام اور عزت و شرف سے سرفراز فرمایا جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ۝﴾ ''ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔'' (ص: 40/38)

❶ صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' باب قول الله تعالى ﴿ووهبنا لداود سليمان ......﴾' حديث: 3424 و صحيح مسلم' الأيمان' باب الاستثناء في اليمين وغيرها' حديث:1654

❷ مسند أحمد: 275/2 و جامع الترمذي' النذور والأيمان' باب ماجاء في الاستثناء في اليمين' حديث:1532

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴾

''پھر جب ہم نے ان کے لیے موت کا حکم صادر کر دیا تو کسی چیز سے اُن کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جو اُن کا عصا کھاتا رہا۔ جب عصا گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔'' (سبأ : 14/34)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد گھن کا کیڑا ایک سال تک ان کے عصا کو کھاتا رہا۔ تب آپ کا جسم مبارک گرا۔ [1]

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کی عمر پچاس سال سے کچھ زیادہ تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کا بیٹا رحبعام بادشاہ ہوا۔ اس نے سترہ سال حکومت کی۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

[1] تفسیر الطبري: 92/12 تفسیر سورۃ سبأ، آیت: 14

نتائج و فوائد ...... عبرتیں و حکمتیں

نظام شوریٰ کی اہمیت و افادیت: حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے نظام شوریٰ کی ضرورت و اہمیت اور افادیت و فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ حکام بالا کا اہل علم اور اہل دانش سے امور مملکت کے متعلق مشورہ ہمیشہ مملکت اور عوام کے لیے نفع مند ثابت ہوتا ہے کیونکہ فرد واحد کی رائے اور عقل و دانش سے اہل خرد کے مجموعے کی رائے اور عقل و دانش بہتر ہوتی ہے۔ لیکن اگر حکام مجلس شوریٰ کے مشورے سے احتراز کرتے ہوئے فیصلہ کریں تو اس کے نقصانات اور مفاسد کے شواہد سے تاریخ انسانی بھری پڑی ہے۔

ملکہ بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا دھمکی آمیز خط موصول ہوا تو اس نے اکیلے ہی اس کے بارے میں فیصلہ نہیں کر لیا بلکہ اپنے امراء اور وزراء کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا:

﴿يَاأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ﴾

''اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہیں کیا کرتی۔'' (النمل: 16/27)

اس طرح ملکہ نے ان سے مشورے کے بعد اپنے اور اپنے عوام کی بہتری اور فلاح والا فیصلہ کیا۔ اس سے یہ بھی درس ملتا ہے کہ سربراہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ شوریٰ ہی کی رائے کے مطابق فیصلہ کرے بلکہ مشورے کے بعد جو صورت اسے بہتر نظر آئے وہ اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

مشورہ اور رائے دہی کا یہ مفید نظام ہزاروں سال پر محیط ہر حکومت کے دستور و قانون کا اہم اور لازمی حصہ رہا ہے۔ البتہ مختلف ادوار میں اس کے مختلف انداز رہے ہیں۔ شوریٰ کی اس افادیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾

''اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔'' (آل عمران: 159/3)

امام شوکانی رحمہ اللہ شوریٰ کے عمل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے امام ابن خویز منداد سے نقل کرتے ہیں کہ حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمائے کرام سے ایسے امور میں مشورہ کریں جو انہیں معلوم نہ ہوں یا جن کے بارے میں انہیں اشکال ہو، فوجی سربراہوں سے جنگی امور، عوامی نمائندوں سے عوام کی فلاح و بہبود اور ماتحت وزراء و رؤساء سے ان کے علاقوں

کے متعلق مشورہ کریں۔''[1]

✿ **عقیدہ اور ایمان انمول ہیں:** حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے یہ درس ملتا ہے کہ ایمان، عقیدہ، دین اور اسلام انمول ہیں۔ ان کے بدلے میں دنیا جہان کی ساری دولت و امارت ہیچ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو سورج کی پوجا ترک کر کے مالک حقیقی کی عبادت کی دعوت دی اور اسے مومن بن جانے کا حکم نامہ ارسال کیا۔ بصورت دیگر جنگ کی سخت وارننگ بھی دی۔ ملکہ نے آپ کو دنیوی بادشاہ سمجھ کر تحفے تحائف دے کر وفد ارسال کیا تو آپ نے انہیں جواب دیا:

﴿قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ﴾

''کیا تم مال سے مجھے مدد دینا چاہتے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے' جو اس نے تمہیں دیا ہے' لہٰذا تم ہی اپنے تحفے سے خوش رہو۔'' (النمل: 36/27)

یعنی تم ان ہیرے جواہرات سے میرے خزانوں میں کیا اضافہ کر سکتے ہو جبکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کے علاوہ ان سے بہتر نعمتوں سے نوازا ہے، لہٰذا تمھی ان دنیاوی تحائف سے خوش رہو۔

اس طرح آپ نے تا قیامت آنے والے اہل ایمان حکمرانوں کو یہ درس دیا کہ وہ دین کی نشر و اشاعت اور اس کی سربلندی کے بدلے بڑے سے بڑے دنیاوی لالچ کو بھی ٹھکرا دیں اور ایمان و عقیدے کی دعوت کو دنیا میں غالب کر کے دم لیں۔ آپ کے اسوۂ حسنہ میں موجودہ دور کے مسلم حکمرانوں کے لیے درس عبرت ہے جو چند ٹکوں کی خاطر ایمان اور اہل ایمان کے خلاف ہنود و یہود کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ اس میں ان مادہ پرست، لالچی اور ہوس کے مارے حکمرانوں کے لیے بھی درس ہے جو چند روزہ عیش و عشرت کی خاطر ایمان اور عقیدے کو بیچ دیتے ہیں اور کفار کے ساتھ یارانے مضبوط کرنے کے لیے اہل ایمان کے خلاف دن رات سازشوں میں مصروف رہتے ہیں۔

✿ **تواضع اور انکسار کا درس:** حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعے سے اہل علم کو تواضع اور انکسار کا درس ملتا ہے۔ علمائے کرام کو یہ درس ملتا ہے کہ انہیں اپنے علم پر غرور و تکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ نیز علم کے موتی جہاں اور جس سے ملیں حاصل کر لینے چاہئیں' اس میں مقام و مرتبہ کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔

ایک روز آپ نے ہدہد کو غیر حاضر پایا تو سخت ناراض ہوئے اور اس کو سزا دینے کا ارادہ بھی فرما لیا۔ جب ہدہد حاضر ہوا تو اس نے ایک زبردست انکشاف کیا، نیز آپ سے کہا:

﴿اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ﴾

''میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ آپ کو اس کی خبر ہی نہیں۔ میں سبا کی ایک سچی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔''

(النمل: 22/27)

---

[1] تفسیر فتح القدیر: 640/1، تفسیر سورۃ آل عمران آیت: 159

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کا ایسا مقام عظیم عطا فرمایا تھا کہ اس دور میں ایسا مقام کسی کو حاصل نہ تھا۔ نیز بادشاہت و سلطنت ایسی وسیع اور عظیم عطا کی تھی کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ مگر اس سب کے باوجود آپ نے ہدہد کی خبر پر اپنے علم و فضل پر فخر و غرور نہیں کیا۔ نہ ننھے ضعیف ہدہد کے علم پر اعتراض کیا بلکہ انبیاء کی شان کے عین مطابق تواضع اور انکسار اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اچھا ہم تحقیق کرتے ہیں کہ تو سچا ہے یا جھوٹا۔ یعنی اگر تو واقعی سچا ہوا تو تمہاری خبر کو تسلیم کر لیا جائے گا اور تیرے علم کو قبولیت ملے گی ورنہ تمہیں غیر حاضری کی سزا ملے گی۔

اس سے عہد حاضر کے علماء کو درس عبرت ملتا ہے کہ وہ حق بات کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیا کریں نہ اپنے علم و فضل پر غرور و تکبر کے مرض میں مبتلا ہوں بلکہ حق بات کو، بغیر یہ دیکھے کہ قائل کس مقام و مرتبہ کا حامل ہے قبول کیا کریں۔

عالم الغیب صرف ذات الٰہی ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے اہل ایمان کے اس عقیدے کی توثیق ہوتی ہے کہ علم غیب صرف پروردگارِ عالم کے پاس ہے۔ علم غیب کا دعویٰ کرنے والے جن، جوتشی، لوٹا گھمانے والے لٹیرے پیر، کالے علم کی کاٹ کے ماہرین، طوطے والی سرکاریں اور دیگر افراد اپنے دعووں میں جھوٹے اور دھوکے باز ہیں۔

اسی طرح جن لوگوں کا یہ باطل عقیدہ ہے کہ نبی کو ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کی خبر ہوتی ہے وہ بھی غلط ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لشکر کی دیکھ بھال کے دوران میں ہدہد کو غیر موجود پایا تو اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

﴿فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ﴾

''یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا؟ کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟''

اگر آپ کو ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کی خبر ہوتی تو آپ ہدہد کی غیر موجودگی پر اس طرح اظہار نہ فرماتے۔ ہدہد واپس آیا تو اس نے اپنی غیر حاضری کا اظہار جن الفاظ میں کیا وہ نبی کے لیے علم غیب کے دعویداروں کے خلاف واضح دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہدہد یوں گویا ہوا:

﴿أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ﴾

''میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ آپ کو اس کی خبر ہی نہیں۔'' (النمل: 22/27)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں جن علم غیب کے دعویدار بن گئے تھے مگر انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کی خبر بڑے عرصے کے بعد معلوم ہوئی۔ وہ اس عرصے میں حسب سابق اپنے فرائض ادا کرتے رہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ڈر سے ذرہ بھر کوتاہی سے ڈرتے رہے۔ اگر انہیں علم غیب ہوتا تو وہ طویل عرصے تک محنت و مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾

’’پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان کی خبر جنات کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا' پس جب (سلیمان) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔‘‘ (سبأ: 14/34)

✿ **توحید پرست ہدہد:** توحید وہ درس ہے جس کے اقرار اور اسے یاد دلانے کے لیے ایک لاکھ سے زائد انبیائے کرام اور رسل مبعوث کیے گئے۔ انہیں کتب اور صحیفوں سے رہنمائی دی گئی۔ یہ درس ہر انسان کی فطرت وسرشت میں بھی رکھا گیا ہے لیکن انسان اسے فراموش کر کے در بدر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ انسان اپنے اس جبلی اور فطری درس کو غلط ماحول، یا غلط تعلیم و تربیت کے سبب بھول جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

’’ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔‘‘[1]

گویا ہر انسان اسلام اور توحید کا درس اپنی جبلت میں لیے پیدا ہوتا ہے مگر اس کے والدین اسے گمراہ کر دیتے ہیں۔ توحید کا یہی درس اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا شعور و احساس جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ہدہد نے ملکہ بلقیس اور اس کی قوم کو پروردگار عالم کو چھوڑ کر سورج کو پوجتے دیکھا تو اسے سخت حیرت ہوئی، نیز اس کی غیرت نے ان کی یہ حرکت گوارا نہ کی تو فوراً سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ان کی شکایت لے کر پہنچ گیا۔ ملکہ بلقیس کو حاصل نعمتوں کا تذکرہ کیا، پھر اس کے قبیح جرم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

﴿وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝﴾

’’میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے، شیطان نے ان کے کام انہیں مزین کر کے دکھائے اور انہیں صحیح راہ سے روک دیا ہے' پس وہ ہدایت پر نہیں آتے کہ اسی اللہ کے لیے سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے۔‘‘ (النمل: 25'24/27)

غیر اللہ کو پکارنے والے، ان سے اولاد و رزق طلب کرنے والے اور انہیں دستگیر و گنج بخش ماننے والے انسانوں کے لیے توحید پرست ہدہد کا کلام نصیحت و ہدایت سے کم نہیں۔

✿ **فن تعمیر کا شاہکار محل:** ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر فرمانبردار بن کر اپنے لشکر سمیت حاضر خدمت ہوئی تو آپ نے اسے اپنے اوپر انعامات ربانی کا نظارہ کروایا۔ ہواؤں، سرکش جنوں اور جانوروں پر آپ کی بے مثال حکمرانی کی جھلک اسے دکھائی گئی۔ پھر آپ نے اسے دنیوی شان وشوکت دکھانے کی غرض سے ماہرین فن تعمیر کو ایک شاہکار محل بنانے

[1] صحيح البخاري، التفسير، تفسير سورة الروم، حديث: 4775 و صحيح مسلم، القدر، حديث: 2658

کا حکم دیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں ماہرین نے ایک شاندار محل بنایا۔ محل کا فرش شفاف، چمکدار اور ملائم شیشے سے بنایا گیا۔ پھر اس کے نیچے سے پانی گزارا گیا تو فرش کی خوبصورتی اور دلکشی دوبالا ہوگئی۔ فرش ایسے محسوس ہونے لگا جیسے پانی کا کوئی حوض ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام محل میں اپنے تخت پر تشریف فرما ہوئے اور پھر ملکہ بلقیس کو حاضری کی اجازت دی گئی۔ ملکہ محل میں داخل ہوئی تو فرش کی چمک دمک سے وہ سمجھی کہ پانی کا حوض ہے لہٰذا اس نے پائنچے اوپر اٹھا لیے تاکہ کپڑے گیلے نہ ہوں۔ اس پر اسے بتایا گیا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ شفاف و چمکدار فرش ہے۔ ملکہ بلقیس کے لیے یہ منظر بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کی یوں منظر کشی کی ہے:

﴿ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

''اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی چلو، جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں (سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے۔ کہنے لگی میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں۔''
(النمل: 44/27)

- **شکر گزاری کا درس:** حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کا درس ملتا ہے۔ شکر نئی نعمتوں کے حصول اور پرانی نعمتوں کی بقا اور دوام کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾

''اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا۔'' (إبراهيم: 7/14)

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو نبوت و بادشاہی سے سرفراز کیا۔ ان دو عظیم نعمتوں کے علاوہ درج ذیل بے مثال نعمتوں سے بھی آپ کو نوازا۔

- ہوا کو آپ کے تابع کر دیا گیا' لہٰذا آپ مہینوں کا سفر لمحوں اور ساعتوں میں طے کر لیتے تھے اور اپنے تخت و لشکر کو جہاں چاہتے لے جاتے۔
- سرکش جن آپ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ لہٰذا وہ آپ کے حکم پر محلات اور قلعے تعمیر کرتے، سمندر میں ڈبکی لگا کر قیمتی پتھر اور موتی نکال لیتے اور ہر طرح کا حکم بجا لاتے۔
- جانوروں کی لغت آپ کو سمجھا دی گئی' لہٰذا آپ جانوروں کا کلام سمجھ کر حسب حال فیصلے فرماتے۔
- ملکہ بلقیس کے محل سے اس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے لا موجود کرنے والے افراد آپ کے پیروکار تھے۔ جب آپ

نے اس کمال درجے کی سرعت سے تخت اپنے پاس دیکھا تو فوراً اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے:

﴿ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝ ﴾

''فرمانے لگے یہی میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری۔ شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پروا اور بزرگ ہے۔'' (النمل: 40/27)

ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتوں پر ہر دم شکر گزار رہنا چاہیے تاکہ مزید رحمت الٰہی کا حصول ہو۔

قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ خیر

اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات میں عیسائیوں کے عقیدے کی تردید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان پر برسے' وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے' جو کچھ وہ کہتے ہیں' بہت بلند و بالا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ان کی شکل وصورت بنائی' انہیں بغیر باپ کے پیدا فرمایا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے "کُن" کہہ کر پیدا فرمایا۔ نیز حضرت مریم علیہا السلام کے حالات بھی بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۞ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۞ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۞ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ

وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

''اللہ نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔ (وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار! جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں۔ اُسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی سو (اسے) میری طرف سے قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! میں نے تو لڑکی جنم دی ہے اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا، اللہ کو خوب معلوم تھا اور (نذر کے لیے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا۔ زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم! یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ بولیں: اللہ کے ہاں سے (آتا ہے۔) بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔'' (آل عمران: 3/33-37)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے پابند شریعت اور اطاعت گزار افراد کو منتخب اور ممتاز فرمایا ہے۔ ان میں سے آل ابراہیم کو خاص شرف حاصل ہے جن میں آل اسماعیل بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد آل ابراہیم کے ایک پاک باز گھرانے کا شرف بیان فرمایا ہے۔ وہ حضرت عمران کا گھرانا ہے جو مریم علیہا السلام کے والد محترم تھے۔ حضرت عمران اپنے زمانے کے بہت نیک اور عبادت گزار آدمی تھے۔ مریم علیہا السلام کی والدہ محترمہ ''حنہ بنت فاقوذ'' بھی عبادت گزار خاتون تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کی بہن ''اشیاع'' کے شوہر تھے۔ بعض علماء نے ''اشیاع'' کو حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ اور حضرت زکریا علیہ السلام کو خالو قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن انھوں نے ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچے کو چوگا دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ان کے دل میں اولاد کی شدید خواہش پیدا ہوئی اور انھوں نے نذر مان لی کہ اگر اللہ نے اولاد دی تو اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی۔

علماء فرماتے ہیں: یہ نذر مانتے ہی انہیں ماہانہ ایام شروع ہو گئے۔ جب وہ پاک ہوئیں تو ان کے شوہر نے ان سے مقاربت کی۔ جس کے نتیجے میں وہ امید سے ہو گئیں۔ جب بچی (مریم علیہا السلام) کو جنا تو کہنے لگیں: ﴿رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ

﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ﴾ ''پروردگار! میں نے تو لڑکی جنم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ اس نے کیا جنم دیا' اورلڑکا لڑکی جیسا نہیں۔'' آپ کو امید تھی کہ لڑکا ہوگا۔ جب لڑکی پیدا ہوئی تو مایوسی سے کہا: یہ تو لڑکی ہے، مسجد کی خدمت نہیں کر سکے گی اور میری نذر پوری نہیں ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ ﴾ ''میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔'' سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کا نام پیدائش کے دن بھی رکھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ مروی ہے کہ ان کے بھائی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو گھٹی دی اور ''عبداللہ'' نام رکھ دیا۔[1]

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر لڑکا اپنے عقیقے کے عوض گروی رکھا ہوا ہوتا ہے۔ ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے اور بچے کا نام رکھا جائے اور سر کے بال اتارے جائیں۔''[2]

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے فرمایا: ﴿ اِنِّىْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾ ''میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔'' ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور نذر بھی قبول ہوگئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بچے کو پیدائش کے وقت شیطان چھوتا ہے، وہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے چیخنے لگتا ہے، سوائے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے۔'' اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿ اِنِّىْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾ ''میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''[3]

حضرت مریم علیہا السلام حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں

حضرت مریم علیہا السلام قوم کے سردار اور قائد کی بیٹی تھیں مگر وہ آپ کی پیدائش کے وقت فوت ہو چکے تھے۔ دیگر معززین قوم میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ اپنے سردار کی بیٹی کی پرورش کا شرف اسے ملے' لہٰذا قرعہ اندازی کی گئی تو یہ شرف حضرت زکریا علیہ السلام کے حصے میں آیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ﴾

---

[1] صحيح البخاري' العقيقة' باب تسمية المولود غداة يولد......' حديث:5470 و صحيح مسلم' الآداب' باب استحباب تحنيك المولود......' حديث:2144

[2] مسند أحمد: 8/5 و سنن أبي داود' الضحايا' باب في العقيقة' حديث:2837

[3] مسند أحمد:275/2

''پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی۔ اس کی خیر خبر لینے والا زکریا کو بنایا۔'' (آل عمران:37/3)

بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئیں، آپ کی والدہ نے آپ کو کپڑے میں لپیٹا اور مسجد کی طرف تشریف لے گئیں۔ جو عبادت گزار وہاں موجود تھے، مریم کو ان کے حوالے کر دیا۔ وہ ان کے امام اور متقی آدمی کی بیٹی تھیں، اس لیے ان میں سے ہر ایک نے اسے پاس رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مریم کی والدہ نے حضرت مریم کو خدام مسجد کے حوالے اس وقت کیا جب ان کی دودھ پلانے کی عمر گزر گئی اور اتنی عمر ہوگئی کہ ان کی پرورش کی ذمہ داری کسی اور کو سونپنا مناسب ہو۔

جب آپ کو خدام مسجد کے حوالے کیا گیا تو ان میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ آپ کی سرپرستی کون کرے گا؟ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے نبی تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام کی بہن یا خالہ تھیں، اسی لیے آپ نے چاہا کہ یہ شرف ان کو حاصل ہو۔ دوسرے خدام بھی یہی خواہش رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے قرعہ ڈالنے کی تجویز پیش کی، چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی تو قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام ہی کے نام نکلا کیونکہ خالہ ماں کے مقام پر ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ ''اور زکریا اس کے کفیل ہوئے۔'' کیونکہ قرعہ ان کے نام نکلا تھا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾

''(اے محمد!) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا کفیل کون بنے گا تو تم ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اُس وقت ہی اُن کے پاس تھے جب کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔'' (آل عمران:44/3)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا معروف قلم اُٹھا کر ایک خاص جگہ رکھ دیا۔ پھر ایک نابالغ بچے سے کہا کہ ان میں سے ایک قلم اُٹھائے۔ اس نے جو قلم اُٹھایا وہ زکریا علیہ السلام کا تھا۔ سب نے کہا: ہم دوبارہ قرعہ اندازی کریں گے اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ سب لوگوں کے قلم بہتے دریا میں ڈالے جائیں، جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے خلاف اُلٹے رخ بہنے لگے گا، وہ مریم کی کفالت کرے۔ جب قلم ڈالے گئے تو حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم اُلٹے رخ بہنے لگا۔ انہوں نے کہا: تیسری بار قرعہ ڈالنا چاہیے۔ جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے رخ چلے، وہ جیتے گا اور جس کا الٹے رخ چلے گا وہ ہارے گا۔ اس دفعہ بھی سب کے قلم اُلٹے رخ بہنے لگے اور حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی میں سیدھے رخ بہتا رہا، چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام ہی حضرت مریم علیہا السلام کے سرپرست تسلیم کیے گئے۔ یہ ان کا شرعی حق بھی تھا اور قرعہ سے بھی

انہی کا حق ثابت ہوا۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾

''جب کبھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے، ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے، وہ پوچھتے: اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ وہ جواب دیتیں: یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے، بے حساب روزی دے۔'' (آل عمران: 37/3)

مفسرین فرماتے ہیں: حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے مسجد میں ایک مناسب جگہ مقرر کر دی تھی جہاں ان کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا۔ آپ وہاں عبادت میں مشغول رہتیں اور اپنی باری پر مسجد کی خدمت کے ضروری فرائض انجام دیتیں۔ آپ رات دن عبادت میں مشغول رہتی تھیں، حتی کہ آپ کی عبادت بنی اسرائیل میں ضرب المثل بن گئی۔ آپ کی شریفانہ عادات اور عمدہ صفات مشہور ہو گئیں، یہاں تک کہ کیفیت یہ ہو گئی کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام ان کی عبادت کے حجرے میں تشریف لے جاتے، انہیں وہاں بے موسم پھل نظر آتے، یعنی موسم سرما میں گرمیوں کے میوے اور موسم گرما میں سردیوں کے پھل موجود ہوتے تھے۔ آپ پوچھتے: ﴿ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ﴾ ''مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟'' وہ جواب دیتیں: ﴿ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ ''یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب روزی دے۔''

یہ عجوبہ دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں بیٹے کی خواہش پیدا ہوگئی' حالانکہ آپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ تب آپ نے فرمایا: ﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴾ ''اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما! بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔'' (آل عمران: 38/3)

بعض علماء کے بقول حضرت زکریا علیہ السلام نے اس طرح دعا کی تھی: ''اے مریم کو بے موسم پھل عطا کرنے والے! مجھے بھی بے موسم اولاد عطا فرما دے!'' پھر وہ سب کچھ ہوا جو ہم پہلے ان کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کی خواتین عالم پر سرفرازی

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو پاک کر کے اپنا برگزیدہ بنا لیا اور انہیں عورتوں میں سے منتخب فرما کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

[1] تفسیر ابن کثیر' سورۃ آل عمران' آیت: 44

کی خوشخبری دے دی' جو آئندہ بنی اسرائیل کے رسول اور رہنما بننے والے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ ﴾

''اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم! اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں منتخب کیا ہے۔ مریم! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا اور سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا۔ (اے محمد!) یہ باتیں اخبار غیب سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا کفیل کون بنے؟ تو تم اُن کے پاس نہیں تھے اور نہ اُس وقت ہی ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اے مریم! اللہ تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں باآبرو اور (اللہ کے) خاصوں میں سے ہوگا اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے یکساں کلام کرے گا اور نیکوکاروں میں ہوگا۔ مریم نے کہا کہ پروردگار! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تو لگایا نہیں؟ فرمایا کہ اللہ اسی طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ انہیں لکھنا (پڑھنا) اور دانائی اور تورات اور انجیل

سکھائے گا اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہوکر آئیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت بہ شکل پرندہ بناتا ہوں پھر اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے (سچ مچ) پرندہ بن جاتا ہے اور اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو، سب تم کو بتا دیتا ہوں۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لیے بھی (آیا) ہوں کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں اُن کو تمہارے لیے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو! کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے، سو اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا رستہ ہے۔'' (آل عمران:3/42-51)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوش خبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے زمانے کی تمام عورتوں میں بلند مقام عطا فرمایا ہے اور انہیں اس شرف کے لیے منتخب فرما لیا ہے کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے بچہ پیدا کرنے کی قدرت کا اظہار فرمائے گا۔ اس کے علاوہ یہ خوش خبری بھی دی کہ پیدا ہونے والا بچہ ایک معزز نبی ہوگا۔ وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں باتیں کرے گا۔ وہ بچپن میں بھی لوگوں کو توحید کی دعوت دے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ادھیڑ عمر کو پہنچیں گے اور اس عمر میں بھی لوگوں کو توحید کی طرف بلائیں گے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا گیا کہ بکثرت عبادت اور رکوع و سجود میں مشغول رہیں تا کہ اس عزت افزائی کی مستحق ثابت ہوں اور اس نعمت کا شکر ادا ہو۔ اس حکم کی تعمیل میں آپ بہت طویل قیام کیا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے والدین پر رحمت نازل فرمائے۔

فرشتوں نے کہا: ﴿يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب کر لیا۔'' اس سے مراد اس زمانے کی عورتوں پر افضلیت بھی ہو سکتی ہے اور ہر زمانے کی تمام خواتین پر افضلیت بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ بعض حضرات کے نزدیک حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت کا مقام حاصل تھا۔ ان علماء کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بھی نبی تھیں کیونکہ ان سے فرشتوں نے کلام کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لیے قرآن مجید میں ''وحی'' کا لفظ وارد ہے۔ اس صورت میں آیت کا یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام ان خواتین سے بھی افضل ہیں۔ تاہم امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کے مطابق اہل سنت و جماعت کے اکثر علمائے کرام کا موقف یہ ہے کہ نبوت کا منصب مردوں کے لیے خاص ہے اور عورتوں میں سے کوئی مقام نبوت پر فائز نہیں ہوئی، لہٰذا آیت مبارکہ

کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو مقام صدیقیت کی حامل خواتین میں سب سے بلند مقام عطا فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چار خواتین تمام جہانوں کی عورتوں سے افضل ہیں: مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''جب آپ نے جھک کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی تھی تو آپ کیوں رو پڑی تھیں اور پھر کیوں ہنس دی تھیں؟'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آپ اسی بیماری میں وفات پا جائیں گے۔ اس پر مجھے رونا آ گیا، پھر میں جھکی تو آپ نے فرمایا کہ گھر کے افراد میں سے سب سے پہلے میں (فوت ہوکر) آپ سے جاملوں گی اور یہ بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا تمام خواتین جنت کی سردار ہوں گی، تب میں ہنس دی۔''[2]

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چار خواتین میں سے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ زیادہ ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردوں میں تو بہت سے افراد کامل ہوئے۔ عورتوں میں صرف فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں سے اس طرح افضل ہیں جس طرح ثرید دوسرے تمام کھانوں سے افضل ہوتا ہے۔''[3]

کمال سے مراد غالباً اپنے اپنے دور میں کمال کا حصول ہے کیونکہ ان دونوں خواتین نے ہونے والے نبیوں کی پرورش کی۔ حضرت آسیہ علیہا السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس امت میں کوئی خاتون کمال کے اس درجے کو نہیں پہنچ سکتی۔ حضرت خدیجہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما باکمال ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بعثت سے پہلے پندرہ سال اور بعثت کے بعد دس سال گزارے۔ اپنی تمام دولت اللہ کی راہ میں قربان کر دی اور مشکلات کے دور میں آپ کی دلجوئی فرمائی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہنوں پر یہ افضلیت حاصل ہے کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جب کہ آپ کی دوسری بہنیں نبی علیہ السلام کی زندگی میں فوت ہو چکی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سے وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کے سوا کوئی ام المؤمنین کنواری ہونے کی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نہیں آئیں۔ جب منافقوں نے آپ کی عزت پر انگشت

---

[1] مسند أحمد: 368/2

[2] صحيح البخاري، الاستئذان، باب من ناجى بين يدي الناس......، حديث: 6285'6286 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة...... حديث: 2450

[3] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم، باب فضل عائشة رضی اللہ عنہا، حديث: 3769

نمائی کی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کی بریت نازل فرمائی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد تقریباً پچاس سال زندہ رہیں۔ اس دوران میں آپ رضی اللہ عنہا قرآن وسنت کی تبلیغ میں مشغول رہیں، مشکل شرعی مسائل میں آپ فتووں کے ذریعے سے امت کی رہنمائی فرماتی رہیں اور اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں صلح کرواتی رہیں۔ اس لیے بعض علمائے کرام نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سمیت تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے افضل قرار دیا ہے، تاہم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک دوسرے سے افضل قرار دینے کے مسئلہ میں خاموشی ہی بہتر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت حوا علیہا السلام کو بغیر ماں کے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس محیر العقول واقعہ کو سورۂ مریم میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۪ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۟ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۚ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۖ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۙ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ

اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

''اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں تو انہوں نے اُن کی طرف سے پردہ کرلیا (اُس وقت) ہم نے اُن کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا تو وہ اُن کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا۔ مریم بولیں کہ اگر تم پرہیز گار ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اور اس لیے آیا ہوں) کہ تمہیں پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ (فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ میرے لیے آسان ہے اور (میں اُسے اسی طریق سے پیدا کروں گا) تاکہ اُس کو لوگوں کے لیے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہ) رحمت (اور مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے۔ سو وہ اس (بچے) کے ساتھ حاملہ ہوگئیں اور اسے لے کر ایک دور جگہ چلی گئیں' پھر دردِ زہ اُن کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔ کہنے لگیں: کاش! میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی۔ اُس وقت اُن کے نیچے کی جانب سے فرشتے نے اُن کو آواز دی کہ غمناک نہ ہو۔ تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ' تم پر تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔ تو کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو' اگر تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہنا کہ میں نے اللہ کے لیے روزے کی منت مانی ہے' لہٰذا آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔ پھر وہ اس بچے کو اُٹھا کر اپنی قوم کے پاس لے آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ مریم! یہ تو تو نے برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ بداطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔ تب تو مریم نے اُس لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولے کہ ہم اس سے کیسے بات کریں کیونکہ یہ تو گود کا بچہ ہے۔ بچے نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحبِ برکت کیا ہے اور جب تک زندہ رہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کرکے اُٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (و رحمت) ہے۔ یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں۔ (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ اللہ کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ پاک ہے۔ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اور بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے' سو اسی کی عبادت کرو! یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر (اہلِ کتاب کے) فرقوں نے باہم اختلاف کیا۔ سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں اُن کے لیے

بڑے دن (قیامت کے روز) حاضر ہونے سے خرابی ہے۔'' (مریم : 19/16-37)

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾

''اور (اُس) مریم کو (بھی یاد کرو) جس نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا۔ تو ہم نے اُن میں اپنی روح پھونک دی اور اُن کو اور اُن کے بیٹے کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔'' (الأنبياء : 91/21)

جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی والدہ محترمہ نے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ کے سرپرست حضرت زکریا علیہ السلام تھے جو اللہ کے نبی تھے۔ انہوں نے آپ کے لیے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا کہ وہاں اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ آپ نے اتنی محنت اور شوق سے اللہ کی عبادت کی کہ اس دور میں اس کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ پر خاص فضل کیا اور بے موسم پھل عطا فرمائے۔

فرشتوں نے آپ کو اللہ کی منتخب بندی ہونے کی بشارت دی۔ نیز یہ بشارت بھی دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹا عطا فرمائے گا جو انتہائی پاک باز، معزز، بلکہ ایک محترم نبی ہوگا، جسے معجزات دیے جائیں گے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو اس خوش خبری پر بہت تعجب ہوا کیونکہ وہ شادی شدہ بھی نہ تھیں اور بدکرداری سے بھی مبرا و منزہ تھیں۔ فرشتے نے انہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لے تو اس کا ''کُن'' کہنا کافی ہوتا ہے۔ وہ کام بغیر اسباب کے بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ کی مرضی پر سر تسلیم خم کر دیا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ معاملہ ان کے لیے ایک بڑی آزمائش کا باعث ہوگا۔ لوگ حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے زبان طعن دراز کریں گے کیونکہ عام لوگ ظاہر کو دیکھتے ہیں، غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ حضرت مریم علیہا السلام صرف ضروری کام کے لیے مثلاً پانی وغیرہ لینے کے لیے مسجد سے نکلتی تھیں یا ماہانہ عذر کے ایام مسجد سے باہر گزارتی تھیں۔ ایک دن وہ کسی کام کے لیے مسجد سے نکلیں اور ''گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک مشرقی مکان میں آئیں۔'' یعنی مسجد اقصیٰ کے مشرق کی طرف تشریف لے گئیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیج دیا۔ پس وہ ان کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ جب انہوں نے فرشتے کو دیکھا تو اسے انسان سمجھ کر بولیں: ﴿ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴾ ''میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔'' جبریل علیہ السلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے واضح کیا کہ وہ انسان نہیں بلکہ انہیں اللہ نے یہ خوش خبری دینے کے لیے بھیجا ہے کہ آپ کو ایک پاک باز بیٹا ملنے والا ہے۔ انہوں نے تعجب سے کہا ﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴾ ''بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار رہوں؟''

فرشتے نے جواب دیا کہ یہ تو اللہ کا حکم ہے، جو پورا ہو کر رہے گا۔ تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ یہ مجھ پر بہت آسان

ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے۔ وہ اسباب وعلل کا محتاج نہیں۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، جن کی پیدائش میں نہ کسی مرد کا حصہ تھا نہ عورت کا۔ اسی نے حضرت حوا علیہا السلام کو صرف مرد سے پیدا کیا۔ اس نے باقی سب کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ماں سے بغیر باپ کے پیدا کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ﴾ ''ہم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشان بنا دیں گے اور اپنی خاص رحمت۔'' وہ جوانی اور بڑھاپے میں اللہ کی طرف بلانے والا ہوگا۔ ﴿ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴾ ''یہ تو ایک طے شدہ بات ہے۔''

متعدد علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری۔ یہی پھونک آپ کے بطن میں پہنچ کر بچے کی ولادت کا سبب بن گئی۔ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کے منہ میں پھونک ماری تھی۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ﴾

''اور مریم بنت عمران، جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی۔ پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں ایک جان پھونک دی۔'' (التحریم: 12/66)

آپ بطن مادر میں کتنا عرصہ رہے؟ بظاہر یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح عورتوں کی حالت ہوتی ہے، اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کی کیفیت ہوئی، یعنی تقریباً نو ماہ کی مدت اس حال میں گزری۔ بعض کہتے ہیں کہ حمل وولادت کا سارا معاملہ آناً فاناً طے ہو گیا۔ بعض لوگوں نے نو گھنٹے کی مدت بیان کی ہے۔ وہ اس فرمان الٰہی سے استدلال کرتے ہیں: ﴿ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ﴾ ''پس وہ حمل سے ہو گئیں اور اسی وجہ سے وہ یکسو ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں۔ پھر دردِ زہ انہیں ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا۔'' (مریم: 22/9-23)

تاہم یہ استدلال مضبوط نہیں بلکہ یہ معمول کے مطابق حمل اور ولادت کا معاملہ تھا۔

حضرت مریم علیہا السلام کے امید سے ہونے کی خبر ہر جگہ پھیل گئی جس سے آپ کو اور آپ کے خاندان کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض بدکردار لوگوں نے آپ کو یوسف نجار کے ساتھ متہم کر دیا۔ وہ بھی ایک نیک آدمی تھا جو بیت المقدس میں عبادت میں مشغول تھا۔ چنانچہ مریم علیہا السلام ان سب سے الگ ہو کر ایک دور دراز مقام پر تشریف لے گئیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ ''بیت لحم'' کی بستی میں چلی گئیں۔ بعد میں اسی مقام پر کسی بادشاہ نے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کر دی۔

''پھر دردِ زہ اسے ایک کھجور کے تنے کے قریب لے آیا۔ اور بے ساختہ زبان سے نکلا: ﴿ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴾ ''کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور (لوگوں کی یاد سے بھی) بھولی بسری ہو جاتی۔'' (مریم: 23/19) آپ اس وقت دوگونہ تکلیف میں مبتلا تھیں۔ جسمانی طور پر ولادت کے درد سے دوچار تھیں اور ذہنی طور پر

مستقبل کے تفکرات میں گھری ہوئی تھیں۔ آپ کو یقین تھا کہ لوگ آپ کی باتوں پر اعتبار نہیں کریں گے بلکہ الزام تراشی اور طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کر دیں گے۔ آپ ایک مقدس گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور خود بھی عبادت کے لیے خلوت نشین تھیں اور زہد وریاضت میں ممتاز تھیں۔ لوگ آپ کے بارے میں ہر قسم کی بدگمانی کا اظہار کریں گے، یہ خدشہ آپ کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ اس لیے آپ کی زبان پر موت کی خواہش کے الفاظ آ گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴾ ''اس نے اسے نیچے سے آواز دی کہ آزردہ خاطر نہ ہو، تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔'' (مریم: 24/19) یہ آواز کس نے دی؟ بہت سے علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جنھوں نے آپ کو آواز دی۔ البتہ بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آواز خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ [1] پھر آپ سے کہا گیا: ﴿ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ﴾ ''چین سے کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ۔'' جس درخت کے تنے کو ہلانے سے آپ کو تازہ کھجوریں ملنے کی خوش خبری دی گئی تھی وہ خشک تنا تھا یا پھل دار درخت؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ درخت تو کھجور ہی کا تھا لیکن اس پر پھل نہیں تھے کیونکہ آپ کی ولادت موسم سرما میں ہوئی تھی اور اس وقت کھجور پر پھل نہیں لگتے۔ اس لیے اللہ نے احسان کے طور پر فرمایا: ﴿ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴾ ''کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرا دے گا۔'' (مریم: 25/19)

پھر اسی آواز دینے والے نے کہا: اگر تجھے کوئی انسان نظر آ جائے تو (اشارے سے) کہہ دینا: ﴿ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴾ ''میں نے اللہ رحمان کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔'' (مریم: 26/19) ان کی شریعت میں ترک کلام کے ساتھ روزہ رکھنا جائز تھا۔ ہماری شریعت میں ''چپ کا روزہ'' رکھنا منع ہے۔ [2]

علمائے کرام نے اہل کتاب سے نقل کیا ہے کہ مریم علیہا السلام کئی دن تک نظر نہ آئیں۔ لوگ آپ کی تلاش میں نکلے۔ جب ملیں تو ان کی گود میں بچہ تھا۔ وہ حیران رہ گئے اور بولے: ﴿ يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴾ ''مریم! تو نے بڑی بری حرکت کی۔'' لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ﴾ ''وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ہی تشریف لائی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپ نفاس کے چالیس دن کی مدت مکمل کرنے کے بعد واپس آئی تھیں۔

انھوں نے کہا: ﴿ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ ﴾ ''اے ہارون کی بہن!'' سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہارون اس زمانے

---

[1] تفسیر الطبري: 86/9 تفسیر سورة مریم، آیت: 24

[2] سنن أبي داود، الأیمان، باب النذر في المعصیة، حدیث: 3300 و مسند أحمد: 168/4

کے ایک عبادت گزار ولی تھے۔ مریم بھی اسی کی طرح بہت عبادت کرتی تھیں۔ اس لیے لوگوں نے آپ کو اس سے تشبیہ دیتے ہوئے ہارون کی بہن کہہ دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے نبی ہارون علیہ السلام کی طرح عبادت گزار ہو۔ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ نے آپ علیہا السلام کو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی سگی بہن قرار دیا ہے' یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان کئی صدیوں کا فاصلہ ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: ''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران بھیجا۔ وہاں کے لوگوں نے مجھ سے کہا: تم لوگ جو قرآن میں پڑھتے ہو ﴿ يَٰٓأُخْتَ هَٰرُونَ ﴾ ''اے ہارون کی بہن!'' موسیٰ علیہ السلام تو عیسیٰ علیہ السلام سے بہت مدت پہلے گزرے ہیں؟ (پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟) وہ فرماتے ہیں: میں نے سفر کر کے (مدینہ پہنچ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بیان کی۔ آپ نے فرمایا: ''تو نے انہیں کیوں نہ بتایا کہ وہ لوگ اپنے انبیاء واولیاء کے نام پر نام رکھ لیا کرتے تھے؟''[1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم کا ایک بھائی ہارون بھی تھا جو دین داری، نیکی اور عبادت میں مشہور تھا۔ اس لیے انہوں نے کہا: ﴿ مَا كَانَ أَبُوكِ ٱمْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴾ ''نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا، نہ تیری ماں بدکار تھی۔'' (مریم: 28/19) یعنی تیرا بھائی بھی نیک تھا، ماں باپ بھی نیک تھے، پھر تجھ سے یہ غلطی کس طرح ہوگئی؟

جب صورت حال نازک ہوگئی اور اللہ کے سوا کہیں سے مدد کی توقع نہ رہی تو مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے پوچھ لو، یہ خود ہی حقیقت کا اظہار کرے گا۔ سب کہنے لگے: ﴿ كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِى ٱلْمَهْدِ صَبِيًّا ﴾ ''لو بھلا ہم گود کے بچے سے کیسے باتیں کریں؟'' (مریم: 29/19)

جب حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے قوم کے پاس تشریف لائیں، قوم کے لیے یہ تسلیم کرنا ناممکن ہوگیا کہ بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم سے معجزانہ خطاب کیا۔

وہ حضرت مریم علیہا السلام سے بحث کر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہ ہم سے مذاق کر رہی ہیں۔ اچانک بچہ معجزانہ طور پر بول اُٹھا:

﴿ إِنِّى عَبْدُ ٱللَّهِ ءَاتَىٰنِىَ ٱلْكِتَٰبَ وَجَعَلَنِى نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِى مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَٰنِى بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّۢا بِوَٰلِدَتِى وَلَمْ يَجْعَلْنِى جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَٱلسَّلَٰمُ عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴾

''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے

---

[1] سنن أبي داود، الأيمان، باب النذر في المعصية، حديث: 3300 و مسند أحمد: 168/4

جہاں بھی میں رہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا اور مجھ پر میری پیدائش کے دن، میری موت کے دن اور جس دن میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا، سلام ہی سلام ہے۔'' (مریم:19/30-33)

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا پہلا کلام ہے۔ آپ نے سب سے پہلے جو بات کہی وہ یہ تھی کہ ﴿ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ﴾ ''میں اللہ کا بندہ ہوں۔'' آپ نے نہ اللہ کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا نہ اللہ کا شریک۔ اس سے عیسائیوں کے اس عقیدے کی نفی ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ بھی خدا تھے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس الزام کی تردید کی جو آپ کی والدہ محترمہ پر لگایا جا رہا تھا اور جس کی وجہ سے خود آپ کو ناجائز بچہ قرار دیا جا رہا تھا۔ آپ نے واضح کیا کہ آپ کو اللہ نے کتاب وحکمت عطا فرمائی ہے اور جسے یہ شرف حاصل ہو، اس کی ولادت غیر شرعی طریقے سے نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بہتان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَّ بِکُفۡرِہِمۡ وَ قَوۡلِہِمۡ عَلٰی مَرۡیَمَ بُہۡتَانًا عَظِیۡمًا ﴾ ''اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث (اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔'') (النساء:4/156)

عیسائیوں کو دعوت مباہلہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا صحیح واقعہ بیان فرمایا اور بتایا کہ صحیح اور سچا واقعہ اسی طرح ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کے گستاخانہ عقائد اور عیسائیوں کے گمراہی پر مبنی عقائد کی تردید فرمائی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ ذٰلِکَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِیۡ فِیۡہِ یَمۡتَرُوۡنَ ۞ مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنۡ یَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ ۙ سُبۡحٰنَہٗ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۞ ﴾

''یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔ اللہ کی شان کے لائق نہیں کہ اس کی اولاد ہو۔ وہ تو بالکل پاک ذات ہے۔ وہ تو جب کسی کام کے سرانجام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا! وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔'' (مریم:19/34'35)

قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی پوری تاکید کے ساتھ یہی بات بیان فرمائی گئی ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ذٰلِکَ نَتۡلُوۡہُ عَلَیۡکَ مِنَ الۡاٰیٰتِ وَ الذِّکۡرِ الۡحَکِیۡمِ ۞ اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۞ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ۞ فَمَنۡ حَآجَّکَ فِیۡہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمۡ وَ اَنۡفُسَنَا وَ اَنۡفُسَکُمۡ ۟ ثُمَّ نَبۡتَہِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ۞ اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ ۚ وَ مَا مِنۡ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۞ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِالۡمُفۡسِدِیۡنَ ۞ ﴾

''(اے محمد!) یہ ہم تم کو (اللہ کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم جیسا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے اُن کا قالب بنایا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔ (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ سو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو اُن سے کہنا کہ آؤ، ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں۔ تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعا والتجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ یہ تمام بیانات صحیح ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے' سو اگر یہ لوگ پھر جائیں تو اللہ مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔'' (آل عمران:3/58-63)

یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں، جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ سے بحث ومناظرہ کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا جن کے سربراہ تین افراد تھے جن کے نام عاقب، سید اور ابو حارثہ بن علقمہ تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے بات چیت شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں جن میں حضرت مریم علیہا السلام کے حالات اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا بیان ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اگر وہ آپ پر ایمان نہ لائیں اور آپ کی پیروی نہ کریں تو ان سے مباہلہ کیجیے۔ لیکن جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا عزم وارادہ دیکھا تو مباہلہ سے باز آ گئے اور صلح کی پیش کش کرنے لگے۔ ان کے سردار عاقب نے وفد کو مخاطب کر کے کہا: اے عیسائیوں کی جماعت! تمہیں خوب معلوم ہے کہ محمد ﷺ نبی اور رسول ہیں۔ انہوں نے تمہارے نبی کے متعلق خوب تفصیلی باتیں بیان فرمائی ہیں۔ تمہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ جس قوم نے بھی کسی نبی سے مباہلہ کیا ہے وہ نیست ونابود ہوگئی، لہٰذا اگر تم بھی مباہلہ کرو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ اس لیے اگر تم اپنے ہی دین وعقائد پر قائم رہنا چاہتے ہو تو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اپنے وطن لوٹ جاؤ۔ انہوں نے سردار کی بات مان لی اور رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی کہ وہ جزیہ دے کر اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہیں۔ آپ نے جزیہ کی وصولی کے لیے ان کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہودی قوم تین حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ کچھ لوگ تو ایمان لانے کی بجائے کفر پر اڑے رہے۔ انہوں نے آپ اور آپ کی والدہ محترمہ پر نازیبا الزام تراشی کی اور کچھ یہودی آپ پر ایمان لانے کا دعویٰ کر کے غلو میں مبتلا ہو گئے اور آپ کو اللہ قرار دیا اور ایک فرقہ نے آپ کو اللہ کا بیٹا تسلیم کیا۔ صحیح ایمان رکھنے والوں نے آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول تسلیم کیا۔ نجات کے مستحق یہی لوگ ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص یہ گواہی دے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور

محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے آنے والی ایک روح ہیں اور جنت ایک حقیقت ہے اور جہنم بھی ایک حقیقت ہے' اللہ تعالیٰ اس (مومن) کو جنت میں داخل کر دے گا، اس کے عمل جتنے بھی ہوں (اگر تھوڑی نیکیاں ہوں گی تب بھی ایمان کی برکت سے نجات مل جائے گی۔")[1]

عقیدہ تثلیث کی تردید

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اس طرح وہ کائنات کے تین خداؤں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدے کی بھرپور تردید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم کے آخر میں فرمایا:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ ﴾

"اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انہوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا ہے اور اللہ کے لائق نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ تمام جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اللہ کے رُوبرو بندے ہو کر آئیں گے۔ اُس نے اُن (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اسی کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔" (مریم: 19/88-95)

ان آیات میں بیان ہے کہ اولاد ہونا اللہ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ ہر چیز اس کی مخلوق اور اس کے دست قدرت کے تحت ہے۔ اس کے لیے اولاد کا عقیدہ رکھنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے، زمین تہس نہس ہو جائے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں تو بالکل مناسب ہوگا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالىٰ ﴿يأهل الكتاب......﴾، حديث:3435

﴿شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝﴾

''اور اُن لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، حالانکہ اُن کو اُسی نے پیدا کیا، اور بے سمجھے اُس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔ وہ اُن باتوں سے پاک ہے جو اُس کی نسبت بیان کرتے ہیں اور (اُس کی شان) اُن سے بلند ہے۔ (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (ہے) اُس کے اولاد کہاں سے ہو جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں اور اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ یہی (اوصاف رکھنے والا) اللہ تمہارا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے) لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔ (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔'' (الأنعام: 6/100-103)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور اس کی طرف سے ایک روح تھے

سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے جھوٹے دعووں کی تردید کر کے بیان فرمایا کہ خود ساختہ عقیدے تراش کر غلو کا شکار نہ ہوں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعریف میں جائز حد سے آگے نہ بڑھیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝﴾

''اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ اللہ تھے نہ اللہ کے بیٹے بلکہ) اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے' لہٰذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یہ) نہ کہو (کہ الٰہ) تین ہیں۔ (اس اعتقاد سے) باز آجاؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز

کافی ہے۔ مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہ اُن کو اُن کا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زائد بھی عنایت کرے گا اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے) عار و انکار اور تکبر کیا اُن کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا اور یہ لوگ اللہ کے سوا اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔'' (النساء: 4/171-173)

لہٰذا ضروری ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول اور ان کی والدہ کو اللہ کی نیک اور پاک باز بندی تسلیم کیا جائے۔ [رُوحُ اللّٰهِ] ''اللہ کی روح'' سے مقصود محض ان کے بلند مقام و شرف کا بیان ہے۔ جیسے بیت اللہ ''اللہ کا گھر'' اور [نَاقَةُ اللّٰهِ] ''اللہ کی اونٹنی'' کہتے وقت صرف مقام و مرتبہ اور شرف کے اظہار کے لیے اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ''روح اللہ'' کا مطلب ''اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک مقدس اور محترم روح ہے۔''

ابنیت الٰہی کے عقیدہ کی قرآنی تردید

عیسائیوں کے علاوہ یہودی اور مشرکین عرب بھی یہ غلط عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۖ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِـُٔونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝ ﴾

''اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ اُن کے منہ کی باتیں ہیں۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ یہ بھی انہی کی ریس کرنے لگے ہیں۔ اللہ ان کو ہلاک کرے۔ یہ کہاں بہکتے پھرتے ہیں!'' (التوبۃ: 9/30)

عرب کے بعض مشرک قبائل یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جو جنوں کی معزز خواتین سے پیدا ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ إِنٰثًا ۚ أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ۚ سَتُكْتَبُ شَهٰدَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُونَ ۝ ﴾

''اور انہوں نے فرشتوں کو (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا، حالانکہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ عنقریب اُن کی شہادت لکھ لی جائے گی اور اُن سے باز پرس کی جائے گی۔'' (الزخرف: 43/19)

اور مزید فرمایا:

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝﴾

”اُن سے پوچھوتو کہ بھلاتمہارے پروردگار کے لیےتو بیٹیاں اوراُن کے لیے بیٹے؟ یا ہم نے فرشتوں کوعورتیں بنایا اور وہ (اُس وقت) موجود تھے؟ دیکھو! یہ اپنی گھڑی ہوئی (بات) کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟ تم کیسے لوگ ہو؟ کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو؟ بھلاتم غور کیوں نہیں کرتے؟ یا تمہارے پاس کوئی صریح دلیل ہے؟ اگرتم سچے ہوتو اپنی کتاب پیش کرواور انہوں نے اللہ میں اورجنوں میں رشتہ مقرر کیا' حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ (اللہ کے سامنے) حاضر کیے جائیں گے۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں، اللہ اُس سے پاک ہے مگر اللہ کے بندگان خالص (مبتلائے عذاب نہیں ہوں گے۔“
(الصافات: 37/149-160)

ایک اورمقام پر فرمایا:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

”اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ وہ پاک ہے (اس کے نہ بیٹا ہے نہ بیٹی) بلکہ (جن کو یہ لوگ اس کے بیٹے اور بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ اس کے عزت والے بندے ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کرنہیں بول سکتے اوراسی کے حکم پرعمل کرتے ہیں۔ جوکچھ ان کے آگے ہو چکا ہےاور جو پیچھے ہوگا وہ سب سے واقف ہےاوروہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے اللہ خوش ہواور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“ (الأنبياء: 21/26-29)

سورۂ کہف کے شروع میں فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا

مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ وَّ يُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴾

''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (محمد) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہ رکھی (بلکہ) سیدھی (اور سلیس اتاری) تاکہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے ڈرائے جو اُس کی طرف سے آنے والا ہے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوش خبری سنائے کہ ان کے لیے (اُن کے کاموں کا) نیک بدلہ (یعنی بہشت) ہے جس میں وہ ابد الآباد تک رہیں گے اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے۔ اُن کو اس بات کا کچھ بھی علم نہیں اور نہ اُن کے باپ دادا ہی کو تھا (یہ) بڑی سخت بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔'' (الکہف: 18/1-5)

نیز ارشاد ہے:

﴿ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴾

''وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ اس کی ذات (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے۔ (اے افترا پردازو!) تمھارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں ہے (تو) تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو جانتے نہیں ہو؟ کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں، فلاح نہیں پائیں گے۔ (ان کے لیے جو) فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر انھیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اُس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔'' (یونس: 10/68-70)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنی الوہیت کی تردید

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۞ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞ ﴾

''وہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح (عیسیٰ) الٰہ ہیں، حالانکہ مسیح یہود سے کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا، اللہ اُس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ وہ (لوگ) بھی کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ الٰہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ اُس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وعقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں، وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے، پھر یہ کیوں اللہ کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف پیغمبر ہیں۔ اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور اُن کی والدہ صدیقہ تھیں۔ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو! ہم ان لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ (یہ) کدھر اُلٹے جارہے ہیں؟'' (المائدۃ: 5/72-75)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کو کفر قرار دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اور ان کی والدہ بھی مخلوق اور انسان تھے۔ اللہ کی عبادت کرنے والے اور اسی کی طرف بلانے والے تھے اور تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر وہ اس گستاخانہ عقیدے سے باز نہ آئے تو انہیں آخرت میں جہنم کی سزا بھگتنا پڑے گی اور ذلت ورسوائی ان کا مقدر ہوگی۔ ان آیات میں تثلیث کے خود ساختہ عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ تو ایک ہی ذات ہے، وہ قابل تقسیم نہیں۔ آخر میں توبہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر وہ توبہ کرلیں تو اللہ کی عظیم رحمت انہیں حاصل ہوسکتی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ بھی صدیقہ یعنی انتہائی سچی اور پاک باز تھیں۔ ان سے کوئی غیر شریفانہ حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ یہود کا الزام سراسر جھوٹ ہے۔ اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت کا منصب حاصل نہیں تھا جیسے بعض علماء نے غلط فہمی سے موقف اختیار کیا ہے۔ ﴿ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ﴾ ''دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔'' اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں دوسرے انسانوں کی طرح کھانا کھانے کی ضرورت ہوتی تھی، لہٰذا وہ الٰہ نہیں ہو سکتے۔ ان کے باطل عقیدے کی تردید سورۂ مائدہ کی آخری آیات سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرلو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے یہ میرے لائق نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اُسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے میں اُسے نہیں جانتا۔ بیشک تو علام الغیوب ہے۔ میں نے اُن سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا' وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا اُن (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا۔ جب تو نے مجھے دنیا سے اُٹھالیا تو تو اُن کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بیشک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' (المائدۃ: 5/116-118)

قیامت کے دن اس سوال جواب کا مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت افزائی اور ان لوگوں کے اعمال اکارت ہونے کا اعلان ہے جنھوں نے محبت اور عقیدت کے نام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی تھی، انہیں ان اعمال پر کسی ثواب کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ جب عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے تو اللہ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ آپ نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ لیکن جھوٹی باتیں گھڑ کر آپ کے ذمے لگانے والوں کو زجر و توبیخ کے لیے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ﴾ ''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی معبود قرار دے لو؟ عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے: ''میں تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں کہ تیرا کوئی شریک ہو۔ مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔'' کیونکہ یہ صرف تیرا حق ہے کہ اپنی عبادت کا حکم دے۔ ﴿ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ ''اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھ کو اس کا علم ہے۔ تو میرے دل کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے، اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیب جاننے والا تو ہی ہے۔''

اس انداز کلام میں اللہ تعالیٰ کا انتہائی ادب واحترام ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ﴿ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ ﴾ ''میں نے ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا'' اور وہ یہ تھا: ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ ﴾ ''کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ میں ان پر گواہ رہا، جب تک اُن میں رہا پھر جب تو نے مجھ کو اُٹھا لیا'' یعنی جب لوگوں نے مجھے صلیب پر چڑھانے اور شہید کرنے کا ارادہ کیا تو تو نے مجھ پر رحمت فرماتے ہوئے آسمانوں پر زندہ اُٹھا کر اُن سے بچا لیا۔ کسی اور کی صورت مجھ جیسی بنا دی اور لوگوں نے اس پر اپنا غصہ نکال لیا۔ یہ سب کچھ ہوا ﴿ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴾ ''تو تو ہی ان پر نگران رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔''

پھر وہ تمام معاملات کا مختار اللہ ہی کو قرار دیتے ہوئے اور عیسائیت کا خود ساختہ مذہب اختیار کرنے والوں سے اظہار براءت فرماتے ہوئے ارشاد فرمائیں گے: ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ ''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔'' آپ بخشش کو اللہ کی مشیت اور مرضی پر منحصر فرمائیں گے، یعنی بخشش ہو جانا ضروری نہیں بلکہ اس بات کا اظہار ہے کہ اللہ کا فیصلہ ہی نافذ ہوگا' اس لیے اللہ کی صفت عزیز اور حکیم بیان فرمائیں گے' غفور اور رحیم نہیں فرمائیں گے۔

اگر اللہ تعالیٰ اپنے لیے اولاد منتخب کرنا چاہتا تو مخلوق میں سے کسی کو بھی یہ مقام دے سکتا تھا لیکن بیٹا یا بیٹی اس کے شان کے لائق ہی نہیں۔ اس لیے فرمایا:

﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ ﴾

''اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا۔ وہ پاک ہے۔ وہی تو اللہ یکتا اور بہت قہر والا ہے۔'' (الزمر: 4/39)

اور مزید فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ۝ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ ﴾

''کہہ دو کہ اگر اللہ کی اولاد ہوتو میں (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اُس سے آسمانوں اور زمین کا مالک (اور) عرش کا مالک پاک ہے۔'' (الزخرف: 82'81/43)

نیز فرمایا:

﴿ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝ ﴾

''اور کہو کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے کہ وہ عاجز وناتواں ہے۔ اور اُس کو بڑا جان کر اُس کی بڑائی بیان کرتے رہو۔'' (بني إسرائيل: 111/17)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾

''کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ (وہ) معبود برحق جو بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔'' (الإخلاص: 112/1-4)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آدم کا بیٹا مجھے گالی دیتا ہے اور اسے یہ حق حاصل نہیں (گالی یہ ہے کہ) وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میری اولاد ہے، حالانکہ میں اکیلا ہوں، بے نیاز ہوں، نہ مجھ سے کوئی پیدا ہوا اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا اور نہ میرا کوئی ہمسر ہے۔''[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی ایسا نہیں جو اپنی توہین سن کر اللہ سے زیادہ برداشت کر سکے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے، وہ پھر بھی انہیں رزق دیتا رہتا ہے اور عافیت دیے رکھتا ہے۔''[2]

چار الہامی کتب کا وقت نزول

امام ابوزرعہ دمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات 6 رمضان المبارک کو نازل ہوئی، حضرت داود علیہ السلام پر زبور 12 رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔ یہ تورات سے چار سو بیاسی سال بعد نازل ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل 18 رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔ یہ زبور سے ایک ہزار پچاس سال بعد نازل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن 24 رمضان المبارک کو (یعنی پچیسویں رات کو) نازل ہوا۔''

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام پر 30 سال کی عمر میں انجیل نازل ہوئی اور جب آپ کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا تو آپ کی عمر مبارک 33 سال تھی۔

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4974

[2] مسند أحمد: 395/4 و صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب في الكفار، حديث: 2804

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

''جب اللہ (عیسیٰ علیہ السلام سے) فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! میرے اُن احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیے۔ جب میں نے روح القدس (یعنی جبریل) سے تمہاری مدد کی۔ تم جھولے میں اور جوان ہوکر (ایک ہی طرح) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے۔ اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائی۔ اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتا تھا اور مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے ٹھیک کر دیتے تھے اور مُردے کو میرے حکم سے (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا کرتے تھے۔ اور جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں) کو تم سے روک دیا۔ جب تم ان کے پاس کھلے نشان لے کر آئے تو جو اُن میں سے کافر تھے کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔ اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ! وہ کہنے لگے کہ (پروردگار!) ہم ایمان لائے' لہٰذا تو شاہد رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں۔'' (المائدۃ: 111'110/5)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ کا عظیم احسان یہ تھا کہ انہیں اپنا پیغمبر بنایا۔ آپ کو ایک امتیازی وصف بھی حاصل تھا جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوا کہ آپ کو والد کے بغیر صرف والدہ محترمہ سے پیدا کیا گیا اور پھر آپ کی والدہ کو لوگوں کی نازیبا باتوں سے معجزانہ طور پر مبرا ثابت کیا گیا۔ اس لیے فرمایا: ﴿ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ ''جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔'' یعنی جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی روح آپ کی والدہ کی طرف بھیجی اور جب آپ منصب رسالت پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ رہا اور کافروں سے آپ کا بچاؤ کیا۔ ﴿ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ﴾ ''تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی۔'' یعنی آپ نے بچپن اور گہوارے میں بھی اللہ کی طرف بلایا اور ڈھلتی جوانی کے

وقت بھی اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ ﴿وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ﴾ ''اور جب میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھائیں اور تورات وانجیل کی تعلیم دی۔'' بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد تورات وانجیل کے الفاظ اور معانی ومفاہیم دونوں کی تعلیم مراد ہے۔ ﴿وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ﴾ ''اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے۔'' یعنی آپ اللہ کے حکم سے گارے سے پرندوں کی صورت بناتے تھے۔ ﴿فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ﴾ ''پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے، جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے۔'' حکم کا لفظ دوبارہ ارشاد فرمایا تا کہ یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذاتی طور پر یہ طاقت حاصل تھی۔ یہ لفظ فرما کر واضح کر دیا کہ وہ ایک معجزہ تھا۔ ﴿وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ﴾ ''اور تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے۔'' مادرزاد نابینا کی بینائی کسی علاج سے حاصل نہیں ہوسکتی اور برص کی بیماری جب پرانی ہو جائے تو اس کا علاج ممکن نہیں رہتا۔ ﴿وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ﴾ ''اور جب تم مُردوں کو نکال کھڑا کرتے تھے میرے حکم سے۔'' یعنی وہ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آتے تھے۔ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا۔ ﴿وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ''اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا، جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے، پھر ان میں جو کافر تھے، انہوں نے کہا تھا: یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔'' اس سے مراد وہ واقعہ ہے جب دشمنوں نے آپ کو سولی دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے درمیان سے زندہ سلامت اُٹھا لیا اور وہ آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔

﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾

''اور جب میں نے حواریوں کو وحی کی کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم پورے فرماں بردار ہیں۔'' وحی سے مراد الہام ہے یا رسول کے واسطے سے ان تک وحی پہنچا کر اسے قبول کرنے کی توفیق دینا ہے۔ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ کا ایک انعام تھا کہ آپ کو مخلص ساتھی میسر آئے جو آپ کے ساتھ مل کر لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہ احسان ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

''وہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی اور اُن کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے، تب بھی اُن کے دلوں میں اُلفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے اُن میں اُلفت ڈال دی۔ بے شک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔'' (الأنفال : 8/62'63)

مزید ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۚ وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ
قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ
طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ
وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَلَمَّآ اَحَسَّ
عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ
وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝
وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ﴾

’’اور وہ (عیسیٰ) انہیں لکھنا (پڑھنا) اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائیں گے اور بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہو کر جائیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں‘ وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت بہ شکل پرندہ بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے (سچ مچ) پرندہ ہو جاتا ہے اور اندھے اور ابرص کو تندرست کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مُردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے۔ اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لیے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں اُن کو تمہارے لیے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں‘ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو‚ کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے‘ سو اسی کی عبادت کرو‘ یہی سیدھا رستہ ہے۔ جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے نافرمانی (اور نیت قتل) دیکھی تو کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اللہ کا طرفدار اور میرا مددگار رہو؟ حواری بولے کہ ہم اللہ کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ اے پروردگار! جو (کتاب) تو نے نازل فرمائی ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے اور (تیرے) پیغمبر کے متبع ہو چکے۔ تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ رکھ اور انھوں نے (قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) تدبیر کی اور اللہ نے بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) تدبیر کی اور اللہ خوب تدبیر کرنے والا ہے۔‘‘ (آل عمران 3/48-54)

حضرت موسیٰ‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے خاص معجزات: کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو وہ معجزہ دیا جو اس کے دور کے لوگوں کی مہارت سے مناسبت رکھتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا شہرہ تھا اور

بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود تھے' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ معجزہ ملا، جس سے جادوگر بھی ششدر رہ گئے۔ چونکہ وہ جادو کی تمام باریکیوں سے واقف تھے' لہٰذا وہ فوراً سمجھ گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ جادو نہیں بلکہ اللہ کی خاص عنایت اور مدد ہے اور آپ یقیناً رسول ہیں، چنانچہ وہ بلاتوقف ایمان لے آئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب وعلاج کے عروج کا زمانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے معجزات دیے جو ماہر فن طبیبوں کے بس کی بات نہ تھے۔ آپ کو مادرزاد نابینا کو صحت یاب کرنے کا معجزہ ملا۔ کوئی ماہر سے ماہر طبیب اور ڈاکٹر قبر میں پڑے ہوئے مردے کو زندہ نہیں کرسکتا۔ اس سے معجزے کی صداقت اور اس کو ظاہر کرنے والے کی قدرت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت اس ماحول اور زمانے میں ہوئی جس میں فصاحت وبلاغت کا دور دورہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو معجزہ بنا کر نازل کیا جس کے مقابلے میں آج تک ایک بھی سورت پیش کرنا ممکن نہیں ہوا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور اللہ کی طرف بلایا تو اکثر لوگوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ چند پاک باز اور نیک لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ آپ کی مدد کی اور آپ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچایا۔ کچھ شریر افراد ایسے تھے جنھوں نے آپ کی مخالفت کی۔ وقت کے حکمران کو غلط اطلاعات پہنچائیں حتیٰ کہ آپ کو شہید کرنے اور سولی دینے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بچا کر اوپر اُٹھا لیا۔ آپ کی شکل وشباہت کسی اور شخص کو دے دی جسے انہوں نے عیسیٰ سمجھ کر سولی پر لٹکا دیا۔ بہت سے عیسائی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ صلیب پر لٹکایا جانے والا شخص مسیح ہے۔ لیکن دونوں فریق غلطی پر ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ آپ نے لوگوں کو آخری نبی کی بعثت کی خبر دی جس پر نبوت کا سلسلہ ختم ہونے والا تھا۔ آپ نے انہیں نبی علیہ السلام کا نام بھی بتا دیا اور آپ کی واضح علامات بھی بیان فرمائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۞ ﴾

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا

ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا اُن کی بشارت دیتا ہوں (پھر) جب وہ اُن لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جسے بلایا تو اسلام کی طرف جائے اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں' حالانکہ اللہ اپنی روشنی پوری کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہوں۔'' (الصف: 8-6/61)

مزید ارشاد الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

''وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی اُمّی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں۔ سو جو لوگ اُن پر ایمان لائے اور اُن کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور اُن کے ساتھ نازل ہوا ہے، اُس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں۔'' (الأعراف: 157/7)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔''[1]

جب بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے کھڑے ہو کر وعظ فرمایا اور بتایا کہ بنی اسرائیل میں سے نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اب عرب سے نبی اُمّی پیدا ہوگا جو سلسلہ نبوت کو مکمل طور پر ختم کرنے والا ہوگا اور اس کا نام ''احمد'' ہوگا۔

نزولِ مائدہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر آپ کی قوم کے لیے آسمان سے دستر خوان نازل فرمایا۔

---

[1] مسند أحمد: 262/5

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۞ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۞ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۞ ﴾

”وہ وقت یاد کے قابل ہے جب حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرما دے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو۔ وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما! کہ وہ ہمارے لیے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لیے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور تیری طرف سے ایک نشان ہو جائے اور تو ہم کو رزق عطا فرما دے اور تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں‘ پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔“ (المائدۃ 5/112-115)

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو حکم دیا کہ تیس روزے رکھیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب تیس روزے پورے ہو گئے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آسمان سے ایک دستر خوان نازل ہوتا کہ وہ اس میں سے کھائیں اور انہیں یہ اطمینان بھی حاصل ہو جائے کہ ان کی عبادت قبول ہو گئی ہے اور بعد میں خوشی کا یہ دن ان کے لیے عید کے طور پر مقرر ہو جائے تاکہ روزے رکھنے کے بعد اس دن خوشی منایا کریں اور یہ آسمانی کھانا اتنا ہو کہ ہر امیر غریب کے لیے کافی ہو جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں نصیحت کی کہ وہ اس مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں۔ آپ کو خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ لوگ اس نعمت کا صحیح شکر ادا نہیں کر سکیں گے جس پر اللہ کا غضب نازل ہو جائے گا، تاہم لوگوں نے اصرار کیا کہ اللہ سے یہ درخواست ضرور کریں۔ ان کے اصرار پر آپ اون کا (سادہ اور معمولی) ٹاٹ پہن کر مصلّی پر کھڑے ہو گئے۔ سر جھکا کر آنکھوں سے آنسو بہانے لگے اور انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ سے دعا کی کہ ان کی یہ درخواست قبول ہو جائے۔

تب اللہ تعالیٰ نے آسمان سے دستر خوان نازل فرمایا۔ لوگ دیکھ رہے تھے کہ وہ بادلوں کے درمیان آہستہ آہستہ نیچے آ رہا ہے۔ وہ لحہ بہ لحہ قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعائیں مانگ رہے تھے کہ اس کا نزول رحمت و برکت کا باعث ہو، عذاب کا باعث نہ ہو۔ قریب ہوتے ہوتے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے آ کر ٹک گیا۔ وہ رومال سے ڈھانپا ہوا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: [بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الرَّازِقِيْنَ] "سب سے بہتر رزق دینے والے اللہ کے نام سے۔" اور رومال اُٹھا دیا۔ دستر خوان پر سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں۔ ایک قول کے مطابق سرکہ، انار اور دوسرے پھل بھی تھے۔ اس کی بہت عمدہ خوشبو تھی۔ ان تمام اشیا کو اللہ تعالیٰ نے [کُنْ] کہہ کر پیدا فرمایا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ کھانا شروع کریں۔ لوگوں نے کہا: "پہلے آپ شروع کریں۔" آپ نے فرمایا: "اس کا سوال تو تم ہی نے کیا تھا!" پھر بھی انہوں نے شروع کرنے سے انکار کیا۔ آپ نے غریبوں، محتاجوں اور معذوروں کو حکم دیا کہ کھانا شروع کریں۔ ان کی تعداد ایک ہزار تین سو کے قریب تھی۔ انہوں نے کھایا تو ہر آفت زدہ اور بیمار تندرست ہو گیا۔ انہیں دیکھ کر اُن کو افسوس ہوا کہ ہم نے کیوں نہ کھایا۔

بعض حضرات بیان کرتے ہیں کہ پہلے پہل دستر خوان ہر روز اترتا تھا اور سب لوگ بیک وقت اس سے کھاتے تھے۔ ان کی تعداد سات ہزار افراد تک پہنچ جاتی تھی۔ کچھ مدت بعد وہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن اترنے لگا۔ جس طرح صالح علیہ السلام کی قوم کے لوگ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن معجزاتی اونٹنی کا دودھ پیتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اسے صرف غریبوں اور محتاجوں کے لیے مخصوص کر دیں۔ اس پر بہت سے لوگ دل برداشتہ ہو گئے اور منافقوں نے نازیبا باتیں کہنا شروع کر دیں۔ تب دستر خوان اترنا بالکل بند ہو گیا اور نبی علیہ السلام پر تنقید کرنے والوں کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔

بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ دستر خوان نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ "پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد حق ناشناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔" اس پر وہ ڈر گئے اور مطالبہ واپس لے لیا۔ علاوہ ازیں عیسائیوں کی کتابوں میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں، حالانکہ اتنا اہم واقعہ نقل ہونا چاہیے تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند فرمودات

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے قیامت کا ذکر ہوتا تو آپ رو پڑتے۔ فرماتے: "ابن مریم

کے لیے مناسب نہیں کہ قیامت کا ذکر سن کر خاموش رہے۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا: ''جس طرح بادشاہوں نے حکمت ودانائی تمہارے لیے چھوڑ دی ہے، تم دنیا ان کے لیے چھوڑ دو!'' آپ نے فرمایا: ''مجھ سے دریافت کرو! میں نرم دل ہوں اور اپنی نظر میں چھوٹا ہوں۔''

آپ نے حواریوں سے فرمایا: ''جو کی روٹی کھاؤ، سادہ پانی پیو اور دنیا سے صحیح سلامت امن وامان کے ساتھ رخصت ہو جاؤ! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی مٹھاس آخرت کی تلخی ہے اور دنیا کی تلخی آخرت کی مٹھاس ہے۔ اللہ کے بندے عیش پسند نہیں ہوتے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں: سب سے برا شخص وہ عالم ہے جو اپنے علم سے اپنی خواہش کو مقدم رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب لوگ اسی جیسے بن جائیں۔'' آپ فرماتے تھے: ''دنیا میں سے گزر جاؤ، اسے گھر نہ سمجھ لو۔''

نیز آپ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرا ہے اور (ناجائز) نظر سے دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اے آدم کے کمزور بیٹے! تو جہاں بھی ہو، اللہ سے ڈرتا رہ! دنیا میں مہمان کی طرح رہ اور مسجدوں کو گھر بنا لے، اپنی آنکھوں کو رونا سکھا، جسم کو صبر کی تعلیم دے اور دل کو غور وفکر کی عادت ڈال، کل کے رزق کا فکر نہ کر، یہ بھی گناہ ہے۔''

رفع آسمانی یا صلیب پر موت؟

کچھ یہودیوں کی چغلیوں اور سازشوں سے بادشاہ وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بحفاظت آسمان پر اٹھالیا۔ جبکہ یہودی اور عیسائی اس باطل عقیدے پر قائم ہیں کہ انہوں نے اپنے نبی کو سولی چڑھا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل عقائد کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾

''اور وہ (یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور اللہ نے بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) تدبیر کی اور اللہ خوب تدبیر کرنے والا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اُٹھالوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کر دوں گا اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے اُن کو کافروں پر قیامت تک فائق (اور غالب) رکھوں گا۔ پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آؤ گے تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے، اُسی دن تم میں اُن کا فیصلہ کر دوں گا۔'' (آل عمران: 55'54/3)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝ ﴾

''اُن کے عہد توڑ دینے اور اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (اللہ نے اُن کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے اُن پر مہر لگا دی ہے' لہٰذا یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور اُن کے کفر کے سبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر (کہلاتے) تھے، قتل کر دیا ہے (اللہ نے اُن کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ اُن کو اُن جیسی صورت معلوم ہوئی۔ اور جو لوگ اُن کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ اُن کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور سوائے ظن و گمان کی پیروی کے ان کو اس کا کوئی علم نہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے اُن پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن اُن پر گواہ ہوں گے۔'' (النساء: 4/155-159)

ان آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن یہودیوں نے وقت کے بادشاہ کے دربار میں آپ پر جھوٹے الزامات لگائے اور آپ کو سولی پر چڑھا کر شہید کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان پر اُٹھا لیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ آپ کے ساتھ گھر میں بارہ حواری موجود تھے۔ آپ گھر میں موجود ایک چشمہ سے غسل فرما کر اُن کے پاس تشریف لائے۔ آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تم میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ دفعہ انکار کرے گا۔''

پھر فرمایا: ''تم میں سے کون اس بات پر تیار ہے کہ اسے میری شکل و شباہت دے دی جائے اور اسے میری جگہ شہید کر دیا جائے، پھر وہ (جنت میں) میرے درجے میں میرے ساتھ ہو؟'' حاضرین میں سے سب سے کم عمر نوجوان نے اُٹھ کر کہا: ''میں۔'' آپ نے اسے فرمایا: ''بیٹھ جا!'' پھر آپ نے حاضرین سے دوبارہ یہی سوال کیا، پھر وہی جوان اُٹھا اور کہا:

''میں۔'' آپ نے فرمایا: ''تم ہی یہ مقام حاصل کرو گے۔''

چنانچہ اس کی شکل وصورت بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہوگئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھر کے ایک روزن سے نکال کر آسمان پر پہنچا دیا گیا۔ تلاش کرنے والے یہودی آئے تو آپ کے ہم شکل حواری کو پکڑ کے لے گئے۔ اسے سولی پر لٹکا یا اور شہید کر دیا، چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نے بارہ دفعہ ایمان سے انکار کیا۔

- **عیسائیوں کے تین فرقے:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفعت کے بعد عیسائیوں کے تین فرقے ہو گئے:
- ایک فرقے نے کہا: ''خود اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان کچھ عرصہ موجود رہا، پھر آسمان پر چلا گیا۔'' یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''اللہ'' قرار دیتا ہے۔
- دوسرے فرقے نے کہا: ''ہمارے اندر اللہ کا بیٹا کچھ عرصہ موجود رہا۔ پھر جب اللہ نے چاہا، اسے اپنی طرف اُٹھا لیا۔'' یہ فرقہ ''نسطوریہ'' کہلاتا ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتا ہے۔
- ایک فرقے نے کہا: ''ہمارے اندر اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کچھ عرصہ موجود رہا، پھر جب اللہ نے چاہا اسے اپنی طرف اُٹھا لیا۔'' یہ توحید پرست حضرات تھے۔ پھر دونوں کافر فرقے توحید پرست فرقے پر غالب آ گئے اور ان لوگوں کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد عقیدۂ توحید پر مبنی دین اسلام مفقود رہا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر مبعوث فرما دیا۔[1]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس بادشاہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو شہید کرنے کا حکم جاری کیا تھا، اس کا نام داود بن نورا تھا۔ اس نے آپ کو شہید کرنے اور سولی پر چڑھا دینے کا حکم جاری کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں ایک گھر کے اندر تھے۔ انہوں نے اس گھر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ جمعہ اور ہفتہ کے درمیان کی رات تھی۔ جب وہ لوگ داخل ہونے کے قریب تھے، تو آپ کی شکل وشباہت گھر میں موجود ایک آدمی کو دے دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک کھڑکی میں سے نکال کے آسمان پر لے جایا گیا۔ جب سپاہی گھر میں داخل ہوئے تو وہاں انہیں وہ نوجوان ہی نظر آیا جس کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنا دی گئی تھی۔ انہوں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور سولی پر لٹکا دیا۔ انہوں نے مذاق اڑانے کے لیے اس کے سر پر کانٹوں کا تاج بنا کر رکھا۔ جو عیسائی وہاں موجود نہ تھے، انہوں نے یہودیوں کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واقعی صلیب پر شہید کر دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ ''اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے اُن پر ایمان نہ لا چکے۔'' سے وہ زمانہ مراد ہے جب قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے، خنزیروں کو قتل کریں گے، صلیب توڑ دیں گے، جزیہ لینا بند کر دیں گے اور

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1110/4، حديث: 6233

اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب پر قائم رہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سترہ حواریوں کے ساتھ ایک مکان میں تشریف لائے۔ دشمنوں نے محاصرہ کرلیا۔ جب وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تمام حواریوں کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنا دی۔ انہوں نے کہا: ''تم لوگوں نے ہمارا مذاق اُڑانے کے لیے ایک سی شکلیں اختیار کی ہیں۔ اب یا تو ہمیں بتا دو کہ تم میں سے عیسیٰ کون سے ہیں، ورنہ ہم تم سب کو قتل کردیں گے۔''

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''آج کون جنت کا خریدار بنے گا؟'' ایک آدمی نے کہا: ''میں۔'' چنانچہ اس نے باہر نکل کر کہا: ''میں عیسیٰ ہوں۔''

انہوں نے اس کو پکڑ کر سولی دیا اور شہید کردیا، اس لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کیا ہے۔ عیسائیوں نے بھی یہی سمجھا کہ شہید ہونے والا شخص عیسیٰ ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صحیح سلامت آسمانوں پر پہنچا دیا۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت مریم علیہا السلام اس واقعہ کے بعد پانچ سال زندہ رہیں اور ترپن (53) سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر لے جایا گیا اس وقت آپ اپنی عمر کے چونتیسویں سال میں تھے۔'' اور حدیث میں ہے: ''جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم بالوں سے خالی ہوں گے، ڈاڑھی مونچھ نہیں ہوگی، آنکھیں سرمگیں ہوں گی، تینتیس (33) سال کی عمر کے ہوں گے۔''[1]

علاوہ ازیں حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں: ''جب عیسیٰ علیہ السلام کو اُٹھایا گیا، آپ کی عمر تینتیس (33) سال تھی۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ﴾

''مسیح ابن مریم پیغمبر ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں، ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں۔'' (المائدۃ: 75/5)

مسیح کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ آپ اس زمانے کے فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے اور دین کی تبلیغ کے لیے سفر میں

[1] جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ما جاء في سن أهل الجنة، حديث:2545

رہتے تھے کیونکہ یہودی آپ کی مخالفت بہت شدت سے کرتے تھے اور آپ پر اور آپ کی والدہ محترمہ پر طرح طرح کی الزام تراشی کرتے تھے۔ ایک رائے کے مطابق ''مسیح'' کا مطلب [ممسوح القدمین] ہے، یعنی آپ علیہ السلام کے قدم مبارک ہموار اور برابر تھے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر آپ کا ذکر خیر موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ﴾

''ان کے بعد بھی ہم اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی۔'' (الحدید: 27/57)

اس کے علاوہ ارشاد ہے:

﴿وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ﴾

''اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کروائی۔'' (البقرۃ: 253/2)

صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مروی ہے: ''جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے، شیطان اس کے پہلو میں ٹھوکا دیتا ہے تو وہ رونے لگتا ہے، سوائے مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے کے۔ اس نے ٹھوکا دینا چاہا تو پردے میں ٹھوکا دے دیا۔''[1]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص یہ گواہی دے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور اللہ کی طرف سے (آنے والی) ایک روح ہیں اور جنت حق ہے اور جہنم بھی حق ہے، یعنی واقعی موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کر دے گا خواہ اس کے عمل کیسے (معمولی) ہی کیوں نہ ہوں۔''[2]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ایک آدمی اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرے، اسے اچھی تعلیم دے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دو ثواب ملتے ہیں اور جب ایک آدمی عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پر ایمان لائے، پھر مجھ پر بھی ایمان لائے، اسے بھی دو ثواب ملتے ہیں اور ایک غلام جب اپنے رب سے ڈرتا رہے (گناہوں سے بچتا رہے) اور اپنے آقا کی اطاعت کرتا رہے تو اسے بھی دو ثواب ملتے ہیں (یعنی دگنا

---

[1] صحيح البخاري' بدء الخلق' باب صفة إبليس و جنوده' حديث: 3286 و صحيح مسلم' الفضائل' باب فضائل عيسى عليه السلام' حديث: 2366

[2] صحيح البخاري' أحاديث الأنبياء' باب قوله تعالى ﴿يأهل الكتاب......﴾' حديث: 3435 و صحيح مسلم' الإيمان' باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا' حديث: 28

ثواب یا دو طرح کے نیک اعمال کا ثواب ملتا ہے۔'' [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس رات مجھے معراج کا شرف حاصل ہوا، میری ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ہوئی۔'' پھر نبی کریم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''چھریرے بدن والے، سیدھے بالوں والے جیسے قبیلہ شنوءہ کے افراد ہوتے ہیں۔'' پھر فرمایا: ''اور میری ملاقات عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ہوئی۔'' پھر آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''درمیانہ قد، سرخ فام، گویا آپ ابھی حمام سے تشریف لائے ہیں۔ اور میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ کی اولاد میں، آپ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا میں ہوں۔'' [2]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ تو سرخ فام، گٹھے ہوئے بدن والے، چوڑے سینے والے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگت کے، قد آور اور سیدھے بالوں والے تھے۔ جیسے آپ کا تعلق [زُط] ''جاٹ'' قوم سے ہو۔'' [3]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے لوگوں کے سامنے دجال کا ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یک چشم نہیں، اور مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہے۔ اس کی آنکھ اس طرح ہے جیسے پھولا ہوا انگور ہو۔ اور آج رات میں نے خواب دیکھا کہ میں کعبہ کے پاس ہوں۔ اچانک ایک گندمی رنگت کا آدمی نظر آیا۔ اس کی گندمی رنگت انتہائی خوب صورت تھی۔ اس کے بال کندھوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ بال سیدھے تھے (گھنگریالے نہ تھے) سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے کعبہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ بتایا گیا: یہ مسیح ابن مریم علیہما السلام ہیں۔

آپ کے پیچھے مجھے ایک اور آدمی نظر آیا، اس کے بال انتہائی گھنگریالے تھے، دائیں آنکھ سے کانا تھا۔ جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے، ان سب میں اس کی شکل سب سے زیادہ ابن قطن سے ملتی تھی۔ وہ بھی دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے کعبہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے کہا: ''یہ کون ہے؟'' جواب ملا: ''یہ مسیح دجال ہے۔'' [4]

نبی کریم ﷺ نے دونوں مسیحوں کا حلیہ بیان فرما دیا، ایک سچا ہدایت دینے والا مسیح اور ایک گمراہی والا مسیح، تاکہ جب اللہ کے نبی مسیح علیہ السلام نازل ہوں تو مومن انہیں پہچان لیں اور ان پر ایمان لے آئیں اور جب جھوٹا مسیح (دجال) ظاہر ہو تو اہل

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ ﴿واذكر في الكتاب مريم﴾ حديث :3446 و صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ ...... حديث :154

[2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ ﴿واذكر في الكتاب مريم﴾ حديث :3437

[3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ ﴿واذكر في الكتاب مريم...... ﴾ حديث :3438

[4] صحيح البخاري، الفتن، باب ذكر الدجال، حديث :7128 و صحيح مسلم، الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم عليهما السلام حديث :169

توحید اسے بھی پہچان کر اس سے بچ سکیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ''تو نے چوری کی ہے۔'' اس نے کہا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے چوری نہیں کی۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھ کو جھوٹی کہتا ہوں۔''[1]

اس سے آپ کا سلیم الفطرت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جب اس شخص نے قسم کھالی تو آپ نے یقین کیا کہ اللہ کی عظمت کا ذکر کر کے کوئی شخص جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا اور آنکھوں دیکھی چیز پر اس قسم کو ترجیح دیتے ہوئے اس کا عذر قبول فرمالیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر (خطبہ کے دوران میں) یہ فرماتے سنا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا: ''جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کے بارے میں غلو کر کے ان) کو حد سے بڑھا دیا تھا، تم میرے بارے میں اس طرح غلو نہ کرنا۔ میں تو صرف ایک بندہ ہوں، تم یہی کہو: اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔''[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام انبیائے کرام علیہم السلام ایک باپ کی اولاد ہیں' ان کی مائیں الگ الگ ہیں اور ان سب کا دین ایک ہے' (جس طرح سوتیلے بھائیوں کا باپ ایک ہوتا ہے، مائیں الگ الگ ہوتی ہیں، اسی طرح تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہے جو توحید، رسالت، قیامت وغیرہ پر ایمان اور سچ، دیانت داری، پاک دامنی، اخلاق حسنہ وغیرہ پر مشتمل ہے، البتہ شریعتیں الگ الگ ہیں۔) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے میرا تعلق سب سے زیادہ ہے کیونکہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں، وہ نازل ہوں گے۔ تم انہیں دیکھ کے پہچان لینا۔ آپ درمیانہ قامت اور سرخ وسفید رنگت رکھتے ہیں۔ بال سیدھے ہیں۔ ان کا سر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوں، اگرچہ بالوں کو پانی نہ لگا ہو۔ آپ کے پاس دو چھڑیاں ہوں گی۔ آپ صلیب توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیں گے۔ تمام مذاہب کو کالعدم قرار دے دیں گے، چنانچہ آپ کے دور میں صرف اسلام باقی رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے زمانے میں مسیح دجال کو تباہ فرمائے گا۔ زمین پر امن وامان کا دور دورہ ہوگا حتی کہ اونٹ اور شیر اکٹھے چریں گے، چیتے اور گائیں، بھیڑیے اور بھیڑیں اکٹھے رہیں گے۔ بچے سانپوں سے کھیلیں گے اور ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے (نہ بچے سانپوں کو ماریں گے، نہ سانپ بچوں کو ڈسیں گے) سو آپ چالیس سال زندہ رہیں گے، پھر فوت

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ ﴿واذكر في الكتاب مريم......﴾، حديث: 3444 و صحيح مسلم، الفضائل، باب فضائل عيسىٰ عليه السلام، حديث: 2368

[2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ ﴿واذكر في الكتاب مريم......﴾، حديث:3445 و مسند أحمد: 47/1

ہو جائیں گے اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ ادا کر کے آپ کو دفن کریں گے۔''[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں سفید مینار پر نازل ہوں گے جبکہ فجر کی نماز کی اقامت ہو چکی ہوگی۔ مسلمانوں کا امام آپ سے عرض کرے گا: ''یا روح اللہ! آگے بڑھ کر نماز پڑھایئے۔'' آپ فرمائیں گے: ''نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ شرف بخشا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے امیر ہیں۔''

ایک روایت میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام امام مسجد سے فرمائیں گے: ''نماز کی اقامت آپ کے لیے کہی گئی ہے۔''

چنانچہ آپ اس کی اقتدا میں نماز ادا فرمائیں گے، پھر سوار ہو کر مسلمانوں کے ساتھ مسیح دجال کا تعاقب فرمائیں گے حتی کہ لُدّ شہر[2] کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور اسے خود اپنے دست مبارک سے قتل کریں گے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کی مدت ہے۔''[3]

عیسائیوں میں عقیدۂ تثلیث کب رائج ہوا؟

مسیح علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد عیسائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ لوگ کہنے لگے: ''اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہمارے اندر موجود تھا جو آسمان پر تشریف لے گیا۔'' کچھ نے کہا: ''وہ تو خود اللہ تھا، جو انسانی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔'' کچھ کہنے لگے: ''وہ اللہ کا بیٹا تھا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴾

''ہم نے مومنوں کی، ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی، پس وہ غالب آ گئے۔'' (الصف : 14/61)

مسیح علیہ السلام سے تین سو سال بعد ایک بڑی مصیبت پیش آئی کہ عیسائی علماء میں سخت اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان کا فیصلہ کرانے کے لیے وہ لوگ رومی بادشاہ قسطنطین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے ان لوگوں کا قول پسند کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور تثلیث کے قائل تھے۔ یہ فرقہ ملکیہ کہلایا (جسے آج کل رومن کیتھولک کہتے ہیں۔)

پادری عبداللہ بن اریوس اور اس کے ساتھی جو توحید کے قائل تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ مانتے تھے، بادشاہ نے ان پر سختی کی، چنانچہ وہ لوگ جنگلوں اور وادیوں میں بکھر گئے اور زہد و قناعت کی زندگی اختیار کر لی۔ یوں وہ لوگ کم

---

[1] مسند أحمد: 406/2

[2] لُدّ فلسطین کا ایک شہر ہے، جو آج کل یہودیوں کے قبضے میں ہے۔ یہاں ایک ہوائی اڈا بھی موجود ہے۔

[3] صحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب إسلام سلمان الفارسي رضي الله عنه، حدیث: 3948

ہوتے ہوتے ناپید ہو گئے۔ (جو چند افراد باقی رہے، وہ نبی ﷺ کی بعثت پر اسلام میں داخل ہو گئے۔)

بادشاہ قسطنطین [1] نے مسیح علیہ السلام کے مقام پیدائش پر بیت لحم [2] کا شہر آباد کیا۔ اس کی ماں ہیلانہ نے کنیسہ قمامہ (یا کنیسۂ قیامہ) اس شخص کی قبر پر تعمیر کرایا، جسے مسیح علیہ السلام قرار دے کر صلیب دیا گیا تھا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے گرجاؤں میں تصویریں بنانا شروع کر دیں جب کہ پہلے مجسمے یا تصویریں بنانے کا رواج نہیں تھا۔

---

1. قسطنطین اعظم (337ء-274ء) پہلا رومی حکمران تھا جس نے عیسائیت قبول کی۔ 324ء میں اس نے عیسائیت کو رومی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دیا۔ 330ء میں اس نے روم (اٹلی) کی بجائے ''بیز نطیم'' کو دارالحکومت بنایا اور اس کا نام کانسٹنٹینو پولس (قسطنطنیہ) رکھا۔ یونانی کلیسا اسے ولی (Saint) کا درجہ دیتا ہے۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)
2. بیت لحم، بیت المقدس سے 8 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ اس کی آبادی 14 ہزار (تخمینہ 1980ء) ہے۔ اس کا ذکر 1400 ق م کے مصری ریکارڈ میں بھی ملتا ہے۔ 330ء میں قسطنطین نے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبینہ جائے پیدائش پر ایک گرجا تعمیر کرایا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری)

نتائج وفوائد ...... عبرتیں وحکمتیں

☆ **نیک اولاد کے حصول کی دعا کرنا:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہمیں نیک اولاد کے حصول کے لیے دعا والتجا کرنے کا طریقہ اور ترغیب ملتی ہے۔ اولاد کی محبت فطری ہے۔ اسلام نے ہمارے لیے حضرت زکریا علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے۔ حضرت زکریا، حضرت مریم علیہا السلام کی تربیت و پرورش کے دوران میں ان کے پاس بے موسم پھل دیکھتے ہیں تو ان کی فطری محبت جاگ جاتی ہے، حالانکہ آپ کی عمر کے خوبصورت ادوار بیت چکے تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ بھی بوڑھی ہو چکی تھیں۔ اس وقت آپ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی:

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴾

''اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔'' (آل عمران: 38/3)

آپ کی اس دعا سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ دعا والتجا ہمیشہ رب العالمین سے کرنی چاہیے۔ ہمیشہ نیک وصالح اولاد کی دعا مانگنی چاہیے، تاکہ یہ اولاد زندگی میں دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنے، نیز وفات کے بعد درجات کی بلندی کا باعث بنے۔ ارشاد رحمت دو عالم ہے:

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال تین طرح سے جاری رہتے ہیں: صدقہ جاریہ سے، نفع بخش علم سے اور ایسے نیک بیٹے سے جو اس کے لیے دعا گو رہے۔'' [1]

حضرت زکریا علیہ السلام کے اسوۂ مبارکہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دعا کی قبولیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ تسبیح وتحمید اور تکبیر وتحلیل کرنی چاہییں۔ نیک اولاد کے حصول پر اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ساتھ، اولاد کی بہتر تربیت پر بھی بھرپور توجہ دینی چاہیے۔

☆ **تقویٰ کے فوائد وثمرات:** اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے درمیان رزق کی تقسیم کا راز اپنے پاس رکھا ہے، لہٰذا جسے چاہتا ہے وافر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگی میں مبتلا کرتا ہے، البتہ مومنوں کو تلاش رزق کے لیے محنت اور کوشش کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَوٰةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ ﴾

''پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' (الجمعة: 10/62)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق کے حصول کے لیے تقویٰ بنیادی اور اہم سبب ہے۔ حضرت

[1] صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631

مریم علیہا السلام محراب میں مشغول عبادت رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور ڈر انہیں وافر نصیب ہوتا ہے، لہٰذا انہیں گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں بھی نصیب ہوتے ہیں۔ یہ بے موسم رزق عطا ہونا، تقویٰ کے سبب تھا۔

تقویٰ کے فوائد وثمرات میں سے وافر رزق عطا ہونا، تنگی کے بعد فراخی ملنا اور دنیا وآخرت کی سعادت وسرفرازی بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ ﴾

''جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔'' (الطلاق: 2/65)

نیز فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ ﴾

''اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی کر دے گا۔'' (الطلاق: 4/65)

تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝ ﴾

''اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا۔'' (الطلاق: 4/65)

اللہ کے دین کی نصرت وحمایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ جب کبھی اللہ کے دین اور اہل دین پر مشکل وقت آ جائے تو اہل ایمان کو مدد وتائید کے لیے پکارا جا سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں سے خطرہ محسوس ہوا تو آپ نے اہل ایمان کو مدد وتعاون کے لیے بلاتے ہوئے کہا:

﴿ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ﴾

''اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون ہے؟'' (آل عمران: 52/3)

اہل ایمان آپ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

﴿ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

''ہم اللہ تعالیٰ کی راہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم اطاعت گزار ہیں۔''
(آل عمران: 52/3)

مسلمانوں کی مدد، ان کی حمایت اور مشکل وقت میں ان کا ساتھ دینے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾

''نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو۔'' (المائدۃ: 2/5)

نبی آخر الزمان کے متعلق بشارت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری

ملتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوت حق کے دوران میں قوم کو آخرالزماں پیغمبر کی بشارت دے دی تھی۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مبشر بنے جبکہ جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام، آخری نبی کے لیے دعا کرنے والے ہیں۔ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ ﴾

''اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے (میری قوم) بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی تمھیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔'' (الصف: 6/61)

انجیل یوحنا میں یہ بشارت ان الفاظ میں مذکور ہے: ''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔'' (باب 16، فقرہ: 7)

چنانچہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں۔''[1]

معجزات اربعہ: اللہ تعالیٰ اپنے انبیائے کرام کی صداقت و امانت کو منوانے اور ان کی برتری کو نمایاں کرنے کے لیے حالات کے مطابق انھیں معجزات سے نوازتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگروں کا زور تھا تو آپ کو ایسا معجزہ دیا گیا جس کے سامنے تمام جادوگر عاجز آ گئے اور بالآخر ایمان لے آئے۔ نبی آخرالزماں کے امتی فصاحت و بلاغت کے ماہر تھے تو آپ کو فصیح و بلیغ قرآن عطا فرمایا گیا جس سے تمام فصحاء، بلغاء، ادباء اور شعراء عاجز آ گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں علم طب عروج پر تھا، لہٰذا آپ کو معجزات دیے گئے اور ان سے تمام ماہرین طب لاجواب ہو گئے اور آپ کی صداقت اور بالادستی ثابت ہوگئی۔ آپ کو عطا ہونے والے معجزات کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

﴿ وَ رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾

''اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا کہ میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانی لایا ہوں۔ میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے کی سی شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردے کو زندہ کر دیتا ہوں اور

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر احسن البیان، تفسیر سورۃ الصف، آیت: 6

جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو۔'' (آل عمران: 49/3)

✧ یہود کی بداعمالیاں اور سازشیں: یہود ایک ایسی بدکردار قوم ہے جس کی تاریخ حق کی مخالفت، اہل حق کو تکالیف پہنچانے اور انہیں قتل کرنے سے بھری پڑی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ان کی بداعمالیاں اور سازشیں مزید نکھر کر سامنے آتی ہیں اور تاریخ کا سیاہ باب بن جاتی ہیں۔ یہ لوگ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سچا جاننے کے باوجود اذیتیں دیتے رہے اور بعض جسمانی عیوب ان کی طرف منسوب کر کے انہیں تکلیف پہنچاتے رہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی بدترین مخالف ہو گئے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت حق اور آپ کے معجزات کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا۔ انہوں نے اپنی جھوٹی دینی اجارہ داری کو برقرار رکھنے کے لیے آپ کی دشمنی اور عداوت کی روش اختیار کی۔ حاکم وقت کے کان آپ کے خلاف بھرے تا آنکہ وہ آپ کو سولی دینے پر راضی ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحفاظت آسمانوں پر اٹھا لیا اور یہ مکار لوگ آپ کے ایک ہم شکل کو سولی دے کر خوشیاں مناتے رہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی مدد و تائید فرما کر اپنی سنت کا اتمام کیا کہ وہ ہمیشہ اپنے ماننے والوں کے ساتھ ہے۔

✧ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے یہ درس ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے: ﴿كُنْ﴾ ''ہو جا'' ﴿فَيَكُونُ﴾ ''وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔'' (یٰس: 83/36)

اس ذات باری تعالیٰ نے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر والدین کے اور حضرت حوا علیہا السلام کو بغیر ماں کے پیدا فرمایا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی کمال قدرت سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو بہو آدم کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا! پس وہ ہو گیا۔''
(آل عمران: 59/3) اس طرح آپ کی پیدائش اہل ایمان کے لیے عظیم الشان نشانی ہے۔

✧ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت تشریف لائیں گے، اور زمین پر دین اسلام کا بول بالا کریں گے، صلیب توڑ دیں گے اور جزیہ قبول نہیں کریں گے بلکہ کفار سے جہاد کریں گے۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ٹھیک بصورت دیگر انہیں تہ تیغ کر دیں گے لہٰذا ارشادات نبویہ ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں بکثرت یہود و نصاریٰ قتل ہوں گے۔ آپ کے جہاد اور تبلیغ سے زمین پر وسیع و عریض فساد کے بعد امن و امان قائم ہو جائے گا۔ آپ اپنی طبعی عمر پوری فرمائیں گے اور اس کے بعد قیامت برپا ہو جائے گی۔ آپ کے نزول کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک میں ہے:

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾

"جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں۔" (آل عمران: 55/3)

مفسرین کرام کے مطابق اس آیت میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر ہے یعنی ﴿ رَافِعُكَ اِلَىَّ ﴾ "میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔" کے معنی متقدم ہیں اور ﴿ مُتَوَفِّيْكَ ﴾ "تجھے فوت کرنے والا ہوں۔" کے معنی متاخر ہیں، یعنی پہلے آپ کو آسمانوں پر اٹھا لیا جائیگا، پھر آپ قیامت کے قریب تشریف لائیں گے اور اپنی طبعی عمر پوری کر کے فوت ہوں گے۔ یہود کے ہاتھوں آپ شہید نہیں ہوں گے۔

عیسائیوں کے باطل عقائد کا رد: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامہ سے کلمہ "کن" کہہ کر پیدا فرمایا۔ آپ کی اس معجزانہ ولادت کی وجہ سے عیسائیوں میں مختلف باطل عقائد و نظریات رواج پا گئے ہیں۔ کچھ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بذات خود الٰہ قرار دے دیا تو کچھ نے آپ کی والدہ ماجدہ کو ملا کر تین معبودوں کا عقیدہ اپنا لیا جسے وہ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ان باطل عقائد کا رد ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائلین کو درج ذیل جواب دیا گیا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

"یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور دونوں کے درمیان ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔" (المائدۃ: 17/5)

عقیدۂ تثلیث یا اقانیم ثلاثہ کے قائلین کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

"وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے انہیں المناک عذاب ضرور پہنچے گا۔" (المائدۃ: 73/5)

مسلمانوں کا دوست کون؟ عیسائی یا یہود؟: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے جہاں عیسائیوں کے باطل عقائد و نظریات کا رد ہوتا ہے وہاں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عیسائیت، دیگر ادیان کی نسبت اسلام کے ساتھ قریبی اور محبت کا تعلق رکھتی ہے جبکہ یہودی مسلمانوں کے بدترین اور سخت ترین دشمن ہیں۔ موجودہ دور کے حالات و واقعات مؤخر الذکر پر عینی گواہ ہیں:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝﴾

''یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں دانشمند اور گوشہ نشین ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔'' (المائدۃ: 82/5)

یہودیوں کی اسلام دشمنی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ عناد، اعراض، غرور وتکبر، انبیائے کرام کا قتل اور ان کی تکذیب اس قوم کا شعار رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قتل کی سازشیں ان کے مذموم کردار کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

قدیم اور جدید دور کے مشرکین، خواہ وہ ہنود ہوں یا بدھ مت کے پیروکار یا بے دین مظاہر پرست سب کی کھلی اسلام دشمنی سب کے سامنے ہے۔ عیسائیوں کا جو وصف قرآن مجید نے مندرجہ بالا آیات میں بیان کیا ہے وہ یہود کے مقابلے میں ہے، یعنی عیسائی یہود کی نسبت مسلمانوں کے کچھ قریب ہیں وگرنہ اسلام دشمنی میں دونوں ہی پیش پیش ہیں۔ حالیہ صلیب و ہلال کی جنگیں یہود و نصاریٰ کے گٹھ جوڑ اور ان کی اسلام سے عداوت و دشمنی کا کھلا ثبوت ہیں۔ اسی لیے اسلام نے کفار و مشرکین سے دوستی سے منع کیا ہے، خواہ وہ یہود و ہنود ہوں یا عیسائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ﴾

''اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔'' (النساء: 144/4)

نیز فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ تو آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔'' (المائدۃ: 51/5)

مندرجہ بالا فرمان باری تعالیٰ کی روشنی میں مسلمانوں کو اپنی دوستی اور محبت کے رشتوں کو نئے سرے سے ترتیب دینا

ہوگا تا کہ یہود ونصاریٰ کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکیں' نیز عذاب الٰہی سے بچ سکیں۔

قدرت باری تعالیٰ کا انوکھا اظہار: کائنات کا ذرہ ذرہ باری تعالیٰ کی قدرت وعظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ بلند و بالا آسمان اور اس میں جگ مگ کرتے چاند ستارے، وسیع وعریض سمندر اور پہاڑوں جیسی ابھرتی ہوئی لہریں، سرسبز و شاداب، پھلوں، سبزیوں، پودوں، انسانوں اور رنگا رنگ مخلوقات سے بھرا ہوا کرۂ ارض اور راز و اسرار سے بھرپور خلا اور سیارے، قدرت کاملہ کی کرشمہ سازیوں کے منہ بولتے ثبوت ہیں۔ مالک ارض وسما کی عظمت وقدرت ہر چیز سے عیاں ہے لیکن وہ مالک اپنی کمال قدرت کا اظہار، بعض دفعہ، انوکھے اور منفرد انداز سے بھی کرتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام نومولود بچے کو لے کر قوم کے پاس تشریف لاتی ہیں تو قوم کو حیرت واستعجاب کے علاوہ آپ پر گناہ کی تہمت کا خدشہ بھی تھا۔ اس وقت ان خدشات کا ازالہ نومولود بچے کی زبانی کرانا، مالک دو جہاں کی کمال قدرت کا شاندار مظاہرہ تھا جسے عقل انسانی محال سمجھتی تھی مگر پھر اس قدرت کا مظاہرہ چشم فلک نے بھی دیکھا اور محال و ناممکن خیال کرنے والے کمزور و ناتواں انسانوں نے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وعظمت کے اس اندازِ اظہار کو کئی دوسرے مواقع پر واضح کیا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''گہوارے میں صرف تین بچوں نے کلام کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، عابد جریج کی گواہی دینے والا بچہ اور بنی اسرائیل کا ایک اور بچہ۔''[1] تفصیل کے لیے حوالہ مذکورہ بالا ملاحظہ فرمائیں۔

[1] صحيح البخاري أحاديث الأنبياء، حديث : 3436 و صحيح مسلم ' البر والصلة ' حديث:2550